

وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ الَّذِينَ إِذَا أُتُوا بِالْحَسَنَاتِ قَالُوا هَٰؤُلَاءِ مِمَّا قَدْ تَوَدَّعْتُ لَكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا حَافِظَةٌ
 رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں وہ اور سچ سے منع کریں باز آجاذ

امام عظیم
 مستنک
 مہر محمد اردو

۵۲۳ ہجری شمسی کا ایمان افروز اور بے مثل خزانہ جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ مرتب فرمایا
 عالم اسلام پر احسان عظیم فرمایا ہے
 ترجمہ و تشریح مولانا دوست محمد صاحب

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

فرید بیگ سٹال - اردو بازار لاہور

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زohaib حسن عطاری

۲۔ سدر رفیع میں سدر الفصح العروان۔ یہ خوب تکلیف سے لکھا گیا ہے۔
 اعداد و احاطہ شاعری فرما گیا ہے۔ یہ مسدود لکھا گیا ہے۔
 مذکورہ تمام اوزار میں سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔
 یہ تمام شاعری میں سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔
 اس کے بعد بیان فرمایا کہ سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔
 سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔
 سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 رسول اللہ جو کہ تم کو دین کو اور جس سے منع کریں باز آ جاؤ ،



مسنک

مہر حمزہ

امام عظیم

۵۲۳ امانیت شہابی کا ایمان اور نور اور بے مثل خزانہ جسے فقہ حنفی کے ثانی حضرت امام ابو جلیفہ مرتب فرمایا
 عالم اسلام پر احسان عظیم فرمایا ہے

الذکر ترجمہ مع تشریح

مولا نادر دست محمد شاہ صاحب

ناشر

فریدیکسٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب مسند امام اعظمؒ

ناشر فرید بک سٹال

طابع سید اعجاز احمد

مطبع عالمین پبلیکیشنز پریس لاہور

کاتب ظفر اقبال گوہر انوالہ

کل صفحات ۴۳۴

قیمت ۸۰/- روپے
۱۵۷/-

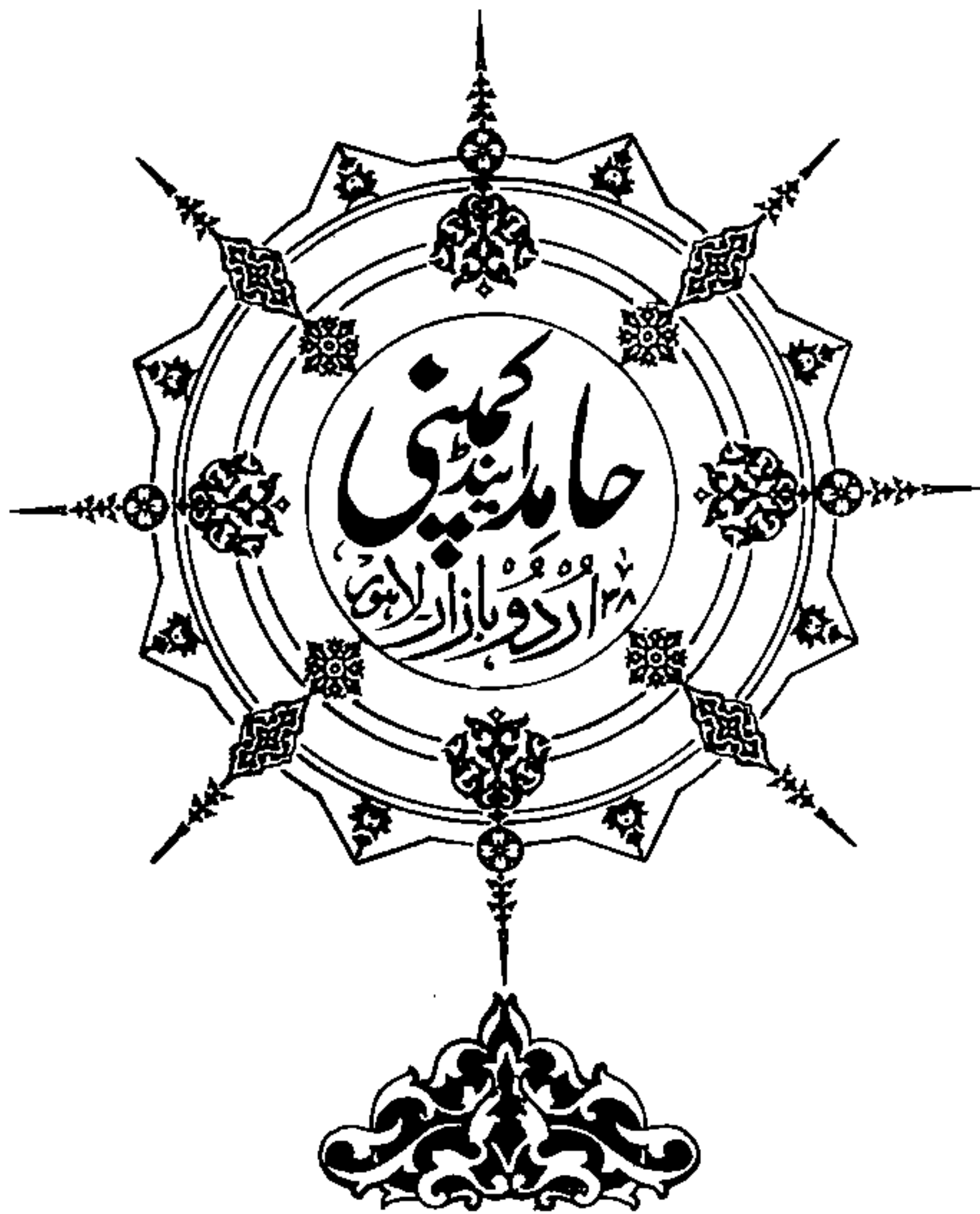
عرضِ ناشر

قرآن مجید کے بعد دینی و ثقافتی امور میں بہترین راہنما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ احادیث ہیں۔ عبادات و حقوق کے متعلق قوانین بنانے میں یہی سب سے بڑا ماخذ ہے۔ اسی لئے ائمہ مجتہدین نے قرآن کریم کے بعد حدیث کے نظم و ضبط و حفظ پر بہت زور دیا۔ چنانچہ مسلک احناف کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلے میں کافی کوشش کی اور نہایت اعلیٰ پایہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا جو بعد میں مسند امام اعظمؒ کے نام سے مختلف علما و فقہانے جمع کر کے مرتب کیا۔ قرآن کریم کے بعد یہ مرتبہ ستمہ حدیث فقہ حنفی کی اساس ہے۔ ہر حنفی مسلمان کے دل میں یہ آرزو ترپتی ہے کہ وہ فقہ حنفی کے بنیادی مسائل سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرے۔ اس واقفیت کے حصول کا بہترین ذریعہ مسند امام اعظمؒ ہے۔ اسی اہم ترین ضرورت کے پیش نظر ہم نہایت خلوص سے مسند امام اعظمؒ کا وہ نسخہ جس کو شیخ فہامہ محقق زمانہ مولانا شیخ محمد عابد ندوی نے یہ روایت حفصہ کی جمع کیا ہے کا اردو ترجمہ مع مختصر شرح جس سے حنفی مسلک کا ہر مسئلہ صاف طور پر سامنے آجاتا ہے پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ کہنے کو تو یہ احادیث کا ایک مجموعہ ہے۔ لیکن فی الحقیقت فقہ حنفی کا سراپا یہ حیات ہے۔ حدیث کتاب اللہ کے بعد شریعت اسلامی کا سب سے اہم ماخذ ہے۔ یہ بات ہر مسلمان کے بس سے باہر ہے کہ وہ صحاح ستہ کا مکمل بہ غور مطالعہ کر سکے کیوں کہ زندگی کی رفتار بہت تیز ہے۔ اور اس تیز رفتاری میں اتنا وقت نکالنا کہ صحاح ستہ پڑھ کر اس سے اپنے مسلک کے مسائل سمجھ لئے جائیں ناممکن تو نہیں لیکن دشوار ضرور ہے۔ لہذا ہم نے بڑی کوشش و شوق سے حدیث کے اس مختصر مجموعہ کو نہایت سلیس اردو میں منتقل کیا اور اب اسے آپ کے سامنے لیکر حاضر ہیں۔ ہمیں اللہ کی ذات سے یہ امید ہے کہ وہ ہماری اس ناچیز پیشکش کے طفیل ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے گا۔

نیز ہمیں پر خلوص مسلمانوں سے یہ امید ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو بہ نظر استحسان دیکھیں گے اور حدیث کے اس مجموعے کے مطالعہ کے بعد ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

ربنا فاغفر لنا وارحمنا انت مولانا

دین کا خادم
حامد لطیف



فہرست مضامین مسند امام اعظم مترجم اردو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱	کتاب الطہارت	۲۲۱	عرض نامہ فہرست مضامین اور سیرت امام ابو حنیفہؒ	۱	تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے
۲۳	پھر سے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی حرافت	۱۶	کتاب الایمان والاسلام	۲	ارکان اسلام اور قدیریہ کی مذمت
۲۵	بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان	۱۷	والقدر والشفاعة	۳	توحید اور رسالت
۲۶	کھڑے ہو کر پیشاب کرنا	۱۸		۴	مشرکین کی اولاد کے بارے میں فیصلہ دینے
۲۷	دودھ پی کر نیا وضو نہ کرے	۱۹		۵	سے توقف کرنے کا بیان
۲۸	گوشت کھا کر نیا وضو نہ کرے	۲۰		۶	اسلام کی اصل توحید کی شہادت ہے
۲۹	سواک کرنے کا حکم	۲۱		۷	باب یہ کہ بڑے بڑے گناہ کرنے سے کفر
۳۰	وضو میں اعضا میں تین بار دھونے ہیں۔	۲۲		۸	نہیں لازم آتا
۳۱	وضو ایک ایک مرتبہ ہے۔	۲۳		۹	باب مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے
۳۲	وضو کے نیچے ہوئے پانی کو اپنی رومالی پر چھڑکنا	۲۴		۱۰	تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے۔
۳۳	موزوں پر مسح کرنا	۲۵		۱۱	عمل کی ترغیب دینا
۳۴	مسح کی مدت مقرر کرنا	۲۶		۱۲	فرقہ قدیریہ کی مذمت
۳۵	جنابت کی حالت میں دوبارہ جماع کرنا۔	۲۷		۱۳	شفاعت کا بیان
۳۶	جنبی اس وقت تک نہ سوئے جب تک وضو نہ کرے۔	۲۸			
۳۷	مومن ناپاک نہیں ہے	۲۹			
۳۸	نیند میں عورت بھی ایسے ہی دیکھتی ہے جسطرح مرد دیکھتا ہے۔	۳۰			
۳۹	حمام بدترین جگہ ہے۔	۳۱			
۴۰	کپڑے سے منی کو کھرج دینا	۳۲			
۴۱	کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے	۳۳			
۴۲	کتاب الصلوٰۃ	۳۹			
۴۳	ستر کی حد ناف سے لیکر گھٹنوں تک ہے	۴۰			
۴۴	ایک کپڑے میں نماز پڑھنا	۴۱			

صفحہ	عنوان	صفحہ	نمبر شمار
۳۶	نماز اپنے وقت میں پڑھنا	۷۳	۷۳
۳۷	اسفار کی فضیلت کا بیان	۷۳	۷۴
۳۸	نماز عصر قضا ہوجانے پر سخت وعید ہے	۷۶	۷۶
۳۹	اذان اور اقامت کا بیان	۷۴	۸۰
۴۰	جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی	۸۴	۸۴
۴۱	گئی ہوئی چیز کو مسجد میں تلاش کر نیکی مانعت	۸۵	۸۵
۴۲	افتتاح نماز کا بیان	۸۶	۸۶
۴۳	نماز میں بسم اللہ بلند آواز میں نہ پڑھیں	۱۰۰	۱۰۰
۴۴	امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے	۱۰۲	۱۰۲
۴۵	تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان	۱۱۰	۱۱۰
۴۶	امام کا بیان جبکہ وہ سمع اللہ من حمدہ کہے	۱۱۱	۱۱۱
۴۷	سجدہ کی ہیئت اور کیفیت کا بیان	۱۱۲	۱۱۲
۴۸	صبح کی نماز میں دعائے قنوت کا بیان	۱۱۴	۱۱۴
۴۹	تہجد میں بیٹھنے کی حالت کیلئے ہے	۱۱۷	۱۱۷
۵۰	تشہد کا بیان	۱۱۸	۱۱۸
۵۱	امام کا نماز مختصر پڑھنا	۱۲۰	۱۲۰
۵۲	چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان	۱۲۱	۱۲۱
۵۳	مریض کی نماز	۱۲۲	۱۲۲
۵۴	ولد الزما، غلام اور دیہاتوں کا امام بننا	۱۲۵	۱۲۵
۵۵	دواؤمی جماعت ہیں۔	۱۲۶	۱۲۶
۵۶	صفوں کے ملانے کی فضیلت کے بیان میں	۱۲۷	۱۲۷
۵۷	جس نے فجر و عشاء کی جماعتوں میں شرکت کی	۱۲۷	۱۲۷
۵۸	عشاء کی نماز تیار ہو اور کھانا آجائے تو کیا صورت ہوگی	۱۲۸	۱۲۸
۵۹	اگر کوئی تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر مسجد میں آئے اور جماعت کھڑی ہو تو کیا کرے	۱۲۹	۱۲۹
۶۰	جمعہ کے دن غسل کرنا	۱۳۰	۱۳۰
۶۱	خطبہ جمعہ کا بیان	۱۳۲	۱۳۲
۱۳۳	جمعہ کی نماز میں کیا پڑھنا چاہیے	۷۳	۷۳
۱۳۴	جمعہ کی رات اور اس رات میں مرنے والے	۷۳	۷۴
۱۳۵	کی فضیلت کا بیان	۷۶	۷۶
۱۳۶	عورتوں کو بھلائی کے کاموں اور تمام مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شرکت کی اجازت ہے۔	۷۴	۸۰
۱۳۷	عید کی نماز سے پہلے اور عید کے بعد کوئی نماز نہیں۔	۸۵	۸۵
۱۳۸	سفر کی نماز میں قصر کرنا	۸۶	۸۶
۱۳۹	سواری پر نماز پڑھنا	۱۰۰	۱۰۰
۱۴۰	وتر کا بیان	۱۰۲	۱۰۲
۱۴۱	سہو کے دو سجدوں کا بیان	۱۱۰	۱۱۰
۱۴۲	سجدہ تلاوت کا بیان	۱۱۱	۱۱۱
۱۴۳	نماز میں بات چیت کرنا منع ہے	۱۱۲	۱۱۲
۱۴۴	بھول کو ظاہر کرنے کے لیے نماز میں مردوں کو تسبیح اور عورتوں کو تصفیق کرنی چاہیے	۱۱۴	۱۱۴
۱۴۵	کس چیز سے نماز ٹوٹتی ہے اور کس چیز سے نہیں۔	۱۱۷	۱۱۷
۱۴۶	سورج گرہن کی نماز	۱۱۸	۱۱۸
۱۴۷	نماز استخارہ کا بیان	۱۲۰	۱۲۰
۱۴۸	چاشت کی نماز	۱۲۱	۱۲۱
۱۴۹	اعتکاف کا بیان	۱۲۲	۱۲۲
۱۵۰	تہجد کا بیان	۱۲۵	۱۲۵
۱۵۱	فجر کی سنتیں	۱۲۶	۱۲۶
۱۵۲	جس نے مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھیں	۱۲۷	۱۲۷
۱۵۳	نماز ظہر کے بعد دو رکعت کا بیان	۱۲۸	۱۲۸
۱۵۴	گھروں میں نفل نماز پڑھنا	۱۲۹	۱۲۹
۱۵۵	کعبہ میں دو رکعت سنت پڑھنا	۱۳۰	۱۳۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۸۴	حج زور سے بیک کہنے اور قربانی کا نام ہے	۱۰۰	۱۶۲	جنازے کا بیان	۸۴
۱۸۵	احرام باندھنے کی جگہیں	۱۰۱	۱۶۸	قبر میں سوال و جواب	۸۵
۱۸۶	محرم کا لباس	۱۰۲	۱۷۱	قبروں کی زیارت اور مردوں پر سلام کرنے کا بیان	۸۶
۱۸۷	محرم کے لیے خوشبو کا استعمال	۱۰۳		کتاب الزکوٰۃ	
۱۸۸	تمتع کا بیان	۱۰۴	۱۷۲	رکاز کا حکم	۸۷
۱۸۹	محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا	۱۰۵	۱۷۳	ہر بھلائی کا کام صدقہ ہے	۸۸
۱۹۰	محرم کے لیے کس چیز کا مارنا جائز ہے	۱۰۶	۱۷۴	فقیر صدقہ کا مال دوسرے کو ہدیہ کے طور پر دے سکتا ہے	۸۹
۱۹۱	محرم کا نکاح کرنا	۱۰۷		کتاب الصوم	
۱۹۲	محرم کا پچھنے لگوانا	۱۰۸	۱۷۵	روزے کی فضیلت	۹۰
۱۹۳	رکن اور حجر اسود کو بوسہ دینا	۱۰۹	۱۷۶	پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم منسوخ ہے۔	۹۱
۱۹۴	عرفہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا	۱۱۰	۱۷۷	جنابت کی حالت میں روزہ دار کا صبح کرنا۔	۹۲
۱۹۵	کنکری پھینکنے کے بیان میں	۱۱۱	۱۷۸	روزہ دار کے لیے بوسہ لینا	۹۳
۱۹۶	اپنے قسربانی کے جانور پر سوار ہونا	۱۱۲	۱۷۹	سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے	۹۴
۱۹۷	تمتع اور قرآن	۱۱۳	۱۸۰	پے درپے روزہ رکھنے اور خاموشی کا روزہ رکھنے کی ممانعت	۹۵
۲۰۵	رمضان میں عمرہ کی فضیلت	۱۱۴	۱۸۱	ایام تشریق اور شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے	۹۶
۲۰۶	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ اطہر کی زیارت کا بیان	۱۱۵	۱۸۲	اعتکاف کرنا اور اپنی منت پوری کرنا	۹۷
	کتاب النکاح			کتاب الحج	
۲۰۷	خطبہ نکاح	۱۱۶	۱۸۳	حج میں جلدی کرنا	۹۸
۲۰۸	نکاح کا حکم	۱۱۷	۱۸۴	حاجی کی مغفرت ہے	۹۹
۲۰۹	کنواری لڑکیوں سے نکاح کی	۱۱۸			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۸	کتاب الرضاع	۲۱۰	تربیب دانا	۱۱۹	بورہی بیوہ، اور بچے والی مطلقہ عورت سے نکاح کرنے سے پرہیز کرنا
۲۲۸	دودھ کے رشتوں اور نسب کے رشتوں کی حرمت برابر ہے	۲۱۱	باجھ عورت سے نکاح کرنے سے پرہیز	۱۲۰	عورت کا منحوس ہونا
۲۲۹	کتاب الطلاق	۲۱۳	کنواری اور ثیبہ عورت سے اس کی شادی میں اجازت لینا	۱۲۱	باکرہ کی رضا حاصل کی جائے اور ثیبہ سے اجازت لی جائے
۲۳۰	طلاق میں مزاج کرنے کا بیان	۲۱۴	بغیر رضامندی عورت کا نکاح جائز نہیں ہے	۱۲۲	ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں لانے کی مانعت
۲۳۱	عدت کا بیان	۲۱۵	منتہ حرام ہے	۱۲۳	عزل کا بیان
۲۳۱	حیض میں طلاق دینا	۲۱۸	عورتوں کے پاس جس طرف سے چاہیں آنا	۱۲۴	دُبر میں عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے
۲۳۱	طلاق کو تماشا بنانا حرام ہے	۲۱۹	نسب صاحب فراش کا ہے	۱۲۵	کتاب الاستبراء
۲۳۲	دیوانہ کی طلاق طلاق نہیں ہے	۲۲۲	کتاب الاستبراء	۱۳۱	رحم کو صاف اور بری کرنا
۲۳۲	صرف اختیار دینے سے عورت طلاق نہیں ہوتی	۲۲۳	کتاب الاستبراء		
۲۳۳	منکوحہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار ہے الخ	۲۲۴	کتاب الاستبراء		
۲۳۴	لونڈی کی طلاق کا بیان	۲۲۵	کتاب الاستبراء		
۲۳۵	طلاق مقبوتہ میں عورت کے لیے مکان اور نفقہ ہے	۲۲۶	کتاب الاستبراء		
۲۳۶	اس عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو	۲۲۷	کتاب الاستبراء		
۲۳۷	سورہ بقرہ میں وفات کی مذکورہ مدت عدت منسوخ ہے	۲۲۸	کتاب الاستبراء		
۲۳۸	وہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہو الخ	۲۲۹	کتاب الاستبراء		
۲۳۹	ایلاء بالکلام کا بیان	۲۳۰	کتاب الاستبراء		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۵۷	شادی شدہ زنا کار کے سنگسار کرنے کا بیان	۱۵۹	۲۴۲	خلع کا بیان	۱۴۶
۲۶۲	ذمی کے قتل پر مسلمان سے قصاص لیا جائے گا۔	۱۶۰	۲۴۲	خرچ اخراجات کا بیان	۱۴۷
	کتاب الجہاد			کتاب التذییر	
۲۶۳	مجاہدین کی عورتوں سے پیچھے رہ جانے والوں کا خیانت کرنا حرام ہے	۱۶۱	۲۴۳	مدبر کی بیع کرنے کا بیان	۱۴۸
۲۶۳	اس وصیت کا بیان جو لشکر بھیجتے وقت کی جاتی ہے	۱۶۲	۲۴۴	ولا کا بیان	۱۴۹
۲۶۵	مشہ سے ممانعت کا بیان	۱۶۳	۲۴۵	ولا کو بیچنے اور ہبہ کرنے کی ممانعت الخ	۱۵۰
۲۶۶	خمس کو تقسیم سے قبل بیچنے کی ممانعت	۱۶۴		کتاب الایمان	
	کتاب البیوع		۲۴۵	جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت	۱۵۱
۲۶۷	مشتبہ چیزوں سے پرہیز	۱۶۵	۲۴۷	گناہ کی منت ماننا اور اس میں الخ	۱۵۲
۲۶۸	شراب پر اور اس کے متعلقات پر لعنت ہے۔	۱۶۶	۲۴۸	یمین لغو کا بیان	۱۵۳
۲۶۹	سود خوار پر لعنت ہے	۱۶۷	۲۵۰	قسم میں استثناء لانے سے قسم باطل ہے	۱۵۴
۲۷۰	سود ادھار ہی میں ہے	۱۶۸		کتاب الحدود	
۲۷۱	چھ چیزوں میں زیادتی سود ہے	۱۶۹	۲۵۰	شراب، جو آگ اور اس طرح کی دوسری الخ	۱۵۵
۲۷۲	دو غلاموں کو ایک غلام کے بدلے میں خریدنا	۱۷۰	۲۵۱	شراب نوشی اور پھوری کی سزا الخ	۱۵۶
۲۷۳	فریب والی بیع کی ممانعت	۱۷۱	۲۵۲	وہ مقدار مالیت جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے	۱۵۷
۲۷۴	بیع مزابنتہ و محاملتہ سے ممانعت	۱۷۲	۲۵۶	حدود کے دور کیے جانے کا بیان	۱۵۸
۲۷۵	میوہ کو سرخ یا زرد ہونے سے پہلے خریدنا	۱۷۳			
۲۷۶	مشتہری کی طرف سے شرط	۱۷۴			

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۹۴	حضرت عبداللہ بن مسعود کی فضیلت کے بیان میں	۱۸۹	۲۷۶	کر لینے کا بیان	۱۷۵
۳۰۲	حضرت حذیمہ کے فضائل	۱۹۰	۲۷۸	نرخ پر نرخ کرنے کی ممانعت	۱۷۶
۳۰۲	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل	۱۹۱	۲۸۰	شکاری کتے کی قیمت وصول کرنے میں رخصت ہے	۱۷۷
۳۰۲	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل	۱۹۲	۲۸۱	تنگ دست کو مہلت دینا	۱۷۸
۳۰۹	حضرت شعبی رضی اللہ عنہا کے فضائل	۱۹۳		خسریہ و فروخت میں دھوکے کی ممانعت	
۳۱۰	حضرت ابراہیم علقمہ اور عبداللہ کے فضائل	۱۹۴		کتاب الرهن	
۳۱۱	حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت	۱۹۵	۲۸۲	رہن کا بیان	۱۷۹
	کتاب فضل امۃ صلی اللہ علیہ وسلم			کتاب الشفۃ	
	رسول اللہ صلعم کی امت کی فضیلت کا بیان	۱۹۶	۲۸۳	شفۃ کا بیان	۱۸۰
	کتاب الاطعمۃ والاشربة والفحایا والصيد الذبائح			کتاب المزارعۃ	
۳۱۵	ہر چنگل دار جانور کا کھانا منع ہے	۱۹۷	۲۸۴	مزارعت کا بیان	۱۸۱
"	گھریلو گدھوں کے کھانے کی ممانعت	۱۹۸		کتاب القضاۃ	
۳۱۶	حشرات الارض کے کھانے کی ممانعت	۱۹۹	۲۸۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل	۱۸۲
			۲۹۳	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل	۱۸۳
			"	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل	۱۸۴
				حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل	۱۸۵
				حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل	۱۸۶
				حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے فضائل	۱۸۷
				حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی منقبت	۱۸۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۹۹	گوہ کے کھانے کی ممانعت	۳۱۷	۲۱۴	ہندی سے بالوں کو خضاب کرنا	۳۳۵
۲۰۰	سدھائے ہوئے کتوں کے	۳۱۹	۲۱۵	کتھ سے خضاب کرنا	"
۲۰۱	ذریعے شکار کرنا	۳۲۰	۲۱۶	ڈاڑھی کے اطراف و جوانب کی اصلاح کرنا	۳۳۶
۲۰۲	جانوروں کو ہدف بنانے کی ممانعت	۳۲۱		کتاب الطب وفضل المرض والمرقی والدعوات	
۲۰۳	عورت کا پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے	"	۲۱۷	طب، مرض کی برکت، دم اور دعاؤں کا بیان	۳۳۷
۲۰۴	ذالحمہ کے ابتدائی ۱۰ دنوں کی فضیلت	۳۲۲		کتاب الادب	
۲۰۵	سرکہ کی فضیلت	۳۲۵	۲۱۸	باب الادب	۳۳۳
۲۰۶	ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت	۳۲۶	۲۱۹	نرمی اور خوش خلقی	۳۳۵
۲۰۷	سونے چاندی کے برتن میں پینا منع ہے	"	۲۲۰	علم نجوم میں نظر کرنا منع ہے	۳۳۹
۲۰۸	بہیز کا پینا	۳۲۹	۲۲۱	زمانہ کو پیرانہ کہو	۳۵۷
۲۰۹	شراب کی قیمت کا کھانا حرام ہے	۳۳۲	۲۲۲	کسی کی مصیبت پر خوش ہونا منع ہے۔	۳۵۸
	کتاب اللباس والزینۃ			کتاب الرقاق	
۲۱۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھاد اقدس	۳۳۳	۲۲۳	دل نرم کرنے والی باتوں کا بیان	۳۵۸
۲۱۱	سدل کا بیان	۳۳۴		کتاب الجنایات	
۲۱۲	ریشم اور دیباچ پہننے کی ممانعت	۳۳۴	۲۲۴	جنایات کا بیان	۳۶۰
۲۱۳	تصویروں کا بیان	۳۳۴			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کتاب الاحکام			کتاب الوصایا	
۲۲۵	احکام کا بیان	۳۶۳		والفرائض	
	کتاب الفتن		۲۲۸	وصایا اور فرائض کا بیان	۲۸۲
۲۲۶	فتنوں کا بیان	۳۶۲		کتاب القیامۃ	
	کتاب التفسیر			وصفۃ الجنت	
۲۲۷	تفسیر قرآن	۳۶۲	۲۲۹	قیامت کا بیان اور جنت کی صفت	۲۸۸

مختصر سیرت امام ابو حنیفہ

نام و نسب | نعمان نام، ابو حنیفہ کنیت، امام اعظم لقب، شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ، شجرہ نسب سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب عجی النسل تھے۔ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ میں اسماعیل بن سجاد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں، ہم لوگ نسل فارس سے ہیں۔ اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعا کی تھی، ہم کو امیر سے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔

امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے اپنے پردادا کا نام نعمان بتایا اور سگڑ دادا کا نام مرزبان عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہیں۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام زوطی سے نعمان میں بدل دیا گیا۔ اور اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے والد کا نام غالباً کچھ اور ہوگا۔ اور ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے۔ کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارسی کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارسی میں رہیں شہر کو مرزبان کہتے ہیں اس لئے نہایت قریں قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ کہ نام، حافظ ابوالیاس نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے انہوں نے قیاس کیا کہ کیوں کہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن یہ یقیناً کہا جاسکتا ہے۔ کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان ہم معنی لفظ ہیں۔ ماہ دراصل وہی صہ ہے۔ جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں۔

امام صاحب کے دادا غلام نہ تھے | عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ وہ غلام تھے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کیوں کہ امام صاحب نے وہ شہرت دوام حاصل کی۔ جس سے جبریدہ عالم پران کی زندگی لٹش ہو گئی جیسا کہ مشہور ہے۔ ثابت است جبریدہ عالم دوام۔ بعض مورخ امام صاحب کے دادا زوطی بن کا اسلامی نام نعمان تھا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا۔ کچھ دنوں غلامی میں سے پھر اس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی غلطی ہے۔ جس کو بعض مورخوں نے امام صاحب کی حدیث خوب اچھا لائیں اگر درست بھی ہو تو یہ کوئی عیب

۱۵ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ترجمہ امام ابو حنیفہ۔

نہیں اگر ہم صحابہ کرام میں سے چوٹی کے فقہاء اور مفسرین کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان میں سے اکثر غلام تھے ان مقتدر حضرات میں ذرا ناموں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب غلام تھے لیکن ان کا نام ان کا تذکرہ باعث ثواب و عزت ہے۔ ان کے ویلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اتنی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے۔ ان بزرگوں میں سے چند یہ ہیں۔ امام حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، عطاء بن لیث، نافع، عکرمہ، کھول۔ یہ جید علماء اور فقہاء تھے۔ جو غلام تھے تو اگر امام صاحب غلام ہوئے بھی تو کیا عیب ہے؟

پھر انہی پر کیا بس ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کئی سال مصر میں غلامی کی زندگی گزاری ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ اِذَا بَقِيَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ تَوَثَّابَتْ ہوا کہ غلام ہونا کوئی عیب نہیں۔ رہا یہ سوال کہ امام صاحب دادا کی لڑائی کیسے مشہور ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں دستور ہے کہ جب کسی سے تعلق جوڑتے ہیں۔ یا کسی کو امن دیتے ہیں تو مولیٰ مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اس جگہ مذامولای کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ قوی امرکان سے کہ امام صاحب کے دادا نے بھی عرب کے کسی قبیلے سے اپنا تعلق استوار کیا ہوا اور اس تعلق کی وجہ سے مولیٰ مشہور ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال عام ہو گیا اور مورخوں نے جن کی عادت ہوتی ہے کہ بات کی تحقیق کیے بغیر اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل کو اپنے بیان میں خاص طور پر یہ کہنا پڑا کہ ہم غلام نہیں ہیں۔ اور نہ کبھی غلام ہوئے۔ اسماعیل کی روایت کئی وجہ سے قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے۔ قاضی صیری نے اس کی تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیمم اللہ کے حلیف تھے۔ زوطی کی نسبت یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ ان کا خاص شہر کون سا تھا۔ مختلف مورخوں نے کئی ایک شہروں کے نام دیے ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ یقینی طور پر صرف اس قدر قبول کیا جاسکتا ہے کہ اقلیم فارس کے کسی شہر کے باشندے تھے۔ یہ اقلیم اس زمانے میں اسلامی اثر قبول کر چکے تھے۔ اسلام کی اس اثر پذیری کی وجہ سے بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کر چکے تھے۔ غالباً زوطی اسی زمانے میں اسلام لائے ہوں گے۔ اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تمام خاندان کی ناراضگی مولیٰ لی جس کی وجہ سے اقلیم فارس سے ہجرت کر کے عرب کا رخ کیا۔

اس زمانے میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی جب زوطی نے ہجرت کی اور کوفہ کو اسلامی دارالحکومت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ زوطی نے بھی کوفہ ہی میں سکونت اختیار کی کبھی کبھار زوطی امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت سے قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے۔ ایک بار پارسیوں کے عید کے دن امیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آدراہِ محبت و عقیدت فالودہ بھیجا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ نوروز ناکل الیوم یعنی ہمارے ہاں ہر روز

عید سے۔ ثابت امام ابو حنیفہ کے والد بزرگوار کو فہرہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک سبقت لڑکے کو حضرت علی کنجد مت میں حاضر کیا آپؑ نے بزرگانہ شہادت سے وہاں سے خیر فرمائی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی اور اللہ نے اس خاندان کی عظمت قیامت تک کے لئے باقی رکھی۔

امام صاحب کے والد بزرگوار ثابت کوئی ایسی مشہور شخصیت نہ تھے کہ جس سے ان کے حالات ضبط تحریر میں لائے جاتے لہذا مورخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اللہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ مشغلہ حیات تجارت تھا۔ جب عمر عزیزہ چالیس کے قریب ہوئی تو اللہ نے وہ عظیم فرزند عطا کیا جس کے نام کو اللہ نے ربی دینا تک زندہ و تائبہ رکھا۔ امام صاحب کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار تھا۔ اس مبارک دور میں کچھ ایسے خوش قسمت لوگ موجود تھے۔ جن کی آنکھوں نے آقاؐ و دو جہاں سرکار و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کا دیدار کیا تھا اور ان خوش قسمت انسانوں میں سے کچھ امام ابو حنیفہ کے عہد شباب تک زندہ تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی۔ سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا اور ابو طفیل عامر بن اٹلہ ایک مہاجر تھے۔ امام ابو حنیفہ نے ان بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی روایت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہ اس وقت امام ابو حنیفہ نہیں تھے بلکہ ایک عاقل جزاؤں تھے۔

جوانی اور تعلیم امام صاحب چونکہ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے لہذا ان کی ساری توجہ اپنے اس آبائی پیشہ کی طرف تھی البتہ خاندانی وجاہت و عزت ایسی تھی کہ بے تعلیم بھی نہ رہے۔ اس دور کے لوگوں کی طرف کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے۔ لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے خاص طور پر تعلیم سے متعلق سمجھیں۔ البتہ انہیں ضرور ہے کہ اللہ نے جس کام کے لئے ان کو پیدا فرمایا تھا اسکے آثار امام صاحب کی روشن پیشانی میں صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے امام ابو حنیفہ کے علم دین کی طرف تحریک کے بارے میں ایک بہت عمدہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں۔

ایک دن بازار جاسے تھے، امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے، ان کا مکان راہ میں تھا سارے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے، پاس بلایا اور پوچھا کہاں جاسے ہو؟ انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں فقہی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے لحاظ نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور نہایت اہتمام سے تحقیق علم پر متوجہ ہوئے۔ اس وقت کے مروجہ علوم ادب، انساب، ایام العرب، فقہ، حدیث اور علم الکلام تھے۔

سیرت النعمانی، شبلی نعمانی،

امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک اور روایت ہے۔ جس کا سلسلہ سند خطیب بغدادی نے امام صاحب تک پہنچا یا ہے۔ لکھتے ہیں کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ جب تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم میرے سامنے تھے اور میں کشمکش میں تھا کہ ان علوم مروجہ میں سے کسی کو اختیار کروں سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خطرہ گذرا کہ وہ کوہ کندن و کاہ برآوردن سے ہے۔ ایک مدت کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اس کا اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی مہمت نہ لگا دیں۔ ادب اور قرأت کا اس کے سوا کوئی فائدہ نظر نہ آیا کہ مکتب میں بیٹھ کر پڑھ جائیں شعروشاعری میں سوائے بھوئی مدح سرائی اور بھوگوئی کے کیا دھرا ہے؟ حدیث کے لئے اولاً ایک عمر چاہے اور اس کے بعد کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر سوار رہتی کہ لوگ ہرج و مرج و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور زیادہ دین کی ضرورتیں اس سے وابستہ نظر آئیں۔

اس روایت پر علامہ شبلی نعمانی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مدبر روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو زیارک امام صاحب کی طرف منسوب کیے ہیں ایسے جاہلانہ زیارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کئے جاسکتے، اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث و کلام کی طرف امام صاحب نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کسی فن کو اپنا خاص فن بنائیں۔ اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی ہے۔

حماد کی خدمت میں حماد کوثر کے مشہور امام اور استاد وقت تھے۔ حضرت انس جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفش بردار اور خادم خاص تھے مدیث کی سماعت کی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اس وقت کوثر میں انہیں کا مدبر مرجع عام تھا۔ معروف شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہی کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولت مند و فارغ البال تھے۔ اللہ نے انہیں فکر معاش سے آزاد کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے منہایت اطمینان و دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجہ سے امام ابو حنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا، تو استاد کی کے لئے انہی کو منتخب کیا۔ اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلے پر زبانی گفتگو کرتا تھا۔ جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ لیا کرتے تھے امام ابو حنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے، کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم

۱۰ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ترجمہ امام ابو حنیفہ،

۱۱ سیرت النعمان، شبلی نعمانی ص ۴۲،

رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے۔ تو حکم دیا کہ ابو حنیفہ سے آگے بیٹھا کریں گے۔

خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں حماد کے درس میں دو برس تک رہا۔ پھر خیال ہوا کہ خود درس قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع آیا۔ اتفاق سے انہیں دونوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا انتقال کر گیا حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا اس ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھے اپنا باشندین مقرر کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ حماد کی غیر حاضری میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں ان سے پوچھنے کوئی روایت نہیں سنی تھی۔ اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاطاً ایک یادداشت لکھا گیا، دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے، میں نے وہ یادداشت خدمت میں پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں میں نے دل میں عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑ دوں گا۔

امام حماد کا انتقال ۱۲ھ میں ہوا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ اور فقہائے کرام سے بھی تحصیل فقہ کی تھی لیکن فی الحقیقت فقہ میں ان کے اول و آخر استاد حماد ہی تھے۔

امام اعظم اور علم حدیث | حماد کی زندگی ہی میں امام نے علم حدیث کی طرف توجہ کی کیوں کہ فقہ فی الدین علم حدیث سے مکمل ہو سکتا ہے۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور و شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ مسند اور روایت کے درس رکھے ہوئے تھے صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی۔ تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے۔ ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر بیوہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے۔ بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دارالعلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن بصرہ اور کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مذکورہ مقامات کا ہم سر نہ تھا کوفہ کو فخر حاصل ہے کہ یہی شہر امام ابو حنیفہ کا مسکن و مولد تھا اسلام کی تمدنی زندگی کا سب سے اہم گوارہ یہی شہر تھا۔ اس شہر کی بنیاد کی وجہ مورخین یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسری کا خاتمہ کر کے مدائن میں سکونت پذیر تھے، خط لکھا کہ مسلمانوں کے لئے ایک ایسا شہر بساؤ جو ان کا دارالہجرت اور قرار گاہ ہو، حضرت سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی، اہل اس شہر کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ اول اول معمولی قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں اسی وقت سے اطراف و اکناف

۱۷ امام ابو حنیفہ، البزہری، مصری،

سے لوگ آکر یہاں آباد ہونے لگے۔ بخوار سے ہی دونوں میں یہ شہر علم و فن کی درگاہ اور تہذیب و تمدن اسلامی کا گہوارہ بن گیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ حالت ہوئی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو مدینہ النبیہ کنز الایمان اور عجمۃ العرب جیسے القاب کے نوازا۔ بعد میں اس کی وسعت اور کشادگی دیکھ کر چند ملکی مصلحتوں کی بنا پر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی شہر کو دار الخلافہ مقرر کیا۔ نیک اور پاکیزہ صحابہ کی اقامت سے یہاں ہر طرف قال اللہ اذ قال الرسول کی صدا پئی آنے لگی۔ یہاں تک کہ کوفہ کا ہر گھر حدیث و روایت کی درخش گاہ بن گیا۔

بصرہ | بصرہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد ہوئی۔ یہ شہر بھی وسعت علم و اشاعت حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ کوفہ و بصرہ مکہ منظرہ و مدنیہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے والی علم خیال کیے جاتے تھے۔

تذکرہ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے مسروق بن الابدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابو عمر النخعی، ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمن بن ابی بلی، ابو عبدالرحمن سلمی، شریح بن الحرث، شریح بن ہانی، ابو اسل شعیق ابن سلمہ، اقیس بن حازم، محمد بن یسیر بن حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان سب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ یہ سب انہیں دونوں شہروں کے باشندے تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں سے ہیں کوفہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی فقہ کے لئے کوفہ ہے۔

فقہ میں امام صاحب نے زیادہ تر حادیں حلقہ ورسس کافی سمجھا تھا، لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی، یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ روایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی حدیثیں اس وقت نہایت پریشان اور غیر مرتب حالت میں تھیں۔ یہاں تک کہ کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو احادیث سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے یہ تعداد ضروری کے لئے بھی نا کافی تھی اس کے علاوہ طرق، روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طرق سے نہ معلوم کہاں کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا ضروری تھا۔ امام ابو حنیفہ کو عماد کی صحبت اور سختی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا۔ اس لئے نہایت سعی و اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں، اکثر مورخین نے ان کے اساتذہ کی تعداد تیرہ لاکھ بتلائی ہے۔ ان اساتذہ میں سے اکثر تابعی تھے۔

ہم یہاں مختصر ان محدثین کرام کے حالات زندگی درج کرتے ہیں کہ جس سے بآسانی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ امام صاحب فن حدیث میں کس پایہ کے عالم تھے۔

امام شعبی | یہی بزرگ ہیں جنہوں نے امام کو علم دین کی تحصیل کی ترقیب دی تھی ان سے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق، عرب اور شام میں چار اشخاص استاد کامل تسلیم کئے

جاتے تھے ان میں سے ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن السیب، بصرہ میں حسن شام میں کحول کوفہ میں خبزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایک بار مغازی کا درس دینے دیکھا تو فرمایا مولانا اللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے، ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے۔ خلفاء اور اعیان سلطنت ان کا نہایت احترام کرتے ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ میں علم حدیث کا یہ آفتاب غروب ہو گیا ۵۵۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے۔ حذیب بن عبداللہ، ابن ابی اوفیٰ ابو الطفیل اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے یحیٰ بن عیینہ فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ارکان میں سے ایک رکن ہیں ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے۔ منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ اور ابو حصین۔

ابو اسحاق سبعی کبار تابعین میں سے تھے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زہیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں تفصیل سے لکھے ہیں احادیث کی اسماعیت کی ہے۔ عجمی نے کہا ہے کہ ۲۸ صحابہ سے ان کو بالمشافہ روایت ہے علی بن المدینی جو حدیث میں امام بخاری کے استاد تھے۔ کا قول ہے کہ ابو اسحاق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کئے تو کم و بیش تین سو پھرے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت سماک بن حرب سماک بن حرب بہت بڑے محدث تھے۔ اور حدیث میں امام ابو حنیفہ کے استاد تھے۔ امام سفیان ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں راستی صحابہ سے ملا ہوں۔

حضرت محارب بن دثار محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمرؓ اور جابرؓ وغیرہ سے روایت کی، امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارب پر ترجیح دوں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً سچے ہیں سچے ابن معین، ابو ذر، دارقطنی، ابو حاتم، یعقوب ابن سفیان اور نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے، کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ وفات فرمائی۔ عون بن عبداللہ بن علیہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرؓ سے حدیثیں روایت کیں، نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

حضرت شام بن عروہ شام بن عروہ، معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے۔ ابو جعفر منصور کے زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

۵۵ سیر تابعین۔

کرتا تھا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم ان کو عطا کیے ان کی جنازہ کی نماز بھی منظور ہی نہ پڑھائی تھی۔ صاحب طبقات ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابو عاتق نے ان کو امام الحدیث کہا ہے۔

حضرت سلیمان بن مہران سلیمان بن مہران المعروف بہ اعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سنی تھی سفیان ثوری اور شعبہ ان کے شاگرد ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری، شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا۔ تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ اصرار تک زندہ رہے لیکن امام کا ان کے دلائل سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیسے ہے اور تاریخ دیر کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے روایت حدیث کی اجازت بھی لے لی تھی۔

حضرت قتادہ قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک عبداللہ بن مسرہ اور ابو الطفیل رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں سے ایک حضرت قتادہ ہیں۔ اس خصوصیت میں ان کو اللہ نے نہایت شہرت دی تھی۔ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معانی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ ان کی قوت حافظہ کی ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن جبیر سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو کیا تمہیں ان میں سے کچھ یاد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے، چنانچہ میں قدان سے سناتا ہفتہ تاریخ اور دن سان کرنا شروع کر دیا وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا اقل نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں۔ اسی بنا پر لوگ انہیں احفظ الناس کہا کرتے تھے امام احمد بن حنبل نے ان کے تفقہ و واقفیت اختلاف و تفسیر و اتنی کی نہایت مدح کی ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت شعبہ شعبہ بھی بڑے مرتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں ان کو از بر تھیں۔ سفیان ثوری نے فن حدیث میں ان کو امیر المومنین مانا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے مرجع و تعدیل کے مراتب مقرر کئے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ ۱۶۰ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے شعبہ اور امام ابو حنیفہ کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا ان کی غیر موجودگی میں ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دوران تذکرہ فرمانے لگے کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے اسناد دیتے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی

نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ ان کو حدیث و روایات کی اجازت ہی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔ بصرہ کے اور شیوخ من سے امام نے حدیثی روایت کیں ان میں عبدالکریم بن امیہ اور جاسم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

حرمین کی طرف امام ابو حنیفہ کو اگرچہ ان درس گاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضروری تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سن میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے نہ حج میں ایک تہام نے جس سے میں نے بال منڈ واسے سخنے کئی باتوں سے مجھ پر گرفت کی میں نے اُجرت پر بھی تو بولا نہ اس کے چمکے نہیں جلتے میں چپ ہو کر اصلاح بولنے لگا اس نے پھر ٹوکا کہ حج میں چپ کا نہیں رہنا چاہیے تکبیر کہے جاؤ۔ حجامت سے فارغ ہو کر گھر چلا تو اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں باتیں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تو نے کہاں سے سیکھے بولا عطاء بن ابی رباح کانفیض ہے اس واقعہ سے زیادہ قریبی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے وہیں مدرس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کچھ وقت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درگاہ قائم تھی ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود عقیل رضی اللہ عنہ، ابن عمر، ابن زبیر، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقم عبداللہ بن سائب، عقیل رضی اللہ عنہ، رافع ابو درداء، ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں خود ان کا بیان ہے کہ میں دو بزرگوں سے ملا ہوں جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے بہت مستفید تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند اور صاحب اُفت تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے ہونے لوگ میرے پاس کیوں جاتے ہیں۔ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطا کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی، زہری، عمرو بن دینار انہیں کے حلقہ درس سے نکل کر استاد کہلاتے۔

امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا قضا و قدر کا قائل ہوں۔ عطاء نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہوں۔ روز بروز ان کی ذہانت و لطافت کے جوا کھلنے لگے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک جب حلقہ درس میں جاتے عطا اور ان کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

عطا ۱۵۱۱ تک زندہ رہے۔ اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور استفادہ فرماتے۔

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی ان میں عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تربیت کی تھی یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عقبہ بن عمرؓ، صفوانؓ، جابرؓ، ابو قتادہؓ سے حدیثیں سنی تھیں۔ اور فقہی مسائل تحقیق کیے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و فقہ میں ان کے شاگرد ہیں۔ امام شعبیؒ کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھ کر نہیں رہا سعید بن جبیرؒ کہ تابعین کے سردار تھے ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔

مدینہ کی طرف

اسی عہد میں یعنی ۱۰۳ھ سے پہلے امام ابو حنیفہ نے مدینہ کا رخ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس جگہ سے حدیث کا علم حاصل کیا جائے جو حدیث کا منبع اور مخزن تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی۔ اول یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ معاصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاء کے ذریعے سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جس کے نزدیک امام مالکؒ کی اس کی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتوؤں پر ہے امام ابو حنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں کی شخص زندہ تھے، سلیمان و سالم بن عبداللہ، سلیمان حضرت میمونہ کے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں کے غلام تھے اور فقہائے شعبہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابو حنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابو حنیفہ کی طالب علمی کی ساخت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا، اکثر عہد میں جاتے اور چہنوں قیام کرتے، حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ اکو جمع ہو جاتے تھے۔ جن کا مقصد حج کے ساتھ فادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملے اور استفادہ فرماتے امام اوزامی اور کچول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابو حنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت و اجتہاد کی شہرت دور و دور تک پہنچ گئی تھی، یہاں تک کہ ظاہر بینیوں نے ان کو قیام مشہور کر دیا تھا انہیں دونوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزامی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزامی نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابو حنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے۔ انہوں نے

کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو اجزا ساتھ لیتے گئے، اوزامی نے ان کے ہاتھ سے اجزا لے لئے سہ نامہ پر لکھا تھا: قال نعمان بن ثابت، "ویریک فورسے دیکھا کہ پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا عراق کے ایک شخص ہیں، جن کی صحبت میں ہیں رہا ہوں۔ فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ بتادے تھے۔ اوزامی کو اپنی غلطی پر اسنوس ہواجح کی تفسیر پر اوزامی کہہ گئے تو امام ابو حنیفہ سے ملاقات ہوئی اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس غوی سے تقریر کی کہ اوزامی حیران رہ گئے امام ابو حنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا معبود بنا دیا ہے بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی، جبکہ مجھے بہت اسنوس سے تمارنحوں سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزامی کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

حضرت امام باقر کجی مدت میں حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما اپنے زمانے کے محدث، فقیہ اور بڑے متقی صحابی تھے امام ابو حنیفہ کی ملاقات کا تذکرہ مورخوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک بار امام ابو حنیفہ مدینہ گئے تو امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ انہوں نے امام سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو۔ انہوں نے نہایت اوج سے کہا: "والعیاذ باللہ، حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو حنیفہ: مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر: عورت۔

ابو حنیفہ: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقر: مرد کا۔

ابو حنیفہ: اگر میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے، کیوں کہ ضعیف کو زیادہ

قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیے پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر: نماز۔

ابو حنیفہ اس اعتبار سے حائلہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں

روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر پیشانی جو مٹی امام ابو حنیفہ ایک

مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر

باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے تسلیم کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات اہل اذخیرہ حضرت ممدوح

کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔

۱۷ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ترجمہ امام ابو حنیفہ،

امام صاحب نے ان کے فز و ندر شہید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ من حدیث کی تحصیل میں امام کو ایک بہت اونچا مقام حاصل تھا کیوں کہ ان کے شیوخ حدیث لا تعداد تھے۔ ابو حفص عمر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیث روایت کی ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان کے شیوخ کے نام شمار کئے ہیں وہیں انہیں ملحد یا کفریہ مطلق کہتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی احتیاط و تحقیق امام صاحب روایت میں بے حد محتاط تھے اور اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں ماسی قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک واسطہ ہے، یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل، دیانت و پرہیزگاری کے نمونہ خیال کئے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے مواءر ہیں تو شاید ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے حادث تھی اور اس باب میں وہ استادوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک بار سجاد کے ساتھ اعمش کی مشالیت کو نکلے، چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا وضو کے لئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا۔ سجاد نے تیمم کا فتویٰ دیا امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی، کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد کی مخالفت کی۔ امام شعبی، ان کے استاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں ایک دفعہ استاد و شاگرد کشتی میں موارا جائے بعض اس مسئلہ کا ذکر کیا انہوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہے کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اہل آیت و اہل نبی کچھ جواب نہ دے سکے۔ عطاء بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے وَاٰتَيْنَاكَ اَهْلًا وَمَثَلُہُمْ مِّثْلُہُمْ عطل نے کہا خدا نے حضرت ایوب کی آل اور جو مری تھی زندہ کر دی اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کر دی، امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلیب سے نہ چلا ہو وہ اس کی اولاد کیوں کہہ سکتا ہے۔

مدون فقہ امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے۔ بلاشبہ امام پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی باقاعدہ منظم طریقے سے مدون کیا۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہیں ستر ان کریم میں بھی یہ لفظ اہنی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اصطلاح شریعت میں اعمال شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں۔ اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے ان فروعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل و لا امل سے حاصل ہوئے ہوں۔

فقہ کے ماخذ علمائے فقہ کے چار ماخذ بیان کئے ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ۔

- ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -
 ۳۔ اجماع - صحابہ و ائمہ مجتہدین -
 ۴۔ قیاس -

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے قرآن دور نبوک علیہ السلام اور آئیں کے بعد قیامت تک ساری امت کے لئے رہنما اور پیشوا ہے قرآن کی وہی حیثیت اور صفت ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے۔ یعنی اس میں منصوص احکام کا مجمل بیان ہے اور یہی بیان الہی شریعت کا ماخذ اول ہے۔ اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ سنت رسول ہے لفظ سنت کا اطلاق ہر اس قول، فعل یا تقریر پر ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اور آپ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہو اس معنی کی رو سے سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے۔

تمیزا ماخذ جو اجماع کہلاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں ایسے شرعی مسائل میں صحابہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی جو بالو مجمل تھے یا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک ہی عمل کے بارے میں مختلف روایتیں جمع ہو گئیں۔ تو ان مختلف روایتوں کو صحابہ کا جو مشترکہ فیصلہ ہوتا اسی کو اجماع کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے کسی امر کا جو شرعی حکم ہے وہی حکم علت مشترکہ کی وجہ سے کسی دوسرے امر کا قرار دیا جاتا کہلاتا ہے۔ دوسرے نفلوں میں یعنی کوئی چیز شریعت میں کسی علت کی وجہ سے حرام ہے تو اگر وہی علت کسی دوسری چیز میں پائی جائے گی تو از روئے قیاس اس کو بھی حرام قرار دیا جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشہ یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ بے شک وہ بے حیائی ہے۔ اب زنا اس لئے حرام ہے کہ یہ بے حیائی ہے اس کی حرمت کی علت بے حیائی ہے پس ہر وہ کام جس میں بے حیائی ہوگی حرام قرار دیا جائے گا۔ لیکن بے حیائی اور فحش کی اپنی تعریف ہے جو کام بھی فحش پر اطلاق کیا جائے گا۔ حرام ہوگا۔

تدوین فقہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے ربیع دوم میں ہوئی اس وقت سے لیکر موجودہ دور تک فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دوسری صدی کا طبع اول ختم ہو چکا تھا اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ پھیل چکے تھے۔ جب اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کی مختلف اور رنگارنگ تہذیبوں سے سابقہ پڑا تو نت نئے مسائل سامنے آئے۔ اسی دور میں اللہ نے امام ابوحنیفہ کو وہ استطاعت و قوت عطا فرمائی کہ وہ اپنی مجتہدانہ فطرت و ذہانت سے ان مسائل کا حل دریافت کریں چنانچہ امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ میں تدوین فقہ کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوئے۔

فقہ کی تدوین کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی

شرعیات کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کر دیا جائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت معین کر دی جائے جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کما حقہ عمل کر سکیں۔ مگر شریعت اسلامی کیوں کہ کسی خاص دور اور معین قوم اور علاقہ کے لئے نہ تھی بلکہ اسے قیامت کے لئے جاری اور نافذ رہنا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اس کی تدوین کی جائے اور۔ بوقت تدوین دو باتوں کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ اول یہ کہ وہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہ ہو۔ اس کی ترتیب و تدوین میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اور اساتذہ فن شامل ہوں جن کا علم و فضل مسلم اور ان کا زہد و تقویٰ اللہ کو مقبول ہو۔ دوسرے اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف مختلف علوم و فنون کا گہوارہ ہو بلکہ قدیم و جدید، عربی و عجمی تہذیب کا سنگم بھی ہو۔ امام ابو حنیفہ نے ان دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا اور اس کے لئے کوفہ کا انتخاب کیا۔ یہی وہ خاص شہر تھا جہاں عرب و عجم کی تہذیبیں یکے کے بل بوتے پر تھیں۔ امام ابو حنیفہ نے مسائل کی ترتیب اور اصول و ضوابط کی تدوین اپنی ذات تک محدود نہیں رکھی۔ بلکہ چالیس علما اور ائمہ کی ایک مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں تمام علوم کے ماہر اور ائمہ جمع کئے گئے۔ جن کی تدوین فقہ میں ضرورت پیش آسکتی تھی ان ائمہ فن کی تعداد چالیس تھی جیسا کہ امام طحاوی نے امام مالک کے شاگرد واسد بن قرائت کا قول نقل کیا ہے کہ۔

وہ ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین چالیس تھے۔ یہ سب سب فقہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے ان میں دس ممتاز ترین اہل علم پر مشتمل ایک مجلس خاص تھی جس کے ارکان ابو یوسف، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد اور سلیمان بن ابی زائدہ تھے۔

امام ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے متعلق مشہور حدیث و کعب بن الجراح کی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی۔ جب کلا قہر یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا ابن زائدہ، منص بن غیاث، مہان اور منذل جیسے ماہرین حدیث قائم بن معن جیسے لغت عرب کے ماہر، داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات و فضائل رفقا اور شیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے۔ ۱۵

امام ابو حنیفہ کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے مسئلہ کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا جاتا اگر کامیابی ہو جاتی تو اس کو معین فرما دیتے اگر کسی طور کتاب اللہ سے براہ راست کوئی سراغ نہ ملتا تو سنت اللہ رسول اللہ میں اس مسئلے کی تلاش و جستجو کی جاتی۔ سنت رسول اللہ میں یہ خاص بات پیش نظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اور آخری رائے کیا تھی آپ ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے اگر مجازی اور عرفانی صحابہ کی مرفوع حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو بنا پر فقہ راوی فقہ کی سعادت کو ترجیح دیتے۔

اگر احادیث طیبہ کے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہل فتویٰ صحابہ اور فقہاء تابعین کے فیصلے و اقوال تلاش کرتے اور سب امر پر فقہاء صحابہ کا اجماع ہوتا اس کو اختیار کر لیتے اگر یہاں بھی کوئی جواب نہ پاتے تو پھر چوتھے مرحلے پر قیاس اور استحسان کی طرف آتے اور ان کی روشنی میں مسائل کو حل کرتے مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے تھے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریعی ہے یا غیر تشریعی اس ضمن میں اسل کے طے کرنے کی بھی ضرورت پڑتی تھی نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ میں اگر تضاد ملتا تو ضابطہ نصوص کو ترجیح دیتے اور واقعہ جزئیہ کی توجہ کر لیتے۔

ابو حنیفہ کی ترتیب و تدوین فقہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے فقہاء اور محدثین کسی مسئلے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس مسئلے پر حکم لگانے کے بارے میں غور و خوض کو میسر نہ سمجھتے تھے۔ مگر ابو حنیفہ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رجحان کے خلاف عمل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

مدال علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان پر غور و فکر کریں تاکہ اگر وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لئے نئی اور انوکھی بات نہ ہو، بلکہ یہ بات پیش نظر رہی جاوے کہ ان امور میں کسی نہ کسی وقت متبلا ہونا ہی پڑے گا تو ابتلا کے وقت شریعت نے کیا راہ معین کی ہے دہن پرے کر ابھی سے موضح کر رکھ لیں۔

مشہور محدث تیس بن ربیع نے بڑے مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے

اذا اس معلیٰ میں امام ابو حنیفہ کی فوقیت و اولیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے، کہتے ہیں؟

امام ابو حنیفہ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اس بنا پر ابو حنیفہ نے ان تمام فقہی مسائل پر بالتفصیل غور و فکر شروع کیا جو اگر چہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے۔ مگر ایک نہ ایک دن ان کا وقوع متوقع اور ممکن تھا۔ مجلس تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے گرد تمام اراکین مجلس بٹھ جاتے۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ کو بصورت سوال پیش کرتے لوگوں کے خیالات معلوم کرتے جو کچھ اراکین مجلس کہتے آ رہے ہوتے ان کو بغور سنتے اگر تمام اراکین جواب مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو وہ فیصلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث و تمحیص ہوتی بسا اوقات یہ بحث ہفتوں جاری رہتی سب کی بحثیں سننے کے بعد امام صاحب اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کرتے آپ کی رائے اتنی جیتی تھی کہ سب لوگ اسے بلاتامل قبول کر لیتے اور مسئلہ کا ایک رخ معین ہو جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین مجلس امام صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے تو ان کی اختلافی رائے بھی فوراً کھیل جاتی جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ طویل بحث و نظر کے بعد اتفاق رائے سے طے پاتا تو اراکین شوریٰ بے اختیار اللہ اکبر کہتا ساٹھتے۔

نقشہ پانچواں سال کی اس شبانہ روز سخت کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعہ فقہی تیار ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں آیا یہ مجموعہ تراسی ہزار صفحات پر مشتمل تھا۔ جس

میں اڑتیں ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی پتالیس ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ ان میں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین و نواہط اور معاشیات و سیاسیات کے بارہ ہیں تمام بنیادی اجتماعی امور موجود تھے۔ یہ مجموعہ ۱۱۴ھ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوئے رہے امام صاحب کے ایام اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے۔

”میں نے ابو حنیفہ کی کتابوں کو متعدد بار لکھا ان میں اضافے بھی ہوئے رہے ان اضافوں کو بھی لکھ لیا کرو۔“

اس مجموعے نے امام صاحب کے زمانے میں قبول عام حاصل کیا اس مجموعہ کے تکمیل کے بعد امام ابو حنیفہ نے اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا کوفہ کی طبع مسجد میں ایک ہزار اہل علم شاگرد جمع ہوئے جن میں وہ چالیس علماء بھی موجود تھے جو ابو حنیفہ کی مجلس تدریس فقہ کے رکن تھے امام صاحب کے ان تمام اہل علم سے مخاطب ہو کر کہا۔

”میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو تمہارے وجود میں میرے غم و اندوہ کا مداوا ہے۔ میں نے فقہ اسلامی کی زندگی تمہارے لئے تیار کر دی ہے اب تمہارا جب دل جس وقت دل چاہے تم اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے اسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ لوگ تمہارے نقش پاتماں کریں گے۔ اور اسی چیز پر چلنے کی کوشش کریں گے میں ہر دو تون کو تمہارے لئے جھکا دیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو۔ تم میں چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملا ہے کہ اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرو۔ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا اگر تم لوگوں میں سے کسی کو عہدہ قضا کی ذمہ داری سونپی جائے تو ایسی کمزوریوں کا اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرنا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو بلکہ قضا کا عہدہ اس وقت تک درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ تم میں سے جو اس عہدہ کو قبول کرے وہ اپنے اور عوام کے درمیان رکاوٹیں قائم نہ کرے۔ ہر حاجتمند کی تم تک رسائی ہونی چاہیے۔ پانچ وقت کی نماز میں مسجد میں پڑھنے والوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرے تو قلعے سے باہر ہٹ کر رہے۔“

ابو حنیفہ کی اس تقریر کے بعد مجموعہ فقہی کی حیثیت واضح ہو گئی غالباً اس کی تشہیر کے بعد خلیفہ منصور نے امام صاحب کی بعد از طلب کیا اور عہدہ قضا کی پیش کش کی مگر امام صاحب نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کے اس مرتب مدون کردہ فقہ کا نام فقہ حنفی ہوا۔ جو عالم اسلام کے مشرق و مغرب

میں پھیل گیا۔

وفات حسرت آیات | ۱۴۶ھ میں منصور نے امام صاحب کو قید کر دیا۔ لیکن قید کرنے کے

باوجود اسے امام صاحب کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔ بغداد دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال اسلامی ملکوں کے گوشے گوشے سے اکٹھا کر بغداد کا رخ کرتے تھے، امام صاحب کی شہرت و ود و صلہ پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت میں ان کے اثر و قبول عام کو بجائے کم کرنے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بعد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گونہ نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امیر ان کے ادب و تعلیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم و تدریس بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے جگہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ قید خانہ ہی میں تعلیم پائی ان وجہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں باقی رہا جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوادیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔

ان کے مرنے کی خبر بہت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمڈ آیا۔ حسن بن عمار نے جو شہر کے قاضی تھے غسل دیا، نہلاتے جاتے اور کہتے جاتے۔ واللہ واللہ تم سب بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاهد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جاں نشینوں کو مالوس کر دیا، کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی کئی کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہوئی۔ امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیران کے مقبرے میں دفن کیے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں غضب شدہ نہیں تھی، اس وصیت کے موافق خیران کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا مورخ خلیفہ نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی شبیں دفن لوگ ان کے جنازہ کی نماز پڑھا کئے۔ جو قبول عام امام کو اس وقت حاصل تھا وہ کسی کو کب حاصل ہو سکتا ہے۔

امام صاحب کے اخلاق و عادات | امام صاحب کا سلیبہ اور اخلاق بیان کرنے میں مؤرخین

نے بہت کچھ مبالغہ سے کام لیا ہے۔ لیکن محبت کے سبب زیادہ قریب امام ابو یوسف کا قول ہے۔ آئیے ہم دیکھیں کہ یہ شاگرد و رفیق اپنے پیارے اور محترم استاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ وہ تقریر ہے۔ جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی۔ دراصل ہوا یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں۔ ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پختہ گار تھے۔ نہایت سے پستے تھے اکثر چپ رہ کر سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ چپ رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت

خلفے جاتے، اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیاوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے، غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بڑے فیاض تھے۔ ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔

حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن ہیئت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد خوش رواد و موزوں اندام تھے، گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہوتا نہایت فصاحت اور صفائی سے ادا کر دیتے تھے۔

امام صاحب کی اولاد

کسی مورخ نے بھی تفصیل سے امام صاحب کی اولاد کے بارے میں بتایا البتہ عام طور پر مورخوں کے ہاں یہ بات لکھی گئی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی کولہ موجود نہ تھی۔ حماد بڑے پختے کے عالم فاضل آدمی تھے۔ بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب کے مرتب علمی کی تکمیل کی علم و فضل کے ساتھ بے نیاز ہی و پرہیزگارگی میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا، انہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو پہنچا دی جائیں، قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا انہوں نے کہا کہ آپ ان کی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے غرض تمام مال و اسباب قاضی کے سپرد کر کے خود واپس ہو گئے۔ اور اس وقت ظاہر ہے جبکہ وہ چھوٹا کسی اور کے اہتمام میں رہے دی گئیں، تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں اس دنیا سے فانی سے آخرت کی طرف کوچ کیا چاہے چھوٹے جن کے نام عمر، اسماعیل، ابوحیان اور عثمان ہیں۔ اسماعیل نے نہایت شہرت حاصل کی، چنانچہ مامون الرشید نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا۔ جس کو انہوں اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشائعت کو نکلا، سب لوگ ان کی جان و مال کو دعا میں دیتے تھے۔

تصنیفات

امام اعظم کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) فقہ اکبر۔ یہ عقائد کے بارے میں ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب دی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اور عام طور پر آسانی سے دستیاب ہے جس طرح عقائد نسفی کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اس مختصر رسالہ کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح کی شہرت عقائد نسفی کو حاصل ہے اس طرح کی فقہ اکبر کو حاصل نہیں پھر یہ ایک عمدہ رسالہ ہے اس کتاب کے شارحین کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ محی الدین محمد بن بہار الدین متوفی ۹۳۵ھ

ب۔ مولیٰ الیاس بن ابراہیم السینوی۔

ج۔ مولیٰ احمد بن محمد المعتاری۔

د۔ حکیم اسحاق۔ اس شرح کا ایک منظوم نسخہ ابوالیقلا احمدی کا نظم کیا ہوا بھی موجود ہے۔

۴۔ شیخ اکمل الدین۔

و۔ ملا علی قاری۔ ملا علی قاری کی یہ شرح بہت اعلیٰ پایہ کی اور متداول ہے۔

(۲) العالم والمتعلم۔ سوال و جواب کے طرز پر ایک مختصر سار سالہ ہے۔

(۳) مسند۔ اس وقت تک دنیا میں مسند امام اعظم کے متقدونسختے ہیں۔ ان نسخوں کے جامع ابوالکلام

محمد بن محمود الخوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہیں۔ ابوالکلام اس مرتبہ نسخے کے دیباچہ میں لکھتے ہیں مد بلا و شام

میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی

وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے اس پر مجھ کو حیرت نہ تھی کاجوش ہوا اور میں

نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علماء نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے

ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی النجاری المعروف یہ عبداللہ الدنیا۔

۲۔ مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

۳۔ حافظ ابوالحسن محمد بن المنظف بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

۴۔ مسند حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب علیہ۔

۵۔ مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری۔

۶۔ مسند امام ابوبکر احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی۔

۷۔ مسند امام حافظ عمر بن من الاشنانی۔

۸۔ مسند ابویوسف قاضی۔

۹۔ مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

۱۰۔ مسند امام محمد۔

۱۱۔ مسند حماد بن امام ابو حنیفہ۔

۱۲۔ مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی۔

۱۳۔ مسند حافظ حسین بن خسرو بلخی۔

۱۴۔ مسند علامہ حفصہ بن اسلم مسند کی شرح علامہ ملا علی قاری نے کی ہے۔ اور یہی مسند جبرائیل

حفصہ بن علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے جمع کی جس کا اردو ترجمہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

۱۵۔ مسند ماوردی۔

۱۶۔ سند ابن عبدالبرازمی۔

ان مسندوں میں بعض کی نہایت عمدہ شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں۔ جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہایت صراحت سے کیا ہے۔

”اس کتاب کی ترتیب، تزیل و تشریح میں رجہ ذیل بول مدولی گئی ہے“

۱۔ کشف الظنون، حاجی خلیفہ، ج ۲۔ فقط مسند امام اعظم۔

۲۔ ہدایہ، امام برہان الدین۔ ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغنیانی۔

۳۔ نصب الراية لاحادیث الہدایہ، علامہ جمال الدین محمد بن عبداللہ بن یوسف حنفی الزہلی۔

۴۔ عمدۃ القاری شرح سنن بخاری، امام بدر الدین عینی۔

۵۔ امام اعظم اور علم حدیث، محمد علی صدیقی کاندھلوی۔

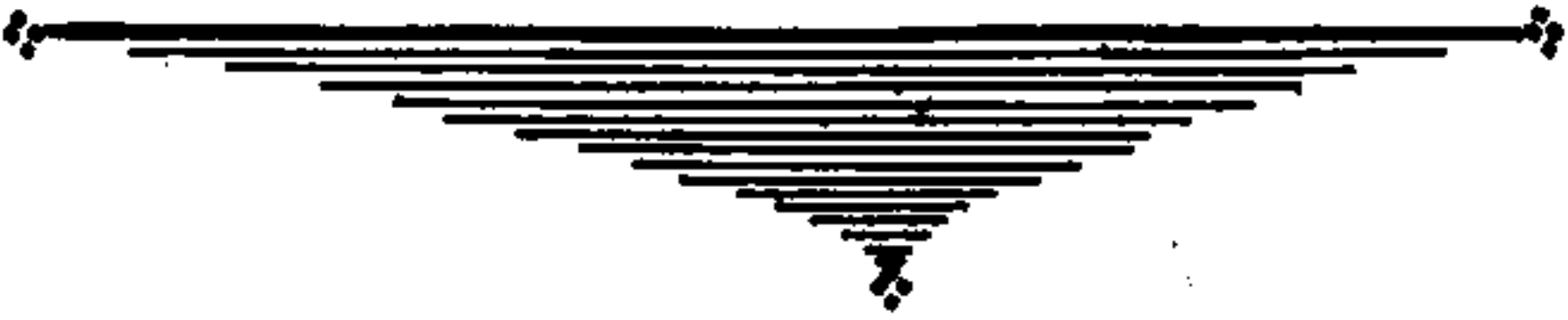
۶۔ ابو حنیفہ، محمد ابو زہرہ مصری۔

۷۔ سیرت النعمان، شبلی نعمانی۔

۸۔ سیرت النہار لبعہ، رئیس جعفری۔

۹۔ تاریخ بغداد، خلیف بغدادی۔

۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحیم والا ہے

مسند امام اعظم اللہ علیہ رحمۃ

مع تشریح

باب الأعمال بالنیات، تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے،

الْوَحِيْفَةُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ
بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّمِيْمِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ
الْبَيْهَقِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ
وَلِكُلِّ أَمْرٍ مَأْذُوْنٌ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا
أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ
إِلَيْهِ -

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے اس کی نیت کا پھل ہے مثلاً جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی (یعنی ہجرت جزا و ثواب ہے) اور جس نے اس لئے ہجرت کی کہ دنیا اس کو ملے یا وہ کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت کا ثمرہ بس وہ ہی ہے جو اس نے نیت کی۔

تشریح - اس حدیث میں تعلیم دی گئی ہے کہ ہر کام میں نیت و اخلاص اہم ہے۔ اور ہر عمل بغیر نیت خالص بجا نہ لائے۔ اور بے روح بدن چنا پنچا امام شافعی سے مروی ہے کہ اس حدیث کو دین میں ستر جگہ دخل ہے یعنی ہر جگہ اس کی محل دخل ہے۔ اور نیت ہی کی اہمیت کی وجہ سے یہ حدیث پورے دین اسلام میں گویا بنیادی

حقیقت رکھتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث اوصحا علم ہے۔ کیونکہ ہر دینی عمل خواہ کس قدر بھی بابرکت ہو۔ نیت کے فتور سے درجہ قبولیت سے گر جاتا ہے۔ مثلاً ہجرت ہی کو لیجئے کہ نیت کے بدل جانے سے ایک خالص دنیوی فعل کی شکل میں تبدیل ہو جاتی۔ اور اجر و ثواب سے اس کو پوری محرومی رہی۔ یا اسی طرح اس و تدریس کے شغل پر نظر ڈالئے کہ اگر دین کی اشاعت کی خاطر ہے تو کیا کہنے نور علی نور اور اگر طلب شہرت و جاہ و ثروت پیش نظر ہے تو اجر و ثواب سے قطعی محرومی ہے۔ اسی بیان کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ اس حدیث کی ترتیب کو دیکھیں تو آپ کو عجیب استدلالی ترتیب نظر آئے گی۔ کیونکہ سب سے پہلے الاحمال بالنیات سے اجمالاً سمجھا یا کہ اعمال میں ہر جگہ نیت ہے اور ہر عمل کا دخل اسی پر موقوف ہے۔ پھر نکل آمدنی مانوے سے اس کی مزید تشریح فرمائی کہ ہر شخص کو اس کے کام کا نہیں بلکہ اس کی نیت کا اجر ملے گا۔ پھر ہجرت جو دین میں نہایت ہی بابرکت اور اللہ کا محبوب ترین عمل ہے اس کی مثال پیش فرما کر ظاہر فرمایا کہ وہ بھی نیت کے خالص نہ رہنے سے دینی کام سے نکل کر ایک دنیوی کام میں اس کا شمار ہوا۔ اس کے بعد دنیوی امور میں بھی ایک خالص مہاجر ائمہ قیس کے قصہ کو پیش نظر رکھ کر جس نے محض ائمہ قیس نامی مہاجر عورت سے نکاح کرنے کی خاطر اپنا وطن چھوڑا تھا۔ بات کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔ حنفی ملک کے ماننے والو سمجھ لو کہ نیت درست کرنا کتنا ضروری ہے۔

محدثین کی عادت تشریف ہے کہ اپنے مجموعہ احادیث کی ابتدا اکثر اسی حدیث سے کرتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حدیث کے ہر طالب کو چاہئے کہ اس باعزت علم کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ کے لئے کر لے ورنہ اس کی ساری کوشش کی اللہ کے نزدیک ذرہ برابر قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ کہ اس نے ایسے مقدس علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اور دنیا کو دین پر ترجیح دی۔

کتاب ایمان، اسلام، قدر

اور شفاعت

باب ارکان اسلام اور قدر یہ کی

مذمت

یحییٰ بن عیمر امام ابو حنیفہ کے شاگرد الا ستاذ کہتے ہیں کہ میں اپنے ہمراہی کے ساتھ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ

کتاب الایمان والاسلام

والقدر والشفاعة

باب شرائع الاسلام و

ذم القدرية

الوحيفة عن علقمة عن يحيى،

بن يعمر قال بنیامع صاحب لی ہمدینہ

اس کتاب میں ایمان کیا ہے اسلام کیسے کہتے ہیں قدر یہ کہہ رہے ہیں کیا دار دہے۔ اور شفاعت کے بارے میں

کیا کیا فرمایا گیا ہے کی وضاحت کی گئی ہے۔ مترجم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ بقرونا
بعبد اللہ بن عمر فقلت لصلحی هل لك
ان فاشیه فساله عن القدر قال نعم فقلت
وعنی حتی اكون انا الذي اسأله فانی
اعرف به منك قال فانتھینا ،
الی عبد اللہ فقلت یا ابا عبد
الرحمن انا نقلب فی ہذا
الارض فریما قدمنا البلدا
بھا قوم یقولون لا قدر فیما
نرد علیہم قال ابلغہم منی
انی منہم بری ولوانی وجدت
اعوانا لجاہدہم ثم انشاء
بیعة ثنا قال بینما نحن مع
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ومعه رھط من اصحابہ اذ
اُقبل شابٌ جمیل ابیض حسن
اللمة طیب الریح علیہ ،
ثيابٌ بیض فقال السلام
علیک یا رسول اللہ - السلام
علیکو قال فرد علیہ رسول
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وردنا
معه فقال ادنوا یا رسول
اللہ قال ادن فدنا فوذا
ذنوبین ثم قام وقرا لہ
ثم قال ادنوا یا رسول اللہ فقال
ادنہ فدنا حتی اُلصق رکبتہ
بجکبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم فقال اخبرنی عن الایمان
قال ان تؤمن باللہ وملائکتہ و

میں قیام پذیر تھا۔ کہ اچانک عبداللہ بن عمر نظر پڑے
میں نے ساتھی سے کہا کہ کیا چاہتے ہو کہ ہم ان کے
پاس جا کر قدر کا مسئلہ پوچھیں۔ کہا ہاں۔ تو میں نے
کہا اچھا مجھے سوال کرنے دو۔ کیونکہ میں ان کو تم سے
زیادہ جانتا ہوں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ہم حضرت
عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض
کیا۔ اسے ابو عبدالرحمن (حضرت عبداللہ کی کنیت)
ہم اس سرزمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اور کبھی ایسے شہر
میں بھی ہمارا گذر ہوتا ہے۔ جس کے باشندے کہتے
ہیں کہ قدر کوئی چیز نہیں۔ تو ایسے لوگوں کو ہم کیا جواب
دیں۔ آپ نے فرمایا ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ
میں ان سے برابر ہوں اور بری۔ اور اگر میں کچھ بدکار
پاؤں تو ان سے جہاد کروں۔ پھر آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی
ارشاد فرمایا کہ ہم صحابہ دس پانچ کی تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ ایک خوبصورت
سید رنگ کا جسکی کاکلیں کانڈھوں پر لگی ہوئیں خوشبو میں مکتا
ہوا، سفید پوش سامنے سے آتا دکھائی دیا قریب آکر
کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیکم
کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سلام
کا جواب دیا۔ اور ہم نے بھی۔ پھر اس نے نہایت
اوپر کہا کہ کیا میں قریب آسکتا ہوں؟ یا رسول اللہ
آپ نے فرمایا آجاؤ۔ تو وہ ایک دو قدم اور قریب ہوا
پھر کھڑے ہو کر نہایت اوسے دوبارہ پوچھا۔ کیا اور
قریب حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ہاں قریب
آؤ تو وہ قریب آئے بیٹھا اور اپنے گھٹنے آنحضرت
کے گھٹنوں سے جوڑ لئے۔ پھر بولا مجھے ایمان کی
حقیقت بتائیے آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے۔ کہ
تو اللہ پر ایمان لائے۔ اس کے فرشتوں
پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور اس پر کہ ہر روز

کتبه ورسوله وبقائه واليوم
 الآخر والقدس خيرة وشركة
 من الله فقال صدقت قال ،
 فجبنا من تصديقهم لرسول
 الله صلى الله عليه وسلم
 وقوله صدقت كانه يعلم قال ،
 فاخبرني عن شرائع الاسلام ما هي
 قال اقام الصلوة وابتاء الزكوة و
 حج البيت لمن استطاع اليه سبيلاً
 وصوم رمضان والاعتسال من الجنابة
 قال صدقت فجبنا لقوله صدقت ،
 قال فاخبرني عن الاحسان ما هو
 قال الاحسان ان تعمل لله كأنك
 تراه فان لم تكن ترا
 فائته قال فاذا فعلت ذلك
 فانا محسن قال نعم قال ،
 صدقت -

قال فاخبرني عن الساعة مثنى
 هي قال ما المسؤول عنها با علم
 من السائل ولكن لها
 شرائط فقال ان الله عندك
 علم الساعة وينزل الغيث
 ويعلم ما في الارحام وما
 تدرى نفس ماذا تكسب غداً
 وما تدرى نفس بما يصي
 تموت وان الله عليه خبير
 قال صدقت -

ثم انصرف ونحن نوا قال
 النبي صلى الله عليه وسلم

قيامت اس سے ملاقات ہوگی۔ اور قیامت سے دن
 پیر اور اس پر کہ جو تقدیر بھلی ہے یا بری وہ اللہ ہی کی
 طرف سے ہے۔ اس نے کہا صدقت سچ فرمایا آپ نے
 حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کا صدقت کہنا اور رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ہمارے لیے حیرانی کا سبب
 کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے جانتے
 پھر کہنے لگا کہ شرائع اسلام بتائیے کہ وہ کیا ہیں آپ
 نے فرمایا نماز پڑھنا زکوٰۃ ادا کرنا حج بیت اللہ کرنا۔
 اگر وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہے، رمضان
 کے روزے رکھنا۔ اور غسل جنابت کرنا۔ اس نے
 پھر کہا کہ صدقت سچ کہا آپ نے ہم کو اس کے قول
 صدقت پر پھر تعجب ہوا۔ پھر بولا مجھے احسان کی حقیقت
 بتلائیے۔ کہ وہ کیا ہے آپ نے فرمایا اگر احسان یہ ہے کہ
 تو ہر عمل کو اس حالت سے سرانجام دے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ
 کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھ کو یہ حالت نصیب نہ ہو تو
 کم از کم یہ خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے
 کہا اگر میں نے ایسا کیا تو کیا میں محسن ہوں آپ نے فرمایا
 بیشک کہنے لگا سچ فرمایا آپ نے۔ پھر اس نے کہا کہ
 مجھ کو قیامت کا حال بتائیے۔ کہ وہ کب آئے گی۔
 آپ نے فرمایا جس سے سوال کرتے ہو وہ اس بارہ
 میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ اس کی چند
 نشانیاں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں
 کو اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔
 بارش کب ہوگی۔ عورت کے رحم میں کیا ہے۔
 کل انسان کیا کرے گا۔ اور یہ کہ انسان کس جگہ مرے
 گا۔ البتہ اللہ ہی ان کو جانتے والا ہے۔ اور
 ان سے باخبر ہے۔ اس نے کہا سچ کہا۔ آپ
 نے۔ اور یہ کہہ کر ہمارے سامنے ہی واپس لوٹ
 گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

على بالرجل فقمنا في اشره ،
فما ندري اين توجه ولا رايئا
شيئا فذا كونا ذلك النبي صلى
الله عليه وسلم فقال هذا
جبريل عليه السلام اتاكم بعلتكم
مغالدينكم والله ما اتاني
بصورة الا وانا اعرفه فيها الا
هكذا الصورة ۞

ذرا بلانا اس آدمی کو۔ ہم اس کے نشان قدم
پر دوڑ پڑے۔ مگر ہم کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اور
نہ سمجھے کہ کدھر غائب ہو گیا۔ یہی بات ہم نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ آپ نے فرمایا
کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے کہ تم کو تمہارے
دین کی باتیں سکھانے آئے تھے۔ اللہ کی قسم ہے
اس موقع کے علاوہ وہ جب بھی کسی صورت
میں نمودار ہوئے۔ میں اُن کو پہچان لیا۔

تشریح۔ ایمان و اسلام کے لغوی معنی مختلف ہیں مگر اصطلاح شرع کی رو سے ایمان و اسلام تقریباً ایک
ہی ہیں۔ ایک ہی معنی کو کبھی ایمان سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسلام سے۔ کیونکہ ہر دو ایک دوسرے سے
مربوط ہے۔ اسلام بدون ایمان کے درست نہیں۔ اور ایمان بغیر اسلام کے کامل نہیں۔ التنبہ بعض وقت
شرعیت میں ایمان و اسلام میں فرق بھی کرتے ہیں۔ ایمان باطنی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلام ظاہری
عمل کی۔ ایمان انقیاد باطنی کو بتاتا ہے تو اسلام انقیاد ظاہری کو۔ اس حدیث میں بھی ایمان و اسلام الگ
الگ معانی میں استعمال ہوئے ہیں جس طرح اس آیت میں قَالَتِ الْاَعْرَابُ اَمَّا قُلُوبُنَا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ
اَسْلَمْنَا - ۱۴۰:۴۹۔

یہ حدیث دین اسلام کا خلاصہ ہے یا پوری شریعت اسلامیہ کا اجمال ہے یا اسی کی تفصیل اس
لئے اس حدیث کا نام ام السنہ، ام الاحادیث یا ام الجوامع ہے۔ گویا یہ حدیث جملہ احادیث کی جڑوں
ہے اور تمام احادیث اسی کی شاخیں ہیں۔ اور اس کی مزید تفصیل۔ بعض علماء حدیث نے اس کی جامعیت
کی یوں ترجمانی کی ہے کہ دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ فقہ جو ظاہری اعمال کا نام ہے۔ کلام جو باطنی امور
و اعتقادات سے عبارت ہے۔ اور تصوف جو اخلاص و احسان کا دوسرا نام ہے۔

احسان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درجے ظاہر فرمائے ایک اونچا درجہ جس میں عبادت
گزار کو ذات باری کا ایسا حضور ہوتا ہے۔ گویا یہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ دوسرا انجلا
درجہ اس میں یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اور یہ عمل مراقبہ کہلاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جبریل علیہ
السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوان سفید
پوش انسان کی شکل میں آئے۔ اور کہا السلام علیک
یا رسول اللہ آپ کے فرمایا وعلیک السلام۔ پھر
اس نے کہا یا رسول اللہ کیا قریب آسکتا ہوں۔
آپ نے فرمایا آجاؤ پھر اس شخص نے کہا ایمان کیا

الوحیفة عن حماد عن ابراهیم
عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود قال
جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی صورة شاب علیہ ثياب بياض فقال
السلام علیک یا رسول اللہ قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وعلیک السلام فقال

على بالرجل فقمنا في اشره ،
فما ندري اين توجه ولا رايئا
شيئا فذا كونا ذلك النبي صلى
الله عليه وسلم فقال هذا
جبريل عليه السلام اتاكم بعلتكم
مغالدينكم والله ما اتاني
بصورة الا وانا اعرفه فيها الا
هكذا الصورة ۞

ذرا بلانا اس آدمی کو۔ ہم اس کے نشان قدم
پر دوڑ پڑے۔ مگر ہم کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اور
نہ سمجھے کہ کدھر غائب ہو گیا۔ یہی بات ہم نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ آپ نے فرمایا
کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے کہ تم کو تمہارے
دین کی باتیں سکھانے آئے تھے۔ اللہ کی قسم ہے
اس موقع کے علاوہ وہ جب بھی کسی صورت
میں نمودار ہوئے۔ میں اُن کو پہچان لیا۔

تشریح۔ ایمان و اسلام کے لغوی معنی مختلف ہیں مگر اصطلاح شرع کی رو سے ایمان و اسلام تقریباً ایک
ہی ہیں۔ ایک ہی معنی کو کبھی ایمان سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسلام سے۔ کیونکہ ہر دو ایک دوسرے سے
مربوط ہے۔ اسلام بدون ایمان کے درست نہیں۔ اور ایمان بغیر اسلام کے کامل نہیں۔ التنبہ بعض وقت
شرعیت میں ایمان و اسلام میں فرق بھی کرتے ہیں۔ ایمان باطنی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلام ظاہری
عمل کی۔ ایمان انقیاد باطنی کو بتاتا ہے تو اسلام انقیاد ظاہری کو۔ اس حدیث میں بھی ایمان و اسلام الگ
الگ معانی میں استعمال ہوئے ہیں جس طرح اس آیت میں قَالَتِ الْاَعْرَابُ اَمَّا قُلُوبُنَا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ
اَسْلَمْنَا - ۱۴۰:۴۹۔

یہ حدیث دین اسلام کا خلاصہ ہے یا پوری شریعت اسلامیہ کا اجمال ہے یا اسی کی تفصیل اس
لئے اس حدیث کا نام ام السنہ، ام الاحادیث یا ام الجوامع ہے۔ گویا یہ حدیث جملہ احادیث کی جڑوں
ہے اور تمام احادیث اسی کی شاخیں ہیں۔ اور اس کی مزید تفصیل۔ بعض علماء حدیث نے اس کی جامعیت
کی یوں ترجمانی کی ہے کہ دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ فقہ جو ظاہری اعمال کا نام ہے۔ کلام جو باطنی امور
و اعتقادات سے عبارت ہے۔ اور تصوف جو اخلاص و احسان کا دوسرا نام ہے۔

احسان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درجے ظاہر فرمائے ایک اونچا درجہ جس میں عبادت
گزار کو ذات باری کا ایسا حضور ہوتا ہے۔ گویا یہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ دوسرا انجلا
درجہ اس میں یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اور یہ عمل مراقبہ کہلاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جبریل علیہ
السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوان سفید
پوش انسان کی شکل میں آئے۔ اور کہا السلام علیک
یا رسول اللہ آپ کے فرمایا وعلیک السلام۔ پھر
اس نے کہا یا رسول اللہ کیا قریب آسکتا ہوں۔
آپ نے فرمایا آجاؤ پھر اس شخص نے کہا ایمان کیا

الوحیفة عن حماد عن ابراهیم
عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود قال
جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی صورة شاب علیہ ثياب بياض فقال
السلام علیک یا رسول اللہ قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وعلیک السلام فقال

یا رسول اللہ اذنی فقال اذنی فقال یا رسول
اللہ ما الايمان فقال الايمان با الله وملائکته
وکتابه ورسوله والقدر خیرہ وشرہ ،
قال صدقت فحجت القول صدقت کانه
یدری ثم قال یا رسول اللہ فما شرائع
الاسلام قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اقام الصلوة وایتاء الزکوة وصوم
رمضان وغسل الجنابة قال صدقت ،
فعجبنا لقوله صدقت کانه یدری
ثم قال فما الاحسان قال ان تعمل
لله کانت تراک فان لم تکن
تراک فانه یراک -
قال صدقت -

قال فمتی قیام الساعة قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المسؤل
عنہا با علم من السائل
نفقی

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علی بالرجل
فطلبنا فلم نراک الا فاذننا النبی ،
صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذاک
جبرئیل علیہ السلام جاءکم فیکلمکم
معالم دینکم :

تشریح - یہ حدیث الفاظ و مضمون کے اعتبار سے مکرر ہے۔ البتہ شرائع اسلام کے تفصیل میں اس میں
حج کا ذکر نہیں۔ شاید یہ روایت فرضیت حج سے قبل کی ہو۔ یہ حدیث جو حدیث جبریل کہلاتی ہے صحاح
میں کم و بیش انہیں الفاظ سے کئی ایک جگہوں پر مروی ہے۔ ان ہر دو احادیث میں شہادتیں کا ذکر نہیں
ابن ماجہ کی روایت میں شہادتیں کا ذکر ہے اور پانچویں چیز حج ہے۔ ان ہر دو احادیث میں غسل جنابت
کا اضافہ ہے۔ یہ اختلاف الفاظ یا تو تعدد واقعہ پر مبنی ہے یا پھر یہ صورت ہے کہ اصحاب روایت نے کہیں
کہیں اختصار سے کام لیا ہے۔

چیز ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان لانا اللہ پر اس کے فرشتوں
پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور تقدیر پر اچھی
یا بری۔ اس نے کہا صدقت (صح فرمایا آپ نے ہم نے اسے
اس لفظ پر تعجب کیا۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ
سے جانتا ہے۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ شرائع اسلام
کیا کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھنا۔ زکوة ادا کرنا ماہ
رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت۔ کہا صح
فرمایا آپ نے (حضرت عبداللہ فرماتے ہیں) ہم اس کے
اس لفظ پر پھر متعجب ہوئے اس لئے کہ لفظ صاف
پتہ دیتا تھا۔ کہ وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے۔
پھر اس نے کہا بتائیے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ
یہ کہ تو اس حالت سے عمل کرے۔ گویا کہ تو اللہ تعالیٰ
کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ
خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ وہ پھر بولے صح فرمایا
آپ نے پھر کہا بتائیے قیامت کب آئے گی۔ اس پر آپ
فرمایا۔ اس بارہ میں جس سے پوچھا جا رہا ہے۔ وہ
سوال کرنے والے سے زیادہ معلومات نہیں رکھتا
وہ واپس چل دیا۔ آنحضرت نے حاضرین مجلس سے
فرمایا۔ ذرا اس شخص کو بلاؤ۔ تو عبداللہ بن مسعود فرماتے
ہیں کہ ہم اس کو ڈھونڈنے نکلے۔ لیکن اس کا کہیں نشان
نہ پایا۔ اور واپس آکر آپ کو خبر دی کہ وہ تو نہیں ملا
آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ جو تم کو دینی
احکام سکھانے آئے تھے :

یہ حدیث احسان کی حقیقت واضح کرتی ہے۔ اور یہاں باری و نام نمود کی بیخ کنی کرتی ہے۔ کیونکہ یہ ہی سب چیزیں دینی اعمال کے لئے سخت مسلک ہیں۔ ذات باری سے خوف و خشیت نفس میں خشوع و خضوع۔ دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کا صحیح تصور پیدا کرنے کے لئے یہ بہترین نسخہ ہے۔ اگر انسان صحیح معنی میں محسن ہو تو غیر اللہ اس کے دل میں سرگز نہ سما سکے گا۔ غیر اللہ سے اس کا دل اس طرح صفا ہو گا جیسے سیب میں موتی بے داغ ہوتا ہے۔ اس لئے عبادت کے ساتھ اخلاص کی قید لگا کر یوں ارشاد فرمایا۔ وَمَا أَمَرَ إِلَّا لِيُحِبَّهُ وَاللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ - ۵: ۹۸۔

بَابُ التَّوْحِيدِ وَالرَّسَالَةِ

الْوَحْيُفَةُ عَنْ عطاءِ ان رجلاً
من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
حدّثوا ان عبد اللہ بن رواحة کانت له
راغية تتعاهد غنمه وانه امرها
تتعاهد شاة فتعاهدتها حتى سمّنت
الشاة واشتغلت الراغية ببعض الغنم
فجاء الذئب فأختلس الشاة وقتلها
فجاء عبد الله وفقد الشاة فأخبرته
الراغية بامرها فطمها ثم نكدهم
على ذلك فذكر ذلك لرسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم فعظم النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ذلك وقال
ضربت وجه مؤمنة فقال سواد
لا علم لها فارسل اليها النبی صلی
الله علیہ وسلم فأتوها ابن الله
فقات في السماء
قال فمن أنا قالت رسول الله
قال انها مؤمنة فأعتقها

بَابُ تَوْحِيدِ اور رسالت

چند اصحاب کے واسطے حضرت عطار وایت
کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن رواحہ کے پاس ایک لڑکی
ملازمہ تھی۔ جو ان کی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اور انکی خدمت
کیا کیا کرتی۔ انہوں نے اس کی نگرانی میں ایک اور بکری
دی جس کی وہ دیکھ بھال کرتی۔ یہاں تک کہ وہ خوب
موتی تازی ہو گئی۔ ایک روز وہ لڑکی کسی در بکری کے
وصیان میں تھی۔ کہ اچانک بھٹک آیا۔ اور اس بکری
کو اچانک لے گیا۔ اور چیر بھاڑ ڈالا۔ جب عبد اللہ لے
تو انہوں نے اس کو نہ پایا۔ لڑکی نے پورا واقعہ بیان کیا
حضرت عبد اللہ نے غصہ میں آکر اس کے ایک طمانچہ مارا
پھر اس پر ناوم ہوئے۔ اور اس کا ذکر رسول اللہ سے کیا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بہت اہمیت دی
اور فرمایا کہ تم نے ایک بے قصور، مومنہ کو مارا۔
حضرت عبد اللہ نے جواب دیا کہ وہ ایک جہنم عورت
اس کو ایمان سے کیا سروکار۔ آپ نے آدمی بھیج کر اس کو
بلوایا۔ اور اس سے پوچھا خدا کہاں ہے اس نے جواب
دیا آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا
اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا یہ تو مومنہ ہے۔ اس

بِأَعْتَقَهَا

تشریح - انسانوں کے مابین کئی ایک حقوق ہیں۔ جن کی پاسداری لازم ہے۔ مثلاً ایک عام حق جس کو ہم انسانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر خصوصی حقوق مثلاً حق دینی رشتہ داری کا حق وغیرہ۔ یہ حدیث ان میں سے دو حقوق کی ادائیگی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور صحابہ کرام کے اطاعت رسول کو بھی ظاہر کرتی ہے چنانچہ لڑکی کے تھپڑ مارنے پر حضرت عبداللہؓ کو ندامت ہوئی۔ اس خیال کے تحت کہ وہ انسانی حق ادا نہ کر سکے۔ ایک ایسے انسان کو سزا دینا دی۔ کیونکہ یہ غفلت جو بکری کے ضائع ہو جانے کا سبب بنی وہ جان بوجھ کر نہیں کی گئی تھی۔ کہ وہ قصور وار ٹھہرتی اور سزاوار سزا نہ تھی۔ اس وجہ سے آپ نے افسوس ظاہر فرمایا۔ پھر یہ عمل ایک حد تک اخلاق کے بلند درجہ کے بھی خلاف تھا۔ جو صحابہ حصہ تھا۔ کہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کے تحت انہیں اپنے جذبات پر پورا پورا غلبہ حاصل تھا۔ غصہ پی جانا۔ لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرنا۔ پران کا عمل تھا۔ اور یوں کی خاص صفت بن چکی تھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس فعل کو زیادہ اہمیت دی وہ اس اہم اور مقدس رشتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جسے ہم رشتہ ایمانی یا رشتہ اسلامی کا نام دیتے ہیں کہ اس کی رعایت اور لحاظ نہایت ضروری ہے۔ جو حدیث میں یوں ارشاد ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کہ صحیح معنی میں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

الْبَحْنِيفَةُ - عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ بَرِيدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا أَهْضُوا بَنَانَهُ وَجَارَنَا إِلَيْهِ هُودِي قَالَ فَنَدَخَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهُ فِي الْمَوْتِ فَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَنَّي رَسُولَ اللَّهِ فَنَظَرُ إِلَى أَبِيهِ فَلَمْ يَكَلِّمْهُ أَبُوهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّي رَسُولَ اللَّهِ فَنَظَرُ إِلَى أَبِيهِ فَقَالَ أَبُوهُ أَشْهَدُ لَهُ فَقَالَ الْغَتِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ - فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَنِي نَسَمَةً مِنَ النَّارِ

حضرت بریدہ بن الحصیب نے فرمایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ چلو اٹھو ہم اپنے پڑوسی یہودی کی عیادت کریں۔ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس کو نزع کی حالت میں پایا۔ آپ نے اس کی حالت اس سے پوچھی پھر فرمایا کہ اقرار کر کہ اللہ کے سوا خدا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر یہودی نے اپنے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر ارشاد فرمایا۔ اقرار کر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ یہودی نے دوبارہ باپ کی طرف نظر اٹھائی تو اس کا باپ بولا اقرار کرے۔ تو اس جوان نے کہا کہ میں قرا کر تا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے

وفي رواية انه قال ذات يوم ،
لا محاباة انهمضوا بنا نعود
جاءنا اليهودي .

قال فوجدته في الموت فقال
اتشهد ان لا اله الا الله -
قال نعم قال اتشهد اني رسول
الله قال فنظر الرجل الى ابيه
قال فاعاد عليه رسول الله صلى
الله عليه وسلم فوصف الحديث
ثلاث مرات الى اخره على هذا
المبدأ الى قوله فقال اتشهد انك
رسول الله -

فقال رسول الله صلى الله عليه و
سلم الحمد لله الذي انقذني من النار

میرے ذریعہ ایک انسان کو دوزخ کی آگ سے بچایا۔
ایک روایت اس طرح کہ ایک من اپنے اپنے صحاب
سے فرمایا چلو اٹھو ہم اپنے ایک یہودی پڑوسی کی بیمار
پر سی کریں۔ راوی نے کہا کہ جب آنحضرتؐ اس کے
قریب پہنچے تو اس کو حالت جانکنی میں پایا۔ اپنے اس سے
فرمایا کہ کیا تو اقرار کرتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود
نہیں۔ اس نے کہا ہاں بیشک۔ پھر فرمایا کیا تو اقرار
کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر اس یہودی
نے نظر اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ راوی نے
کہا کہ آپ نے اپنا کلام مبارک دہرایا۔ اس روایت میں
تین مرتبہ تکرار ہے باقی حدیث اسی طرح ہے یہاں تک
کہ مریض نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول
ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کا
شکر ہے کہ اس نے ایک انسان کو جس کا طفیل دوزخ
کی آبیخ سے محفوظ رکھا۔

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر یہودی، نصرانی، یا مجوسی کی بیمار پر سی کی جائے۔ تو کوئی حرج نہیں
خاص کر جبکہ کوئی تبلیغی مقصد پیش نظر ہو۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے نمونہ دکھایا۔ امام محمدؒ نے آثار میں اس کی تخریج کی۔ اور
اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ کفار کی بیمار پر سی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ حدیث حقوق ہمسایہ کی وضاحت کرتی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ہمسائیگی اسلام کے حدود تک
محدود نہیں۔ بزاز، ابونعیم، اور طبرانی نے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پڑوسی تین قسم
کے ہیں۔ ایک وہ جس کا صرف ایک پڑوس ہی کا حق ہو مثلاً وہ مشرک جس سے کوئی رشتہ داری کے روابط نہ ہوں اس
کو صرف پڑوس کا حق حاصل ہے۔ یہ گویا حقوق میں سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے۔ نہ حق اسلام اس کو نصیب نہ
نہ حق قرابت۔ دوسرا وہ جس کو دو حق حاصل ہیں۔ مثلاً وہ جو مسلمان بھی ہو اور پڑوسی بھی پس اس کو دو حق حاصل
ہیں۔ حق اسلام اور حق قرابت۔ یہ متوسط درجہ کا پڑوسی ہے۔ تیسرا وہ جو مسلمان بھی ہو۔ قرابت دار بھی اور پڑوسی
بھی۔ یہ بلند درجہ کا پڑوسی ہے۔ کہ تین حقوق رکھتا ہے۔ کہ حق اسلام بھی رکھتا ہے اور حق قرابت بھی اور پھر
حق پڑوس بھی۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوا کہ بچہ جب اتنی عمر کا ہو کہ کفر کی حقیقت سمجھ سکتا ہو اور کفر ہی میں م
جائے تو عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر اسلام قبول کر لے تو اس کا اسلام صحیح مانا جائیگا۔ ایک دراہم حق اس میں
یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مذہب کے لوگوں کو دین کی دعوت ضرور دے۔

بَابُ التَّوَقُّفِ فِي
ذَرَارِي الْمَشْرُكِينَ

مشرکین کی اولاد کے بارے میں
فیصلہ دینے سے توقف کرنے
کا بیان

البوحيفة عن عبد الرحمن بن
هرمزا الأعرج عن أبي هريرة أن رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال كل مولود
يولد على الفطرة فابواه يهودانه وينصرانه
قيل فمن مات صغيرا يارسل الله قال
الله أعلم بما كانوا عاملين :

حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر پیدائش بوجہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسکے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی بناتیتے ہیں۔ آپؐ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اگر بچپن میں مر گئے تو آپؐ فرمایا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے ہیں۔

تشریح :- فطرۃ سے مراد طبع سلیم اور صلاحیت جبلی ہے۔ جو ہر بچہ ماں کے پیٹ سے لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اس میں اچھائی برائی ہر دو کی استعداد ہوتی ہے۔ اگر یہ کفر و شرک لگی آلودگیوں سے پاک رہے اور کفر کے ماحول سے اس کا دامن و اغدار نہ ہو تو اس میں ایمان کے قبولیت کی پوری صلاحیت ہوتی ہے۔ اور وہ بچہ حد بلوغ پر پہنچکر صراطِ مستقیم پر خود بخود چل پڑتا ہے۔ بد قسمتی سے اگر اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی والدین مل گئے تو اپنے اثرات سے اس کی سلامت روی کو کج روی سے بدل کر اس کی سادہ طبیعت کا رخ پلٹ دیتے ہیں۔ اسی بات کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ ایک شدید اختلاف فی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کفار کے نابالغ بچے از روئے شرع کافر ہیں یا مومن جنتی ہیں یا دوزخی۔ بعض کہتے ہیں کہ انکا معاملہ مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے۔ بہیقی نے اس کی نسبت امام شافعی کی طرف کی ہے کہ اولاد کفار کے بارے میں وہ اسی خیال کے حامل ہیں۔ امام مالکؒ کوئی امر صریح وار دہنہیں۔ البتہ ان کے اصحاب نے صراحت کی ہیں کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہیں اور مشرکین کی اولاد کا معاملہ مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ امام احمد اس کے قائل ہیں کہ اولاد مشرکین دوزخ میں ہیں۔ امام ابو حنیفہ توقف کے قائل ہیں۔ کیونکہ قطعی فیصلہ کسی خالص طرف نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ اس حدیث کے الفاظ بھی اسی خیال کی پر زور تائید کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرتے۔ نیکیاں کرنے کے جنتی بنتے یا برائیاں کرتے اور دوزخی قرار پاتے جب تمام تر معاملہ اللہ کی مشیت پر ہو تو قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تو وقف بہتر ہے۔

بَابُ أَصْلِ الْإِسْلَامِ لِشَهَادَةِ

باب اسلام کی اصل توحید کی شہادت سے

ابو حنيفة عن ابي الزبير عن

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جاءوا رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال امروا ان اقاتل الناس حتى
يقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها
مضوا مني دماءهم واموالهم
الا بحقها وحسابهم على الله تبارك
وتعالى :

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو حکم ہے کہ میں کافروں
سے اس وقت لڑتا اور جہاد کرتا رہوں جب
تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جب وہ کلمہ توحید
کہہ لیں گے۔ تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے
بچالیں گے۔ مگر کسی شرعی حق میں پھر ان کی ولی حالت
کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

تشریح :- فرمایا حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔ ایک صورت تو اس کی یہ حالت ہے کہ کافر کلمہ پڑھ کر
مسلمان ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تو اب ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے
کہ مسلمان تو نہ ہوئے۔ لیکن اسلامی حکومت کے سامنے تسلیم خم کیا۔ اور لو اسے اسلام کے سایہ میں امن کے
خواہاں ہوئے۔ مثلاً جزیہ قبول کیا۔ صلح کے طالب ہوئے۔ اسلامی قانون و حکومت کے سامنے جھکا دیا۔ تو اس
صورت میں بھی جان و مال محفوظ ہے۔ اور الا بحقہا سے وہ مواقع مراد ہیں۔ جن میں بسلسلہ حدود و تعزیرات
اور نفاذ احکام اسلام ان کی جانیں بھی لی جائیں گی اور مال بھی مثلاً کسی کو مار ڈالا تو قصاص لیا جائے گا۔ زنا کاری
کے مرتکب ہوئے مجرم کیا جائے گا کسی کا مال غصب کر لیا تو مال لیا جائے گا۔ اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ میں بھی
مال لیا جائے گا۔ آخر میں فرمایا وحسابہم علی اللہ یعنی ولی حالت کے قبضے کا بار ہم پر نہیں۔ اگر زبان سے کلمہ پڑھ
لیا۔ اور دل میں نفاق، ریاکاری، یا زندقیت پھپھائے رکھی تو اس کی باز پرس کا حق ہم کو نہیں۔ ان کے حساب
کتاب اور مواخذہ کا معاملہ خدا کا حق ہے۔ اس ذمہ داری سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سبکدوش کیا ہے۔ چنانچہ
اسی حدیث کی روشنی میں اگر کوئی بدعتی و منافق زبان سے توبہ و اقرار کر لے تو قبول کر لیا جائے گا۔ اور ان کو اس
سے کوئی عرض نہیں کہ دل میں کیا ہے۔

باب عدم کفر اهل الکبائر

باب یہ کہ بڑے بڑے گناہ کرنے کفر نہیں

لازم آتا

الوحیفة عن ابی الزبیر قال

قلت لجابر بن عبد الله ما كنت
تعدون الذنوب شركا قال لا قال
ابو سعيد قلت يا رسول الله هل في
هذه الامة ذنب تبلغ الكفر قال لا
الا الشراك بالله تعالى :

حضرت ابو زبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ
سے دریافت کیا کہ کیا تم دیکیرہ گناہوں کو شرک شمار
نہیں کرتے تھے۔ کہا نہیں۔ حضرت ابو سعید کہتے
ہیں کہ میں نے آنحضرت سے پوچھا کیا کہ اس امت
میں کوئی گناہ ایسا ہے جو کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ نہیں سوائے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک
کرنے کے۔

تشریح :- یہ چند احادیث اس امر کی وضاحت کیلئے لائی گئی ہیں کہ گناہ کبیرہ مثلاً خونریزی چوری

شراب نوشی کا ارتکاب کفر نہیں۔ یہ دراصل خوارج کی تردید ہے جو اس کے قائل ہیں۔ کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مومن کافر ہو جاتا ہے۔ مزید یوں سمجھئے کہ یہ مسئلہ کئی شعبہ ہائے خیال پر مبنی ہے ایک طرف خوارج ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا گویا ایمانی سرحد کو پار کر کے کفر کی سرحد میں چلے جاتا ہے۔ ان کے سامنے اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آل حضرت نے لایذنی الزانی دھوم دھوم ولا یسقی السارق دھوم من کہ زنا کار سجالت زناکاری مومن نہیں رہتا۔ اور چور سجالت چوری مومن نہیں ہوتا۔ اور کئی ایک احادیث صحیحہ جن میں ان کے ایمان دار ہونے کی وضاحت ہے ان کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ مومن کے ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ ایمان کے بعد بے کھٹکے جنت میں داخل ہو گا۔ ان کے سامنے اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا استجاب نے من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنة کہ جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ یہ ان تمام آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے اغماض برتتے ہیں۔ جن میں اہل معاصی کے لئے سزا و عذاب کی وعید ہے۔ معتزلہ نے بیچ کی راہ نکالی۔ کہ مومن ہے نہ کافر کلمہ پڑھنے سے کفر سے نکل آیا اور گناہ کبیرہ سے ایمان سے خارج ہوا۔ اس کو محض فاسق کہہ سکتے ہیں۔ یہ گویا کفر و ایمان میں ایک درمیانی جگہ مانتے ہیں۔

یہ حدیث ان لوگوں کی غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے۔ جو حدیث من ترک الصلوۃ فقد کفر کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا کے تحت ہر اس شخص کو کافر مانتے ہیں جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے کیونکہ ان احادیث صحیحہ کے معانی کو اپنی جگہ پر قرار دیکھنا مجبور کرتا ہے کہ من ترک الصلوۃ فقد کفر کی تاویل کی جائے مگر یہاں یہ مطلب نہیں کہ نماز کا تارک اصل ایمان سے نکل کر حقیقی کفر میں داخل ہو جاتا ہے بلکہ درحقیقت قرب کفر مراد ہے کہ نماز کے ترک سے کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ حدیث کی یہ ترجمانی کیوں نہ کی جائے جب کہ نفس ایمان کی حقیقت اقرار شہادتین سے زائد نہیں اور شارع اسلام اور صحابہ کرام کے نزدیک ہدایت ایمانی یا دعوت ایمانی اسی حد پر ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا آنحضرت نے من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنة یا فرمایا من شہد ان لا الہ الا اللہ ان محمد رسول اللہ صوم اللہ علیہ النار یا اس قسم کی اور صحیح احادیث کہ ان میں دوزخ کا حرام ہونا یا جنت میں داخل ہونا محض کلمہ شہادت کے اقرار پر موقوف ہے صاحب سنن ابوداؤد بھی حضرت انس سے اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایمان کی اصل تین چیزوں پر ہے۔ کلمہ گو سے دست کش رہنا۔ محض گناہ کی وجہ سے اس کو کافر نہ بنانا اور اس کو خارج از اسلام نہ بنانا۔ طبرانی ابن عمر سے بعینہ اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کلمہ گو سے باز رہو ان کو کافر نہ بناؤ جس نے ان کو کافر ٹھہرا وہ خود کفر سے قریب ہو گیا۔

حضرت عیاد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص ابن عمر کی خدمت میں آیا۔ اور ان سے پوچھنے لگا کہ ابا عبد الرحمن ذرا بتائیے جو لوگ ہمارے لئے توڑتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں وہ ہمارا

ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن ابی الخاری عن طاؤس قال جاء رجل الى ابن عمر فسلم فقال يا ابا عبد الرحمن ارايت الذين یکسرون اغلاقنا ویقتلون بیوتنا

وَيُخَيِّرُونَ عَلَىٰ أَمْتِنَا أَكْفَرُوا قَالَ لَا
قَالَ إِيَّاكَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَتَأَذُّونَ
عَلَيْنَا وَيَسْكَوْنَ دِمَاءَنَا أَكْفَرُوا
قَالَ لَا حَتَّىٰ يُجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ شَيْءًا قَالَ
وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَىٰ ابْنِ عَمْرِو وَهُوَ
يُحْزِنُهَا وَيَقُولُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا الْحَدِيثُ رِوَاةُ جَمَاعَةٍ
فَرَفَعُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مال و منافع لوٹتے ہیں کیا وہ کافر ہو گئے آپ نے فرمایا
نہیں۔ پھر بولا ذرا تباہیے جو نادہیں کہہ کے ہمارا خون
بہانے ہیں کیا وہ کافر ٹھہریے آپ نے فرمایا نہیں
تا وقتیکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔
طاؤس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کو انگلی ہلاتے
ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ کہتے چلے گئے تھے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اس حدیث کو ایک
جماعت نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

تشریح :- یہ حدیث اگلی حدیث کی گویا تفصیل و تشریح ہے۔ یا تخیل اس سے مطلقاً بلا تخیل معلوم ہوا تھا کہ
گناہ سے مومن کفر تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث میں گناہ کبیرہ کی چوتھی نقب زنی، لوٹ مار اور خونریزی سے
تشریح بھی ہے کہ یہ گناہ مومن کو کافر نہیں بناتے جب تک وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

صحاح سند اسی طرز کی احادیث سے یہ ہیں کہ اہل قبلہ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کافر نہیں ہند وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں
گئے۔ صحیحین میں حضرت معاذ سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے۔ جو
اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرے۔ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے۔ جو اس کے ساتھ
کسی شے کو شریک نہ کرے۔ صحیحین میں حضرت معاذ ہی سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ کوئی
معبود نہیں سوائے خدا کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور دل سے اس کی تصدیق بھی کرے تو اللہ اس پر آگ حرام
کر دیتا ہے۔ سلم میں عثمان سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس کی موت اس حال میں ہو کہ وہ جانتا
ہو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔ غرض کم و بیش ان ہی الفاظ کی بہت سی صحیح
احادیث موجود ہیں جن سب کا مطلب یہ ہے کہ صرف وحدانیت و رسالت کا اقرار خلودنی النار سے بری۔ اور
جنت کو واجب کر دیتا ہے۔ جب یہ حقیقت سامنے آگئی تو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کفر کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں۔
جبکہ کافر کے لئے خلودنی النار لازمی ہے۔ اب رہا معاملہ ان احادیث کا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ سے مومن ایمان
سے نکل جاتا ہے۔ جب ایمان سے نکلے تو کافر ہو جاتا۔ مثلاً حدیث مذکور لا یزنی الزانی وهو مومن اور جن کو دیکھ
کر کئی ایک نے محو کر کھائی۔ اور گمراہی کا شکار ہو گئے پس خلاصہ یہ کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ یہ
سب کچھ شدید وعید اور سخت تنبیہ ہے۔ مقصد یہ بیان ہے۔ کہ مومن اس سخت منرا کو نہ سکھائے نہ اٹھے اور اس کو
کبھی ان گناہوں کی گمراہی نہ دے انسان کتنا ہی بد اعمال اور بد اطوار کیوں نہ ہو یہ گناہ نہیں کرتا کہ وہ مذہب کے خارج ہو مذہب
کی آڑ میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت بدکردار مسلمان اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے
وہ قربانیاں دیتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ جمیت مذہب کی وجہ سے ہے۔
یاد رہے کہ یہاں ایمان سے نفس ایمان مراد نہیں بلکہ کمال ایمان مراد ہے یعنی ان گناہوں کا مرتکب کامل مومن نہیں ہوتا۔
کیونکہ منرا اور عتاب اور حق منرا نش ٹھہرتا ہے۔ ایمان کامل دراصل یہ ہے۔ کہ مومن کا دامن گناہوں سے ایسا

پاک ہو کہ نہ وہ قابل عتاب ہو نہ مستحق سزا۔

باب عدم خلوك المؤمنين النار

ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن جلیۃ
قال سمعت ابا الدرداء صاحب رسول
الله صلی اللہ علیہ وسلم قال بینا
انارذخ رسول الله صلی اللہ علیہ
وسلم فقال یا ابا الدرداء من شہد
ان لا اله الا الله وانی رسول الله
وجبت له الجنة

قلت وان ذنی وان سرق قال
نکت عنی ساعة ثم سار ساعة
فقال من شهد ان لا اله الا الله
وانی رسول الله وجبت له الجنة
قلت وان ذنی وان سرق قال
نکت عنی ساعة ثم سار ساعة
ثم قال من شهد ان لا اله الا
الله وانی رسول الله وجبت له
الجنة قال قلت وان ذنی وان
سرق قال وان ذنی وان سرق
وان رغم الف ابع الدرداء
قال فکافی انظرانی اصبر
ابی الدرداء السبابة یومی الی
ارسلته

باب مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے

حضرت عبداللہ بن جلیہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں
کہ میں نے ابوالدرداء صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہمراہ مکہ کی پہاڑی پر ہوا رہتا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے
ابوالدرداء جو شخص یہ اقرار کرے کہ کوئی معبود نہیں سوا
اللہ کے اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لئے جنت
واجب ہوئی (حضرت ابوالدرداء) کہتے ہیں کہ میں نے
کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت
مخوڑی دیر چپ رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا
جو کوئی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں
اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب
ہوئی فرمایا میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری
کرے آپ نے پھر بھی سکوت فرمایا۔ اور قدر راستہ
چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ سوا اللہ کے کوئی
معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت
واجب ہوگئی۔ میں پھر بولا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری
کے اس بار آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ زنا کرے اور
چوری کھے اور اگرچہ ابوالدرداء کی ناک گرداؤ ہو عبد اللہ شاگرد
ابوالدرداء راوی کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا منظر ایسا دیکھا گویا میں
اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابوالدرداء اپنی شہادت کی انگلی سے
اپنی ناک کے بانس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

تشریح :- اس حدیث میں بھی خواہ مخواہ کے خیال ہائے باطل کو نہایت واضح الفاظ میں لغو بنیاد اور بے اصل ثابت کیا گیا ہے۔ طبرانی اس حدیث کو حضرت ابودرداء سے مختصراً لائے ہیں احمد اور ابن
حبان ان ہی سے مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ احمد اور شیخین حضرت ابی ذر سے بھی اس حدیث کو لائے ہیں۔ تین ہی
مرتبہ تکرار کے ساتھ۔ ترمذی نسائی ابن ماجہ نے بھی ابی ذر سے اس حدیث کو مرفوع ذکر کیا ہے۔ غرض یہ حدیث
باعتبار معنی متواتر ہے اور کئی ایک طرق سے روایت کی گئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کا بظاہر مطلب یہ ہے۔ کہ صرف وحدانیت و رسالت کا اقرار کرنے والا اگر گناہوں سے پاک ہے تو ابتداً جنت اس کے لئے واجب ہوگی۔ اور اگر وہ گناہگار ہے تو سزا بھگتنے کے بعد آخر میں جنت میں داخلہ اس کے لئے واجب ہوگا۔ غرض ان دونوں شہادتوں کا اقرار کرنے والا اگرچہ گناہگار ہو اور وہ بھی مرتکب کبیرہ گناہ کا تب بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ پھر اگر تفکر و تدبر سے دیکھا جائے تو اس ارشاد نبوی میں ان سب ہی کے لئے جنت کا داخلہ ابتداً واجب قرار دیا ہے جو اس کی منشا کے تحت آتے ہیں کیونکہ یہاں وحدانیت و رسالت کی ایسی شہادت اور ایسا اقرار مراد ہے جو صمیم قلب و خلوص دل سے ہو کہ یہ قرار دل کی گہرائیوں تک پہنچ کر سارے بدن اور تمام اعمال بدنی پر اثر انداز ہو۔ اور خشیت الہی اس قدر دل میں بیٹھ جائے کہ نافرمانی کی طرف قدم بڑھانے کی ہمت ہی باقی نہ رہے جب کلمہ شہادۂ تین سے یہ اثر پیدا ہو تو گناہ کیسے سرزد ہوں جب گناہوں کا صدور نہ ہو تو پھر جنت میں داخلہ ابتداً ہی واجب ہوگا۔ سزا بھگتنے کا احتمال ہی باقی نہ رہے گا۔ اسی نظریہ کی طرف نماز کے بارہ میں باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کہ وہ نماز جو روح میں انقلاب پیدا کرے وہ نماز جو نفس کی کاپلیٹ دے وہ نماز جو نہ صرف منہ کو قبلہ کی طرف پھیرے بلکہ دل کا رخ بھی خدا کی طرف کر دے وہ نماز جو قرآن عینی فی الصلوٰۃ کی ترجمانی کرے وہ نماز جو ان تعبدوا اللہ کانکم تراثاً لا کا نقشہ سامنے لے آئے واقعی ایسی نماز یہی اثر دکھاتی ہے۔ کہ بیچانی اور نازیبا بات کرنے کی انسان میں ہمت ہی باقی نہیں رہتی اسی خیال کے تحت کہا جاتا ہے۔ کہ اعمال ایمان کو برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور اس کی حقیقت کے آئینہ دار۔

ابو حنیفہ عن الحارث عن

ابی المسلم الخولانی قال لما نزل معاذ
خص اتاه رجل شاب فقال ما تری
فی رجل وصل الرحم وبر وصادق
الحديث وادی الامانة وعف بطنه
وفرجه وعمل ما استطاع من غیر
غیر انه شک فی الله ورسوله
قال انها تحبط ما کان معها
من الاعمال۔

قال فما تری فی رجل ركب المعاصی
وسفک الدماء واستحل الفروج
والاموال غیر انه شهد ان لا اله
الا الله وان محمداً عبداً ورسوله
مخلصاً قال معاذ ارجو واخاف

ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ نے
میں نزول اچال فرمایا تو ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا
اور کہنے لگا کہ ایسے شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے
جس نے قارب کے ساتھ رحم کی۔ انسان کی طرف لسان
کا ہاتھ بڑھایا۔ سچی بات کی امانت ادا کی سپیٹ
اور شرمگاہ کے معاملہ میں محتاط اور پاک دامن رہا۔ اور
جس قدر ہو سکا نیک کام کئے۔ مگر اللہ اور اس کے
رسول کے بارہ میں شک کیا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا
کہ (وحدانیت اور رسالت کے بارہ میں) اس کا شک
وٹرو اس کے اعمال کو جلا دے گا۔ اور بے اثر کر دے
گا پھر بولا کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے
جو گناہوں کا مرتکب ہوا۔ ناحق خوریزی کی زنا کاری اور
مغضب مال کو حلال جانا مگر اللہ کی وحدانیت اور رسول
کی رسالت کا خلوص دل سے اقرار کیا۔ آپؐ فرمایا کہ اس کبارہ
میں امید بھی رکھتا ہوں (کہ وہ نجات پائے) اور خوف زدہ

عليه قال الفتي واللذان كانت
هي التي احبطت ما معها من
عمل ما تضره هذه ما عمل
ما ازرعهم ان رجلا افقه بالسنة
من هذا

مبھی دکر وہ مستوجب سزا ٹھیرے اس پارس جوان نے
کہا اگر اس کے شک و تردیدوں نے اس کے اچھے اعمال کو
جلا دیا تو اس کے اعمال سیئہ اس کے خلوص دل کی شہادت کو
ضرر نہیں پہنچائیں گے یہ کہہ کر وہ واپس لوٹ گیا حضرت
معاویہؓ فرمایا کہ میرے خیال میں اس سے زیادہ سنت
کو جاننے والا کوئی نہیں۔

تشریح :- اس حدیث کے ضمن میں سچلے مسئلہ کی بھی وضاحت ہوئی اور ایک اور ضروری امر کا بھی تذکرہ
ہوا۔ مسئلہ کی صورت و اصل دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک یہ کہ وحدانیت و رسالت کو تسلیم نہ کرنے سے ہونے والے اعمال
حسنہ موجب ثواب و اجر ہیں یا نہیں دوسرے یہ کہ وحدانیت و رسالت پر یقین رکھنے سے ہونے والے اعمال سیئہ عقیدہ ایمانی
پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں حصہ ثانی اس وقت زیر بحث ہے اور حصہ اول بھی شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس حدیث
میں ہر دو امور پر ایک وقت روشنی ڈالی گئی ہے پہلی صورت کا ذکر قرآن پاک میں کفار کے بارہ میں مستند و مجہد
آیا ہے کہ ان کے اعمال خیر بلا ایمان و تصدیق محض بے اثر ہیں اور بے نتیجہ کہیں اس طرح فرمایا جیبت اعمالہم مالا
من خاتمی بن کہیں یوں ارشاد ہوا جیبت اعمالہم فلا فقیم لہم جود القیامتہ و ذنا۔ اس حدیث میں
اسی کی تشریح فرمائی کہ صلہ رحمی، داد و دہش، صدق کلامی، امانت داری جیسے اعمال حسنہ ایمان نہ ہونے سے
جل گئے کیونکہ تمام اعمال کی اصل اور بنیاد ایمان ہے یہ اعمال گویا اس ایمان کی شاخیں ہیں یا ڈالیاں جب جڑی
نہ ہو یعنی ایمان سرے سے غائب ہو یا جڑ ہو تو ٹوٹ کر گلی مٹی کی ایمان ہو مگر ٹک و شکوک سے خستہ حال تو اب شاخیں
کیسے سرسبز اور بار آور ہوگی یعنی اعمال کیسے اپنا اثر دکھائیں اور موجب ثواب ہوں گے دوسری صورت کی
بھی پوری پوری وضاحت ہے کہ اعمال سیئہ شہادت ایمانی کو نقصان نہیں پہنچے سکتا یعنی اس کو بالکل بے اثر
نہیں کرنے کیونکہ کلمہ شہادت کا سب سے پہلا اثر یہ ہے کہ وہ مومن کو خلودنار سے بری کر دیتا ہے۔ اس اثر کو
گناہ نہیں مٹا سکتا۔ یہ ہی عقیدہ اہل حق کا ہے۔ یہاں سے مرجعہ کا خیال ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ
بعض کو وہم ہوا ہے اور بعض تو یہاں تک بڑھ گئے کہ امام ابو حنیفہ کی طرف بھی مرجعہ ہونے کی نسبت
کر دی اور حضرت غوث پاک سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے غنیہ میں اس کا
اظہار کیا ہے۔ یہ سراسر بے اصل بات ہے۔۔۔ نہ غنیہ میں اس قسم کا کوئی حوالہ ہے نہ ہی امام اعظم
رحمۃ اللہ علیہ کا پاک و امن اس بد عقیدگی کے ناپاک درہبہ سے اکودہ اور طوط سے۔

حماد عن ابی حنیفۃ عن ابی مالک
الاشجعی عن ربیع بن جراح عن حنیفۃ
قال یدرس الاسلام کما یدرس فی التوب
ولا یبقی الا شیخ کبیرا و عجوزا فانیتم یقولون
قد کان قوم یقولون لا الہ الا اللہ وہم لا
یقولون لا الہ الا اللہ قال فقال صلتہ بن زید

حضرت خدیفہؓ سے نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا
کہ اسلام اس طرح مٹ جائیگا جس طرح کپڑے کے
نقوش مٹ جاتے ہیں۔ نہیں باقی بچے گا۔ مگر ایک کھانا
یا ایک پھول بڑھ گیا جو کہیں گے کہ دیکھئے مانہ میں ایک
نوم مٹی جو لا الہ الا اللہ کہا کرتی تھی اور یہ خود لا الہ الا اللہ
نہیں کہیں گے تو دھارین مجلس میں سے صلہ بن زید

فما يغني عنهم يا عبد الله لا اله الا الله
وهم لا يصومون ولا يصلون ولا يجون ولا
يتصدقون قال يجون بهما من
النار -

پالیں گے۔

کہنے لگے اے عبد اللہ ان کو لا اله الا الله کہنا کیا نفع دے
گا جبکہ نہ وہ نماز پڑھتے تھے نہ روزہ رکھتے تھے نہ حج
ادا کرتے تھے اور نہ زکوٰۃ دیتے تھے حضرت حذیفہ
نے جواب دیا کہ وہ اس کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے نجات
پالیں گے۔

تشریح :- اس کی حامل احادیث کو احمد - مسلم - ترمذی نے حضرت انس سے مرفوع روایت
کیا ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ پھر احمد و مسلم کی ایک روایت بھی
کہ قیامت شریر ترین لوگوں کے زمانہ میں ہوگی۔ حاکم نے ابی سعید سے روایت کی ہے کہ قیامت جب قائم ہوگی کہ کوئی
بیت اللہ کا حج ادا کرنے والا نہ رہے گا۔

یہ حدیث بھی گزشتہ مضمون سے پیوستہ ہے جسکی تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے کہ محض اقرار وحدانیت و
تصدیق رسالت مخلوق سے بری کرنے کے لئے کافی ہیں۔ باقی اعمال کی سزا ملے گی۔ یا شفاعت رسول اللہ سے اللہ تعالیٰ
معاف فرما دیں گے۔

الْبُخَنِيَّةُ وَالسَّعْرُ عَنْ يَزِيدَ
قَالَ كُنْتُ أَرَى دَائِي الْخَوَارِجَ فَسَأَلْتُ
بَعْضَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَخِيلٌ
مَا كُنْتُ أَقُولُ فَأَخْبَرَنِي اللَّهُ ،
تَعَالَى بِهِ ۝

یزید کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی رائے رکھتا
تھا۔ یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر رہے اور یہ ہمیشہ دوزخ
میں رہے گا۔ لہذا میں نے بعض اصحاب رسول اللہ علیہ السلام
اس کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے مجھ کو خبر دی کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کافران اس کے خلاف ہے جو یہ کہا
کرتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس بر عقیدے سے
نجات بخشی ۝

تشریح :- یہ حدیث بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ خوارج کا عقیدہ بالکل اور بے بنیاد ہے اور انہوں نے
اغذ مفہوم میں ٹھوکر کھائی ۝

الْبُخَنِيَّةُ :- قَالَ كُنْتُ أَرَى
عَلَقَةَ وَعَطَاءَ بْنِ رِيَّاحٍ فَسَأَلْتُ عَلَقَةَ فَقَالَ
لَهُ يَا أَبَا حَمْدٍ إِنَّ بِلَادَنَا
قَوْمًا لَا يَشْبَتُونَ لَا فَضْلَ الْإِيمَانِ
وَلَا هَوْنُ أَنْ يَقُولُوا إِنَّا مُؤْمِنُونَ
بَلْ يَقُولُونَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ أَنْ شَاءَ
اللَّهُ تَعَالَى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُولُونَ
قَالَ يَقُولُونَ إِنَّا إِذَا انْبَتْنَا

ابو خنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم علقمہ اور عطاء بن ابی رباح
کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ علقمہ نے عطائے سے دریافت کیا ابا حمزہ
ہمارے شہروں (کوفہ و عراق) میں ایسے لوگ ہیں۔ جو
اپنے لئے ایمان بالیقین ثابت نہیں کرتے اور یہ کہنا بلا جہا
ہیں کہ ہم دجال جرم و فحش طور سے) مومن ہیں بلکہ یوں کہتے ہیں
کہ ہم مومن ہیں انشاء اللہ عطائے نے کہا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے
کہ وہ ایسا نہیں کہتے۔ علقمہ نے جواب دیا کہ وہ یہ کہتے ہیں
کہ جب ہم نے اپنے نفسوں کے لئے ایمان ثابت
کیا تو گو یا ہم نے جتنی ہونے کا دعویٰ کیا دیکھو کہ اللہ

لَا تَفْسِنَا الْإِيمَانَ جَعَلْنَا لَا تَفْسِنَا الْجَنَّةَ
 قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا مِنْ خَدَعِ الشَّيْطَانِ
 وَجِبَائِلِهِ وَحِيلِهِ الْجِبَابِ أَلَيْسَ
 دَفَعُوا عَظِيمَ مَنَّةِ اللَّهِ تَعَالَى
 عَلَيْهِمْ دُحُوَالُ السَّلَامِ وَخَالِفُوا
 سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِي عَنْهُمْ يَشْتَبِتُونَ
 الْإِيمَانَ لَا نَفْسَهُمْ وَبِذِكْرِهِ
 ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ
 وَلَا يَقُولُونَ إِنَّا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَإِنَّ اللَّهَ
 تَعَالَى يُوعِذُ أَهْلَ سَمَوَاتِهِ وَبِأَهْلِ
 أَرْضِهِ لَهْذِهِمْ أَهْلٌ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ
 فَقَالَ لَهُ عُلَمَاءُ يَا أَبَا حَمْدٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى
 يُوعِذُ الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ لَمْ يَعْصُوا
 طَرَفًا عَيْنٍ عَنْهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ
 لَهُمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَذَا عِنْدَنَا
 عَظِيمٌ نَكِيفٌ نَعْرِفُ هَذَا فَقَالَ
 لَهُ يَا ابْنَ أَخِي مِنْ هَهُنَا مِثْلُ أَهْلِ
 الْقَدَرِ يَا كَإِنْ تَقُولُ بِقَوْلِهِمْ
 فَإِنَّهُمْ أَعْدَاءُ اللَّهِ تَعَالَى الرَّادُونَ عَلَى
 اللَّهِ تَعَالَى أَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى
 لَنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ فَلِلَّهِ
 الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَذَا لَكُمْ أَجْمَعِينَ
 فَقَالَ لَهُ عُلَمَاءُ أَتَرْمِي يَا أَبَا حَمْدٍ شَرِّهَا
 يَذْهَبُ عَنْ قُلُوبِنَا هَذِهِ الشُّبُهَةُ فَقَالَ
 أَلَيْسَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى دَلَّ الْمَلَائِكَةَ عَلَى
 تِلْكَ الطَّاعَةِ وَالْهَمِّ هَلْ يَأْهَأُ وَعِزُّهُمْ

ہر مومن مرد و عورت کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے ورنہ خلاف
 وعدہ کرنا اس کیلئے عیب ہے اور وہ عیب پاک و منزہ ہے عطاء
 نے کہا سبحان اللہ یہ تو شیطان کے قریب کیے ام کہ تروید اور جیلے
 کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے
 احسان یعنی احسان اسلام کو نہ مانیں اور سنت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے پھریں۔ میں نے
 اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے
 یقین ایمان و بلا شک و شبہ ثابت کیا کرتے۔ اور اسی
 کی روایت آنحضرت سے کرتے۔ پھر عطاء نے کہا۔
 کہ وہ یہ کہا کرتے کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہنے کہ ہم جنتی ہیں۔
 اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اگر سارے آسمان وزمین کے بنے
 والوں کو عذاب دے تو وہ اس سے ظالم نہیں کہلائے
 گا۔ تو علقمہ نے عطاء سے پھر کہا اے ابو محمد اگر اللہ تعالیٰ
 فرشتوں کو عذاب دے جنہوں نے ایک لمحہ کیلئے بھی اس
 کی نافرمانی نہیں کی تو کیا اس عذاب سے اللہ تعالیٰ
 ظالم نہیں ٹھہرے گا۔ عطاء نے کہا نہیں علقمہ بولے یہ
 تو ہمارے لئے بڑی گہری اور باریک بات ہے۔
 ہم اس کو کیونکر سمجھیں عطاء نے ان سے کہا اے بیٹے
 معترکہ تو جیسے میں پس ان جیسے قول سے جو کیونکہ وہ
 اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ کی بات کو جھٹلانے والے
 کیا اللہ اپنے نبی سے نہیں کہتا ہے کہ کہہ دیجئے کہ اللہ کے
 پاس کھلی دلیل ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو راہ راست
 پر لگاتا علقمہ نے کہا اے ابو محمد اس کو تفصیل سے بیان
 کیجئے کہ ہمارے دل اس شبہ سے پاک ہو جائیں تو اس پر
 عطاء نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ایسی طاعت
 کی طرف رہنمائی نہیں کی ہے اور ان کو طاعت کے
 طریقے نہیں سکھائے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت
 بٹھا کر ان کو اس پر جمائے نہیں رکھا۔ علقمہ نے
 جواب دیا بیشک تو عطاء نے کہا یہ اللہ کی وہ

عليها وجبرهم على ذلك قال نعم فقال و
هذا نعم انعم الله تعالى بها عليهم قال نعم
قال فلو طالبهم بشكر هذه النعم ما
تدروا على ذلك وقصروا وكان له ان
يعذبهم بتقصير الشكر وهو غير
ظالم لهم :

نعمتیں ہیں جن سے ان کو سرفراز فرمایا علقمہ نے
کہا ہے درست ہے۔ مطارد نے کہا اگر اللہ تعالیٰ
ان سے ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ اسکی
ادائیگی پر قادر نہ ہو سکے اور اس سے قاصر رہیں گے اور اس کو
حق ہو کہ شکر کی ادائیگی سے کوتاہی کرے نہ میں ان کو عذاب
دے پس وہ ان کے حق میں ظالم نہ ٹھہرے گا۔

تشریح :- یہ حدیث دو اہم امور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایک یہ کہ انا مؤمن انشاء اللہ کہنا ٹھیک
ہے یا نہیں دوسرا قدر کا مسئلہ ہے۔ پہلے امر میں حق مسلک یہ ہے کہ ایسا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس
مرحہ کہنا جائز ہے۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس کا ثبوت نہیں کیا انہوں نے
اپنے ایمان کے ساتھ انشاء اللہ کی قید لگائی ہو۔ پھر قرآن پاک میں جہاں مومنین کی تعریف فرمائی ہے وہاں فرمایا ،
اولئك هم المؤمنون حقا يا كافرين انما اولئك هم الكافرون حقا انما اولئك هم الكافرون حقا انما اولئك هم الكافرون حقا
نے جو اس وقت مومن تھے ان کو مومنین کا نام دیا۔ اور جو کافر تھے ان کو کافر کہا اور چونکہ فی الحال وہ مومن مانے
جاتے ہیں۔ اس لئے ان پر احکام ایمانی صادق آتے اور اس کے آثار مرتب ہوتے ہیں جب احکام بھی جاری ہوتے
اور آثار بھی مرتب ہوتے تو اب ایمان کا وجود حقیقی اور یقینی کیوں نہ مانا جائے ؟

دوسری دلیل عقلی ہے وہ یہ کہ لفظ انشاء اللہ اگر شک کی وجہ سے بولا جائے کہ گویا ایمان میں شک ہے تو یہ تو
مزید کفر ہے اور ایمان سے دست برداری۔ اور اگر طحاظ ادب و ماقبت و نتیجہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یا انکساری
کے پیش نظر یا خود پسندی سے بچنے کی خاطر یہ کلمہ بولا جائے تو بھی درست نہیں کیونکہ یہ لفظ آخر شک ظاہر
کہ تاسے اور مخلص مومن کو اپنے ایمان میں شک کرنا درست نہیں ہے :

وہ گمراہ جو انشاء اللہ کہنا روایت کرتے ہیں۔ یہ دلیل پیش کرنے میں جو حضرت علقمہ کے بیان میں بھی مذکور ہے
کہ ایمان پر یقین ظاہر کرنا خود کو جنتی ٹھہراتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور
چونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے خلاف وعدہ عمل ثابت کرنا کفر ہے اس لئے لامحالہ اس کو مومن کہنا خود کو جنتی کہنے کا مروق
ہے سالانہ دنیا میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور مشر و مبشرہ کے کسی کو شرعاً حق نہیں کہ خود کو جنتی کہے۔ کبھی اس
پر یہ بھی دلیل لاتے ہیں کہ فی الوقت ایمان پر اس لئے نہیں کہ نہ معلوم خاتمہ کیا ہو اور مارا مدار خاتمہ ہے
اس کا وہی صاف جواب ہے جو ابھی گزرا کہ بحث اس وقت سے ہے اگر اس وقت ایمان یقینی نہیں تو احکام
ایمانی کا جاری ہونا کیسا۔ پہلی دلیل کا جواب حدیث میں حضرت عطا کی زبانی خود نقل ہے اللهم يقولون انا مومنون
کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہیں اخاھن اهل الجنة کہ ہم جنتی ہیں کیونکہ ظاہر ہے یہ جب کہہ سکتے ہیں کہ خاتمہ کا
علم ہو کہ جنتی ہونے کا سارا مدار خاتمہ پر ہے۔ بلکہ اگر خاتمہ بھی اچھا ہو تو بھی جنت کا مدنا عمل پر موقوف نہیں بلکہ
رحمت الہی پر چنانچہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ معصوم بندوں کو یا فرشتوں کو عذاب دے تو بھی اس
کے لئے ظلم نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسانات ہر بندہ پر اس قدر ہیں کہ وہ ان کے شکر ادا نہیں کر سکتا۔

یہی قدر کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے۔ جس کی وضاحت حضرت عطاء نے بہت اچھی طرح کی ہے کہ فرشتے کو معصوم ہیں اور ان کی عصمت کو دیکھ کر ظاہر ان کو عذاب دینا ظلم معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کی گردنیں اللہ کے احسانات سے جھکی پڑی ہیں۔ یہ عصمت اسی کے انعام سے ہے اسی نے طاعت کی توفیق دی اسی نے طریق عبادت سکھایا۔ اسی نے ان کے دلوں میں اس کی محبت اتاری۔ آج اگر وہ شکر کا مطالبہ کرے تو فرشتے کب استطاعت رکھتے ہیں کہ اس کا شکر ادا کریں پس اسی تصور میں وہ پکڑ بھی سکتا ہے اور اس کا اسے حق ہے کہ وہ خالق و مالک ہے۔

بَابُ وَجوبِ الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ

ابو حنیفہ - عن ابی الزبیر عن جابر ان سراقۃ قال یدرسول اللہ حدیثنا عن دیننا کانت اولادنا لہ افعل بشئ قد جرت بہ المقادیر وجفت بہ الاقلام فی شئ نستقبل فیہ العمل۔

قال بل فی شئ قد جرت بہ المقادیر وجفت بہ الاقلام قال فغیم العمل قال اعملوا فکل مئیر لما خلق لہ۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاقْتٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرْکَ یٰیْسِرَیْ وَ اَمَّا مَنْ یَّجْحِلْ وَاسْتَغْنٰی وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرْکَ یٰلَعَسَ اَیْسِرَیْ ۝

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے!

حضرت سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ میں ہمارے دین کی حقیقت بیان فرمائیں۔ جو ہمارا مقصد پیدائش سے کیا ہم وہی کہہ رہے ہیں جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جس کو لکھ کر قلم سوکھ گئے ہیں۔ یا یہی چیز ہے جن میں ہم عمل کریں گے۔ آپ نے فرمایا بلکہ وہ چیز عمل سے ہے۔ جو تقدیر میں لکھا گیا اور قلم لکھ کر سوکھ گئے۔ سراقہ کہنے لگے پھر عمل کس لئے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ (نہیں) عمل کرو پس ہر شخص کے لئے وہ آسان ہوگا۔ جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے دیکھ آپ نے یہ آیت پڑھی، پس اللہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی سبلی بات کی تقدیر کی تو ہم اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں آسان کیا اور جس نے سبیل کیا بے پروائی برتی اور سبلی بات کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم سختی آسان کر دیتے ہیں ۝

تشریح :- یہ حدیث تقریباً ان ہی الفاظ کے ساتھ احمد۔ مسلم۔ ابن حبان۔ ابی داؤد۔ ابن مردودہ نے سراقہ سے روایت کی ہے۔ فرمان نبوی کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں ہمارے سارے عمل اسی اندازہ ازل کے مطابق ہیں۔ جو لگ چکا ہے اور جس کو ہم تقدیر کہتے ہیں لیکن اس تقدیر کے یہ معنی نہیں کہ انسان محض بے اختیار اور مجبور ہو کر بیٹھا جائے اور کسب عمل نہ کرے اگر ایسا ہو تو سب کچھ بے کار ہو جائے۔ مگر واقعہ ایسا نہیں تقدیر کا جو کچھ اندازہ ہے وہ مستقبل کی محض ایک حکایت ہے اور آئینہ دار واقعات کی پیش گوئی۔ انسان کی قوت عمل پر اس کا کچھ اثر نہیں اس کی کسب عمل کی طاقت بحال خود باقی ہے اسی قدرست کی بنا پر وہ باجور یا مغرب کے۔ اللہ تخلیق فعل اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت

ہیں ہے۔ یعنی انسان کا سب سے اور اللہ خالق۔

بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْعَمَلِ

حماد عن ابی حنیفۃ عن عبد
العزیز بن رفیع عن مصعب عن سعد
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قال ما من نفس الا وقد کتب
اللہ عز وجل مدخلها ومخرجها
وما هی الا قیۃ قیل ففیم العمل یا
رسول اللہ قال اعملوا فکل مکتبہ لعلکم
لہ فمن کان من اهل الجنة یستر لعل
اهل الجنة ومن کان من اهل النار یستر
لعل اهل النار قال الا انصاری الان حق العمل

عمل کی ترغیب دینا

حضرت سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء انسان نہیں
ہے جس کی ابتدا اور انتہا اور جو کچھ دینا و آخرت میں اسکو
پیش کرنے والا ہے اللہ عز وجل نے کچھ نہ دیا ہو ایک
انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ تو پھر عمل کس لئے ہے
آپ نے فرمایا کہ عمل تو کر و کیونکہ جو شخص جس عمل کیلئے پیدا
کیا گیا ہے اس پر وہی آسان ہوتا ہے پس جو اہل جنت
میں سے ہیں ان کو اعمال اہل جنت سہل ہوں گے اور
جو اہل نار سے ہیں ان کو وہ عمل آسان ہوں گے تو
انصاری نے کہا ہاں اب عمل کرنے کی وجہ معلوم ہو گئی۔

تشریح :- تقدیر کے اس مسئلے میں نہایت مشکل ہوئی ہے ثابت کیا گیا ہے کہ عقل انسانی اس بارہ میں کوتاہ
ہے۔ جو ترک عمل کا مشورہ دیتی ہے اس بنا پر کہ عمل ثواب کی امید پر کیا جاتا ہے۔ ثواب اگر لکھا جا چکا ہے تو وہ
مل کر رہے گا۔ اگر نہیں تو چونکہ تقدیر غلط نہیں ہو سکتی کوئی طاقت حصول ثواب کا سبب نہیں بن سکتی۔ اس
لا حل یوں فرمایا کہ بیشک بظاہر ایسا ہی ہے مگر ترک عمل کوئی معنی نہیں رکھتا عملی طاقت کو اسی لئے سبب چھوڑا
گیا ہے کہ عمل جاری ہے۔ اب جو کرے گا وہ تقدیر کے موافق ہی ہو گا جنتیوں کے لئے نیکی کے کام آسان ہوں
گے اور وہ اپنے اچھے عمل سے آسانی سے جنت کا رستہ طے کرتے چلے جائیں گے روزخجوں کے لئے بدی
کام سہل ہوں گے اور وہ اپنی بد عملی سے دوزخ کی طرف بڑھتے جائیں گے۔ قدرے عمل کیوں بند ہوا وہ عمل سے
تقدیر غلط ہو۔ اور ہمارے دیگر اعمال میں ہم ایسا کرتے بھی نہیں۔ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ رزق
لکھا جا چکا ہے اگر ملنا ہے مل کر رہیگا اگر نہیں ملنا ہے کوئی متن کیجئے نہیں ملے گا۔ پھر ہم کیوں صبح سے شام
ایک خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں اور اڑی ہوئی کا زور لگاتے ہیں کہ رزق مل جائے یہاں ہماری عقل اعمال
دینی کا فلسفہ کیوں نہیں چلاتی کہ رزق کس نے لکھا ہے اور متکثر بھیجی رہی۔ یا مثلاً ہماری آواز
میں ہر ذی ہوش فہم جانتا ہے کہ اگر اجل آ رہی ہے تو لیں نہیں سکتی ملاج معالجہ عیث ہے اگر نہیں آئی ہے تو
کوئی طاقت مار نہیں سکتی۔ پھر بھی دوا دار و محض بیکار ہے اور بے فائدہ اس علم پر بھی علاج معالجہ ہم سے
نہیں چھوڑتا۔ ہم اپنی کوشش میں قدرے سجت نہیں کرتے تو پھر عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ دینی معاملات
میں اپنی غلط منطقی چلاتی ہے اور عمل سے روکتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو بدی سمجھاتی اور خوں خاص
پیدا کرتی ہے۔

البوحیفة عن عبد العزیز عن
مضعب بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من
نفس الا وقد کتب اللہ مدخلها ومخرجها
وما هی الا قیة فقال رجل من الانصار نفیم
العمل اذ ایا رسول اللہ فقال اعملوا فکل
میسر لما خلق لہ اما اهل الشقاوة فیسروا
یعمل اهل الشقاوة واما اهل السعادة فیسروا
یعمل اهل السعادة فقال الانصاری الان حق
العمل۔

وفي رواية اعملوا فکل ميسر من
كان من اهل الجنة يسر لعمل اهل
الجنة ومن كان اهل النار يسر
لعمل اهلها فقال الانصاری الا ان
حق العمل۔

نوٹ:- اس حدیث کو ما قبل والی حدیث پر منطبق کر کے اسی کی تشریح دیکھ لی جائے۔

باب ذم القدریة

البوحیفة عن الہیثم عن نافع
عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یحبی قوم یقولون
لا قدر ثم یخرجون منه الی الزناقة فاداء
لقیتهم فلا تسلوا علیہم وان مرضوا فلا
تعودوہم وان ماتوا فلا تشیعوہم فانہم
شیعة الدجال وجوس ہذا الامنة حق
علی اللہ ان یلحقہم بہم فی النار۔

تشریح:- اس حدیث میں قدریوں کے بائیکاٹ اور ترک مواصلات کی نصیحت ہے کہ ان سے وہ رشتہ
نہ رکھا جائے جو ایک مسلمان سے رکھا جاتا ہے۔ ان کو مجوس امت اس لئے فرمایا کہ مجوس دو خدا ماننے والے ہیں ایک
یزدان سجلائی کا خدا دوسرا ہرمن برائی کا خدا یہ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ یہ ہر انسان کو اس کے افعال کا خالق

سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کا آغاز انجام اور جو کچھ اسکو
پیش آئے والا ہے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے ایک
انصاری بولے تب پھر یا رسول اللہ عمل کس لئے ہے
آپ نے فرمایا عمل تو کرو۔ ہر ایک کے لئے وہی سہل
ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ بد بختوں کے لئے
بد بختی کے کام سہل ہیں اور نیک کے لئے بد بختی
کے کام اس پر انصاری نے کہا اب عمل کرنے
کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عمل کرو ہر ایک
کے لئے آسانی ہے جو جنتی ہو اس کے لئے جنتوں
کے کام سہل ہیں اور جو دوزخی ہو گا اس کے لئے
دوزخیوں کے کام آسان ہوں گے۔ انصاری نے
کہا تو اب عمل کرنے کی وجہ واضح ہو گئی۔

نوٹ:- اس حدیث پر منطبق کر کے اسی کی تشریح دیکھ لی جائے۔

دفرق قدریہ کی مذمت

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں
پھر وہ زندیقی ہو جائیں گے تو اگر تم انہوں سے ملو تو
انکو سلام نہ کرو اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی
کے لئے نہ جاؤ۔ اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ
میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ہمراہی اور اس
امت کے مجوس ہیں۔ حکم الہی سے ثابت ہے کہ ان کو انہیں
کے ساتھ دوزخ میں ملائے گا۔

تشریح:- اس حدیث میں قدریوں کے بائیکاٹ اور ترک مواصلات کی نصیحت ہے کہ ان سے وہ رشتہ
نہ رکھا جائے جو ایک مسلمان سے رکھا جاتا ہے۔ ان کو مجوس امت اس لئے فرمایا کہ مجوس دو خدا ماننے والے ہیں ایک
یزدان سجلائی کا خدا دوسرا ہرمن برائی کا خدا یہ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ یہ ہر انسان کو اس کے افعال کا خالق

جانتے ہیں گویا انہوں نے شرک کیا۔ لہذا ان کا حشر و نشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔ قرآنی آیات قدریس کے اس خیال کی تردید کرتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔ **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو بھی۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ مذلتی ہو جائیں گے جب ان سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیماری پر ہنسی کو نہ جاؤ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے محسوس۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملا دیگا۔

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
يحيي قوم يفتون لا قدر ثم يخرجون منه
الى الزندقة فاذا القيتوهم فلا تسلموا
عليهم وان مرضوا فلا تغودوهم وان ماتوا
فلا تشهدوا جنازتهم فانهم شيعة
الدجال ومحسوس هذه الامة وحقا
على الله تعالى ان يلحقهم بهم في

النار

تشریح: قدر کو سلام نہ کرنے کا مطلب ہے ان کا مطلق معاشرتی مقاطعہ کیا جائے تاکہ اس قسم کے غلبہ مقاصد اپنانے کی کسی کی بہت نہ پڑے اور بائیکاٹ سے یہ اپنی اس بدعتیہ گئی سے توبہ کر لیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت کی اور نیز آپؐ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے معبود نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان قدریوں سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ تشریح: فرقہ قدریہ نے اسلام میں بہت زیادہ انتشار پھیلا یا لہذا ان کی مذمت میں کتبِ حاوِث برہیدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور کوئی نبی یا رسول دیکھنے زمانہ میں ایسے نہیں آئے۔ جنہوں نے ان پر لعنت نہ کی ہو اور اپنی امت کو ان سے گفتگو کرنے سے منع نہ کیا ہو۔

ابو حنیفہ عن سالم عن ابن عمر
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال لعن الله القدرية وقال ما من نبى
بعثه الله تعالى قبلى الا حذر امته منهم
ولعنهم

تشریح: فرقہ قدریہ نے اسلام میں بہت زیادہ انتشار پھیلا یا لہذا ان کی مذمت میں کتبِ حاوِث برہیدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور کوئی نبی یا رسول دیکھنے زمانہ میں ایسے نہیں آئے۔ جنہوں نے ان پر لعنت نہ کی ہو اور اپنی امت کو ان سے گفتگو کرنے سے منع نہ کیا ہو۔

ابو حنیفہ عن علقمة بن ابی بربیع
من ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
لعن الله القدرية وما من نبى و
لا رسول الا لعنهم ومنى امته عن الكلام
معه

تشریح: حدیث کا نفس معنون مکرر ہے اور تشریح گزر چکی ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قدریہ جو قدر کو نہیں جانتے اس امت کے محسوس ہیں اور وہ دجال کے ہمراہی ہیں۔

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم القدرية
محسوس هذه الامة وهم شيعة الدجال

تشریح :- اس حدیث کی تشریح کے لئے پچھلی شرح کافی ہے۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ

شفاعت کا بیان !

الْبُحْنِيفَةُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ صَهْبٍ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَخْرُجُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيدُ فَقُلْتُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا قَالَ جَابِرٌ أَفَرَأَى مَا قَبْلُهَا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَمَّا هُوَ فِي الْكَفَارَةِ فِي رِوَايَةٍ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيدُ فَقُلْتُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا فَقَالَ جَابِرٌ أَفَرَأَى مَا قَبْلُهَا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَٰلِكَ

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ يَزِيدَ قَالَ سَأَلْتُ

جَابِرًا عَنْ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يَخْرُجُ اللَّهُ تَعَالَى قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِنُورِهِمْ ثُمَّ يَخْرُجُ بِهِمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ فَايْنَ قَوْلُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى الْآخِرَةِ ۝

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدفے مومنین دگنا سگاریوں کو کھودوزخ سے نجات دے گا۔ (ان کے شاکر) یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے وما ہم بخارجین منها کہ وہ اہل دوزخ) وہاں سے نکالے جانے والے نہیں۔ حضرت جابر نے فرمایا ذرا اس کا قبل تو پڑھو ان الذین کفروا کہ یہ تو عدم خروج) کفار کے حق میں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اہل ایمان سے ایک قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدفے دوزخ سے نکلنے گی۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ وہ اس سے نکالے جانے والے نہیں حضرت جابر نے کہا اس سے قبل کا حصہ تو پڑھو ان الذین کفروا یہی کافر تو ہیں رحمن کی طرف اشارہ ہے) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یزید سے اس طرح آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے شفاعت کے بارے میں دریافت کیا آپ نے کہا کہ اہل ایمان سے ایک قوم کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے سبب عذاب دے گا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا وسیلہ انکو دوزخ سے نکال لے گا یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ صریحاً۔ پھر آخر تک حدیث ذکر کی ۝

تشریح :- یہ باب شفاعت کے بیان میں ہے جان لیجئے کہ یہاں یہ احادیث جو قدر پر ایمان ثابت کرتی ہیں۔ اور قدر یوں کی مذمت ظاہر کرتی ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں شفاعت کے وجود اور حقیقت کو تسلیم کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم قرۃ قدریہ کے مخالف اور شفاعت کو ماننے والے تھے۔ امام صاحب کی ان مرویات کو دیکھنے کے بعد اگر کوئی افسر پر واز اب بھی امام صاحب کی طرف اعتزال کی نسبت کرے تو یہ انصاف نہ ہوگا۔ بلکہ صاف ظلم و اتہام ہے۔

مسئلہ شفاعت میں اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے معتزلہ کا کہنا ہے کہ چھوٹے گناہ تو یہ سے یا بلا توبہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ بلا توبہ معاف نہیں ہوتے اور شفاعت محض ثواب کے درجات کی بلندی کے لیے ہے۔ نہ کہ معافی گناہ کبیرہ کے لئے ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شفاعت سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ معتزلہ اپنے خیال بالکل کے ثبوت میں عقلی دلیل لاتے ہیں وہ اس سے گناہ کا گناہ پر جبری کرنا اور جرم پر آمادہ کرنا ہے۔ کہ اس سے سزا سے بچاؤ کا ایک راستہ مل جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی معافی بشفاعت و بلا شفاعت جائز ہے واجب نہیں کہ گناہ گار کو بھروسہ کی گنجائش پیدا ہو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر برکاری کی پاداش نہ ملے تو یہ ایک قسم کی خلاف وعدگی بھی ہے اور غلط بیانی کہ کہا تو یوں من جعل سوء یجزیہ یا جزاء سبباً مٹیۃ مثلہا یا من اساء فعلیہا لیکن شفاعت سے معاف کر کے برے کو برائی کا بدلہ نہ دیا بد کو بدی کی سزا نہ دی۔ مجرم کو جرم کی پاداش نہ ملے گی تو یہ صاف غلط بیانی ہوگی یہ کھلی خلاف ورزی نہیں تو کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ بخلائی میں خلاف کرنا عیب ہے مگر عضو جرم یا معافی سزا خلاف وعدگی ہرگز نہیں۔ یہ تو درحقیقت ایک صاحب حق کا اپنے حق سے دست بردار ہونا ہے جس طرح کوئی فرض خواہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور فرضدار کو معاف کر دے اور اس میں کوئی عیب نہیں بلکہ خوبی ہے۔ معتزلہ اپنے مذہب کے ثبوت میں قرآن کی آیات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً فرمایا لا تقبل منها شفاعتہ۔ یا ما للظالمین من حیم ولا شفیع یطاع یا فما تنفعهم شفاعۃ الشافعین یا ما من شفیع الا من بعد اذ نہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں ہیں اس لئے انہیں کے ساتھ مخصوص رہنگی اور یہاں بحث گناہ گار مومنین کی ہے نہ کہ کفار کی اور تخصیص کیوں نہ کی جائے جبکہ بغیر شفاعت مومنین کے گناہوں کی معافی قرآن سے ثابت ہے تو شفاعت سے معافی کیوں نہ ہو کہ فرمایا ویغفر عن کثیر ما ارشاد ہوا ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء جو گناہ صغیرہ و کبیرہ سب کو عام ہے۔ اور پھر جبکہ ماویث مشہورہ بھی شفاعت کے ثبوت میں موجود ہیں تو اس میں مزید کلام کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور پچھلی آیت تو خود ان کے خیال کی ترمیم کر رہی ہے اور ان کے ٹک کا جواب اسی میں ہے۔ کہ اذن کے بغیر کسی کو شفاعت کا حق نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اذن حاصل ہے اور قیامت میں بھی اذن حاصل ہوگا۔ پس ثابت ہو گیا کہ شفاعت حق ہے۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم

عن الاسود عن ربعی بن حراش عن حدیثہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یمخرج اللہ قوماً من الوحید بن من النار بعد ما امتحنوا واداروا فمخا ذلک یمخرج اللہ قوماً من الجنة فیستغفون الی اللہ تعالیٰ یمحق عنہم اهل الجنة الجہنمین فینہب اللہ تعالیٰ عنہم ذلک

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ سے مومنین کی ایک جماعت کو نکالے گا۔ جبکہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے اور ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ پھر وہ اللہ سے فریاد کریں گے کیونکہ جنتی جہنمی کے نام سے انکو کلا پی گئے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور کر دے گا۔

تشریح: حادی امام اعظم پر حجہ کا اہتمام لگایا تھا اور اس حدیث سے یہ الزام دور ہو گیا۔ کیونکہ مرتبہ اس بات

کے قائل ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ مومن کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ وہ بے کشتی اور بغیر روک ٹوک جنت میں جائے گا اور یہ حدیث اس خیال کی بیخ کنی کرتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گناہگار مومنین دوزخ میں جائیں گے۔ پھر اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے اور اللہ بہت سے گناہگار مومنوں کو عذاب دوزخ سے نجات دے گا۔ امام صاحب کی اس روایت کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام صاحب مرتبہ تھے۔

ابو حنیفہ عن عطیة عن ابی سعید

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ
عَسَىٰ اَنْ یَّعْتَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُودًا قَالَ
المَقَامُ المَحْمُودُ الشَّفَاعَةُ یُعَذِّبُ اللہ تعالیٰ
قَوْمًا مِنْ اهل الْاِیْمَانِ بِذُنُوبِهِمْ ثُمَّ
یُخْرِجُ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم
فِیَوْمَئِذٍ بِہُمْ نَهْرًا یَقَالُ لَہِ الْحَیَوَاتِ اَنْ
تَغْتَسِلُوْنَ فِیْہِ ثُمَّ یدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
فَیَسْتَمُوْنَ فِی الْجَنَّةِ الْجَہَنْمِیِّیْنَ ثُمَّ
یَطْلُبُوْنَ اِلٰی اللہ تعالیٰ فِیْذَہِبْ عَنْہُمْ
ذَٰلِکَ الْاِسْمُ ۝

و فی روایۃ قال یُخْرِجُ اللہ تعالیٰ
قَوْمًا مِنْ اهل النَّارِ مِنْ اهل الْاِیْمَانِ
وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ
وَسَلَّمَ وَذَٰلِکَ ہُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ فِیَوْمَئِذٍ بِہُمْ
نَهْرًا یَقَالُ لَہِ الْحَیَوَاتِ فِیْہِ
فَیَسْتَمُوْنَ بِہِ کَمَا یَنْبَغُ الثَّعَارِیْرُ ثُمَّ
یُخْرِجُوْنَ مِنْہِ وَ یدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
فَیَسْتَمُوْنَ فِیْہَا الْجَہَنْمِیِّیْنَ ثُمَّ یَطْلُبُوْنَ
اللہ تعالیٰ اَنْ یَذْہِبْ عَنْہُمْ ذَٰلِکَ
الْاِسْمَ فِیْذَہِبْ عَنْہُمْ۔

و زَادَ فِی الْاُخْرَیِّ وَ عَقَّاءَ اللہ
تعالیٰ۔

و رَوٰی ابُو حَنِیْفَةَ ہٰذَا الْحَدِیْثَ
عَنْ اَبِی رُوْبَیْعَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے اس ارشاد عسیٰ ان یعتک ربک مقاماً محموداً کہ پہنچائے گا تم کو تمہارا رب مقام محمود پر کے ذیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب دوزخ کا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے وسیلے سے نکالے گا پھر وہ حیوان نامی نہر پر لائے جائیں گے اور اس میں غسل کریں گے پھر جنت میں لیجائے جائیں گے نوز جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی حضور اس بارہ میں التجا کریں گے اور اللہ تعالیٰ انکے اس نام کو مٹا دیگا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل ہونے والے اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود پھر وہ نہر پر لائے جائیں گے جبکہ حیوان کہا جائے پس وہ اس میں اُلے جائیں گے تو وہ دوزخ تازہ لکڑیوں کی طرح اس میں دفوراً اگ آئیں گے۔ پھر اس سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے اور وہاں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے گزارش کریں گے کہ وہ ان کا یہ نام مٹائے۔ تو یہ نام ان کا مٹ جائے گا۔ اور اس روایت کے آخر میں عتقاء اللہ زبیر وہ کیا د یعنی وہ اس نام سے موسوم ہوں گے۔ کہ اللہ کے آزاد کئے ہوئے امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کو ابی روبرہ شداد بن عبد الرحمن سے بھی روایت

عن ابی سعید: کیا ہے اور وہ ابی سعید سے روایت کرتے ہیں: شفاعت کے باب میں جو ملتی جلتی حدیثیں وارد ہیں وہ تو اکثر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ اور ان ہی ابی سعید سے امام مسلم ایک طویل حدیث لائے ہیں۔ جو اسی مفہوم کی ہے۔ ہزار ابی ہریرہ سے بلند ثقات حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں۔ طبرانی اور طبرانی میں مرفوع روایت لائے ہیں اور واسطہ میں انس سے صرف الفاظ میں کسی کسی جگہ متواتر اس اختلاف ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کنز مدفون میں لکھتے ہیں کہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ اقسام ہیں۔ ایک شفاعت عظمیٰ کے نام سے موسوم ہے جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ اس وقت کی جائے گی کہ ساری مخلوق کے مقدمات فیصلہ ہوتے ہوں گے۔ دوسری شفاعت جو اس امت کا حساب جلد لینے کے لئے کی جائے گی۔ چنانچہ ابن ابی الدنیائے نے ایک لمبی مرفوع حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے۔ یا رب عجل حسابہم کہ لے میرے رب ان کا حساب جلد لے لیجئے۔ تو وہ بلائے جائیں گے۔ تیسری شفاعت جو اس لوگوں کے بارہ میں کی جائے گی جنکو دوزخ میں لیجا کر حکم ہوگا۔ پھر وہ اس شفاعت کے سبب نجات پائیں گے۔ ابن ابی الدنیائے اس کو بھی ایک مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت کو دوزخ لے جانے کا حکم لے گا تو وہ کہنے لگیں گے۔ اے محمد سفارش کیجئے۔ میں فرشتوں سے کہوں گا۔ اور ان کو کہے رکھو پھر میں چلا جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ سے حاضری کی درخواست کروں گا تو مجھ کو سجدہ کی اجازت ملے گی پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور انکو نکال لاؤ پھر چھٹی شفاعت جو آپ نے چھا حضرت ابی طالب کی ہے فرمائیں گے کہ ان کا عذاب ٹھٹ جائے۔ پانچویں شفاعت جو آپ چند اقوام کے بارہ میں فرمائیں گے کہ وہ بلا حساب جنت میں جائیں تاہی عیاض نے بھی اسکا ذکر کیا ہے چھٹی شفاعت جو آپ مومنین جنت میں داخل ہونے کے بارہ میں کریں گے۔ ساتویں شفاعت جو آپ جنتیوں کے بارہ میں فرمائیں گے کہ ان کے درجات بلند ہوں اور ان کے اعمال سے زائد ان کو اعزاز نصیب ہو۔ مغزلہ اسی شفاعت کو مانتے ہیں۔ آٹھویں شفاعت جو آپ ترکیبیں گناہ کبیرہ کے معنی میں فرمائیں گے جو دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ اور وہ آپ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ امام غزالی نے احباب میں بھی اس کو مفصل بیان کیا ہے۔

حماد عن ابی حنیفۃ رحمہن عظیمۃ العرف
قال سمعت ابی سعید الخدری یقول سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ علی ان یغفر
ربک مقاماً محموداً قال یخرج اللہ تعالیٰ قومًا
من النار من اهل الايمان والقبلة بشفاعة
محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذلک هو المقام المحمود
فیؤتی بہم مخریقال لہ الحيوان فیلقون فیہ
فیبتون کما ینبت الثمار ثم یخرجون
فیدخلون الجنة فیسمون الجہنمیین ثم

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا عسی ان
یمحک ربک مقاماً محموداً پھر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی شفاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور قبلہ کے
ایک گروہ کو دوزخ سے نکالے گا۔ اور یہی مقام محمود
پھر وہ ایک نہر حیوان نامی پر لائے جائیں گے اور اس
میں ڈالے جائیں گے تو وہ دروازہ گلیوں یا کھیروں کی طرح
آگ آئیں گے۔ پھر نکل کر جنت میں داخل جائیں گے وہاں
انکا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ کی جناب میں عرض

الاسم فیذهب عنهم

کریں گے کہ وہ ان کا یزید نام لکھتے تو اللہ تعالیٰ ان کا نام مٹا دے گا۔
تشریح :- یہ حدیث امام محمد اپنی کتاب آثار میں لائے ہیں۔ امام احمد امام مسلم اور محدث ابن ماجہ نے
 اسی مفہوم کی حدیث اپنے اپنے مجموعہ احادیث میں درج کی ہے۔ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ عقیدہ
 کفر اگر انسان کو کفر کی حد تک نہ پہنچائے تو آخرت میں اس کا نفس ایمان بالآخر اس کو دوزخ سے کھینچ لائے گا۔
 اگرچہ اس کا فسق بہت بڑھ چکا ہو۔ اسی لئے رافضیوں، خارجیوں اور معتزلیوں کے بارے میں یہ فیصلہ اقرب الی
 الصواب ہے کہ اگر ان کے عقائد حد کفر تک نہیں پہنچیں تو یہ فرستے مخلوق فی النار کے مستحق نہیں آخر کار دوزخ سے نجات
 پائیں گے۔

حماد عن ابی حنیفۃ عن عبد الملك

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 القيمة النار بنوہم فیقول لم المشرکون ما
 اغتبا عنکم ایما لکم ونحن وانتم فی دار واحدة
 نغذب فی غضب اللہ عز وجل لہم
 نیا مرن لا یبقی فی النار احد یقول
 لا الہ الا اللہ فیخرجون وقد اختلفوا
 حتی صادوا بالحمة السوداء وجوہہم
 فأنہ لا یزرق علیہم ولا تود وجوہہم
 یؤتی بہم نہرا علی باب الجنة
 فیغتسلون فیہ فیہ حب کل
 نکتۃ واذی ثم یدخلون الجنة
 فیقول لہم الملك لیتم فادخلوہا
 خالد بن فیسمون الجہنمیین فی
 الجنة

قال ثم یدعون فیذهب عنهم
 ذلک الاسم فلا یدعون بہ
 ابداً

فاذا خرجوا قال الکفار
 یا لیتنا کنا مسلمین فذلک قول اللہ
 تعالیٰ عز وجل یمایوذا الذین
 کفروا الذین کفروا مسلمین

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آپ
 نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہل ایمان ایک گروہ
 اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگا۔ تو
 مشرک ان سے کہیں گے کہ تم کو تمہارے ایمان نے نفع نہ
 دیا۔ کہ تم تم ایک ہی گھر میں پڑے عذاب بھگت
 رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں
 آئے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ دوزخ میں ایک
 بھی لا الہ الا اللہ کہنے والا نہ رہے۔ پس وہ اس حالت
 میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر سیاہ کوئلے کی طرح ہو
 گئے ہوں گے سوائے ان کے چہروں کے کیونکہ ان کی
 آنکھیں نیلی ہوں گی نہ ان کے چہرے کا لے پھر وہ اس نہر
 لائے جائیں گے تو جو دروازہ جنت پر ہوگی اور
 اس میں وہ غسل کریں گے تو اس سے ان کی طبیعت کھینچی
 اور جسمانی سوزش فی الفور ختم ہو جائیگی۔ پھر جنت میں پہنچا
 دیے جائیں گے تو ان سے روضہ جنت کیسے گا کہ پاک ہو گئے۔
 تم اب جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روضہ جنت میں ان کا نام
 جہنمی پڑ جائیگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ
 جناب باری میں دعا کریں گے تو ان کا یہ نام مٹ جائے
 پھر وہ اس نام سے کبھی نہیں پکارے جائیں گے۔
 جب یہ دگناہ گار دوزخ سے نکلیں گے تو کافر کہیں گے
 کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے
 اس قول کے ربما یوذا الذین کفروا والوکانوا مسلمین

کہ بسا اوقات کافر کہیں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے
تشریح۔ اسی آیت قرآنی کی تفسیر میں ابن المبارک۔ ابن جریر۔ بیہقی نے انس اور عبداللہ بن عباس
 سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں گنہگار مسلمانوں اور مشرکوں کو جمع کرے گا تو مشرک کہیں گے کہ جس کی تم
 عبادت کیا کرتے تھے۔ اس نے تم کو نفع نہیں دیا اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور ان گنہگاروں کو دوزخ سے
 اپنے رحم سے نکالے گا۔ حماد اور سعید بن مسعود نے اپنی سنن میں اور بیہقی نے ابن عباس سے یوں نقل کیا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ شفاعت اور رحم کی بنا پر گنہگار مسلمانوں کو جنت میں داخل کرتا رہیگا۔ یہاں تک کہ یہ فرمائے گا کہ جو بھی
 مسلمان ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے ربما یؤد الذین کفروا لو کانوا مسلمین
 طبرانی اوسط میں سند صحیح سے حضرت جابر سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ فرمایا آپ نے، کہ میری امت میں سے
 بہت سے لوگوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور اس
 میں کافروں کا یہ قول بھی ہے۔ پھر مسلمانوں کو نکالا جائے گا۔ اور پھر یہ آیت آپ نے پڑھی ربما یؤد الذین کفروا۔ اور
 طبرانی نے ابی سعید سے مرفوعاً اسی قصہ کو روایت کیا ہے۔ اس میں شفاعت انبیاء۔ ملائکہ اور مؤمنین کا بھی تذکرہ

ابو حنیفہ۔ عن حماد عن ابراہیم

عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال ،
 جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه
 وسلم فقال يا رسول الله هل يبقى احد
 من الموحدين في النار قال نعم رجل في
 نعر جهنم ينادى بالحنان المنان حتى يسمع
 صوته جبريل عليه السلام فيتعجب من
 ذلك الصوت فقال العجب العجب ثم لم
 يصبر حتى يصير بين يدي عرش الرحمن
 ساجدا فيقول الله تبارك وتعالى ارفع راسك
 يا جبريل فيرفع راسه فيقول ما رايت
 من العجائب والله اعلم بما سر الامر
 فيقول يا رب سمعت صوتا من نعر
 جهنم ينادى بالحنان المنان
 فتعجبت من ذلك الصوت فيقول الله
 تبارك وتعالى يا جبريل اذهب الى مالك
 قل له اخبر العبد الذي ينادى بالحنان

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں
 نے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدمت
 میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ کیا موحّدین میں سے بھی کوئی
 دوزخ میں باقی رہیگا۔ یعنی مسلمانوں کے نکالے جانے
 کے بعد آپ نے فرمایا ہاں ایک شخص ہوگا۔ دوزخ کے
 پندے میں پکارتا ہوگا۔ یا حنان یا منان یہاں تک
 کہ جبریل علیہ السلام اس کی آواز سن لیں گے اور اس آواز پر
 تعجب کریں گے کہیں گے العجب العجب پھر صبر نہ کر
 سکیں گے اور عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر اللہ
 تعالیٰ فرمائے گا اے جبریل اپنا سر اٹھاؤ تو وہ اپنا سر اٹھائیں
 گے اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم نے کیا تعجب کی بات
 دیکھی حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہوگا جو کچھ انہوں نے
 دیکھا پس وہ کہیں گے اے میرے رب میں نے جہنم کے
 پندے سے ایک آواز سنی کہ کوئی پکارتا ہے اے حنان
 اے منان مجھ کو اس آواز پر حیرت ہوئی اس پر اللہ تعالیٰ
 فرمائے گا اے جبریل واروندہ جہنم کے پاس جاؤ اور اس سے
 کہو کہ اس آدمی کو نکالے جو حنان اور منان کی آواز لگا رہا ہے

الثان فبذہب جبریل علیہ السلام الی باب
من ابواب جہنم فیفری بہ فیخرج الیہ مالک
فیقول جبریل علیہ السلام ان اللہ تبارک
وتعالیٰ یقول اخرج العبد الذی ینادی
بالحثان الثان فیدخل فیطلبہ فلا
یوجد و ان مالکا اعرف باهل النار
من الامم باولادہا فیخرج فیقول
لجبریل ان جہنم قد فکرت ثم فکرة
لا اعرف الحجارة من الحديد ولا
الحديد من الرجال فیرجع جبریل
علیہ السلام حتی یصیر بین یدی
عرش الرحمن ساجداً فیقول اللہ
تبارک وتعالیٰ ارفع رأسک یا جبریل
لم لم تجئ بعدی فیقول یا رب ان مالکا
یقول ان جہنم قد فکرت ثم فکرة
لا اعرف الحجر من الحديد ولا الحديد من
الرجال فیقول اللہ عز وجل قل لما ملک ان
عبدی فی فکر کذا و کذا فی ستر کذا و کذا
وفی راجیة کذا و کذا فیدخل جبریل
فیخبرہ بذلک فیدخل مالک فیجدہ
مطروئاً منکوساً مشدوداً بناصیته
الی قدمیہ و یکداه الی عنقه واجتمعت
علیہ الحیات والعقارب ثم یجذبہ
جذبة اخری حتی تنقطع منه
السلاسل والاغلال ثم یدخلہ
من النار فیصیترہ فی ماء الحیة
و یدفعہ الی جبریل فیاخذ بناصیته
و یمسکہ مائة انما مر بہ جبریل علی
ملا من الملائكة الا وہم یقولون آف

لہذا حضرت جبریل جائیں گے وہ دوزخ کے کسی
دروازہ پر اور دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور نکل کر اپنے
پاس آئیں گے اور اس سے جبریل علیہ السلام کہیں گے کہ اللہ
تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس بندہ کو نکالو جو حثان
اور حثان پکارتا ہے۔ وہ دروازہ دوزخ اندر جا گیا
اور اس ڈھونڈ کا مگر نہ پائے گا۔ حالانکہ ماں اپنی
اولاد کو اتنا نہیں پہچانتی جتنا داروغہ دوزخیوں کو
پہچانتا ہے تو جبریل ہو کر نکل آئے گا اور حضرت جبریل
سے کہیں گے کہ دوزخ نے اس وقت ایک ایسی سانس لی
ہے کہ میں پتھر اور لوہے اور آدمی میں تمیز
نہیں کر سکتا۔ حضرت جبریل واپس جائیں گے۔ اور
عرش کے سامنے سر سجود ہو جائیں گے پھر اللہ تبارک
وتعالیٰ فرمائے گا کہ جبریل اپنا سر اٹھاؤ کیوں کیا تم میرے
بندہ کو نہیں لائے پس وہ کہیں گے اے میرے رب داروغہ
جہنم نے کہا کہ دوزخ نے ایک ایسا سانس لیا ہے کہ میں
پتھر لوہے اور آدمی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس پر اللہ
عز وجل فرمائے گا کہ داروغہ دوزخ سے جا کر کہو کہ میرا
بندہ ان ان گٹھ ہوں میں ایسی ایسی پوشیدگیوں میں اور اس
اس طرح کے کونوں میں ہے۔ حضرت جبریل جا کر داروغہ
کو اس کی خبر دیں گے داروغہ اندر جائے گا تو اس کو
اس حال میں پڑا ہوا پائے گا کہ پیشانی پیروں سے
بندھی ہوئی اور ہاتھ اس کی گردن میں پڑے ہوئے ہونگے۔
سانپ بچھو اس پر لیٹے ہوئے پس داروغہ ایک ایسا جھٹکا
گا کہ سانپ بچھو اس پر سے گر جائیں گے پھر دوسری بار
جھٹکے گا کہ تمام تنکڑیاں، پڑیاں اور طوق ٹوٹ
کر گر پڑیں گے پھر اس کو آگ سے نکال کر چشمہ حیات میں
اس کو ڈالے گا۔ اور حضرت جبریل کے حوالے کرے گا۔
حضرت جبریل اس کو پیشانی سے پکڑ کر کھینچے ہوئے
چلیں گے۔ حضرت جبریل اس کو لٹے ہوئے فرشتوں کی

لهذا العبد حتى يصير بين يدي
عرش الرحمن ساجداً فيقول الله تبارك
وتعالى ارفع رأسك يا جبريل و يقول
الله تبارك وتعالى عبادي انا خلقتكم
بخلق حسن انا ارسل اليك رسولا
الديق اعليك كتابي اكرميا مرامك
وينهاك حتى يقر العبد فيقول
الله تعالى نسلم فضلت كذا وكذا
فيقول العبد يا رب ظلمت نفسي
حتى بقيت في النار كذا وكذا
كذا اخرها لحد اقطع رجائي منك يا
رب دعوتك بالحنان المئات و
اخر جنتي بفضلك فارحمني برحمتك
فيقول الله تبارك وتعالى اشهد و ا
يا ملائكتي باني رحمة

جس جماعت سے گزریں گے وہ کہیں گے نفہ اس بندہ
پر پھر جبریل عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے اللہ تبارک
وتعالیٰ فرمایگا۔ اے جبریل اپنا سر اٹھا اور اللہ تبارک و
تعالیٰ کہے گا کہ اے میرے بندے کیا میں نے تجھ کو اچھی صورت
پر نہیں پیدا کیا۔ کیا میں نے تیری طرف پیغمبر نہیں بھیجا۔
کیا اس نے میری کتاب تجھ پر نہیں پڑھی۔ کیا تجھ
کو اچھائی کا حکم نہیں دیا اور برائی سے نہیں روکا۔ بندہ
سراپک بات کا اقرار کرتا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمایگا
تو پھر تو نے ایسا ایسا کیوں کیا بندہ کہے گا اے میرے رب
میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ (جس کی سزا میں) میں دوزخ
میں اتنے اتنے سال پڑا رہا (مگر) میں نے تجھ سے
امید نہیں توڑی کہ تجھ کو حنان اور منان کر کے بکاڑا
رہا۔ اور تو نے اپنے فضل سے مجھے نکال دیا۔ تو اپنی
رحمت کے طفیل مجھ پر رحم فرما اس پر اللہ تبارک تعالیٰ
فرمائے گا کہ فرشتہ گواہ رہو میں نے اس پر رحم کیا۔

تشریح :- یہ حدیث صاف فرقہ معتزلہ کی تردید کر رہی ہے۔ کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر
انبیاء علیہم السلام اولیاء شہداء علماء و اقربا کی شفاعتوں سے عاصی موقد کا دوزخ سے خروج ہو گا۔ اسی
طرح اس سے بھی کہ حق دار اپنے حق سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ اس کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتہ گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کیا۔ اور کیوں نہ ہو اس کی رحمت سب کو محیط ہے
خود فرماتا ہے وسعت رحمتی کل شئی۔ خواہ یوں کہیں کہ اس کی بخشش و کرم سے مجرم کی سزا کم ہو جائے گی۔
یا یوں مانیں کہ سزا پوری ہونے پر اللہ تعالیٰ اپنے انصاف سے نکالے گا۔ بہر حال دوزخ سے نکالنا مسلم
اور معتزلہ کا مذہب رہا ہو یا کونینکان کے نزدیک متکب کبیرہ تا شب اور متکب گناہ صغیرہ ہر دو دوزخ میں داخل
کے۔ اور کفار اور متکب گناہ کبیرہ دوزخ میں جائیں گے مگر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پھر وہاں سے نکلنے
کی کوئی صورت نہیں۔

روایت ہے کہ حسن بصری کی محفل درس میں ذکر ہوا کہ دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والا شخص ہناد نامی
ہو گا جب کہ وہ ایک ہزار سال کی سزا کاٹ چکے گا اور یا حنان اور یا منان کی آواز بلند کرے گا۔ اس پر حسن
بصری رو پڑے اور فرمایا اے کاش میں ہناد ہوتا۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ کیسی آرزو ہے۔ تو اپنے فرمایا ہوس
کیا اس کے لئے وہ دن نہیں ہو گا کہ وہ دوزخ سے نکلے گا اور اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ امام غزالی نے
منہاج العابدین میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

یہ اس شخص کا بیان تھا جو دوزخ سے سبک آخر میں نکلے گا۔ سیوطی الکنترا المدفون میں رقم طراز ہے کہ دوزخ میں سب سے پہلے قدم رکھنے والی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قاتلہ ہوگی۔ جس کا نام زبیرہ یا زبیل تھا۔ زبیل میں اس عورت کا نام سلوی ہے۔ یہ ان سے پہلے ستر بنیاد کو قتل کر چکی تھی۔ نوریت یاس کا نام در مقتلة الانبیاء ہے یہ دوزخ میں ایک اور سچے مقام پر کھڑی چنیتی ہوگی۔ کہ اس کی جینے کی آواز دوزخ کے اس کنارہ والے سنتے ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منها ومن کل کرب عظیم

ابو حنیفہ عن مجہ بن منصور بن ابی سلیمان ابی الخ و مجہ بن عیسیٰ و یزید الطوسی عن القاسم بن امیة الحداء الہدی عن نوح بن قیس عن یزید الرقاشی عن انس بن مالک قال قلنا یا رسول اللہ لمن تشفع یوم القیمة قال لاهل الکبا و اهل العظام و اهل الدماء

حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کن کی شفاعت فرمائیں گے آپ نے فرمایا اہل کبار کی اہل عظام کی اور جنہوں نے ناحق خون کیا

تشریح ۱۔ اہل کبار سے تو وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ ان کی شفاعت ہوگی۔ خواہ دوزخ میں جانے سے قبل ہو یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ لفظ عظام کے معنی میں چند احتمالات ہیں۔ یا تو یہ کبار سے ہی کی تفسیر ہے کیونکہ کوئی مزید یا مختلف معنی نہیں رکھتا۔ یا کبار سے مراد حقوق اللہ ہوں اور عظام سے مراد حقوق العباد۔ یا یہ تخصیص بعد التعمیم کی صورت ہو کہ کبار سے عام گناہ کبیرہ مراد ہوں اور عظام سے مراد کبیرہ گناہ ہوں جو اپنے اندر بہت سی زبیرہ یا زبیرہ جیانی رکھتے ہیں۔ مثلاً ترک نماز، زنا کاری، لواطت وغیرہ یا یہ تعمیم بعد التخصیص کی شکل ہو کہ کبار سے مراد گناہ کبیرہ ہوں۔ اور عظام سے مراد ہر گناہ خواہ وہ صغیر ہو خواہ کبیرہ کیونکہ صغیر بھی اللہ کے مقدس بندوں کے نزدیک بڑے ہی ہوتے ہیں جو اللہ کے حکم سے ذرہ برابر انحراف کرنا اپنے لئے قیامت سمجھتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وهو عند اللہ عظیم یا عظام سے مراد ہر گناہ ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

یہ حدیث بھی اس امر کو واضح کرتی ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے اور شفاعت کا مستحق ہے کیونکہ کافر کی شفاعت نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث پاک سے۔ قرآن مجید کی یہ آیت فَمَا تَفْعَلُو شَافِعُوا الشَّافِعِينَ بہ بانگِ قہر رہی ہے کہ کافروں کے لئے شفاعت کا دروازہ قطعی بند ہے اور احادیث میں یہ حدیث ذیل یا اور احادیث مشہورہ تشریب قریب متواتر کے اس پر دال ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ شفاعتی لاهل الکبا و مومن امتی۔ اس کی روایت احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور خطیب نے ابن عمر سے غرض یہ حدیث بھی خوارزمی معتزلہ اور مرجیہ کے خیالات باطلہ پر ایک کاری ضرب ہے اور ان کو سراسر لغو باطل اور بے اصل ثابت کرتی ہے۔

حماد عن ابی حنیفۃ عن اسمعیل بن ابی خالد و بیان بن بشر عن قیس بن ابی حازم قال سمعت جریب بن عبد اللہ یقول قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ائتوا سترون ربکم کما ترون ہذا القمر لیلۃ البدر لا تقصا موت فی رؤیتہ فانظروا ان لا تغلبوا فی صلوۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا۔
قال حماد یعنی القصدۃ والعشیۃ

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبد اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم چاند کو چودھویں رات میں دیکھتے ہو نہیں ایذا سے جاؤ گے تم اس کے دیکھنے میں دھڑپاؤ اور دھام کے باعث پس وہ بیان رکھو کہ شیطان کے اثر سے کہیں طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز نماز فجر اور غروب آفتاب سے قبل والی نمازوں (نماز ظہر و عصر) کی ادائیگی سے رک نہ جاؤ (کہ ادا نہ کر سکو) حماد نے ہر نماز و اوقات کی نمازوں کی تفسیر نماز فجر و نماز ظہر و عصر سے کی ہے

تشریح ۱۔ اس حدیث میں دو اہم مسائل ہیں۔ ایک مسئلہ رویت باری تعالیٰ کہ مومنین قیامت میں اپنی ان آدمی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار کریں گے، قرآن مجید حدیث پاک اور اجماع صحابہ و تابعین و سلف صالحین سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ اس لئے اہل سنت جماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت حق ہے اور قطعی ثبوت قرآن کا یہ ارشاد ہے وجہ یومئذ ناظریۃ الی و بھانا ظہرۃ کہ آج کے دن (بروز قیامت) کچھ چہرے تلوڑ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ یہاں رویت کے حقیقی معنی مراد کیوں نہ لیں جبکہ احادیث مشہورہ جو تقریباً متواتر الثبوت ہیں۔ اس کی تائید کرتی ہیں۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی ہے اور حضرت جریر سے صحاح ستہ اور مسند احمد میں اس معنی کی رویت مذکور ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو نہیں شاکہ کہ رو گئے اس کے دیکھنے میں پس اگر طاقت رکھو تو البیان ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز اور غروب آفتاب سے قبل والی نماز کی ادائیگی سے تم مجبور ہو جاؤ (اور ادا نہ کر سکو) مزید براں اجماع امت بھی رویت باری تعالیٰ ثابت کرتا ہے۔ لہذا ان حالات کے تحت کسی کو رویت سے انکار کرنے یا اس میں تاویل کرنے کی کچھ گنجائش باقی نہیں رہتی جو بعض کہتے ہیں کہ نبی میں عورتوں کو رویت نہیں ہوگی کیونکہ زمان خداوندی حور مقصورات فی الخیام کہ حوریں ہیں خیموں میں بٹھائی ہوئی کے پیش نظر عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ یہ ایک بے سرو پا بات ہے کیونکہ نبی کے خیمے حجاب کے سبب نہیں بنیں گے۔ پھر عورتیں مڑوں کی ہم جنس ہیں اور شریک حال کہ فرمایا انما النساء شقائق الرجال (اور وہ مردوں کی جیسے عورتیں) عائشہ سے اس کی روایت کی ہے اور بزاز نے حضرت انس سے مرفوع روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کس طرح ممکن ہو جبکہ عورتوں میں حضرت فاطمہ زہرا حضرت خدیجہ کبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ جیسی نیک بستیاں موجود ہیں اور یہ عورت ہونے کے سبب اس رویت کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہوں اور وہ مرد جو ان کے خاک پا نہ بن سکیں وہ اس نعمت سے بہرہ مند ہوں ایک مافیل اور دانا آدمی اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔ پھر قرآن کی آیت

اور احادیث کے الفاظ عام ہیں یعنی کہ ہر مومن جنت میں خدا تعالیٰ کو دیکھے گا ان میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رویت باری تعالیٰ فرشتوں اور جنوں کو نہیں ہوگی۔ یہ قول بھی قابل قبول نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی صحیح ثبوت ہے۔ فلاسفہ خواہ مخواہ معترض کہ اور بعض مرجعہ رویت میں کہ باب اہل سنت والجماعت سے اختلاف ہے۔ یہ عقلی عقیدہ کیوں اور فلسفیانہ مشکانیوں میں الجھ کر رہ گئے کہتے ہیں کہ رویت کیلئے مکان، جہت، مقابلہ، لون وغیرہ ضروری ہیں جو صفات اجسام ہیں اور جن سے ذات باری منزہ ہے پھر رویت کس طرح ممکن ہوگی جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا کہ ناظرۃ الی ربھا تو پھر کموں اور کیسے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیا اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب شروط عادیہ رویت کیلئے ضروری نہیں۔ یہ شروط عقلیہ نہیں کہ بغیر ان کے رویت ممکن نہ ہو کہ خدا تعالیٰ تعویذ باللہ اس سے عاجز ہے کہ ان مادی آنکھوں کو جو خود کی رویت کی طاقت سے محروم اس طرح اس زبان میں تلخیص پیدائی کہ بات کہے پھر دیدار الہی جو اللہ پر کچھ مشکل نہیں اس کا کیسے انکار کیا جائے۔

دوسرا مرحلہ جس سے یہ حدیث بحث کرتی ہے وہ فلسفہ نماز ہے۔ نماز کی تمام تر خوبی یہ ہے کہ نماز شروع و خضوع کا ایک قبح اور شیکان الہی میں حضوری کی ایک تصویر ہو۔ نماز دراصل یہ ہے کہ چہرہ کا رخ اگر قبلہ کی طرف ہو تو قلب کا رخ ذات خداوندی کی طرف ہو۔ چہرہ کی آنکھیں ذات باری پر۔ بلکہ بطلان فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اتدالایہ سچتہ تصور ہو کہ چہرہ کی آنکھیں ذات باری پر قائم ہیں اور مشاہدہ قلبی کے ساتھ ساتھ مشاہدہ عینی بھی ہے۔ جس طرح کسی محبوب کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز میں یہ کیفیت پیدا ہونے لگے چنانچہ خود اپنی نماز کی ترجمانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا قرۃ عینی فی الصلوۃ کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ زبان ہیکلامی کا مزہ لوئے آنکھیں دیدار کا لطف اور دل تصور یا رکاب یہی حقیقت وہ نماز ہے جس کو معراج المؤمنین سے تعبیر فرمایا کہ یہ بیک وقت ملاقات کے سارے پہلوؤں پر متوی ہے۔ لہذا اسی حقیقت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ رویت حقیقی گواہ آخرت میں ہوگی مگر اس کی اہمیت یہیں دینا ہے اپنے اندر پیدا کر کہ نمازوں کی سخت پابندی کرو۔ پھر نمازوں میں بھی صرف تین نمازوں کو تاکید سے مخصوص فرمایا۔ کیونکہ یہ ہر نماز میں نمازی پر اکثر شائق ہوتی ہیں اور بھاری صبح کی نماز میں میٹھی میٹھی نیند سے ہے کہ ایسے وقت صرف دیدار الہی کا سچا عاشق اور متوالا ہی بستر راحت کو چھوڑ کر نماز کے لئے جاتا ہے اور نیند کے مزہ کو نماز کے مزہ پر قربان کرتا ہے۔ اسی طرح ظہر کی نماز میں صبح سے دوپہر تک کے کام کا چھ کی لکان دور ماندگی سے انسان دوچار ہوتا ہے اور دل شور و دیتا ہے کہ حقوڑی دیر آرام کرو اتنے میں وقت ختم ہو لیتا ہے۔ اس سے بھی اہم عصر کی نماز ہے کہ دن بھر کے سودا سلف کا یہ خاص وقت ہے۔ تمام کام سمٹ کر اس وقت جمع ہوتے ہیں۔ بازاروں میں چہل پہل رونق ہے سب لوگ بازار ہاٹ میں دکھائی دیتے آگتے ہیں۔ اور صبح میں مشہ خوں کے نمازی نہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوقات پنجگانہ میں صبح میں عصر کے وقت نماز کی کم دکھائی دیتے ہیں مگر اللہ کے دیدار کا حقیقی طالب ہوتا ہے۔ وہ ان نمازوں میں بھی تمام دنیوی رکاوٹوں۔ اور طبعی بندشوں کو توڑ کر نماز کی طرف رخ کرتا ہے اور اللہ کا دیدار کر کے دل کو شاد کرتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کی اسی اہمیت کو مد نظر رکھ کر ان پر پابندی کرنے کی خاص تاکید فرمائی کہ جو ان پر پابند ہو جائے گا وہ دوسری نمازوں کی لامحالہ پابندی کرے گا۔

کتاب العلم

کتاب العلم

باب فرضیہ طلب العلم

طلب علم کی فرضیت کا بیان

ابو حنیفہ عن حماد عن ابی وائل

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فرض علی کل مسلم

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر علم کا سیکھنا فرض ہے۔

تشریح :- علم کی ہزاروں شاخیں ہیں اور ان میں بعض کی فرضیت و عدم فرضیت باختلاف حالات ہر شخص کی پرمانند ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کان اسلام کا علم اور فرائض کا جاننا عاقل بالغ مرد و عورت آزاد و غلام پر فرض ہے۔ ان کو کسی حال میں اس کی فرضیت سے سبکدوشی نہیں مل سکتی۔ علم معاملات کی تفصیل ہر شخص پر اس وقت فرض ہوتا ہے۔ جبکہ وہ ان خاص معاملات سے دوچار ہو۔ جس کا تعلق معاملات سے ہو۔ مثلاً اگر اسے بیع کے معاملات پیش آئیں۔ تو اس کے ضروری مسائل سیکھنے اس کے لئے ضروری ہیں۔ اگر صنعت و حرفت سے اس کا تعلق ہے تو ان کے زیادہ تر پیش آنے والے جزئیات کو جاننا اس کے لئے لازم ہے۔ اگر ملازمت کرتا ہے تو اس کے متعلق مسائل جاننا اس کے لئے ناگزیر ہے و علی ہذا القیاس۔ اب رہا پورے علم فقہ کا سیکھنا جن کی ضرورت عام طور پر شہروں اور آبادیوں میں ہوتی ہے تو یہ ہر شخص پر فرض میں نہیں۔ بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی یہ کہ اگر پوری آبادی میں سے ایک شخص جان لے تو سب کے سر سے یہ فرض اتر جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی حصول علم کی طرف پیش قدمی نہ کرے تو سب پر فرض کا بوجھ ہے گا۔ اور سب جواب دہ ہوں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید کو اس قدر حفظ کرنا جس سے نماز صحیح ہو سکے اور یہ ہر شخص پر فرض عین ہے مگر پورے قرآن کو یاد کرنا فرض کفایہ اور ہر شخص پر فرض عین ہے نہ فرض عین۔

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ابن عدی نے اپنی کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں حضرت مرتضیٰ اور حسین بن علی سے۔ طبرانی نے اوسط میں ابن عباس۔ ابن مسعود اور ابی سعید سے اور صغیر میں حسین بن علی سے اور فوائد میں ابن عمر سے اسے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت گذرے زیادتی کے ساتھ کی ہے تو گویا یہ حدیث سات صحابہ سے مختلف طرق مروی ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث حسن کے درجہ سے کم نہیں اس لئے طاعلی قاری نے کہا ہے کہ چونکہ یہ حدیث طرق مختلفہ متعدّدہ سے منقول ہے۔ اس کو کم از کم حسن مانا لازمی ہے۔ لہذا اس کو ضعیف کہنا درست نہیں۔ جیسا کہ نووی نے بیہقی کی متابعت میں کہہ دیا ہے۔ عراقی نے کہا ہے کہ بعض علما نے اس کے بعض طرق کو صحیح بتایا ہے حافظ مزنی نے بتایا ہے کہ یہ حدیث اتنے طرق سے مروی ہے کہ اس کو درجہ حسن تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ اور اصول حدیث میں حسن کا درجہ معلوم ہے۔

ابو حنیفۃ عن نامہ عن یحییٰ عن
ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم طلب العلم فدیۃ علی کل مسلم ۛ

ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا علم کا سیکنا ہر مسلمان پر
فرض ہے ۛ

نشر صح ۛ۔ یہ حدیث الفاظ و معنی کے اعتبار سے مکرر ہے۔ علم کی فضیلت و اہمیت میں بہت سی
حدیثیں آئی ہیں مثلاً و یحییٰ نے اپنی سند میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم کا طلب کرنا
اللہ کے نزدیک نماز۔ روزہ۔ حج۔ و جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اسی طرح یہ حدیث کہ ایک
ساعت کا علم سیکنا بے ریاضت بیداری سے افضل ہے اور علم کا طلب کرنا ایک دن تین دن کے روزوں سے زیادہ
فضیلت رکھتا ہے۔ ابن عدی بیہقی اور ابن عبد البر نے اس سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم طلب کرو اگرچہ
تعمیل چہین تک جانا پڑے۔ یعنی کتنا ہی دور کیوں نہ ہو علم حاصل کرو۔

بَابُ فَضْلِ التَّفَقُّهِ

قال ابو حنیفۃ و لدت سنة
ثمانین و حججت مع ابی سنة ست تسعین
وانا ابن ست عشرة سنة فلما
دخلت المسجد الحرام و رايت حلقة
عظيمة فقلت لابی حلقة من هذه
فقال حلقة عبد الله بن الحارث
بن جبر الزبیدی صاحب النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فتقدت فسمعتہ
يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه
وسلم يقول من تفقه في دين الله
كفاه الله تعالى مهمة و رزقه من
حيث لا يحتسب ۛ

علم فقہ کی تحصیل کی فضیلت
ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شہ ۹۷ میں
پیدا ہوا اور اپنے والد کے ساتھ شہ ۹۷ میں میں نے
حج کیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی جب
میں مسجد حرام میں گیا تو بہت سے لوگوں کو حلقہ بنا کر
بیٹھے دیکھا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ حلقہ کن
بزرگ کی خاطر ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ حلقہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن حارث بن جبر الزبیدی
کا ہے میں آگے بڑھا اور ان کو یہ کہنے ہو گیا
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے
ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین کی
کمل سمجھ اور اس کا علم حاصل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے
کافی ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا
جہاں کا اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔

نشر صح ۛ۔ عبد اللہ بن حارث کے انتقال میں بعض نے اختلاف کیا ہے کہ ان کی وفات ہجری سال کے
پچاسی سے اٹھاسی تک کے مابین کسی سال ہوئی تو گویا امام صاحب کی عمر ان کی وفات کے وقت پانچ سے
آٹھ سال ہجری سال کے تک کے درمیان قرار پائی ہے اور انہوں نے حج اپنے والد کے ساتھ شہ ۹۷ میں کیا
تو یوں امام صاحب کی ملاقات حضرت عبد اللہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ مگر برہان الاسلام حسین بن علی بن
حسین عزیزی نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حارث کی وفات شہ ۹۷ میں ہوئی۔ لہذا اس حقیقت نے

کے پیش نظر ملاقات قرین قیاس ہے۔ اور روایت قریب الامکان ہے۔
رسول اللہ کے ارشاد میں کفایا اللہ تعالیٰ مہمہ سے دنیا و آخرت مرد و جہان کی ذمہ داری مرا ہے
جس طرح کہ دوسری حدیث میں بھی آیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ جس نے اپنے سارے غموں اور فکروں کا
ذمہ دار اور کفیل ہو گیا۔ اور رزقہ من حیث لا یحتسب سے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔
ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب خلیل نے اپنی تاریخ میں زیادہ بجا حدیث ابدانی
سے مرفوع روایت کی ہے من طلب العلم تکفل اللہ لوزقہ کہ جس نے علم سیکھا اللہ اس کے رزق کا کفیل
ہو گیا؟

ابو حنیفہ عن اسمعیل عن ابی صالح
عن ام ہانی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یا عائشہ لیکن شعارک العلم والقرآن
تشریح :- حدیث اگرچہ مختصر ہے مگر جامع الفاظ میں علم و قرآن کی اہمیت و فضیلت کو بیان کرتی
ہے یعنی علم و قرآن سے تم کو اس قدر وابستگی، وابستگی اور اس میں تم کو اتنا انہماک اور مشغولیت ہو کہ اس
کے رنگ میں اس طرح رنگ جاؤ اور اس کے لباس میں ایسے ملجوس ہو جاؤ کہ وہ تنہا اور صفا اور بچپن
بن جائے۔

بَابُ فَضِيلَةِ أَهْلِ الذِّكْرِ

ابو حنیفہ عن علی بن الاقمر
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ
بِقَوْمٍ یَذْکُرُونَ اللہَ تَعَالٰی فَقَالَ
اَنْتُمْ مِنَ الَّذِیْنَ اُمِرْتُ اَنْ اُصْبِرَ
نَفْسِیْ مَعَهُمْ وَمَا جِئْتُ اِلَّا لَعَنَ مِنْ
النَّاسِ فِیْ ذِکْرِهِمْ اللہُ الْاَحْقَقُ
الْمَلَائِکَةُ بِاجْنَحَتِهَا وَغَشِیَتْهُمْ
الرَّحْمَةُ وَذُکِّرَهُمُ اللہُ فِیْ
عِنْدِکَ

اہل ذکر کی فضیلت

علی بن اقرنی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے
ہیں کہ ایک جماعت پر آپ کا گذر ہوا یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے
ذکر میں مشغول تھی یعنی تلاوت قرآن تسبیح و تحمید کا
ورد جاری تھا، آپ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے ہو جن
کے ساتھ رہنے کے لئے میں مامور ہوں۔ اور تم جیسے
لوگ جب بھی اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھے ہیں تو فرشتے
انہیں اپنے پروں کے سایہ میں لے جاتے ہیں اور رحمت
الہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ ان کا تذکرہ ان
و مقرب فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس حاضر ہیں

تشریح :- یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے ابی ہریرہ اور ابی سعید سے باضافہ الفاظ مد و نزلت علیہم
الکینۃ روایت کیا ہے یعنی ان پر اطمینان و سکون کا نزول ہوتا ہے اور دل کے خواہشات نفسانی الفاظ طوفان
فرو ہوتا ہے۔ اور ذات الہی سے محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے قرآن میں اسی طرف اشارہ ہے۔
الابد کما اللہ تلمن القلوب کہ دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے یعنی اطمینان قلبی کا علاج

ذکر الہی ہے۔ ذکر الہی کی برکت سے انسان رحمت خداوندی کا مستحق بنتا ہے۔ پھر فرمایا وہ ذکر ہے اللہ فیمن عندہ یہ تذکرہ مقرب فرشتوں کے سامنے انسان کی رفعت شان کے طویل پہرچوگا اور انسانوں کی خدا شناسی اور خدا ترسی پر ان کے روبرو مسرت کا اظہار کیا جائے۔ اور نیز اس راز انکا کشف کیا جائے جو ان کی خلقت میں بتائے آفرینش سے موجود تھا جس سے فرشتے ناواقف تھے۔ اور انسان پر بالفاظ تجل فیہا من یفسد فیہا سے معترض ہوئے تھے۔ اللہ ذکر کرتے ہوئے فرمائے گا کہ اسے فرشتہ وہ یہ وہ ہی انسان تہے بن میں تم کو فنا و اور خوریزی کے عیب و کچھ تھے۔ ویکھو یہ وہی ہیں کہ کس جذبہ و شوق سے ذکر الہی میں مشغول ہیں اور رحمت الہی نے انہیں اپنے آغوش میں لے لیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو ایک جگہ جمع فرمائے گا اور ان سے خطاب کرے گا کہ میرا تمہارے دلوں میں حکمت و علم کتاب و سنت رکھنا محض تمہارے ساتھ خیر و بھلائی کی غرض سے تھا۔ تو جاؤ و سنت میں۔ میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے وہ جو کچھ بھی تھے۔

الو حنیفة عن حماد عن ابراہیم من علقۃ عن عبد اللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع اللہ العلماء یوم القیمة فیکفول انی لمر اجعل حکمتی فی قلوبکم الا وانا اریدکم الخیر اذہبوا الی الجنة فقد غفرت لکم علی ما کان منکم

تشریح ۱۔ اسی سلسلہ کی مرفوع حدیث ابو بکر بن ابی عاصم اور صاحب سلیمان ابو نعیم ابی موسیٰ کے روایت کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت بندوں کو اکٹھا کرے گا۔ پھر ان میں عالموں کو سمجھائے گا۔ اور ان کو خطاب فرمائے گا۔ کہ اے علماء کی جماعت میں نے کچھ جان کر تم کو علم دیا تھا۔ اور علم اس لئے نہیں دیا تھا۔ کہ تم کو عذابوں پس جاؤ میں نے تم سب کو معاف کیا۔ اسی طرح طبرانی ثعلبی حاکم سے اور شکیک سند سے ثعلبی بن حکیم سے مرفوع حدیث لائے ہیں جس کی تلمیض یہ ہے کہ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلہ کے لئے کرسی عدالت پر رونق افروز ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے تم کو علم و حکمت سے اس ارادہ سے نوازا تھا۔ کہ تمہارے گناہ معاف کروں۔ وہ جو کچھ بھی ہوں۔ اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ فرمان رسالت میں فی قلوبکم سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ علم وہ معتبر ہے جو دل میں جگہ لے اور وہ ہی تقویٰ اور خوف الہی کا موجب ہے، ابن ابی شیبہ اور حکیم نے حسن سے مرسل اور خطیب نے انہیں سے پھر جابر سے مرفوع روایت کی ہے کہ علم دو انواع پر تقسیم ہے ایک وہ جو صرف زبان پر جاری ہو دل میں گہر نہ کرے۔ یہ اللہ کے لئے بندہ کے خلاف حجت بناتا ہے۔ دوسرا علم وہ جو صرف دل میں جگہ کرے۔ یہ علم کفیع بنمشتا ہے۔ دینی نے مسند الفردوس میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ جو شخص علم میں گہرے ہو کر نہ رہے وہ دنیا میں نہ رہے نہ دیکھا جائے تو وہ اللہ کی ذات سے دور ہی ہوتا جائے گا۔

بَابُ فِي التَّغْلِيظِ فِي

عَدَالَةِ كَذِبِ عَلَيِّ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْبُحْنِيفَةُ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِيهِ
عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا
قَالَ مَا لِي أَوَّلُ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعِدًا مِنَ النَّاسِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

جان بوجھ کر جھوٹ بات کی نسبت

کرنے پر وعید !

حضرت ابو بکر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ
بات کی نسبت کی یا وہ بات جو میں نے نہیں کہی۔
میری طرف منسوب کی کہی تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش
کرنے پر

تشریح :- یہ حدیث مشہور ہے اور قریب ہے کہ تواتر کی حد تک پہنچے بلکہ اکثر اس کی کثرت طرق کو دیکھ کر
اس کے متواتر ہونے کے قائل ہیں کیوں کہ سامع سے کچھ اور صحابہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے چنانچہ ارشاد
الساری حاشیہ بخاری میں ہے - وهو حديث في غاية الصحة ونهاية القوة وقد اطلق القول بتواتر
جماعة - یعنی یہ حدیث صحت و قوت میں بلند درجہ پر فائز ہے اور ایک جماعت نے اس کا طلاق متواتر
ہونے پر کیا ہے - اصحاب صحاح ستہ - حاکم - طبرانی - دارقطنی - خطیب اور دوسروں نے متعدد روایات
اور مختلف صحابہ سے جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں اس حدیث کو اپنی الفاظ سے روایت کیا ہے کسی میں
من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعدا من النار کے الفاظ ہیں اور کسی میں من قال ما لم يحرقه
یہ حدیث ذیل کے سلسلہ سند سے گو منقطع ہے - کیونکہ محمد بن ابی بکر نے جو اپنے والد کی وفات کے
وقت کم سن تھے - اپنے والد سے حدیث نہیں سنی - لیکن راوی جب ثقہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزد منقطع حدیث
قابل اعتبار ہے - اور محبت - دوسری مسانید کے نسخوں میں جو سلسلہ سند ہے وہ زیادہ قرین قیاس سے اور
اس کی رو سے انقطاع بھی نہیں رہتا - وہ یہ کہ امام صاحب روایت کرتے ہیں قاسم بن عبد الرحمن سے اور وہ
اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن مسعود سے - ابو داؤد نے بھی اسی طریق سے اس کی تخریج کی ہے -
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بانڈھنے پر شدید وعید و تہدید اس حدیث میں جھوٹ بولنا
یا شامل کر دینا گویا ان گنت انسانوں کو گمراہ کر دینا ہے اور دینی شیرازہ کو منتشر کر دینے کا مرادف ہے
جس کے گناہ اور پاداش کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا - ایک طرف اگر تردید حدیث و اشاعت دین کا ہے پنا
اجر و ثواب رکھا ہے تو دوسری طرف دین میں غلط رسم یا غلط بات کو رواج دینا نہایت سنگین جرم
قرار دیا گیا ہے - کیونکہ حدیث ہی قرآن کے بعد نبائے دین و شریعت ہے جب حدیث ہی میں غلط بیانی سے
اعمال پڑا تو پورے دین کی عمارت ڈھادی اور ہمیشہ کے لئے دین برباد ہوا - مسلمانوں میں ایک تاریک دور آیا

چکاسے کہ جموں حدیثی گھڑنے والے بکثرت پیدا ہو گئے تھے چنانچہ موضوعات البکیر میں ملا علی قاری نے ایسی تمام جموں حدیثیں جمع کر دی ہیں اور کئی ایسے لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے جو جموں حدیثیں بڑی شافی لسانی سے بیان کر کے بھولے بھالے عوام کو دھوکا دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ کام تھا کہ حدیثیں گھڑیں گو یا یہ دین کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ جزا دے ان ناقدین رفاۃ اور ماہرین اسمائے رجال کو جنہوں نے ہر شخص کے حالات میں ایسی سچائی پٹک کی کہ گویا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اور جھوٹے کو سچے سے اور کھوٹے کو کھرے سے الگ کر دیا۔ احادیث کے انواع مقرر کئے اور تمام احادیث کو انہیں انواع کے ماتحت پرکھا دیکھا اور ترتیب دیا کہ کسی کو غلط ملط کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ اگر محدثین یہ جان توڑ کوششیں اس سلسلہ میں عمل میں نہ لاتے تو سارا حدیث کا ذخیرہ نعوذ باللہ ایک بے ثبات تاریخی ذخیرہ ہو کر رہ جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیشہ ہمیش کیلئے پروردہ تاریخی میں چھپ جاتی :

ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابی

سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم من کذب علی متعمداً فلیتبوک مقعداً

من النار ورواہ ابو حنیفۃ عن ابی صوبۃ

شداد بن عبد الرحمن عن ابی سعید

نشریح :- حدیث میں فلیتبوک صیغہ امر ہے جس کے معنی ہم لیا ہر صحیح نہیں بٹیتا کیونکہ دوزخ میں اول

کوئی کیوں اپنا ٹھکانا ڈھونڈنے لگا جبکہ ہر شخص اس پر لٹاک مقام سے بچنا چاہتا ہے۔ یوں غفلت میں کوئی کچھ

بھی کر گزرے مگر جب اس ہیبت ناک مقام کا خیال دل میں آتا ہے تو بدن لرز جاتا ہے اور اس سے غلامی

کا طلب گار ہوتا ہے اس لئے اس میں اپنے لئے جگہ تلاش کرنا کجا۔ پھر یہ اس کے اختیار میں بھی نہیں سزا و جزا اور اس

کے درجات کا انتخاب خدا تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ انسان اس میں محض عاجز ہے اور بے بس۔

ہر میں وجہ بعض کہتے ہیں کہ یہاں امر یہ دعا کے معنی میں ہے یعنی ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص میرے بارہ میں ایسی

جسارت سے کام لے کہ بقصد و ارادہ میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے تو خدا کرے ایسے گستاخ

کا دوزخ ٹھکانہ ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ امر بمعنی خبر ہے یعنی خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ

میں ٹھکانا دے گا۔ اور اس کے رہنے کا وہی مقام ہو گا۔ چنانچہ دوسری روایت میں یلمہ النار ہے۔ یعنی وہ

دوزخ میں داخل ہو گا ایک اور روایت میں اس طرح سے بنی لہ بیت فی النار کہ اس کے لئے دوزخ میں گھر بنایا

جائے گا۔ لیکن اگر انسان اس کلام کی گہرائی تک پہنچے اور معنی کی وقت اور خوبی کلام پر نظر ڈالے تو سمجھے گا کہ

کہ امر یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے نہ بددعا یا خبر کے معنی میں اور اس صورت میں مطلب و معنی کی خوبی چند ہو

جاتی ہے۔ حقیقت یہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بات جوڑنے پر سخت وعید و تہذیب مقصود ہے

اور اسی غرض کلام کے ماتحت اس کو ڈانٹتے ہوئے اور اس پر طنز کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ نیکی

جرم بھول کر بھی کرنے کا نہیں تھا۔ مگر جب اس گستاخ نے اس کو بھی بھول کر نہیں بلکہ جان کر کیا تو اب اس کو

اس کی سزا کے دوزخ میں بھی اپنے قصد و ارادہ کو کام میں لانا چاہیے اور وہاں کی کوئی جگہ جو اس کو پسند آئے چھانٹ
یہنی چاہئے بجائے اس کے کہ کوئی اور اس کے لئے وہاں جگہ مقرر کرے۔ یہ حقیقت جب سامنے آئی تو ذرا
سوچئے کہ اگر یوں ہر سے سادھے الفاظ میں کہہ دیا جاتا کہ ایسے گنہگار کی سزا دوزخ سے تو بات مستقبل میں
آنے والے ایک واقعہ کو ظاہر کرتی۔ معنی و مطلب میں شدت پیدا نہیں کرتی نہ مجرم کو اتنا شرمندہ کرتی :

حماد عن ابی حنیفۃ عن عطیۃ

العوفی عن ابی سعید الخدری قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی
متعمدا فلیتبعوا مقعدہ من النار قال عطیۃ و
اشہد انی لہذا کذب علی ابی سعید وان ابی سعید لہ
یکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر
جھوٹ بولا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے عطیہ
نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں (قسم کھاتا ہوں) کہ میں نے
ابو سعید پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر :

تشریح : یہ وعید کی وہ خاص حدیث ہے جس کی وجہ سے بعض کبار صحابہ اور ائمہ عظام حدیث کی روایت
سے متنی الوسع بچتے تھے اور انحضرت کی بات کو نقل کرتے ہوئے لرز جاتے، یہاں تک کہ حدیث کم بیان
کرنا ان کی سوانح کا ایک ناقابل تردید واقعہ بن گیا۔ یہ بزرگ حالات سے مجبور ہو کر جب انحضرت سے کوئی
بات نقل کرتے تو خوفِ الہی سے مجسم بن جاتے صرف اتنی ایسے کہ کہیں اس وعید کے مصداق نہ بن جائیں اور زمانِ آخر سے
تو گوشت پوست کی غلط بیانی کر کے جادوہ صداقت سے نہ ہٹ جائے۔ اور انجناب کی ذات کی طرف
اس بات کی نسبت کر بیٹھے جو آپؐ نے نہیں فرمائی۔ چنانچہ روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر روایت کم کرتے اور
اسی حدیث کو سامنے رکھتے۔ بعض طرق روایت میں یوں آیا ہے کہ آپؐ عرض کیا گیا کہ حضرت ہم آپ کو حدیث بیان
کرتے ہوئے کم کیوں پاتے ہیں جبکہ فلاں فلاں اور ابن مسعود نے اتنی اتنی حدیثیں بیان کی ہیں۔ یعنی آپ کو شرف
محبت میں امتیاز ہے پھر آخر اس احتیاط کی کیا وجہ ہے۔ سائل سے فرمایا اے صاحبزادے جبکہ میں اسلام لایا
میں حضور سے جدا نہ ہوا۔ لیکن میں نے انجناب کو یہ کہتے ہوئے سنا من کذب علی متعمدا فلیتبعوا مقعدہ
من النار (ان کی روایت میں متعمدا کا لفظ نہیں) لہذا اس حدیث کی وعید خدا ترسوں کی قوت گویائی کو سلب
کر لیتی تھی اور شاعتِ دین کے بڑھتے ہوئے جوش کو ایک دم سرور کر دیتی تھی لیکن اس حقیقت نے کبھی
ان کی شخصیت کو نہیں گھٹایا۔ کبھی ان کی ذات کو عیب وار نہیں کیا۔ اور نہ کبھی خدا کی پناہ انکی علمیت پر بٹھ
ٹکایا۔ پھر اسی اعلیٰ طبقہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات پر نظر ڈالئے کہ ان سے کس قدر احادیث مروی
ہیں اور دیگر صحابہ سے کس قدر کیا اس کی پیمائش کی جاتی ہے کہ ان کو سماعت حدیث نہ تھا۔ یا ان کو شرف
محبت کم تھا۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ یہ اس کی نشانی تھی کہ ان بزرگوں پر اللہ کا خوف غالب تھا۔ یہ روایت سے
پہلے خوب غور و فکر کرتے مذاب کا نقشہ سامنے لاتے اور احتیاط بہت کرتے اگر حالات ناگزیر ہوتے تو
لب کشائی کرتے ورنہ چپ ہی رہتے ان کی بے پناہ علمیت پر کس بے سمجھ کو شک ہو سکتا ہے۔ اب
وہ وہ صحابہ کرام جن سے احادیث بکثرت نقل ہیں۔ مثلاً ابو ہریرہؓ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ وغیرہ تو ان

بزرگوں پر کوئی اور عیب چھایا ہوا تھا۔ کیونکہ ان کے سامنے وہ احادیث تھیں جن میں حق چھپانے پر سخت وعید آئی ہے کہ قیامت میں ایسے شخص کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ جو دنیا میں علم دین لوگوں سے چھپاتا تھا اور اس کی اشاعت سے کام لیتا تھا۔ مگر اندازہ میں فرق ہے اور ذرا سا نظریہ کا اختلاف۔ کوئی خدا سے قہار کے کسی نبیور سے لڑتا اور کاہتا تھا اور کوئی کسی سے۔

ائمہ عظام میں ہم عمر میں بزرگ ترین زمانہ بنی علیہ وسلم سے قریب ترین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مثال سامنے رکھتے ہیں کہ بعض نا سمجھ مذکورہ بزرگوں کے حالات سے قطعی چشم پوشی کرتے ہوئے یا یوں کہے کہ اپنی نادانی کم علمی رکھتے ہیں کہ بعض نا سمجھ مذکورہ بزرگوں کا ثبوت دیتے ہوئے کہہ بیٹھتے ہیں کہ امام صاحب سے احادیث کا کم مری ہونا۔ ان کی کم علمی کی نشانی ہے کیا عجب کہ آپ اس وعید کی حدیث کے پیش نظر باقی روایت سے بچتے ہوں کیونکہ آپ صحابہ کو بہت قریب دیکھتا تھا اور ان کے وہ حالات آپ پر روشن تھے جو بعد کے آنے والے پر نہیں تھے۔ آپ حدیث کی روایت سے حتی الوسع بچتے تھے اور صحابہ کے زیادہ تر عمل کو سامنے رکھتے اور اسی کو معیار دیں ٹھہراتے۔ ورنہ آپ کے تبحر علمی پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ آپ کی پیدائش بدھ کو کوفہ میں ہوئی جو صحابہ کا مرکز تھا۔ اور اس وقت بعض صحابہ بقیہ حیات تھے۔ اور بعض سے آپ کو شاگردی کا فخر بھی حاصل تھا۔ اور امام محمد جیسے جلیل القدر امام فقہ آپ نسبت ملزمت رکھتے تھے اور ان کے شاگرد حضرت امام شافعی تھے۔ اور قاضی ابویوسف کو ان سے نسبت شاگردی نصیب ہو اور ان کے حضرت امام احمد منیل کو غرض جو لوگ مذاہب ثلاثہ کا منبع و سرچشمہ ٹھہریں کیا ان میں کسی ایسے شخص کو جو ان ہر سہ ائمہ کے مسلک میں سے کسی مسلک سے رشتہ رکھتا ہے حق حاصل ہے کہ وہ ان میں امام اعظم ہیں، کوئی علمی سقم یا ذاتی عیب نکالے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے پاؤں خود ہی کاٹتا ہے اور اپنے گھر کی دیوار خود اپنے ہاتھ سے گرتا ہے۔ اگر کوئی تفیل حدیث کی کوئی سب کے محاسن و معائب جاننے لگے اور اس سے علم کا اندازہ لگائے تو نہ صرف امام اعظم اس کی جانچ میں پورے اتریں گے بلکہ خدا کی پناہ صحابہ کبار بھی۔ حضرت امام مالک کا بھی یہی حال ہے کہ ان کی مرویہ احادیث امام احمد کی روایات سے بہت ہی کم ہیں۔ اور صحاح ستہ سے تو کوئی نسبت نہیں تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت امام احمد کی روایات کا پایہ علمی ان کے پیچلوں سے کچھ کم تھا۔ بلکہ امام اعظم کی شان میں بعض نے زبان کو مہیاں تک آزادی دے دی ہے کہ کہتے ہیں کہ وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ کیا خوب اگر وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ تو استاد کا علم تو بہر حال شاگرد سے زائد ہوتا ہی ہے ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے کس طرح یہ ہزاروں حدیثوں کے دفتر کے دفتر تیار کر لیے۔ نعوذ باللہ من قذابی ایک طفل مکتب بھی تو اس لغویت کو نہیں مانے گا۔ پھر رب العزت کے نزدیک اس بہتان کی جو کچھ سزا ہے اسے تو وہی خوب جانتا ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے عدا میری طرف جھوٹ کی نسبت کی تو وہ درخت میں پناہ کا تلاش

الو حنیفہ عن سعید بن ابراہیم
عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً فلیتنبوا

مقعد کا من النار

کر لے پ

تشریح :- بعض علماء کا قول ہے کہ یہ تہذیبی حکم ہر جھوٹ کو شامل ہے خواہ یہ جھوٹ دینی معاملات میں ہو یا دنیا کے معاملات میں بعض اس کو دینی امور سے خاص کرتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تہذیبی خاص طور سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ ایک شخص نے آنحضرت کی طرف سے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ایک قوم سے جا کر کہہ دیا تھا کہ مجھے تم میں فیصلہ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن زبیر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہر جھوٹ کو شامل ہے۔ یعنی ہر جھوٹ پر یہی وعید ہے۔

ابو حنیفہ عن الزہری عن

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

انہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من

وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اور اس

کتاب علی متعذ ان یتبوا مقعدہ من

جھوٹ میں قصداً وہ شامل تھا تو وہ دوزخ میں پناٹھا جائے

النار و رواہ ابو حنیفہ عن یحییٰ بن سعید

امام ابو حنیفہ اس حدیث کی روایت یحییٰ بن سعید سے بھی کرتے ہیں

تشریح :- وہ روایتیں جن میں رسول پر جھوٹ کی نیت کرنے پر یا عام جھوٹ پر وعید

آئی ہے یہاں ختم ہو جاتی ہیں اور اس بارے میں مکمل تشریح و مفہوم گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے

کتاب الطہارۃ

طہارت کا بیان

باب فی التہی ان یبول

باب مٹھیرے ہوئے پانی میں

فی الماء الدائم

پیشاب کر نیکی ممانعت

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ

جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ٹھہرے ہوئے

لا یبولن احدکم فی الماء الا کتھرت وضأمنہ

پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس سے وضو کرے

تشریح :- پانی کے طہارت کے شرائط میں فقہانے پانی کو دو جال پر تقسیم کیا ہے ایک مارقلیل

اور دوسرا ماہ کثیر ماہ قلیل متھوڑا پانی اور مار کثیر زیادہ پانی مار قلیل میں نجاست و ناپاکی پڑ جانے سے ناپاک

ہو جاتا ہے۔ یہ مٹھیرے ہوئے پانی کا حکم ہے مار جاری اور کثیر اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی تفسیر اس

حدیث سے ملتی ہے جو بخاری نے ابی ہریرہ سے مرفوع بیان کی ہے کہ نہ پیشاب کرنے کوئی ٹھہرے ہوئے

پانی میں جو جاری نہ ہو پھر اس میں غسل کرے۔ اسی طرح وہ پانی بھی اس حکم سے خارج ہے جو جاری نہ ہو۔

مگر انہ دوئے اجماع یہ پانی جاری کے حکم میں ہو پانی کے پاکی اور ناپاکی کے بارے میں ہو۔ ائمہ کا اختلاف ہے

شافعی کے نزدیک پاک وہ پانی ہے جو مقدار قلیل ہو یا زائد۔ امام مالک کے نزدیک جب تک پانی کے

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

پتین وصف رکھتے ہوئے۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ

کے نزدیک وہ لمبا چوڑا ٹھہرا ہوا پانی۔ تالاب یا حوض ہے۔ جس کے ایک کنارہ پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب پانی میں حرکت نہ پیدا ہوتی ہو۔ متاخرین علماء نے اخلاف کے نزد اس کا اندازہ مثل ضرب ثل سے کیا گیا ہے۔ یعنی سومربع فنٹ کی جگہ میں وہ پانی ہو۔ یہ حدیث ان ہر دو مذاہب کے خلاف حجت ہے کہ اس میں نہ اوصاف کی شرط ہے۔ نہ قلین کی قید گو یا کہ اپنے فرمایا کہ ٹھہرا ہوا پانی پشیا سے بچس ہو جاتا ہے۔ اس سے وضو کرنا روا نہیں۔ پھر قلین والی حدیث میں کئی طرح کا تردد ہے اول تو ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ جن میں علی بن مدینی شیخ نہاری بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث قلین کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ نہ صحیحین میں یہ روایت آئی ہے۔ اور اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے کہ جب نہ نجی چاہ نہ منزم میں گرا تو حضرات ابن عباس اور ابن زبیر نے پورا کنواں صاف کرایا۔ حالانکہ اس حدیث کی رو سے وہ کنواں ناپاک نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور ان ہر دو حضرات کے اس عمل پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مزید براں طحاوی نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہے۔ مگر ہمارا عمل اس پر نہیں کیونکہ لفظ قلہ کفر مشک اور پہاڑ کی چوٹی تین معانی میں مشترک ہے اور ہم کو نہیں معلوم کہ یہاں کون سے خاص معنی مراد ہیں لہذا اس حدیث پر عمل دشوار ٹھہرا اور دوسری حدیث صاف اور واضح موجود ہے تو اس پر عمل لازمی بھی نہیں ہے۔ امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ کہ پانی پاک ہے تا وقتیکہ اس کی بومرہ اور رنگ نہ بدے اس نجاست کی وجہ سے جو اس میں پڑی ہو۔ یہ روایت ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں بہت سی نے خود اس کی صراحت کی ہے دوسری وہ حدیث جس میں آپ کے بیضا کے بارہ میں پوچھا گیا ہے اور آپ نے فرمایا۔ ان الماء طہور لا یجسہ شیء کہ پانی پاک ہے اسے کوئی شے ناپاک نہیں کرتی۔ یہ حدیث بیضا کے بارہ میں مفید ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ مطلق نہیں اور اس کا پانی جاری تھا کیونکہ وہاں سے باغات میں پانی سینچا جاتا تھا۔ اس کے اطلاق کو یہ حدیث بھی باطل کرتی ہے اور وہ بھی جس میں آپ نے فرمایا۔ کہ تم میں سے جب کوئی منید سے جاگے تو وہ بہر تن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک ہاتھوں کو تین مرتبہ نہ ہونہ لے۔ یہاں نجاست نہیں ہے۔ بلکہ شہ نجاست ہے جب شہ نجاست سے پانی پلید ہوتا ہے تو نجاست سے پلید کیوں نہ ہو۔ اب جب احادیث وار وہ سے اس پانی کا اندازہ شرعی قائم نہ ہو سکا جو جاری پانی کے حکم میں ہے تو بصورت مجبوری معاملہ ظن غالب پر رکھا گیا کہ پانی کا طول و عرض اس قدر ہو کہ ایک طرف نجاست پڑنے سے گمان ہو کہ دوسری جانب اس کا اثر نہ پہنچ سکے گا تو یہ پانی حکم میں جاری پانی کے ہے اور امام ابو حنیفہ کا حکم یہی ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پشیا کرنے سے اور پھر اسی سے غسل یا وضو سے منع فرمایا ہے۔

ابو حنیفہ عن الہیثم الصواف عن محمد بن سید بن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبال فی الماء الدائم ثم یغتسل منه او یتوضأ

تشریح:۔ بہیقی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے جب حدیث سے ٹھہرے ہوئے پانی میں

پیشاب کرنا منع ہے۔ تو پانہ نہ کرنا بذریعہ اولیٰ منع ہوگا۔ فرمان نبوی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نجاست اس میں نہ ڈالی جائے ورنہ پھر پانی غسل یا وضو کے قابل نہ رہے گا۔ یہاں حدیث میں غسل سے مراد غسل جنابت ہے چنانچہ مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کوئی پتھر سے ہوئے پانی میں بجاالت ناپاکی غسل نہ کرے۔ مگر غسل کے لئے یہ حکم امتناعی پلید و غیر پلید دونوں کو شامل ہے کیونکہ جب پانی ناپاک ہو گیا۔ تو مرد و کھٹے اسکا استعمال بے سود ہوا۔ جنہی کے لئے یوں کہ ناپاک ہے اس کو پاک پانی کی ضرورت ہے اور پانی چونکہ خود پلید ہے۔ وہ اس کو پاک کیسے کرے گا۔ غیر جنہی کے لئے اس طرح کہ وہ اس پلید پانی سے خود پلید ہو جائے گا۔ اب پاک کیسے ہو۔ تو گویا پہلی صورت میں پلید چیز پاک نہ ہو سکی اور دوسری صورت میں پاک چیز ناپاک ہو گئی۔

بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ سُوْر

بَلِّیٰ كَيْفَ يَكُوْنُ الْوُضُوْءُ مِنْ سُوْر

وضو کرنے کا بیان

الہدایۃ

ابو حنیفۃ عن الشعبی عن

مسروق عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضا ذات یوم فجاءت الہترۃ فشربت من الاناء فتوضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منه ورض ما بقی ۛ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا ارادہ فرمایا کہ اتنے میں (ایک بلی آئی اور وضو کے پانی سے پانی پی گئی آپ نے اسی پانی سے وضو کیا۔ اور بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا ۛ

تشریح۔ طحاوی اور دارقطنی نے عائشہؓ سے اس طرح روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علی کی طرف برتن جھکا دیا کرتے۔ تاکہ وہ اس سے پانی پی لے۔ سورہہ دہلی کے بھوتے، ہیں ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ پاک یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ بغیر کراہت کے پاک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ وہ مکروہ تنزیہی ہے اور ائمہ کی دلیل حدیث کے بالکل ظاہری الفاظ ہیں۔ اور اسی ذیل کی دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ یہ تم پر پکڑ لگانے والی ہیں اور تمہارے پاس چلتی پھرتی رہتی ہیں گویا ان کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ اس سے کسی طور پر بچنا ممکن نہیں۔ ان کی دلیل تو صاف اور کھلی ہے۔ امام صاحب کا مذہب کراہت بھی انہی حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن تمام الفاظ اور موقع سامنے رکھ کر۔ حدیث ذیل میں گواہ جناب کا وضو فرمانا طہارت پانی پر دال ہے۔ مگر اختتام حدیث پر نظر ڈالئے وَرَشَ مَا بَقِيَ سِجِّیَ پانی کو اُسے زمین پر چھڑک دیا۔ کہ دوسرا اس کو استعمال نہ کرے کیونکہ آپ کا استعمال محض اس لئے تھا کہ اس کے جواز کی تعلیم دی جائے کہ پانی گو مکروہ ہے لیکن بصورت مجبوری اور پانی میر نہ آنے پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ دوسرے کو یہ مرتبہ کب حاصل۔ وہ لامحالہ اس کو مطلق سمجھ کر پاک جانکر استعمال کرے گا۔ لہذا آپ نے اسے پھینک دیا یہ ایک اشارہ تھا جو آنحضرتؐ نے اس کی کراہت کی طرف فرمایا دوسری

جگہ زبان مبارک سے یوں ارشاد فرمایا کہ یہ بخش نہیں طوافون علی بوتکم۔ یہ تو تم پر چکر لگانے والوں یا چکر لگانے والیوں میں سے ہے اس ارشاد سے حقیقت کو واضح فرمایا کہ جھوٹا پانی اگرچہ بخش ہے مگر کسی مجبوری سے اس کو جائز رکھا اور اس کو صرف کراہت کا درجہ دیا یعنی یہ کہ بروئے حدیث الہی لا سبع کہ ملی از قسم درزہ ہے جہاں اور درندوں کا جھوٹا بخش ہے اس کا جھوٹا بھی بخش ہونا چاہیے تھا مگر ملی چونکہ گھر کا ایک جانور ہے۔ اس کے جھوٹے کو بخش قرار دینے میں گھر والوں کے لئے سخت تنگی کا سامنا کہ گھر ہی میں سب چیز بس کار بنا اور گھر ہی میں ملی کا چلنا پھرنا کہاں تک چیزوں کو اس سے بچائیں۔ اور کہاں تک اس کے جھوٹے کو پھینکتے پھریں۔ گھر میں یہنا عذاب جان بن جائے۔ لہذا آنجناب نے ان الفاظ طوافون علی بوتکم سے وجہ جواز کو آشکارا فرمایا اور مجبوری ظاہر فرمائی کہ ملی کا چونکہ ہر وقت تمہارے پاس کا ناہنا ہے۔ اس لئے اس عذر کے تحت اس کا جھوٹا جائز رکھا گیا اور تم کو بڑی وقت اور ہر وقت کی مصیبت سے بچایا۔ پس امام صاحب نے اپنی فراست دینی سے یہ فیصلہ دیا کہ ملی کا جھوٹا پاک مکروہ تیزی سے۔ اسلام میں مجبوری اور تنگی کے وقت اس قسم کی رعایت و مہلت عام ہے۔ مثلاً گھر میں آنے کے لئے اجازت طلب کرنا ضروری ہے لیکن قرآن پاک میں بایں عذر طوافون علیکم بعضکم علی بعض غلاموں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ فرمادیا۔ بلکہ یہ ہی مقصد رعایت پورے دین میں موجود ہے۔ کیوں کہ دین آسانی کے لئے تنگی کے لئے نہیں اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ما یزید اللہ لیجعل علیکم من حرج و لكن یرید لیطہرکم۔

بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا

ابو حنیفہ عن منصور عن ابی

وائل عن حذیفۃ قال رايت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یبول علی سباطۃ قوم قائمًا

تشریح :- کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں دو طرح کی احادیث وارد ہیں ایک یہ امر مجبوری و

عذر شرعی رخصت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری سے عدم رخصت کا۔ رخصت کی احادیث میں سے حضرت

خدیجہ کی حدیث ہے۔ یہ حدیث مختصر الفاظ میں تو امام صاحب سے نقل کر دی گئی ہے۔ اور کچھ مزید الفاظ

سے مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ و حبیہ نے اس کو نقل کیا ہے عدم رخصت کے سلسلہ میں فیصلہ کن حدیث

حضرت عائشہ کی روایت ہے جس کو ترمذی احمد۔ نسائی نے روایت کیا ہے کہ من احد ثکوان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائمًا فلا قصد قوۃ ما کان یبول الا قاعًا یعنی جو تم

سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ تو اسے سہانہ جانو آپ تو

بیٹھ ہی کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ یہ ہر دو احادیث آپس میں متعارض ہوں تو ان میں تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ عائشہ

آنحضرت سے بہت قریب تھیں اور ان کی عادات سے پوری واقف اور مزید ایک خاص واقعہ

کو بیان کرتے ہیں جو کسی عذر یا مجبوری کی بنا پر وقوع پذیر ہوا ہو گا۔ یہ چونکہ گھر سے باہر کا واقعہ ہے۔ عاقلانہ علم میں نہیں تھا۔ اس لئے دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں مگر ایک جگہ ملاوحت اور دوسری جگہ وقتی مجبوری پس کہاں ایک سچے عادت اور کہاں عذر و مجبوری پر مبنی ایک خصوصی واقعہ۔ ایسے واقعات اصول نہیں بنتے۔ نہ مسلوں کی بنیاد ہوتے ہیں۔ التنبہ بہ امر مجبوری و عذر بخصت و اجازت کا ایک طریقہ بن جانے ہیں۔ اسی لئے علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے۔ کیونکہ اس میں ستر زیادہ کھلتا ہے۔ بدن میں نجاست لگنے کا امکان ہوتا ہے۔ تہذیب ثنائت بچیدگی اور انسانیت کے سراسر خلاف ہے۔

اب وہ عذر جس کی بنا پر آنحضرت نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اس بارے میں مختلف بیانات ہیں یا تو آپ کی پشت مبارک میں درد تھا۔ آپ مجبوراً کھڑے ہوئے جگہ اونچی تھی اور آپ شیب میں تھے۔ آگے اگر آپ اس جگہ بیٹھتے تو پیشاب بہ کر آپ ہی کی طرف آتا۔ اور آپ کو نجس کرتا اگر بلندی پر بیٹھتے تو گذرگاہ سامنے تھی ستر و کھائی دیتا، بے سجائی ہوتی جو آپ کو بہت نا پسندی تھی مستدرک حاکم میں ہے ابن عمر سے یوں نقل ہے کہ آپ کے گھٹنوں میں درد تھا۔ اس لئے بیٹھنے لگے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود تھا کہ یہ امر مجبوری یہ صورت قابلِ عفو ہے۔

بَابُ عَدَمِ الْوُضُوءِ دُودھ پی کر نیا وضو نہ کرنے

شرب اللبن

الْبُحْثُ فِي عَدَمِ الْوُضُوءِ

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دودھ پی کر کلی کی اور نماز پڑھی اور نیا وضو نہیں کیا۔

جابر عن ابن عباس قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم شرب لبناً فتمضمض و صلى ولم يتوضأ

تشریح: شیخین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے مگر اس میں صلی ولم يتوضأ کا لکرا نہیں بلکہ یوں ہے ان لنا دسما کہ اس میں چکائی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وضو ہو تو دودھ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

بَابُ عَدَمِ الْوُضُوءِ بَابُ گوشت کھا کر نیا وضو

من اللحم

الْبُحْثُ فِي عَدَمِ الْوُضُوءِ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر قال

اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرثاً بلحیر
ثم مکی :

شور باگوشت تناول فرمایا پھر نماز پڑھی دینے
نیا وضو نہیں کیا :

تشریح :- اس جگہ یہ مسئلہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں ؟ وضو
نہ ٹوٹنے کی دلیل یہی حدیث ہے۔ بخاری میں سعید بن حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت
جابر سے پوچھا کہ کیا تم آگ پر پکی ہوئی چیز کھا لینے سے وضو کرتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر امام احمد نے اپنے
مذہب کی تائید میں برابر بن عازب کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپؐ فرمایا وضو اونٹوں کے گوشت
سے کمرہ اور بکریوں کے گوشت سے نہیں۔ وہ بھی اسی حدیث کی تائید میں ہے۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔
ابن ماجہ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے۔ اسی میں حضرت جابر کی وہ حدیث بھی ہے جس
کو ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل
یہ ہی تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہ فرماتے دوسروں کا خیال ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ اس
بار سے میں ابی بکر۔ عمر۔ عثمان۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں موجود ہیں۔ مرفوع اور موقوف
دونوں بعض ہر دونوں نوع کی احادیث میں یہ مطابقت جیتے ہیں کہ وضو کا حکم یا تو استحباب کے لئے
مانا جاسکے۔ یا یہ کہ وضو سے لغوی معنی مراد لئے جائیں۔ یعنی ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا۔ نہ شرعی معنی۔
اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں سوائے امام احمد کے جو اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹ جانے
کے قائل ہیں :

بَابُ الْأَمْرِ بِالسَّوَاكِ

ابو حنیفہ عن علی بن الحسین

الزّاد عن تمام عن جعفر بن ابی طالب
ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم دخلوا علی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فقال ما ازالکم قلیماً استاکوا
فلولا ان اشق علی امتی لا مر قلم
بالسواک عند کل مہلوة :

و فی رواية مالی اراکم قد خلون
علی قلیماً استاکوا فلولا ان اشق علی
امتی لا مر قلم ان یستاکوا عند
کل مہلوة او عند کل وضوء :

تشریح :- مالک۔ احمد۔ شیخین۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ سب نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

مسواک کرنے کا حکم

حضرت جعفر بن ابی طالب سے مروی ہے کہ
کچھ لوگ صحابہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے آپؐ فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے
دانتوں کو زرد دیکھتا ہوں۔ مسواک کیا کرو۔ اگر میں
اپنی امت پر اس کو مشکل نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے
وقت مسواک کے لئے حکم دیتا۔ ایک روایت
میں یوں ہے کہ آپؐ فرمائی کیا وجہ ہے کہ
میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم میرے پاس آتے ہو۔ اور
تمہارے دانت زرد ہوتے ہیں۔ مسواک کیا کرو۔
اگر میں اپنی امت پر اس کو مشکل نہ جانتا۔ تو ان کو ہر
نماز یا ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔
تشریح :-

یہ حدیث مسواک کرنا واجب نہیں ہے پر ولایت کرتی ہے۔ اس میں مسواک کرنا مستحب ہو کر ہے۔
 خصوصاً جبکہ دانت زرد ہوں۔ منہ سے بو آتی ہے۔ یا نیند سے انسان بھی جاگا ہو اور اب نماز کا ارادہ ہو اور
 وضو کرنے بیٹھے جن روایات میں عند کل وضو ہے وہ تو اپنے حقیقی معنی میں ہے یہی کہ وقت ،
 مسواک کرنے کا ہے۔ اور احناف کا مذہب یہی ہے۔ اب جن روایات میں عند کل صلوٰۃ ہے اس
 کی تفسیر عند کل وضو کی روایت کو پیش نظر رکھ کر یوں کرنی پڑے گی کہ ہر وضو کے وقت جو نماز کے لئے
 کیا جائے۔ کیونکہ فرمان نبوی کی غرض یہ ہے کہ آنجناب فرماتے ہیں کہ میری نظر میں مسواک کے بیش
 بہا منافع ہیں لیکن تمہاری وہ تکالیف بھی ہے جو مسواک کے واجب ہونے پر تم کو پیش آتی۔ کہ کبھی تمہارے
 پاس سے کبھی نہیں کبھی تم سفر میں ہو کبھی حضر میں۔ کبھی تندرست ہو کبھی بیمار۔ غرض ہر وقت مسواک ملنا
 مشکل ہے۔ لہذا اگر اس کو واجب قرار دوں۔ تو اس کا ناسنام پر دو بھرے۔ اور تمہاری تکالیف چونکہ
 مجھ پر شاق ہیں۔ اس لئے اس کے بارہ میں کوئی وجوہی حکم نہیں دیتا۔ تو گویا یہاں آنجناب نے اپنی امرت
 کا آسان بہترین پہلو سامنے رکھا۔ اب اگر عند کل صلوٰۃ کی روایت کو اپنے حقیقی معنی پر لیں۔ اور ہر
 نماز کے وقت مسواک کرنی ہو تو جس وقت سے آنجناب نے اپنی امرت کو بچا یا تھا وہ پھر سامنے آئی۔
 کہ اگر ایک وضو سے چار نمازیں پڑھنا چاہیں تو چار ہی مرتبہ مسواک کرنی ہو۔ پھر جانے دیجئے اس تکالیف
 کو بھی ذرا غور تو کیجئے کہ مسواک کرنے سے دانتوں سے خون جاری ہونا یقینی امر ہے اور شبہ تو ہے ہی
 خصوصاً انکے لئے جن کے دانت کسی مرض کا شکار ہیں۔ وضو میں تو پانی خون بند کر دیتا ہے۔ مگر نماز میں یہ
 بات ناممکن ہے۔ لہذا ان تمام قباحتوں کو پیش نظر رکھ کر عند کل وضو کی روایت قرین قیاس ہے
 اسی طرح نسائی۔ ابن حبان۔ ابن خزیمہ حاکم نے اپنی اپنی صحاح میں روایت کی ہے :

بَابُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَضُوءِ اَعْضَاءِ ثَمَانٍ تَبَارُ

دھونے ہیں

حماد عن ابی حنیفۃ عن خالد بن علقمۃ
 عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب انہ
 توضأ فغسل کفیه ثلاثاً ومضمض ثلاثاً ،
 واستنشق ثلاثاً وغسل وجہہ ثلاثاً
 وفرداعیہ ثلاثاً ومسح رأسہ وغسل
 قدیمیہ وقال هذا وضوء رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم

عبد خیر حضرت علی بن ابی طالب سے روایت
 کرتے ہیں۔ کہ آپ نے وضو کیا تو ہاتھ تین بار دھوئے
 پھر تین بار کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور
 تین مرتبہ چہرہ دھویا۔ اور تین مرتبہ دیکھنیوں تک ہاتھ
 دھوئے اور سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے
 اور فرمایا کہ یہ ہے وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
 سلم کا :

تشریح :- یہ حدیث مختلف الفاظ سے عبد خیر اور دوسرے راویوں ابو حنیفہ۔ ذر بن حبیش۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ابن عباس نزال بن سمرہ سے بھی مروی ہے۔

ابو حنیفہ عن خالد بن عبد خیر عن
علی انہ دعا بماء فضل کفیه ثلاثاً و تمضمض ثلاثاً
واستنشق ثلاثاً وغسل وجهه ثلاثاً و ذراعیه ثلاثاً
وسلم رأسه ثلاثاً وغسل قدمیه ثلاثاً ثم قال هذا
وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبد خیر حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت
علی نے پانی منگایا، اور اس سے تین بار ہاتھ دھوئے
تین بار گل کی تین بار ناک میں پانی ڈالا تین بار منہ
دھویا تین بار کہنیوں تک ہاتھ دھوئے تین دفعہ سر
کا مسح کیا۔ اور تین مرتبہ پاؤں دھوئے پھر کہا یہ ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو

تشریح :- فتح القدیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی تیس صحابہ نے ہو بہو نقل آماری ہے۔ ان میں علی
اور عثمان بھی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ وضاحت عبداللہ بن زید بن عاصم نے کی ہے۔ اسی لئے ان کی حدیث اس
باب میں اصل ہے، اور حجت ہے۔ اور ان کو حاکم و ضو صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ گویا آنجناب کے وضو کی نقل آمارے
واسے در اصل یہی ہیں۔ انہیں نے مسلمہ کو وحشی کی شرکت میں قتل کیا تھا۔ اور انہیں سے شیخین مالک ثنائی روایتیں لائے
ہیں یہ وہ عبداللہ نہیں جو عبداللہ بن زید بن عبد بہ کے نام سے مشہور ہیں جو مؤذن تھے۔

مضمضہ و استنشاق میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث مختلف الفاظ میں بعض
میں ثلاث غرغرات کا لفظ ہے یعنی آٹھ تین بار چلو میں پانی لیا۔ اور بعض میں غرغرة واحدة کا لفظ یعنی آٹھ ایک چلو
لیا۔ امام شافعی غرغرة واحدة کی روایت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ ہر مرتبہ ایک غرغرة پانی لیں اور اس سے کلی بھی
کرتے جائیں اور ناک میں پانی بھی ڈالتے جائیں، یوں گویا تین مرتبہ تین غرغرات پانی پیے امام صاحب میں غرغرات
کو سامنے رکھ کر یہ معنی کرتے ہیں کہ منہ و ناک کو علیحدہ علیحدہ صاف کریں اور ہر ایک کے لئے تین بار زمین پانی لیں
گویا کل چھ چلوئے امام صاحب کی حجت یہی حدیث ہے کہ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ و ناک کے لئے
الگ الگ پانی لیا اور ہر ایک کے لئے تین چلو عثمان کی حدیث جو ابو داؤد و لائے ہیں وہ بھی اس کی تائید میں ہے
اس سے زیادہ صاف شہادت طلحہ بن مصرف کی حدیث سے جس کی تخریج ابو داؤد نے کی ہے۔ اس کے
الفاظ ہیں کہ آنجناب مضمضہ و استنشاق میں جدائی فرمایا کرتے، گو اس حدیث کے پیچھے بعض صاحب مذہب ملک
پڑے ہیں مگر یہ بظاہر ہی جوش ہے۔ پھر قیاس سے مذہب امام صاحب کی پر زور تائید ہوتی ہے کہ منہ و ناک
انفک طرح جدا جدا عضو ہوتے تو ان کی صفائی میں ایک کیسے سمجھا جلتے، لہذا از روئے قواعد اصول جو روایتیں
موافق قیاس ہیں وہ ہی قابل ترجیح اور قابل حجت ہیں۔

رفی روزیة عن خالد بن عبد خیر عن
علی انہ دعا بماء فضل کفیه ثلاثاً و استنشق
ثلاثاً وغسل وجهه ثلاثاً و ذراعیه ثلاثاً و مسح برأسه
ثلاثاً و غسل قدمیه ثلاثاً ثم قال هذا وضوء
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاملہ

ایک روایت میں عبد خیر سے یوں ہے کہ علی
نے پانی منگایا۔ تین دفعہ ہاتھ دھوئے، تین دفعہ ناک
میں پانی ڈالا تین دفعہ چہرہ دھویا تین دفعہ ہاتھ کہنیوں
تک دھوئے، ایک دفعہ سر کا مسح کیا اور تین دفعہ
پاؤں دھوئے، پھر فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

روى روايت انه دعا بما عفا فأتى باناء فتيمة
 ماء وطست قال عبد خير وتظروا ليس فاخذ
 بيده اليمنى الا نكح ركفاة على يده اليسرى
 ثم غسل يديه ثلث مرات لم يدخل يده
 اليمنى الا ناء غسل يده ومضمض واستنشق
 فقل فان اثلث مرات ثم غسل وجهه ثلث مرات
 ثم اخذ الماء بيمينه ثم مسح بها داسر مودة
 واحدة ثم غسل قدميه ثلثا ثلثا ثم غرغ
 بكفه فشرب منه ثم قال من سورة ان ينظر
 الى ظهور رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فهذا اطهورة وروى روايت انه دعا بما عفا
 كفبه ثلثا ومضمض ثلثا وغسل وجهه ثلثا
 غسل ذراعيه ثلثا ثم اخذ ما وى كفبه فصبه
 على صلوة ثم قال من سورة ان ينظر الى
 ظهور رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فليطرا الى هذا وروى روايت عن علي انه
 تضاء ثلثا ثلثا وقال هذا الرضو رسول
 الله صلى الله عليه وسلم قال عبد الله
 بن يعقوب يعنى به من ودى عن
 ابي حنيفة في هذا الحديث عن
 خالد ان النبي صلى الله عليه وسلم مسح
 راسه ثلثا على انه وضع يده على يافوخه
 ثم مر يده الى مؤخر راسه ثم الى مقله
 راسه فجعل ذلك ثلث مرات وانما ذلك
 مرة واحدة لانه لم يباين يده ولا اخذ
 الماء ثلث مرات فهو كمن جعل الماء في كفّه
 ثم سحبه الى كوعه الا ترى انه يثني في الاخذ
 التي روى عنه وهو الجارود بن زيد خادجة
 بن مصعب واسد بن عمران المسمكان مرة

کا پورہ وضو اسی طرح ہے یعنی اس طرح کے وضو میں فرض ہست
 اور مستحب سب شامل ہیں
 اب ایک روایت میں ہے کہ علی نے پانی منگایا تو آپ کے
 پاس پانی کا برتن اور ایک طشت لایا گیا عبد خیر نے کہا کہ
 ہم انہیں دیکھ رہے تھے انہوں نے سیدھے ہاتھ سے برتن
 پکڑا اور اس کو جھکا کر لٹے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر ہاتھ تین دفعہ
 دھوئے پھر سیدھا ہاتھ پانی میں ڈالا اور اس کو پانی سے
 بھر کر ناک و منہ میں پانی ڈالا اور یہی طرح تین دفعہ کیا
 پھر چہرہ کو تین دفعہ دھویا پھر ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا
 پھر ہاتھ میں پانی لے کر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پاؤں تین تین
 دفعہ دھوئے پھر ایک چلو میں پانی لیکر لیا پھر کہا کہ جو چاہتا
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھے تو
 یہ ہے آپ کا وضو اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے
 پانی منگایا اور ہاتھ تین دفعہ دھوئے تین دفعہ مضمضہ
 کیا اور تین دفعہ استنشاق اور تین دفعہ

ہاتھ کہنیر تک پھر ہاتھ میں پانی لے کر اپنے تالو پر ڈالا
 پھر کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھنا چاہے
 تو دیکھے وہ یہ ہے علی سے ایک روایت میں اس طرح ہر
 انہوں نے اعضائے وضو تین تین دفعہ دھوئے اور کہا
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یہ ہے عبد اللہ بن
 محمد بن یعقوب جو ابو حنیفہ سے اسی حدیث کی خالد سے
 روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے سر کا مسح تین بار اس طرح کیا کہ اپنا ہاتھ پیشانی کی
 پردکھا اور سر کے پیچھے تک کھینچ کر لے گئے پھر پیشانی کی
 طرف کھینچ کر لائے اس طرح تین دفعہ کیا تو ایک دفعہ
 مسح کیا کیونکہ نہ ہاتھ سر سے جدا ہوا نہ پانی تین
 بار بدلایا یہ ایسا ہے کہ کوئی تھیلی میں پانی لے اور اس
 کو تھیلی تک لے جاتے تم نہیں دیکھتے کہ وہ احادیث
 جارود بن زید اور خارجہ بن مصعب و اسد بن عمر نے

واحدة وثبت ان معناه ما ذكرنا قال وقد روى
 من جماعة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم
 كثيرة على هذا اللفظ ان النبي صلى الله عليه وسلم
 مسح راسه ثلاثا منه عثمان وعلي وعبد الله بن
 مسعود غيرهم رضي الله عنهم قال البيهقي و
 قد روى من اوجه عريضة عن عثمان تكرر السمع الا
 انه مع خلاف الحفاظ يجهل عند اهل العلم فهل
 كان معناه الا على ما ذكرنا من جعل ابا حنيفة
 غلطاً في رواية السمع ثلاثا فقد رهم وكان
 هو بالغلط اولى واخلق وقد غلط شعبة في هذه
 الحديث غلطاً فاحشاً عند الجميع وهو رواية هذا
 الحديث عن مالك بن بطة عن عبد خير عن علي
 بن صفوان الاسمين وفي اساده فقال بديل خال
 مالك وبدال علفه عرفه وروى هذا
 غلط من ابي حنيفة لنسبوا الى محمد بن
 ذقلة المعرفة ولا خروج الدين وهذا من
 قلت الورع واتباع الهوى

علی سے روایت کی ہے۔ اور فرمایا کہ حضرت نے فرمایا
 کہ مسح ایک بار تھا اور اس کے وہ ہی معنی بیان کئے
 جو اوپر بیان کئے۔ کہا ابو حنیفہ نے کہ صحابہ کی ایک
 بڑی جماعت سے یہی لفظ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے سر کا مسح تین دفعہ کیا ان میں سے عثمان بن
 عبد اللہ بن مسعود وغیرہم ہیں۔ بیہقی نے کہا کہ سر کا مسح کرو
 والی حدیث عثمان سے غریب طریق سے مروی ہے مگر
 یہ حفاظ حدیث کی روایت کے بھی خلاف ہے اور اہل علم
 کے نزدیک محبت نہیں لہذا سر کا مسح کے وہی معنی ہو سکتے
 ہیں جو ذکر ہوئے اب جو تین دفعہ مسح کرنے کی روایت
 میں امام ابو حنیفہ کی طرف غلطی کی نسبت کرتا ہے اس
 سے خود غلطی ہوئی اور البتہ شعبہ نے اس حدیث کے ساتھ امام محمد
 کے تفسیر غلطی کی ہے یہ کہ روایت کی اس حدیث مالک بن عرفہ
 سے اور انہوں نے عبد خیر سے اور انہوں نے علی سے کہ باب بیٹے ہر دو کے
 نام بدل دیے۔ خالد کی جگہ مالک آئے اور علف کی جگہ عرفہ اگر غلطی کہیں ہو
 سے ضرور ہوتی تو کہتے کہ وہ علم حدیث سے ملے ہیں اس میں کوئی علم اور میں ہی وہاں
 خارج کر دیتے یہ اتہام تقویٰ کی کمی اور خواہش نفسانی کی اتباع کی وجہ سے ہے۔

تشریح :- مسح کے بارہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک ایک
 دفعہ مسح کرنا سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک تین دفعہ اور ہر بار نئے پانی سے امام شافعی نے اسے غسل
 پر قیاس کیا اور حدیث تو ضا ثلاثا کو سامنے رکھتے ہیں، یعنی کہ آپ نے سب اعضا تین تین دفعہ دہرائے کیونکہ
 وضو غسل و مسح ہر دو کو شامل ہے۔ امام اعظم کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ایک دفعہ مسح کا حکم ہے ان میں
 اور نزاع کا سبب بنی ہے چنانچہ دارقطنی نے حضرت ابو یوسف کے طریق سے امام صاحب کی روایت
 نقل کر کے سب سے پہلے یہ اعتراض کیا کہ ان ابا حنیفہ خالف الحفاظ فی ذلك فقال ثلاثا
 ثلاثا وانما هو مرة واحدة مع خلافه ایاہم قال ان السنة فی الوضوء مسح الی
 مرة یعنی ابو حنیفہ نے اس میں حفاظ حدیث کی مخالفت کی اور قول کیا تین مرتبہ مسح کرنے کا اور ان
 کی مخالفت کے ساتھ ساتھ کہا کہ وضو میں سنت ایک مرتبہ مسح کرنا ہے، حالانکہ یہ شعبہ بنیاد الہیہ
 و اہیت کے خلاف ہے، امام صاحب کی روایت میں یہاں تثلیث کا لفظ ہے، وہاں وہ تثلیث مراد
 نہیں جو امام شافعی کے نزدیک ہے کہ نئے پانی سے تین بار مسح کیا جائے۔ یہ صرف تین بار سر پر ہاتھ چیرے
 سے عبارت ہے بغیر نیا پانی لئے ہوئے اور ہاتھ سر سے جلائے ہوئے اس کی وضاحت خود ان کی

روایات میں آچکی ہے، بلکہ مطابق روایت حسن امام صاحب اسی طریق کو منقول کہتے ہیں، جب نہ پانی لیا نہ ہاتھ سر سے جدا کیا تو یہ صورت درحقیقت ایک مرتبہ مسح کی ہوئی، اس میں تثلیث کہاں، پانی میں ہے کہ مسح کی یہی صورت ہے۔ اور امام صاحب سے مروی پھر امام صاحب کی روایات کھٹی قسم کی ہیں، بعض میں ایک مرتبہ کی تصریح ہے، بعض محل اور محل اور بعض ساکت لا محالا ساکت و محل کو تصریح شدہ پر محمول کریں گے، قطع نظر اس کے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ مسح کی بنا آسانی و سہولت پر رکھی گئی ہے گویا غسل کی دقت یا مشقت سے اس میں مہلت ملی، اور طہارت میں ایک گونہ رعایت نصیب ہوئی جب ہر سہ بار نیا پانی لیا تو وہ تو غسل ہو گیا، مسح کب رہا اور پھر رعایت و سہولت کدھر گئی۔ اور مقصد مسح فوت ہوا۔ لہذا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا قریب قیاس اور عقل کے عین مطابق پس امام ابو حنیفہ کا مذہب مسح ہے۔

ابو حنیفہ عن عطاء عن جہان مولى
عثمان ان عثمان توضأ ثلثا وثلاثا
هكذا رأيت رسول الله عليه
وسلم يتوضأ:

حمران مولى عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین دفعہ وضو کیا اور کہا کہ اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔

تشریح تین دفعہ مسح کرنے کا ثبوت اس حدیث سے اخذ کرنا ضعف علم سے، مگر افسوس جانبداری حقیقت کا راز کھلنے نہیں دیتی آنکھوں پر تعصب کے چٹے چٹے موئے ہیں یہ سراسر بے انصافی ہے امام شافعی کا تثلیث کا مذہب مشہور ہے لیکن جب امام صاحب کی روایت میں تثلیث کا لفظ آگیا۔ اور یہ ان کے مذہب کے بظاہر مخالف تھا۔ تو ان پر سخت گرفت کی گئی کہ اول تو تثلیث کا مذہب دیسے ہی کمزور صحیح روایات سے ثابت نہیں، پھر خود ان کے مذہب کے خلاف یہ کیا ماجرا ہے، غرض ہر طرف سے اعتراض ہونے لگے مگر جب امام شافعی کا مسک یہ ہی دکھا تو اب بڑی پیچیدگی نظر آئی، کیونکہ تمام اعتراضات کا رخ ادھر جاتا تھا۔ لہذا بعض نے تو انکار ہی کر دیا چنانچہ ترمذی کی عبارت اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ توحید کے قائل تھے بعض سکوت کر گئے اور بعض آغز نہ رہ سکے۔ تو اقرار کر بیٹھے چنانچہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں انہ لم يردنى طريق من الصليين ذكر عدد المسموع عليه اكثر العلماء الا الشافعي هو القائل بالتثليث كما يحمين كسب طريق من ابيك من زائد مسح كونه في رواية مني آلى اور اس مذہب پر اکثر ظہار ہیں سوائے شافعی توحید کے وہ جو تثلیث کے قائل ہیں۔

باب الوضوء مرة واحدة

ابو حنیفہ عن حلقہ عن ابن
بریدہ عن ابيه ان النبي صلى الله
عليه وسلم توضأ مرة واحدة

وضوء ایک ایک مرتبہ سے

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
عليہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا یعنی وضو یکم
ایک ایک دفعہ دہم سے۔

تشریح: یہ حدیث اس بارے میں ہے کہ وضو کے اعضاء میں دین و نہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ایک دفعہ بھی اعضائے وضو ہوئے کہ یہ واجب ہے اور دوسرے مرتبہ بھی کہ یہ بھی جائز ہے اور تین تین دفعہ بھی اور اسی کی زیادہ روایات ہیں کیونکہ آنجناب کا اکثر عمل اسی پر تھا۔

ابو حنیفہ عن مجاہد عن ابن

ابن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ویل سے دوزخ میں اڑیوں کے لئے

عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ویل للعواقب من النار

تشریح: ویل جہنم کی ایک راوی ہے یعنی جو لوگ وضو میں اپنی اڑیاں خشک رکھتے ہیں۔ دوزخ کی اس باڑی میں ان کے لئے آگ کا عذاب ہے، یوں تو وضو میں کوئی عضو خشک نہ رہنا چاہئے لیکن اڑیوں کی وعید اس لئے خاص طور سے فرمائی کہ جلد باڑی اور بے احتیاطی میں اڑیاں اکثر و بیشتر سوکھی رہ جاتی ہیں اور اس بھڑکی سی بد احتیاطی سے سارا وضو برباد ہو جاتا ہے بعض روایتوں میں تلوی بھی اس وعید میں شامل ہیں۔

باب نضح القرج

وضو کے بچے ہوئے پانی کو

بفضل الوضوء

اپنی رومالی پر چھڑکنا !!

ابو حنیفہ عن منصور عن مجاہد عن

رجل من ثقیف قال لہما حکم او ابن الحکم عن ابیہ قال تذا

البنی صلی اللہ علیہ وسلم واخذ خفہ من ماء فغسلہ فوافع طہور

حکم ثقیفی سے روایت ہے کہ وضو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ایک چلو پانی لئے کر اپنے موضع طہور (رومالی) پر چھڑکا

تشریح: اس حدیث پر اکثر منہ مچٹ اور زبان دراز لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے اس اعتراض میں شیعہ رافضی اور جہد پید نظر بات کی حامل وہ نسل شامل ہے جو رات دن ننگی دیکھتے ہیں دراصل بگو اس قسم کے ناول اور عسبی افسانے پڑھ پڑھ کر ان کے قلوب سیاہ ہو چکے ہیں۔ رات دن کا عمل اگر دیکھو تو شیطاں بھی پناہ مانگے لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پاکیزہ اور سبقت آموز حدیث پر بڑی بے جگری سے اعتراض کرتے ہیں۔ اس قسم کے کئی لوگوں نے خود اقم اطروف کے سامنے اسی حدیث پر اعتراض کیا احقر نے سکوت اختیار کیا کیوں کہ احقر کا خیال ہے کہ اس قسم کے لوگ مجبور محض ہیں ان سے بحث بے کار اور بے سود ہے۔

میرے عزیز! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پاکیزہ تعلیم صرف اس لئے تھی کہ انسان خشکی مزاج اور خشک کی وجہ سے عبادت میں خلل پڑنے کا احتمال ہے پس رومالی پر پانی چھڑکنے کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کو قطرات بول کا خشک ہو تو دور ہو جائے۔ اگر حضور اکرم سے سچی محبت اور دین کی سچی حمیت ہو تو بلاچون و چرا اس حدیث پر عمل ہو ورنہ بد فطرت کے لئے ہزاروں بہانے ہیں۔ اور یہ حکم تو حضرت جبریل

علیہ السلام بیکر نازل ہوئے تھے پھر شک کرنا کیا؟

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخَفَّيْنِ

ابو حنیفہ عن الحكم عن القاسم

عن شريح قال سألت عائشة أم المؤمنين
على الخفين قالت أت علينا فأسأله
فإنه كان يوافي مع النبي صلى
الله عليه وسلم قال شريح
فأتيت علياً فقال لے
اسلم ۛ

موزوں پر مسح کرنا

حضرت شریح نے عائشہؓ سے پوچھا۔ کیا میں
موزوں پر مسح کروں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
اس کا ثبوت ہے کہ میں بھی ایسا ہی کروں، آپ نے
فرمایا۔ کہ جا کر حضرت علیؓ سے پوچھو۔ کہ وہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا کرتے تھے شریح
کہتے ہیں کہ پھر میں علیؓ کے پاس آیا۔ تو آپ نے
فرمایا کہ مسح کرو ۛ

تشریح :- موزوں پر مسح کرنے کی احادیث حدیث اتر تک پہنچتی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اس کے
روایت کی تعداد اسٹی تک پہنچتی ہے۔ جن میں عشرہ بشرہ بھی شامل ہیں۔ اسی لئے سلف میں سے کسی نے اس
میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ امام مالکؒ سے ایک ضعیف روایت ہے کہ وہ مقیم کیلئے مسخضین روانہ رکھتے تھے
امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں مسح علی الخفین کو جائز نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ اس باب میں آثار و احادیث
روشن کی طرح میرے سامنے آگئیں۔ اور میں ماننے پر مجبور ہوا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ مسح کی حادیث
چونکہ مشہور ہیں اس لئے مسح کا نہ ماننے والا بدعتی ہے۔ کرمی نے کہا کہ میں اس کے بارہ میں کفر کا خوف رکھتا
ہوں۔ ایسا ہی امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے۔ فرمان الہی بريد الله بكم اليسى ولا يريد بكم العسى کے
تحت اللہ تعالیٰ نے مسح خفین کے جواز سے ایک بڑی آسانی و سہولت کا راستہ کھول دیا کہ اس کو سنت
نہی قرار دیا۔ جو چاہے پاؤں دھوئے صرف وضو کا ثواب لے جو چاہے مسح کرے رعایت ہے
فائدہ اٹھائے۔ اور سنت کا ثواب بھی حاصل کرے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ انسان اگر خوارج و روایا
سے دوچار ہو تو ان کی تردید کرنے کی غرض سے مسح کرنے میں پاؤں دھونے سے زیادہ ثواب ہے ۛ

ابو حنیفہ عن علقمة عن سليمان

بن بريدة عن ابيه ان رسول الله عليه وسلم
توفيّا وممسح على الخفين وصلى خمس
صلوات ۛ

حضرت بريدہؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح
کیا اور اس سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں ۛ

تشریح :- بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسح علی الخفین طہارت ناقصہ ہے پس رسول اللہ کا موزوں
پر مسح کر کے پنجگانہ نماز ادا کرنے سے اس باطل خیال کی بھی تردید ہو گئی۔

ابو حنیفہ عن علقمة عن

ابن بريدة عن ابيه ان النبي

حضرت بريدہؒ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ کو مونہ پر ایک وضو سے پانچ نمازیں

صلی اللہ علیہ وسلم یوم نتم مکة صلی
 خمس صلوات بوضوء واحد
 و مسح علی خفيه فقال له عبد ما
 راينا لك منعت هذا قبل اليوم فقال
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم عمداً منعت
 یا عمر

اداکیں۔ اور قدیم عادت کے خلاف) موزوں پر
 مسح کیا حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ
 آج سے پہلے ہم نے آپ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اے عمر میں نے قصداً
 ایسا کیا ہے

تشریح :- اس حدیث میں عمرؓ کی حیرت کا سبب دراصل دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ آپؐ
 پاؤں نہیں دھوئے اور ان پر مسح کیا۔ دوسرے ایک وضو سے آنجنابؐ نے کئی نمازیں ادا فرمائیں۔
 آنجنابؐ کے بھی اپنے ان الفاظ سے مدعماً منعت یا عمداً یہ واضح فرمایا کہ میں ان ہی ہر دو امور کی وضاحت
 کر دینا چاہتا ہوں کہ مسح دین میں ایک جائز فعل ہے اور یہ کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا میرے لئے واجب
 و فرض نہیں۔ ایک وضو سے میں بھی تمہاری طرح چند نمازیں ادا کر سکتا ہوں۔ مسح کے بارہ میں آنحضرتؐ
 حضرت عمرؓ کے سامنے خاص طور سے مسح کی حقیقت مزید واضح کر دینا چاہتے تھے۔ ورنہ مسح فتح مکہ
 سے پہلے ہی جائز ہو چکا تھا۔ اس کے جواز کا آغاز فتح مکہ سے ہرگز نہیں رہا ایک وضو سے چند نمازیں ادا
 کرنے کا معاملہ تو یہ قابل تسلیم ہے کہ آنجنابؐ کی پچھلی زندگی میں یہ عمل اپنی مثال نہیں لگتا۔ یہ بالکل نیا ہی
 تھا۔ تو اس پر تعجب قرین قیاس نہیں پھر اس کا انکشاف کہ فتح مکہ سے قبل آپؐ ہر نماز کے لئے نیا وضو
 کیا کرتے تھے اس کا کوئی حل نہیں۔ ممکن ہے استنباطاً اس پر آنجنابؐ نے پابندی کی ہو۔ فرضیت کے
 سبب سے نہیں اور ہو سکتا ہے کہ آیت واذا قمتم الی الصلوة فاعسلوا وجوهکم کے ظاہر پر عمل کرتے
 ہوئے اپنے لئے جدید وضو کو لازم قرار دیا ہو۔ جس طرح بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت صرف محدث ہی
 کے لئے نہیں بلکہ ظاہر اور غیر ظاہر سب کے لئے ہے کہ جب بھی تم نماز کا ارادہ کرو وضو کرو یعنی نیا چھ
 داری سے منکر مہر سے روایت نقل کی ہے۔ کہ حدیب نمازیں ایک وضو سے ادا کرتے اور علیؓ ہر نماز
 کے لئے نیا وضو کرتے اور اس آیت کو پڑھتے مگر خود داری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس
 طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ آیت محدث کے لئے ہے نہ ظاہر کے لئے اور اس حدیث سے دلیل لاتے
 ہیں کہ لا وضوء الا من حدث کہ وضو حدیث ہی سے ہے یعنی وضو ٹوٹے تو وضو کرو نہ ٹوٹے تو نہ کرو۔
 حالانکہ اس اشارہ کی کوئی خاص دلیل ممکن نہیں ہے۔ بہر حال اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنا
 آپؐ کے لئے بھی فرض تھا۔ خواہ اس آیت سے ہو یا دوسرے طریق سے۔ فتح مکہ پر وہ فرض منوع
 ہوا۔ اور اس کے نسخ کو آنجنابؐ نے اپنے عمل سے قصداً ظاہر فرمایا۔ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ امت کے
 لئے وضو کی پابندی نہ تھی۔ کیونکہ بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں انس بن مالک کی یہ روایت موجود
 ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کرتے ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت
 آپؐ لوگ کیا کرتے تھے کہا کہ ہم لوگوں کو ایک ہی دفعہ کافی ہو واجب ہے۔ رٹ جاتا ساسی طرح ترنگی

میں بھی حضرت انس سے روایت ہے اس حدیث سے ان کا خیال بھی رد ہوا جو کہتے ہیں کہ نیا وضو سب ہی پر فرض تھا۔ فتح مکہ پر وہ منسوخ ہوا۔ ملا علی قاری اس کی شرح لکھتے ہیں کہ ابغناہ اس عمل سے مسح کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں اور اس جانب بھی کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ ار حکم کی جہر و نصب کی دونوں قرار نہیں اپنے اپنے معنی پر وال ہیں نصب کی غسل رحلین پر اور جہر کی مسح خفین پر۔ لیکن یہ خیال بھی غلطی سے خالی نہیں کیونکہ مسح کے لئے کعبین کی حد نہیں۔ یہاں کعبین کی حد ہے ۴

ابو حنیفہ عن عبد الکرم ابی

امیہ عن ابراہیم حدثنی من سمع جریر بن عبد اللہ یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین بعد ما انزلت سورۃ المائدۃ ۵

حضرت جریر یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا اور سورۃ مائدہ نازل ہو چکی تھی ۵

تشریح ۱۔ ابن ماجہ بھی ابراہیم کے ذریعہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت جریر نے پشیاب کیا اور پھر وضو کرنے کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ لوگوں کا تعجب اس بنا پر تھا کہ جو مسح خفین کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ مسح سورہ مائدہ کے نزول سے قبل تھا۔ اس کے بعد صرف غسل رہ گیا۔ اسی شبہ کو حضرت جریر نے دور کر دیا کہ میں نے آنحضرت کو سورہ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں یوں ہے ما اسلمت الا بعد نزول المائدۃ کہ میں اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا جب تک کہ سورہ مائدہ نازل نہیں ہوئی یعنی میں سورہ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوا ۵

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن حماد بن الحارث انه رای جریر بن عبد اللہ قوماً یمسحون علی خفیہ فساءلہ عن ذلک فقال انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمنعہ وانما یمنعہ بعد ما نزلت المائدۃ ۵

ہمام بن عمار نے حضرت جریر بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وضو کیا۔ اور موزوں پر مسح کیا۔ ہمام نے اس بار میں دریافت کیا تو جریر کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مجھ کو شرف صحبت دینے صحابی ہونے کا فخر، نزول مائدہ کے بعد حاصل ہوا ہے ۵

تشریح ۲۔ حضرت جریر آنحضرت کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام لائے ہیں۔

ابو حنیفہ عن حماد عن الشعی عن ابراہیم بن ابی موسی الاشعری عن المغیرۃ بن شعبۃ انه خرج مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فأنطق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقضی حاجتہ ثم رجع وعلیہ جبة رومیۃ ضیقۃ الثوبین

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں نکلا دینے تبوک کی طرف آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور بعد فراغت واپس تشریف لائے آپ نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ زیب تن فرمایا منفی۔

فَرَفَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ ضَيْقِ كُمِّهَا قَالِ الْمَغِيرَةُ فَجَعَلَتْ
أَمْبَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ مِنْ أَدَاوَةٍ مَعَى
فَتَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلْمَلُوكِ وَمَسَّ عَلَى
خَفِيهِ وَلَمِيزَ عَمَّا شَرَّ قَدَّمَ رَدَّ
جَلَّةً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھایا۔
ہاتھ سے آستینیں اٹھتی نہیں تھیں اس لئے آپ
نے جببہ اوپر اٹھالیا۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر میں آپ
پر چھاگل سے جو میرے پاس تھی پانی ڈالتا رہا۔ آپ
نے نماز کے لیے وضو کیا اور موزے اتارے بغیر ان کے
مسح کیا پھر آگے بڑھ کر نماز ادا فرمائی۔

تشریح ۱۔ یہ واقعہ تفصیل سے بہ اختلاف الفاظ صحاح ستہ میں موجود ہے ان سب روایات سے
کئی اہم مسائل اخذ ہوتے ہیں وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہمراہ تھا۔ آپ نے اثنائے سفر میں سواری بٹھائی اور قضاے حاجت کے لئے تشریف لے گئے
والسی پر میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے ہاتھ دھوئے۔ پھر منہ دھو یا پھر کہیں تک ہاتھ دھو
کر سر کا مسح کیا اور پھر موزوں پر مسح کیا وضو سے فراغت کے بعد ہم آگے بڑھے تو دیکھا گیا کہ لوگ عبدالرحمن
بن عوف کو امام بنائے ہوئے فجر کی نماز میں مشغول ہیں۔ عبدالرحمن نے سلام پھیرا تو آنحضرت نے پہلی رکعت
پوری فرمائی۔ لوگ آپ کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں پہل کی بیٹھے۔ آپ نے فرمایا نہیں
بٹھیک کیا تم نے یہ واقعہ محمل ہے۔ بہ نظر عمیق حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو کئی ایک مسائل اس واقعہ
میں حل ہوتے نظر آئیں گے۔

مثلاً آپ نے جو جببہ زیب تن فرمایا تھا اس کی آستینیں تنگ تھیں۔ گویا تنگ آستینوں والا جببہ
پہنا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جہاد میں کہ اس میں چستی و درکار ہے۔ ڈھیلے کپڑوں میں چستی ممکن نہیں۔ یہ بھی معلوم
ہوا کہ اگر یہ طور ثواب کوئی دوسرا وضو کرے تو جابر ہے۔ مسح خفین کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہوا۔ اور
اسمحو ابو ذر سکھ کا اجمال دور ہو گیا۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت کی تاخیر کا اگر خوف ہو
تو امام کا انتظار ضروری نہیں۔ پھر یہ بات بھی اس سے واضح ہوئی کہ افضل مفضول کی اقتدار کر سکتا
ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی امت کے ایک فرد کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔ اس کا بھی اس سے ثبوت ملا کہ
موزے پہنتے وقت پاؤں کی پاکی شرط ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ مغیرہ موزے اتارنے
کے لئے جھکے تو آپ نے فرمایا نہیں رہنے دو میں نے اس وقت موزے پہنے تھے۔ جبکہ میرے
پیر پاک تھے۔

حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ اور آپ رومی جببہ تنگ
آستینوں والا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ تو آپ نے
اپنے ہاتھ اس کے نیچے سے نکالے اور موزوں پر مسح
فرمایا ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے موزوں

ابو حنیفہ عن حماد عن الشعبي
عن المغيرة بن شعبه قال وضأت رسول
الله صلى الله عليه وسلم وعليه جببة رومية
ضيقة الكمين فاخرج يدايه من تحتها ومسح
على خفيه وفي رواية ان رسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم مسجوعاً علی التحفین وعلیہ
جبة شامية ضيقة الیمن فاخرج یدیه
من اسفل الجبة :

پر مسح کیا۔ اور آپ شامی جبہ تنگ آستینوں والا
زیب تن فرمائے ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ
جبہ کے نیچے سے نکالے :

تشریح :- یہ جبہ وہی ہے جس کا ذکر پچھلی حدیث میں آچکا ہے کہیں رومی کے نام سے ہے اور کہیں شامی کے نام
سے بات ایک ہی ہے۔ بہر حال اس حدیث سے بھی وہ تمام مسائل حل ہو گئے جو گذشتہ تشریح میں بیان کئے گئے
ہیں بلکہ اگر کوئی مدبر فقیہ ہو تو مزید مسائل بھی حل کر سکتا ہے۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن الشعبی عن
الغیرۃ بن شعبۃ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یمسح :

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا :

تشریح :- یہ حدیث حضرت مغیرہ کی مفصل حدیث کا اختصار ہے :

ابو حنیفۃ عن ابی بکر بن
ابی الجہم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال
قدمت علی غزوة فی العراق
فاذا سعد بن مالک یمسح علی
الخفین فقلت ما هذا
فقال یا ابن عمر اذا قدمت
علی ابيك فسله عن ذالک
قال فأتیتہ فأتتہ فقال
رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یمسح فمسحنا :

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں جہاد کی عرض سے
عراق گیا تو سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے
دیکھا۔ میں نے کہا حضرت یہ کیا کہہ اے ابن عمر جب
اپنے والد کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان کے
دریافت کرنا۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میں والد کے
پاس پہنچا۔ تو ان سے اس بارہ میں (پوچھا) انہوں
نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم بھی مسح کرنے
لگے :

وفی رواية قال قدمت
العراق للغزو فاذا سعد بن
مالک یمسح علی الخفین
فقلت ما هذا
قال اذا قدمت علی عمر
فسله
فقال قدمت علی عمر
فأتتہ
فقال رأیت رسول اللہ

ایک روایت اس طرح ہے کہ ابن عمر نے
کہا کہ میں جہاد کے لئے عراق گیا تو وہاں سعد
بن مالک عشرہ مبشرہ میں سے ہیں سکھ موزوں
پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا حضرت
یہ کیلئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تم اپنے والد
حضرت عمر کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے بارہ
میں دریافت کرنا ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میں
حضرت عمر کے پاس آیا تو ان سے میں نے اس کے
متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یسبح ،
فسمحنّا ۝

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ
الْعِرَاقَ لِعَزْوَةِ جَلُولَانَ رَأَيْتُ
سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَاصٍ يَسْبَحُ
عَلَى الْخَفَيْنِ -

فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا سَعْدُ -
فَقَالَ إِذَا لَقِيتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
فَاسْأَلْهُ -

قَالَ فَلَقِيتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتَهُ
بِمَا صَنَعُ -

فَقَالَ عُمَرُ صَدَقَ سَعْدُ رَأَيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُصْنَعُهُ فَصَنَعْنَا ۝

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْنَا
عَلَى عَزْوَةِ الْعِرَاقِ فَرَأَيْتُ سَعْدَ
بْنَ أَبِي وَقَاصٍ يَسْبَحُ عَلَى الْخَفَيْنِ
فَانْكُرْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِي إِذَا قَدِمْتَ
عَلَى عُمَرَ فَاَسْأَلْهُ عَنْ ذَلِكَ
قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَيْهِ
سَأَلْتُهُ وَذَكَرْتُ لَهُ مَا مَنَعَ سَعْدَ
فَقَالَ عَمَكَ أَفْقَهُ مِنْكَ رَأَيْتَ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْبَحُ
فَسَمَحْنَا ۝

تشریح :- محدثین ایک کے گروہ سے یہ حدیث مروی ہے ۔ بخاری نے مرفوعہ روایت کیا ہے
ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے عمرؓ سے دریافت کیا تو آپؓ نے ان سے فرمایا بے شک جب
سعدؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کریں تو پھر کسی دوسرے سے نہ دریافت کرو۔
عبد اللہ بن عمرؓ کی اس مسئلہ سے لاعلمی یا تو اس بنا پر تھی کہ اس وقت تک ان کو اس مسئلہ کی سرے
سے خبر ہی نہ ہوئی تھی یا پھر وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسیح علی الخفین صرف سفر میں ہے ۔ حضوں نہیں اسلئے جب

صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسیح کرتے ہوئے دیکھا
ہے تو ہم بھی مسیح کرتے ہیں ۝
ایک روایت یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں غزوہ
جلولان میں شمولیت کی غرض سے عراق پہنچا تو
سعد بن ابی وقاصؓ کو موزوں پر مسیح کرتے ہوئے
دیکھا ۔ میں نے کہا اسے سعد یہ کیا ہے ۔ انہوں
نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم امیر المؤمنین (عمرؓ)
سے ملو۔ تو ان سے اس کے بارہ میں پوچھنا۔ ابن عمرؓ
کہتے ہیں کہ جب میں حضرت عمرؓ سے ملا تو میں نے
سعدؓ کے مسیح کرنے کی خبر ان کو پہنچائی ۔ عمرؓ فرما
لگے سعد سچے ہیں ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ۔ تو ہم نے
بھی ایسا ہی کیا ۔

ایک روایت میں اس طرح سے ہے کہ کہتے ہیں کہ
ہم جہاد کے لئے عراق گئے تو سعد بن ابی وقاصؓ
کو موزوں پر مسیح کرتے ہوئے دیکھا ۔ میں نے اس
کو نئی بات جانا تو مجھ سے کہنے لگے جب تم عمرؓ کے
پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے دریافت کرنا۔
ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں انکے (عمرؓ) پاس پہنچا
میں نے ان سے بیان کیا۔ فرمانے لگے تمہارا چچا حضرت
سعدؓ تم سے زیادہ عالم و فقیہ ہیں ۔ ہم نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسیح کرتے ہوئے دیکھا۔ تو
ہم نے بھی مسیح کیا ۝

بخاری نے مرفوعہ روایت کیا ہے ۔ بخاری نے مرفوعہ روایت کیا ہے
ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے عمرؓ سے دریافت کیا تو آپؓ نے ان سے فرمایا بے شک جب
سعدؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کریں تو پھر کسی دوسرے سے نہ دریافت کرو۔
عبد اللہ بن عمرؓ کی اس مسئلہ سے لاعلمی یا تو اس بنا پر تھی کہ اس وقت تک ان کو اس مسئلہ کی سرے
سے خبر ہی نہ ہوئی تھی یا پھر وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسیح علی الخفین صرف سفر میں ہے ۔ حضوں نہیں اسلئے جب

حضرت سعد کو میفرمیں مسح کرتے دیکھا تو پھر ان ہو گئے اور فوراً موافقت نہیں کی آخر والد سے اس مسئلہ کی تحقیق کی۔ اور ایک نتیجہ پر پہنچے ورنہ یہ کیسے قرن قیاس ہو جبکہ انہیں سے دو جگہ مسح خفین کی مرفوع روایت موجود ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن سالم بن عبد اللہ بن عمر انہ تنازع ابوہ و سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین فقال سعد اسمہ و قال عبد اللہ ما یعجبنی قال سعد فاجتمعنا عند عمرہ فقال عمرہ عمت افقہ منک سنة

تشریح :- اس حدیث کی بھی حسب سابق شرح ہے۔

باب توقيت المسح

ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر رایت النبی صلیع علی الخفین فی السفر و لم یوقتہ

تشریح :- ابن عمر لم یوقتہ کے یہ معنی کرتے ہیں کہ میرے علم میں آپ کے اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی مدت متعین نہیں کیونکہ مسافر و مقیم ہر دو کے مسح کی مدت بروایات صحیحہ ثابتہ مقرر ہے۔ غالباً ابن عمر کا یہ واقعہ حضرت سعد سے مسئلہ مسح میں عدم آگہی کا موجب ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی روایت کی روشنی میں امام مالک نے مسافر کے لئے کوئی مدت مقرر کی نہیں۔ اور مسح صرف مسافر کے لئے جائز قرار دیا ہو نہ کہ مقیم کے لئے جو ایک روایت میں ان سے ثابت ہے اعلیٰ قاری نے کہا کہ عدم توقيت کے لئے یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی کیونکہ یاد کرنے والا نہ یاد کرنے والے سے زیادہ قابل حجت ہے صحیح مسلم میں علی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن رات مقرر کیے اور مقیم کے لئے ایک دن رات اگرچہ مدت مقرر نہ کرنے کی روایات بھی ابو داؤد۔ ابن ماجہ میں موجود ہیں مگر ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے صحیح روایات وہ ہیں جن میں مقرر مقرر ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم النخعی عن ابی عبد اللہ الجدی عن

سالم بن عبد اللہ بن عمر کے بیٹے کہتے ہیں کہ مسح خفین کے بارہ میں سعد بن ابی وقاص اور میرے والد کے درمیان اختلاف را کے ہوا حضرت سعد نے کہا کہ میں مسح کرتا ہوں۔ عبد اللہ نے کہا کہ مجھے پسند نہیں۔ سعد کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تمہارے چچا (سعد) تم سے زیادہ سنت کے عالم ہیں۔

مسح کی مدت مقرر کرنا !

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ کے اس کی مدت نہیں مقرر کی۔

تشریح :- اس کی مدت نہیں مقرر کی۔ اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی مدت متعین نہیں کیونکہ مسافر و مقیم ہر دو کے مسح کی مدت بروایات صحیحہ ثابتہ مقرر ہے۔ غالباً ابن عمر کا یہ واقعہ حضرت سعد سے مسئلہ مسح میں عدم آگہی کا موجب ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی روایت کی روشنی میں امام مالک نے مسافر کے لئے کوئی مدت مقرر کی نہیں۔ اور مسح صرف مسافر کے لئے جائز قرار دیا ہو نہ کہ مقیم کے لئے جو ایک روایت میں ان سے ثابت ہے اعلیٰ قاری نے کہا کہ عدم توقيت کے لئے یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی کیونکہ یاد کرنے والا نہ یاد کرنے والے سے زیادہ قابل حجت ہے صحیح مسلم میں علی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن رات مقرر کیے اور مقیم کے لئے ایک دن رات اگرچہ مدت مقرر نہ کرنے کی روایات بھی ابو داؤد۔ ابن ماجہ میں موجود ہیں مگر ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے صحیح روایات وہ ہیں جن میں مقرر مقرر ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسح خفین کے بارہ میں

مقیم کے لیے ایک دن رات کی مدت مقرر فرمائی اور مسافر
کیلئے تین دن رات کی (فرمایا) اگر با وضو ہو کر ان کو پہنا ہو
تو انہیں نہ اتارے اور ایک روایت میں ہے کہ موزوں پر
مسح کرنے کی مدت مسافر کے لئے تین دن تین رات
ہے اور مقیم کیلئے ایک دن رات اگر چاہے شریک
پہننے سے پہلے وضو کیا ہو یا نہ

خزيمة بن ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه قال في المسح على الخفين للمقبلين
دليلاً وللمسافر ثلاثة ايام وليا ليها
لا ينزع خفيه اذ البسها وهو متوفى
وفي رواية المسح على الخفين للمسافر ثلاثة
ايام وللمقبلين يوماً ولية ان شاء
اذ اتوا فاقبل ان يلبسها

تشریح :- اس حدیث کی سند میں منقطع ہے کیونکہ ابراہیم تیمی اور عمرو بن ميمون درمیان سے چھوٹ
گئے ہیں۔ اور ابراہیم نخعی کا سماع ابی عبد اللہ حدیث سے نہیں مانا جاتا۔ اس انقطاع کے سبب حدیث
میں سقم ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے۔ ہمارا کہنا ہے کہ اول تو اس پر اتفاق نہیں تہذیب التہذیب
میں کہا ہے کہ ابراہیم نخعی کو ابی عبد اللہ حدیث سے سماع حاصل تھا۔ اگر سماع نہ بھی مانا جائے تو امام حنبلی
کے نزدیک منقطع حدیث حجت ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو۔ اور ابراہیم نخعی ثقہ ہیں۔ تقریب میں ہے کہ
ابراہیم ثقہ ہیں۔ التبت یہ اکثر ارسال کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی بھی لائے ہیں۔ اور
ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اور ترمذی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔
ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے تعجب یہ ہے کہ ان تمام حقائق سے چشم پوشی کر کے نووی شریح
المہذب میں کہہ بیٹھے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے ایسا دعویٰ کرنا جو حقیقت
کے خلاف ہے نووی کے شایان شان نہیں یا پھر انہیں حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔

مسح کی مدت معین کرنے میں بھی شریعت کا خاص راز ہے۔ اکثر و بیشتر کاموں کی مدت کا
اندازہ کم از کم ایک دن سے لگایا جاتا ہے چنانچہ مقیم کے لئے شریعت نے یہی مدت رکھی اور آسانی
ورعایت کے لئے رات کو بھی اس میں شامل کیا۔ پھر مسافر کے لئے یہ مدت تین حصے بڑھادی۔ کیونکہ
مسافر سفر کی وجہ سے مصیبتوں میں ہوتا ہے۔ سفر آخری ہے ہی تکلیف کی نشانی۔ سفر میں آخر کیا
کچھ تکلیف نہیں پہنچتی ہے۔ لہذا اس میں جس قدر سہولت پیدا کی جا سکے پیدا کی جانی چاہیے۔
پھر سفر میں عام طور پر پانی کبھی ہے کبھی نہیں۔ اگر ہے تو صرف پینے کے مقدار اس لئے اس کے حق
میں پانی کی بچت نہایت مناسب ہے۔ تیسرے جس طرح مسافر کے پاس پانی کی کمی ہوتی ہے وقت
کی بھی اس کے پاس کمی ہوتی ہے۔ ان شرعی مذکر کی بنا پر اس کے لئے آسانی و سہولت کر دی گئی۔
لہذا اور شریعت نے اس کو تین دن تین رات کی مہلت دیکر اس پر احسان کیا۔ اور دو کی تعداد ایسے
نا پسند کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمے اور وزیر کو محبوب رکھتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ مرتبہ اقل جمع صرف
تین ہی ہے۔ غرض شریعت کی ہر بہت پُر از حکمت ہے۔

الوَحَيْفَةُ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيِّ

عن عمرو بن ميمون الأودي عن أبي عبد الله الجعفي

عن خزيمة بن ثابت ان النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن السلم على القمين.

قال لها فزلت أياي وأيا ليهن والمقيم يوما وليلة.

خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسخ خفین کی مدت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا مسافر کے لئے تین دن تین رات ہیں اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔

تشریح :- مسح کا وقت کب سے شروع ہو جاتا ہے اس بارے میں امام شافعی اس کے قائل ہیں۔ کہ
موزہ پہننے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدث کے بعد سے۔ یعنی
فرض کیجئے کوئی مقیم صبح موزہ پہن کر مسح کرتا ہے اور ظہر کی نماز بھی اسی وضو سے پڑھتا ہے۔ اور
بعد نماز ظہر اس کا وضو ٹوٹتا ہے تو دوسرے دن کی ظہر
کے بعد تک مسح کی مدت باقی رہے گی۔ نہ دوسرے دن کی صبح تک۔ یہی مذہب قرین قیاس ہے۔
کیونکہ موزہ کا کام یہ ہے کہ ناپاکی کو پاؤں تک نہ پہنچنے دے اور اس کا یہ اثر اسی وقت سے شروع ہوگا۔
کہ جب سے وضو ٹوٹے اس سے پہلے تو وہ ظاہر ہے۔ اس وقت ناپاکی روکنے کا کیا ذکر۔ پھر یہ بھی
ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص نے موزہ پر مسح کیا اور ایک دن ایک رات اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ تو کیا
اس کو موزہ اتار دینا چاہئے۔ نہیں جب اس کے لئے موزہ اتارنا لازم نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ مدت
مسح حدث سے شمار ہوتی ہے نہ کے پہننے کے بعد سے اور یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔

البو حنيفة عن الحكم عن القاسم بن محمد

عن شريح بن هانئ عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم

للسافر على الخفين ثلثة ايام وليلتين والمقيم

یوماولیة :

حضرت علی روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ مسافر موزوں پر مسح کرے تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک ۛ

تشریح ۱۔ یہ حدیث منکر ہے اس لئے اوپر کی تشریح دیکھ لی جائے۔

بَابُ فِي الْجُنْدِ

إِذَا ارَادَ الْعَوْنُ

ابو حنيفة عن ابي اسحق عن

الأسود عن الشعبي عن عائشة قالت كان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اہلہ من

اول الليل فتيام ولا يصيبها عذابا شديدا

من الخرافات المبلبل عاروا غفيل ۛ

تشریح :-

بجائیت کی حالت میں دوبارہ

جماع کرنا

عالمی شہر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ سے صحبت کرتے۔

شروع رات میں بھر سولتے اور یانی نہ چھوٹے

پھر اخیرِ رات میں جب بیدار ہوئے تو پھر

صحبت کرتے اور غسل فرماتے :

تشریح :- اسی راوی سے دوسری صحیح مرفوع روایات بطریق عائشہ مروی ہیں ان میں ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے سے پہلے وضو کیا کرتے اور اس میں اس طرح سے کہ بغیر پانی چھوئے آرام فرماتے بعض نے ابواسحاق کی طرف دھم و غلطی کا احتمال کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ثقہ۔ اور اہل صدق ہیں تقریب میں بھی اس کی صراحت ہے۔ پھر وہ اس روایت میں منقوض بھی نہیں۔ چنانچہ بشیم عبداللہ نے اور وہ عطا سے اور وہ عائشہ سے یہی روایت لائے ہیں۔ ایسے ہی ابن خزیمہ۔ ابن حبان اپنی اپنی صحیح میں ابن عمر سے اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا ہم میں سے کوئی ناپاک سو سکتا ہے آپ کے کہا ہاں۔ اگر چاہے تو وضو کر لے۔ گویا یہاں مرضی پر انحصار ہے کہ اگر وضو نہ کرے کوئی حرج نہیں اگر ابواسحاق منقوض بھی ہوں تو چونکہ وہ ثقہ ہیں ان کی زیادتی معتبر ہے۔ لہذا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہر دو قسم کی روایات میں مطابقت پیدا کی جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہا جائے کہ آنجناب غسل کے لئے پانی کو نہ چھوتے تھے۔ اس سے وضو کا الکار نہیں یہ تطبیق یہی تھی نے اختیار کی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ دونوں واقعات مختلف وقتوں کے ہیں۔ اکثر وضو فرمایا کرتے اور کبھی نہ بھی۔ صرف جواز بتانے کے لئے اور تاکہ آپ کی ہمیشگی سے وجوب کا خیال پیدا نہ ہو یہ طریق تطبیق نووی کی ہے :

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں اپنے اہل سے صحبت کرتے اور پانی نہ چھوتے پھر آخر رات میں جب بیدار ہوئے صحبت کرتے اور غسل فرماتے :

حماد عن ابی حنیفۃ عن ابی اہن عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیب اہلہ اول اللیل ولا یصلی ماء فاذا استیقظ من آخر اللیل عاد وغسل :
تشریح : چونکہ حدیث مکرر ہے اس لئے تشریح اوپر دی گئی ہے۔

جب اس وقت تک نہ سوے
جب تک وضو نہ کرے !

بَابُ لَا يَنَامُ الْجَنْبُ
حَتَّى يَتَوَضَّأَ !

عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بجاالت جنبت سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو فرمایا کرتے تھے :

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان ینام وهو جنب فوضوا وضوءاً للمصلوۃ :

تشریح : مسلم میں بطریق اسود حضرت عائشہ سے روایت ہے اس میں یا کل کا لفظ زیادہ ہے یعنی جب آپ جنب ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز جیسا وضو کرتے۔ بخاری میں عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ سے اس طرح روایت ہے کہ جب آنجناب بجاالت جنبت سونے کا ارادہ فرماتے تو استنجا فرمایا کرتے نماز جیسا وضو کر لیا کرتے تھے۔ گویا اس

ہیں استنجا کا ذکر زیادہ صحاح میں یہ حدیث مختلف طرق سے موجود ہے۔ مزید تفصیل کے لئے وہیں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ الْمُؤْمِنِ لَا يَنْجَسُ

الْبُخَارِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَبِيهِمْ
عَنْ رَجُلٍ عَنْ حَازِمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّ يَدَهُ إِلَى الْكِبْرِ
فَدَفَعَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ قَالَ إِنِّي خَشِيتُ قَالَ لَهُ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يَدَيْكَ
فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ يَنْجَسُ وَفِي رِوَايَةٍ
الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ

مومن ناپاک نہیں ہے

حضرت خذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف بغرض مصافحہ
دست مبارک بڑھایا تو خذیفہ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔
انہوں نے کہا کہ میں ناپاک ہوں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا اپنے دونوں ہاتھ دکھاؤ
بے شک مومن ناپاک نہیں ہے۔ ایک روایت
میں یوں ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح :- امام بخاری و مسلم اور دیگر اصحاب صحاح نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ابو داؤد
خذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے تو انکی طرف جھکے۔ خذیفہ نے کہا کہ میں
ناپاک ہوں آپ نے فرمایا مومن نجس نہیں ہے اس میں بجائے مومن کے سلم کا لفظ ہے اس سے اس کا پتہ
چلا کہ شریعت کی اصطلاح میں مومن و مسلم ایک ہی معنی میں مستعمل ہے اگرچہ لغت میں ان کے درمیان فرق
کیا جاتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کی نجاست نجاست حکمی ہے۔ یہ نماز کی ادائیگی مسجد میں داخلہ
اور قرآن چھونے سے مانع ہے۔ یہ نجاست حقیقی کی طرح انسان کی جلد کو ناپاک نہیں کرتی۔ اس سے نہ خود
مومن ناپاک ہوتا ہے۔ نہ ناپاک کو دوسرے تک متعدی ہے اسی لئے جنبی کا پسینہ یا لعاب ناپاک نہیں۔
یہ ہی حال چھوٹی نجاست کا ہے کہ مثلاً وضو ٹوٹنے سے انسان کا بدن ناپاک نہیں ہوتا۔ نہ اس کا پسینہ یا
محقوک ناپاک ہوتا ہے۔ نہ یہ دوسرے کو ناپاک کرتا ہے۔ البتہ انسان نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے۔ دوسرے
رنگ میں حدیث ذیل سے اس کا ثبوت ملا کہ کافر حقیقتاً نجس و ناپاک ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے۔
إِنَّمَا الشِّرْكُ كُونُ نَجَسٍ لَيْسَ مَوَاسٍ اس کے کہ مشرک نجس ہیں۔

الْبُخَارِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حَازِمَةَ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّ يَدَهُ إِلَى الْكِبْرِ
فَامْسَكَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ

خذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کی طرف بڑھایا۔
تو خذیفہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:
کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح :- مفہوم کے لئے حدیث گذشتہ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

الْبُحَيْفَةُ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ فَقَالَتْ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ إِنَّ حَيْضَتَكَ لَيْسَتْ فِي يَدَاكَ ۚ

عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی یا بوریا طلب فرمایا حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں حائضہ ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے ۚ

تشریح ۱۔ ترمذی نے اپنے سلسلہ سناو سے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے اور انہوں نے عائشہؓ سے کہ آنجنابؐ مجھ سے فرمایا کہ ذرا مسجد سے چٹائی اٹھاؤ۔ میں نے کہا میں تو حائضہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض نجاست حکمی ہے۔ حقیقی نہیں۔ چنانچہ احادیث سے اس کا ثبوت ہے کہ عنبی اور حائضہ کا جھوٹا اور سپینہ پاک ہے نیز یہ کہ حائضہ عورت مسجد سے بغیر اس میں داخل ہونے کوئی چیز اٹھا کر لا سکتی ہے۔ ہاں داخلہ جائز نہیں۔ اسی دخول مسجد کے ممانعت کی وجہ سے حضرت عائشہؓ مصلی لانے سے رکیں اور عدم تعمیل حکم کا عذر پیش فرمایا ان کو یہ خیال رہا کہ نجاست حقیقی کی طرح حیض کی نجاست پورے بدن کو ناپاک کر دیتی ہے۔ اس میں ہاتھ بھی شامل ہے۔ تو ناپاک ہاتھ سے مصلی کس طرح چھوئیں۔ لہذا آنحضرتؐ نے تعلیم فرمائی کہ یہ دکنے والی نجاست کی طرح بدن میں نہیں سرایت کرتی ۚ

بَابُ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا

مَا يَرَى الرَّجُلُ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ أَمَّ سَلِيمَ أَنَّهَا سَأَلَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْتَسِلُ ۚ

نیز میں عورت بھی ایسے ہی دیکھتی

ہے جس طرح مرد دیکھتا ہے!

ام سلیمؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منورات کے بارے میں دریافت کیا کہ اگر وہ خواب میں وہ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے یعنی اگر وہ خواب میں احتلام ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے ۚ

تشریح ۱۔ بخاری زہیب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنینؓ ام سلمہؓ نے کہا کہ اہل اللہ کی بیوی ام سلیمؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں ٹھکراتا کیا عورت پر غسل ہے جب اس کو احتلام ہوا آپؐ نے فرمایا ہاں جب تری دیکھے ۚ

اس میں مسئلہ یہ ہے کہ غسل کا مدار تری دیکھنے پر موقوف ہے۔ اگر احتلام ہونا یا دوسرے تری نہیں دیکھی تو غسل بھی نہیں۔ اگر احتلام یا دوسرے تری دیکھ لی۔ تو غسل کرنا واجب ہے چنانچہ پہنچنے والے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے اور تری دیکھ لے اور اس کو احتلام یا دوسرے تری نہ ہو تو وہ غسل کر لے اور جب اس کو خیال ہو کہ احتلام ہوا ہے۔ مگر تری نہ دیکھے تو اس پر غسل نہیں۔ ابو داؤد

بھی ایک طریق سے قاسم سے اور وہ عائشہؓ سے اسی طرح کی روایت بیان کرتے ہیں :

بَابُ بَيْسِ الْبَيْتِ

بَابُ حَمَامٍ بَدْرَيْنِ

الْحَمَامِ

جگہ ہے !

ابو حنیفہ عن عطاء عن عائشة
قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بئس البيت
الحمام هو بيت لا يستر وماء لا يطهر

عائشہؓ سے روایت سے کہ فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حمام بدترین جگہ ہے جہاں
بے پردگی ہے اور جہاں کا پانی ناپاک ہے :

تشریح :- حمام کی برائی میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بیہقی عائشہؓ سے اور ابن عدی ابن عباسؓ
سے روایت کرتے ہیں کہ حمام بدترین جگہ ہے۔ اس میں آوازیں اٹھتی ہیں اور ستر کھٹکتے ہیں۔ مگر جو عرب ہیں
اس زمانہ میں رائج تھے۔ کہ ایک چھوٹا سا حمام ہوتا۔ لوگ ننگے اس سے پانی لے لے کر غسل کرتے۔ اگر
حماموں میں پاک پانی نہ کیا جائے اور ستر کا بھی مناسب انتظام ہو تو پھر حماموں میں جانا منع نہیں۔
چنانچہ طبرانی نے کبیر میں حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس مضمون کی روایت
کی ہے کہ بچو اس گھر سے جس کو حمام کہتے ہیں جو اس میں داخل ہو وہ ستر ٹوٹا نکم کر۔ طبرانی کی روایت میں یوں
ہے کہ اس میں ستر پوس ہی جائے۔ بیہقی میں اس طرح ہے کہ نہ داخل ہو اس میں مگر رومال کے ساتھ بغرض
ان احتیاطوں سے اگر حماموں کا استعمال ہو تو مضائقہ نہیں۔

بَابُ فَرَكِ الْمَنَى

بَابُ كَيْفَ يَكُونُ مَنَى كَوْكُورِ

مِنْ الثَّوْبِ

دینا !

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهيم
عن همام بن العارث عن عائشة قال كنت افرك
المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے کپڑے سے منی کھرج کر صاف کر دیا
کرتی تھی :

تشریح :- اس حدیث کی تشریح اس سلسلے کی اگلی حدیث کی تشریح میں آ رہی ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهيم
عن همام بن العارث عن عائشة
قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان رجلا اضافته عائشة
ام المؤمنين فاذكرت اليه ملحفة
فالتحف بها الليل فاصابته جنابة
فغسل الملحفة كلها فقالت ما اراد

حمام سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہؓ نے
کسی صاحب کو مہمان ٹھہرایا۔ اور ان کے لئے آپ
نے ایک لمحفاف بھیجا۔ رات کو انہوں نے اس کو ڈھرا
اس میں ان کو اختلام ہوا۔ انہوں نے سارا لمحفاف مسوا
جب آپ کو پتا چلا تو فرمایا کہ سب لمحفاف کیوں ہوا۔

بغسل الملاحفة انما كان يجزیه
ان یغفر کہ لقد کنت افرکہ من ثوب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم
یصلی نسیہ :

اس کو تو کھڑے دینا کافی تھا۔ النبی میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے کپڑے سے منی چٹکی سے مل کر صاف
کر دیا کرتی۔ پھر آپ اس نماز ادا فرماتے :

تشریح :- منی کی نجاست و طہارت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شافعی اور احمد بن
حنبل اس کو پاک مانتے ہیں امام مالکؒ۔ امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں امام احمد اس کو ناپاک سمجھتے ہیں
امام شافعیؒ و احمد روایت و روایت نقل و نقل ہر دوسے اپنے مذہب پر دلیل لاتے ہیں۔ روایت نقل
میں ان کی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جس میں ہے کہ منی کھار کے ٹٹہری اس کو صاف کر دو۔ یہ حدیث
موقوف بھی ہے اور مرفوع حدیث بھی مگر مرفوع میں علت ہے اس لئے صرف موقوف ہی صحیح ہے۔
چنانچہ بیہقی بطریق عطا ابن عباس سے یہ مرفوع حدیث لائے ہیں مگر کہا موقوف ہی صحیح ہے۔ حدیث
عائشہ سے بھی دلیل لاتے ہیں۔ جس کو ابن خزمیہ وارقطنی بیہقی نے نقل کیا ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے کپڑے منی کھڑے دیا کرتی۔ اور آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے جس طرح کہ اس حدیث میں ہے
عقل و رواست میں کہتے ہیں کہ منی کی نجاست کس طرح قرین قیاس ہوگی جبکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ
کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے۔ ایسی ناپاک چیز سے مقدس شخصیتوں کی پیدائش کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے؟
طہارت کے باب میں امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ میں بھی حقوڑا سا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ
جب تک منی کو دھو یا نہ جائے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ خشک کو کھڑے دینے سے کپڑا
پاک ہو جاتا ہے اور تر منی بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ امام مالکؒ اس کو خون کے حکم میں کہتے ہیں۔ کہ وہ بھی
بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا۔ اب امام صاحب کی نقلی دلیل حضرت عائشہ کی وہ حدیث ہے جو صحیح ابو علانہ
میں ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھڑے دیا کرتی جب خشک ہوتی۔
اور جب تر ہوتی دھو دیا کرتی اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرماتا کھلی دلیل ہے کہ یہ نجس ہے۔
ورنہ آپ کیوں بلا وجہ پانی بہانے کی اجازت دیتے۔ اس سے بھی بڑی دلیل یہ ہے کہ مسلم نے عائشہؓ
سے رواست کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھو دیا کرتے۔ اور پھر اسی کپڑا میں نماز کو اکثر شریف لے
جاتے۔ اور فرماتی ہیں کہ میں اس میں دھونے کا اثر دیکھا کرتی۔ یا تو خود نبض نفس دھو یا کرتے یا دھونے
کا حکم دیتے۔ ہر دو صورتیں اس کی نجاست کی دلیل ہیں۔ پھر وارقطنی۔ عمار بن یاسر سے حدیث نقل کرتے ہیں۔
کہ آپ نے فرمایا۔ یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والیق والدم والخی کہ لے عمار کپڑا
پانچ چیزوں سے دھو یا جاتا ہے۔ پاخانہ۔ پیشاب۔ تی۔ خون اور منی سے۔ اس میں آپ نے منی کو پانچ نجس
چیزوں میں شمار فرمایا۔ پس اگر حدیث ابن عباس کو صحیح مانا جائے تو منسوخ ہوگی۔ صرف فرق منی سے کپڑا
پاک ہو جانا حدیث ذیل سے بھی ثابت ہے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نجاست کی وجہ سے تھا۔ نہ اس لئے کہ یہ
نجس ہے۔ تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ منی کا خروج سب سے بڑی نجاست مانی گئی ہے اسی لیے اس پر طہارت کبریٰ لازم آتی ہے اور غسل واجب ہوتا ہے ہم نے اسی سے اس کو ان چیزوں میں شمار کیا جن سے حدث اصغر وضو واجب ہوتا ہے۔ پھر منی کو طہر کرنے والوں کی دلیل کا مسکت جواب یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی تخلیق منی سے ہونا اس کی طہارت کی دلیل ہے تو کافر مشرک الجہل والبولہب کی پیدائش کس سے ہے وہاں کیا دلیل ہے پھر ناپاک چیز کی تخلیق میں کیا قباحت ہے جبکہ وہ دھون سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ نجس چیز سے پاک چیز کی تخلیق قدرت الہی کا زیادہ مظہر ہے اور دیگر یہ کہ اگر یہ پاک ہے تو اس کے نکلنے سے طہارت کیوں ختم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس میں امام شافعی کی دلیل قسرت نہیں۔

کھال دباغت سے پاک

بَابُ أَيَّاهَابٍ دَبِغٍ

ہو جاتی ہے!

فَقَدْ طَهَرَ

۶۹

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھال دباغت کر لی گئی۔ وہ پاک ہوئی۔

ابو حنیفہ عن سماعة عن عكرمة عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ايها اهاب ديبغ فقد طهر

تشریح: مسلم میں بھی یہ مرفوع حدیث ابن عباس سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں افاو دبغ الاہاب فقد طهر۔ کہ جب کھال رنگ لی گئی تو البتہ وہ پاک ہو گئی۔ ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے ابن ماجہ اور دارقطنی ابن عمر سے روایت لائے ہیں۔ اس حکم کے تحت خمیزہ نجس عین ہونے کی وجہ سے خارج ہوا اور آدمی شرافت و بزرگی کے سبب امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کھال بھی اس عام حکم سے خارج کرتے ہیں۔ امام صاحبؒ نے نجس نہیں۔ کیونکہ وہ خمیزہ کی طرح نجس عین نہیں۔ اسی لئے اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس کا شکار کیا ہوا حال ہے۔ اور ادھر حدیث کے الفاظ بھی عام ہیں جو سب کو شامل ہے۔ استثنا کا بظاہر کوئی خاص سبب نہیں۔ یہی حدیث امام مالکؒ اور اصحاب احمد کے خلاف بھی محبت ہے۔ کہ وہ جلدیثہ سے نفع لےنا جائز نہیں جانتے اور وہ اس حدیث ممانعت کو سامنے رکھتے ہیں جو ابو داؤد و ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی عبد اللہ بن حکیم سے لائے ہیں کہ عبد اللہ بن حکیم کہتے ہیں، ہم سے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر آئی۔ کہ نہ نفع اٹھانا دھواں کی کھال اور شے سے۔ کیونکہ اباب جس سے نفع لینے سے انجناب نے روکا ہے۔ وہ بے رنگی کھال کا نام ہے۔ تو اس سے نفع اٹھانا تو اس حدیث کی رو سے بھی ناجائز ہے۔ اس حدیث کے ماتحت بھی کھال جب تک نہ رنگ لی جائے۔ پاک نہیں۔ اس سے نفع اندوزی منع ہے۔ تو اب ہر دو احادیث میں تعارض کب واقع ہوا کہ اگر منی کی حدیث مان لی جائے

تو حدیث ذیل سے انکار لازم آئے۔ اور میتہ کی جلد سے نفع اندوزی کا قول مستغیر ہو:

الْبُحَنِيَّةُ عَنْ سَمَاءَ عَنْ عَمْرِوَةَ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِشَاةٍ مَيْتَةٍ لَسُودَةٍ فَقَالَ مَا عَلَى أَهْلِهَا وَاسْتَقُوا بِأَهَابِهَا فَسَلُّوا لِحْدَ الشَّاةِ فَجَعَلُوا سَقَاءَ فِي الْبَيْتِ حَتَّى صَادَتْ شَنَاةٌ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کی مری ہوئی بکری پر سے گزرتے آپؐ نے فرمایا کہ اس کے مالکوں کو کیا ہوا کاش وہ اس کی کھال سے نفع اٹھاتے (چنانچہ) انہوں نے اس بکری کی کھال کھینچی اور اس سے گھر کے استعمال کے لیے ایک مشکیزہ بنالیا جو استعمال کرتے کرتے کافی پرانا ہو گیا۔

تشریح:۔ یہ اس حدیث کی تشریح اور مفہوم اوپر گزر چکا ہے۔

كِتَابُ الصَّلَاةِ

نماز کا بیان !

الْبُحَنِيَّةُ عَنْ حَمَادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةً فَخَفَّضَهَا وَكَثَّرَ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَنْتَ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقْضِي هَذِهِ الصَّلَاةَ فَقَالَ ابُذَرُّ الْمَرَأَتُ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ قَالَ بَلَى قَالَ فَاذْنِ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَجَّدَ لِلَّهِ مَجْدَةً رَفَعَ بِهِ دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَأَجَبْتُ أَنْ تُوَقَّى لِي دَرَجَاتٌ وَأَتَكْتُبَ لِي دَرَجَاتٌ۔

روایت ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے نماز پڑھی۔ اور اس کو ہلکا کیا یعنی کئی رکعتیں ادا کیں۔ مگر قیام میں کم وقت لگاتے گئے اور رکوع سجدے کثرت سے کئے یعنی رکعتیں تعداد میں زیادہ دیا کیں، جب واپس پھرے تو ایک شخص نے آپؐ سے کہا۔ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور پھر ایسی نماز پڑھتے ہیں ابو ذرؓ نے کہا میں نے رکوع اور سجدے اچھی طرح نہیں کئے۔ اس شخص نے کہا کہ میں نہیں تو آپؐ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ کیا تو اللہ نے اس کا ایک درجہ جنت میں بلند کیا۔ تو مجھ کو یہ بات یاد آئی کہ مجھ کو کئی درجے کھے جائیں۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک شخص کا مقام ربذہ میں حضرت ابو ذرؓ کے پاس سے گذرا ہوا اور وہ ہلکی ہلکی نماز پڑھتے تھے اور رکوع سجدے کثرت سے کر رہے تھے یعنی رکعتوں کی ادائیگی میں کم وقت لگاتے تھے۔ مگر تعداد میں وہ زائد تھیں، جب انہوں نے سلام پھیرا تو اس شخص نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو اور تم نے رسول

ابو ذر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سجد لله سجدة رفعه الله بها درجة في الجنة فذلك اكثر فيها السجود

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنتے کہ جس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ کیا اللہ نے جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کیا اس لئے میں ان میں سجدے زیادہ کرتا ہوں (یعنی رکعتوں کی تعداد بڑھاتا ہوں) :

تشریح :- یہاں ایک لطیف بحث ہے وہ یہ کہ کیا نماز کے قیام میں زیادہ دیر لگانا اور نماز لمبا کرنا - افضل و بہتر ہے یا رکعتوں کی تعداد بڑھا کر رکوع اور سجدوں کی تعداد میں اضافہ کرنا زیادہ اجر و ثواب کا سبب ہے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض قیام کی رازمی کو افضل اور باعث ثواب سمجھتے ہیں بعض سجدوں کی کثرت اور ان کے طول کو اچھا خیال کرتے ہیں بعض ہر دو کو برابر جانتے ہیں گویا یہاں تین قسم کے خیالات ہیں احادیث صحیحہ ہر دو کی فضیلت پر وال ہیں امام احمد نے فرمایا کہ ہر دو کے ثبوت میں احادیث موجود ہیں اس لیے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں اس لیے خود بھی کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ جو کثرت سجدوں اور رازمی کی فضیلت کی طرف جھکے۔ ان کے پیش نظر حدیث یہی ہے۔ اور نیز وہ حدیث جو مسلم میں ابو ہریرہ سے ہے کہ آنجناب فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ کے سب سے زائد قریب اس وقت ہوتا ہے کہ جبکہ وہ سر بسجود ہو۔ تو اس میں دعا زیادہ پڑھو۔ اس سے سجدہ کی فضیلت اور اس میں زیادہ دیر لگانے کی برتری ثابت ہوتی ہے اور جو اصحاب طول قیام کو ترجیح دیتے ہیں انہوں نے اپنے سامنے وہ احادیث رکھیں جن میں قیام میں زیادہ وقت صرف کرنے کی تعریف کی گئی ہے۔ مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الصلوة طول الثبوت کہ نماز کی فضیلت زیادہ تر قیام کو طول دینا ہے پھر اس میں یہ وجہ عقل بھی نظر آتی ہے کہ قیام قنات پر شتمل ہے اور سجدہ تسبیح پر اور قنات بہر حال تسبیح سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں سجدہ سے زیادہ وقت لگا پا کر تے تھے۔ پھر اجر بقدر مشقت ہوتا ہے۔ قیام میں جو بدنی کوفت اور مشقت جسمانی ہوتی ہے۔ وہ سجدہ میں نہیں۔ بدین وجہ قرین قیاس یہی ہے کہ طول قیام طول سجدہ سے افضل ہو۔ یہی سرسہ ائمہ احناف کا مذہب ہے اسحاق بن راہویہ نے ان خیالات میں عجیب پر لطف نکتہ پیدا کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دن کی نمازوں میں رکوع سجدوں کی کثرت مناسب ہے اور رات کی نمازوں میں طول قیام - ترندی ان کے اس کلام کی یہ نفیس ترجمانی کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس بنا پر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نمازوں میں آپ کا قیام میں زیادہ وقت لگانا بہت دن کی نمازوں کے زیادہ مروی ہے اور منقول ہے جس لئے گویا یہ خیال سنت نبوی پر منحصر ہے یعنی یہ بھی سنت ہے۔

بَابُ مَا بَيْنَ السَّجْدَةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةً

الْبُخَارِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ السَّجْدَةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةٌ

ستر کی حد ناف سے لیکر گھٹنوں تک

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناف اور گھٹنوں کے درمیان ستر ہے

تشریح :- دارقطنی کی روایت ہے کہ ابوالیوب نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ گھٹنوں سے اوپر اور ناف سے نیچے ستر ہے۔ امام احمد نے روایت کی کہ ناف کے نیچے سے تک غرضیکہ کہ مرد کے لئے ناف سے بیکر گھٹنوں تک کی جگہ ستر ہے۔ اور اس کا پھپھانا لازم اور ظاہر کرنا حرام ہے۔

حدیث ذیل مسئلہ ستر پر روشنی ڈالتی ہے۔ ستر کے بارہ میں احادیث مذکورہ کے پیش نظر ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ستر ہے۔ اور اس پر بھی کہ ناف ستر میں شمار نہیں۔ البتہ گھٹنوں کے ستر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام مالک۔ شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ گھٹنے ستر میں شامل نہیں۔ احادیث مذکورہ کے ظاہری الفاظ کی رو سے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھٹنے ستر میں شامل ہیں۔ اور یہ اس حدیث کی رو سے جس کو دارقطنی عقبہ بن علقمہ کے طریق سے علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ الرکبة من العورت کہ گھٹنے ستر ہے۔ چنانچہ امام صاحب کے نزدیک ما بین السیك والركبة کے معنی دراصل ما بین السیك والمنق الرکبة کے ہوں گے۔ یعنی یہ کہ ستر ناف سے گھٹنے کے آخر تک ہے۔ تاکہ تمام احادیث اپنے اپنے معنی پر باقی رہیں۔ ستر میں گھٹنوں کے شامل کرنے سے ہی صحیح ستر ہونے کے گواہ نہ مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر گھٹنے ستر میں شامل نہ کئے جائیں تو ستر شوریٰ ہی ہو گا۔

بَابُ جَوَازِ الصَّلَاةِ

فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ

ابو حنیفہ عن عطاء عن جابر
انه امهم في قميص واحد وعندك
فضل ثياب لغيرنا بسنة رسول الله
صلى الله عليه وسلم

ابو نضر قال ذكر ابن جرير عن الزهري
عن ابی سلمة عن عبد الرحمن عن ابی هريرة
ان رجلا قال يا رسول الله يصلي الرجل في
الثوب الواحد فقال النبي صلى الله عليه وسلم اذ كنتم
ثوبان

قال ابو نضر سمعت ابا حنیفة یدکر من
الزهري عن سعيد عن الميبي عن ابی هريرة
ان سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلوة

باب ۳۔ ایک کپڑے میں نماز

پڑھنا !

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے
ایک قمیض میں نماز پڑھ لی۔ اور ان کے پاس فاضل کپڑے
بھی تھے تاکہ تم کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تعلیم دیں۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
کیا آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ آپ
نے فرمایا۔ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس
دو کپڑے ہیں؟

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ کو زہری کی روایت
کرتے سنا وہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں۔
اور وہ ابو ہریرہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

فی الثوب الواحد فقال النبی صلی اللہ علیہ
وسلو لیس حکم یجد ثوبین ۛ

ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا۔
اُسکے جواب میں فرمایا کہ تم سب کو دو کپڑے میسر
نہیں ہیں ۛ

تشریح :- ابن ابی شیبہ نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد
کو دیکھا کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا ابا جان آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے
پاس کپڑے رکھے ہوئے ہیں۔ اُسکے فرمایا۔ بیٹی! آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے
ادا فرمائی۔ وہ ایک کپڑے میں تھی۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ابی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما میں ایک کپڑے
میں نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ ابی نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی ہے ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ وہ وقت تھا جبکہ لوگوں کے پاس کپڑے نہ تھے
مگر جب ان کو کشادگی ہوئی تو اب نماز دو کپڑوں میں ہے حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت ابی کی سائے
پر فیصلہ دیا۔ لیکن فضیلت کا جہاں تک سوال سے حق ابن مسعود ہی کے ساتھ ہے کہ ایک کپڑا میں نماز اسی
وقت تھی کہ لوگوں میں تنگی تھی جب لوگ خوشحال ہو گئے۔ اور ایک سے زائد کپڑے انہیں نصیب ہوئے
تو افضلیت نماز کی دو کپڑوں میں ہوئی۔ التبعہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے بارے میں کسی کا
اختلاف نہیں ہے۔ اگر ہر دو حضرات کے درمیان اختلاف تھا جیسا کہ بعض جگہ شبہ ہوتا ہے تو پھر
حق حضرت ابی کے ساتھ ہے اور حضرت عمرؓ کا فیصلہ حق بجانب ہے ۛ

ابو حنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابر
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی
فی ثوب واحد متوشحاً بہ فقال بعض القوم
لابی الزبیر غیر المکتوبۃ قال المکتوبۃ
وغیر المکتوبۃ ۛ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا پہن کر میں نماز پڑھی متوجہ
ہوئے کی صورت میں۔ بعض لوگوں نے ابی الزبیر
سے کہا۔ کیا یہ نوافل میں ہے۔ انہوں نے کہا نوافل
اور غیر نوافل (فرضوں) سب میں ہے ۛ

تشریح :- متوشح کے معنی ہیں۔ ایک کپڑا سیدھی بغل سے نکال کر دوسری طرف کے کاندھے پر ڈالیں
اور الٹی بغل سے نکال کر سیدھے کاندھے پر ڈالیں، اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ پھر سینہ پر
اسکو باندھ بھی لیں ۛ

بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَوَاقِيتِهَا

ابو حنیفۃ عن طلحۃ بن نافع عن
جابر قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الحی العمل افضل قال الصلوۃ فی موائیتہا ۛ

باب۔ نماز اپنے وقت میں پڑھنا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا
عمل افضل ہے اُسکے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا ۛ

تشریح :- بخاری میں عبد اللہ بن مسعود کی مرفوع روایت اس طرح ہے کہ اے اعمال! جب الیہ

قال الصلوٰۃ علی وقتہا۔ کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل کو نسا ہے آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر پھر کو نسا۔ آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ پوچھا پھر کون سا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس حدیث میں نماز کے اوقات کی پابندی کی تاکید ہے۔ اور صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔

بَابُ فَضِيلَةِ الْإِسْفَارِ!

الْبُحَيْفَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ

عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسفر وایا لصبح فانه اعظم

للثواب

اسفار کی فضیلت کا بیان!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز صبح کی ادائیگی کے لئے۔ صبح کو خوب ظاہر ہونے دو کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔

تشریح :- یہ حدیث ائمہ میں ایک مختلف فیہ مسئلے کو حل کرتی ہے مسئلہ دراصل صبح کی نماز کے وقت کے بارے میں ہے ہر سرائیہ صبح کے وقت میں غلے کے قائل ہیں اور امام اعظم اسفار کے غلے یعنی صبح کا وہ وقت جس میں اندھیرا چھا یا ہوا ہو اور آدمی اپنے ہم جلس کو نہ پہچان سکتا ہو۔ امام صاحب کے مذہب کا ملکہ اس حدیث کے لفظ اسفار پر ہے جو مختلف مگر ہم معنی الفاظ سے صحاح ستہ میں منقول ہے۔ ابن ماجہ میں رافع بن خدیج سے مرفوع روایت ہے اصبحوا بالصبح فانه اعظم للاجر کہ اچھی طرح صبح ہونے دو کیونکہ اس میں بہت ثواب ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ترمذی میں ہے۔ اسفر وایا بالصبح فانه اعظم للاجر ترمذی نے کہا۔ کہ یہ رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحابہ و تابعین میں بہت سے اہل علم حضرات اسی کے قائل ہیں۔ سفیان ثوری کا مذہب بھی یہی ہے۔ نسائی۔ ابن حبان۔ لبرانی میں بھی تقریباً انہی الفاظ ہیں یہ حدیث منقول ہے۔ پھر اس حدیث کی تائید میں کئی دوسری صحیح حدیثیں بھی ہیں۔ مثلاً حضرت بلال سے آنحضرت نے فرمایا کہ صبح میں روشنی آنے دو اس قدر کہ اسفار کے سبب لوگ اپنے گرنے کی جگہیں دیکھ سکیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور اسحق ابوداؤد نے اپنی اپنی مسانید میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور فیصلہ کرنے والی اور وجہ نزاع ختم کر دینے والی وہ حدیث ہے جو ابن مسعود سے صحیحین میں مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے دو نمازوں کے ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھتے دیکھا ہے۔ ایک صبح میں آپ کا نماز مغرب و عشاء کو جمع کرنا دوسرے روزانہ میں صبح کی نماز وقت معمول و معاد سے پہلے ادا کرنا۔ یہ نماز آپ نے غلے میں ادا فرمائی تھی۔ کیونکہ مسلم میں ہے۔ قبل میتافھا بغلس یہ اس لئے کہ وقوف کا وقت زیادہ مل سکے۔ ابن مسعود جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں۔ اور جن کو آنحضرت کی خانگی۔ بیرونی۔ سفر و حضر شب و روز کی زندگی سے گہری واقفیت رکھنے کا سب سے زیادہ شرف حاصل ہے جب کہیں کہ آنحضرت اسفار میں نماز پڑھنے کے مادی ستھے۔ تو کیا اب بھی اس میں کسی اور کی شہادت و کار ہوگی مزید براں طحاوی شرح معانی

الاثار میں ابراہیم نخعی سے صحیح سند سے روایت لاتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امر پر ایسا اتفاق نہیں کیا۔ جس طرح اسفار میں نماز پڑھنے پر یہ نفل و روایت سے امام صاحب کے مذہب کا ثبوت تھا۔ قیاس بھی اس مذہب کا ثبوت ہے۔ کیونکہ حد تک اگر نمازیوں کو جماعت میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کا موقع دیا جائے تو بہتر اور مصلوحت کے موافق ہے اور لوگوں کے سامنے ایسی وقتیں رکھنی کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہو سکیں۔ مذہب قابل تحسین نہیں۔ بلکہ قابل سرزنش۔ معاذ بن جبلؓ سے قرارت میں طول کر دینے کی حرکت سرزد ہوئی۔ تو آپؐ نے فرمایا اَفْثَانًا يَامُعَاذُ۔ اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو؟ پس اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں صبح کی نماز میں اسفار سے نہ کہ غلص۔

اب لفظ غلص کی تشریح میں دیکھئے کہ کیا روایتیں آئی ہیں۔ جو اصحاب فجر کی نماز غلص میں پڑھنے کی رائے رکھتے ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی وہ روایت ہے جسے صحیح مسلم و بخاری نے روایت کیا ہے روایت یوں ہے کہ ان رسول اللہ علیہ وسلم ليصل الصبح فتنصف النساء متلفعات بمروطهن ما يعرفن من الغلص۔ یعنی آنحضرت صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں چادروں میں لپیٹی ہوئی واپس ہوتیں اور غلص اندھیرے کے سبب پہچان میں نہ آتیں، پہچان میں نہ آنے سے معلوم ہوا کہ کافی اندھیرا ہوتا تھا۔ لیکن فی الحقیقت پہچان میں نہ آنے کے دو وجوہ تھے ایک اندھیرا دوسرا ان کا چادروں میں لپیٹا ہونا۔ دوسرا سبب متلفعات کے سلسلے میں بیان ہوا۔ اور پہلا من الغلص کے لفظ سے۔ اگر محض اندھیرا ہی پہچان میں نہ آنے کا سبب ٹھہرتا۔ تو زیادہ اندھیرے کا ثبوت ملتا۔ چادروں میں لپیٹ کر معمولی اندھیرا بھی نہ پہچانے جانے کا سبب ہو سکتا ہے۔ اور یہ معمولی اسفار میں بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک نماز صبح کا منتخب وقت وہ ہے کہ انسان سامٹے سے سو آیات تک پڑھ سکے پھر اگر وضو ٹوٹے تو اسی قدر قرارت سے پھر نماز دہرائے۔

نیز اس وقت کا ذکر ہے جبکہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی۔ مگر جب اجازت منسوخ ہوئی اور عورتوں کا گھروں میں قرار ہوا تو ممکن ہے ایسا نہ رہا ہو اور وقت میں تبدیلی ہوئی ہو۔ ان سبب احتمالات سے نکالنے پر عبداللہ بن مسعود کا بیان مجبور کرتا ہے کہ ان کا علم بہت وسیع اور قابل ترجیح۔ مزید یہ کہ حضرت عائشہ کی حدیث فعلی سے اور اسفار کی حدیث قولی۔ اور احناف کے نزدیک قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے اس جگہ ہر دو احادیث کی تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ غلص شمراد ہلکا ہلکا ملگیا اندھیرا ہو اور اسفار سے وہ وقت جس میں کچھ تاریکی بھی ہو جس کو غلص سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال اگر تقابل ہو تو اسفار میں فجر کی نماز ادا کرنا درست ہے۔ اگر اسفار کے معنی ملگیا اندھیرا ہو تو پھر غلص کی نسبت یہ زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ وَعِيدِ تَقْوِيتِ

نماز عصر کے قضا ہو جانے پر

صَلَاةِ الْعَصْرِ

سخت وعید ہے

ابو حنیفہ عن ثیبان عن یحییٰ عن

ابن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

بَكَرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ وَفِي رَوَايَةٍ عَنْ بَرِيدَةَ

الاسلمی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

بَكَرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ

وَفِي رَوَايَةٍ عَنْ بَرِيدَةَ الْاسلمی قال

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

بَكَرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ فِي يَوْمٍ غَلِيظٍ

فَانْ مِنْ قَانَهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ

حَتَّى تَغْرِبَ الشَّمْسُ فَقَدْ حَبَطَ

عَمَلُهُ

ابن بریدہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز ادا کرنے میں جلدی کرو ایک روایت میں بریدہ اسلمی یوں مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھنے میں عجلت سے کام لیا کرو۔

بریدہ اسلمی کی ایک اور روایت اس طرح ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز عصر کی ادائیگی میں ابر کے دن جلدی کیا کرو۔ کیونکہ جس کی نماز عصر فوت ہو گئی اور سورج غروب ہو گیا۔ تو اس کا عمل برباد ہوا۔

تشریح :- اس حدیث میں نماز عصر کی تاکید اور اس کے مناسب وقت کے بارے میں بحث ہے۔ نیز یہ کہ اس مسئلہ میں کیا اختلاف ہے۔ جلدی کس کے نزدیک مستحب ہے۔ اور تاخیر کس کے نزدیک افضل ہے۔ امام احمد، شافعی، مالک رحمہم اللہ تعجیل کے قائل ہیں کہ نماز عصر بالکل شروع وقت میں ادا کرنی چاہئے۔ اور امام ابو حنیفہؒ تاخیر کے قائل ہیں۔ ہر دو خیالات کی تائید میں موقوف اور مرفوع احادیث مروی ہیں۔ امام صاحب دراصل ہر دو احادیث جمع کرتے ہیں۔ اس طرح کہ تعجیل کی احادیث کو ابر والے دن سے مخصوص کرتے ہیں اور تاخیر کو صاف اور کھلے دن کے ساتھ تعجیل کی یہ حدیث ذیل حدیث بریدہ اسلمی جیتے کہ ابر والے دنوں میں ابر کی وجہ سے نماز فوت و قضا ہونے کا خطرہ ہے اس لئے بعد کی ادائیگی میں جلدی کرنا مناسب ہے کہ قضا نہ ہو جائے اور ثواب کے محرومی کا سبب نہ ہو۔ اور تاخیر کی وہ حدیث دلیل ہے۔ جو ام سلمہ سے ترمذی میں مروی ہے کہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ادا کرنے میں تم سے زیادہ تعجیل کرتے۔ یہ حدیث عصر کی نماز کی تاخیر پر دلالت کرتی ہے۔

تعجیل کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ مبہم ہیں کہ تعجیل کے مذہب کا ثبوت بوضاحت ان سے نہیں ملتا۔ یا محتمل کہ امام صاحب کے مذہب تاخیر کی بھی وہ توجہ کرنا ہے۔ مثلاً حضرت انس کا قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرماتے اور ایک شخص حوالی مدینہ شہر سے باہر جاتا اور ابھی سورج بلند

ہوتا۔ صحیح تو یہ ہے کہ اس سے وقت کا تعین نہیں ہو سکتا۔ یا رافع بن خدیج کی روایت کہ ہم آنحضرت کے ہمراہ نماز عصر ادا کر کے جانور ذبح کرتے ان کو تقسیم کرتے اور غروب آفتاب سے پہلے ہم گوشت پکا کر کھا لیتے۔ کہ جانوروں کا ذبح کرنا اور ان کو تقسیم کر کے پکا کر کھانا کسی قطعی بات کا ثبوت نہیں جبکہ یہ سارے کام تھوڑے وقت میں تیزی سے بھی انجام دیے جاسکتے ہیں اور آسہلگی سے بھی۔ یا عائشہ کی حدیث جو ترفندی وغیرہ میں نقل ہے۔ کہ آنحضرت نے اس وقت نماز عصر ادا فرمائی کہ ابھی وضو پکے جھرہ میں تھی۔ کہ باختلاف اوقات و جگہ سایہ اونچا نیچا ہوتا رہتا ہے۔ یا مثلاً وہ احادیث جن میں نماز عصر کی ادائیگی ایسے وقت میں ظاہر کی گئی ہے کہ سورج کی روشنی سفید ہوتی تھی۔ یہ احادیث امام صاحب کے مذہب میں تاخیر پر صحیح سمجھتی ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تاخیر سے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ مکروہ وقت سے پہلے جبکہ سورج روشن چمکتا ہوا ہو نماز عصر ادا کی جائے۔ زردی نہ آئے ہو۔ چنانچہ امام محمد موطا میں کہتے ہیں۔ کہ عصر کی تاخیر سب سے نزدیک افضل ہے جبکہ سورج کی روشنی سفید ہو۔ اس میں زردی نہ آئی ہو۔ احادیث بھی اسی مضمون کی تائید ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ ابو داؤد کی حدیث جو علی بن شیبان سے مروی ہے وہ اس کا فیصلہ کر دیتی ہے اور کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور وہ یہ ہے کہ قد منا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فکانت یوحنا الصلوة ما دامت الشمس بصفاء نقیۃ یعنی ہم جب آنحضرت کی خدمت میں مدینہ آئے تو نماز عصر میں تاخیر کی جاتی تھی اور وضو پ سفید اور صاف ہوتی۔ یہ امام صاحب کے مذہب کی پوری تائید ہے اور تعجیل والی احادیث کا مقصد صرف یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت چونکہ مختصر ہے اور اس میں بھی کچھ حصہ مکروہ اس لئے جلدی کی جائے کہ وقت مکروہ نہ ہو جائے۔ اور اس سے پہلے جبکہ سورج کی روشنی سفید ہو نماز ادا کر لی جائے اور اگر غفلت کی گئی تو نماز قصفا ہونے کا خطرہ موجود ہے۔ صرف اسی خطرہ کے پیش نظر تعجیل ہے ورنہ نماز کا صحیح وقت وہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

پھر دنیاداروں کی دینی مصلحت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کی جائے۔ کیونکہ نفلوں کی ادائیگی بہت اجر و ثواب کا باعث ہے اور عصر کے بعد ادائیگی نفل ممنوع ہے لہذا نماز عصر میں تاخیر کرنی چاہئے کہ نفلوں کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔ اول وقت میں یہ بات نصیب نہیں۔

ابن ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی نماز عصر فوت ہوئی تو دو گویا، اس کے بال بچے اور مال لٹ گیا۔

ابن ہریرہ عن شیبان عن یحییٰ عن ابن ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاتتہ صلوۃ العصر فکانما ویرث اھله و مالہ

تشریح :- یہ سخت وعید اور نہد یہ صرف اس لئے ہے کہ نماز عصر کو خاص اہمیت حاصل ہے جو اور نمازوں کو نہیں اور یہ نماز وسطیٰ ہے جس کی اہمیت پر قرآن پاک بھی گویا ہے۔ اکثر احادیث اسی نماز عصر کے صلوۃ وسطیٰ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

مال و اسباب اور بال بچے لٹ جانے کے یہ معنی ہیں کہ ان سے برکت و رحمت سلب ہو جاتی ہے۔ اور ان میں نشو و نما اور اضافہ رک جاتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے اہم جن کی ادائیگی میں انسان نے غفلت و لاپرواہی برتی اور اس میں سستی سے کام لیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کی محبوب ترین اشیاء سے برکت و رحمت اٹھا لیتا ہے:

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن قنفذ

عن ابی سعید قال قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم لا صلوة بعد الغدوة حتى تطلع الشمس

لا بعد صلوة العصر حتى تغيب ولا بعد

هذان اليومان الاضحى والفطر ولا

تشد الرجال الا الى ثلثة مساجد الى المسجد

الحرام والمسجد الاقصی والى مسجدی

هذا ولا تنافر المرأة يومئذ الا مع ذی

محرم

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر

کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک سورج طلوع نہ

ہو۔ اور نہ نماز عصر کے بعد نماز ہے جب سورج

غروب نہ ہو جائے۔ اور عید الفطری اور عید الفطر کے

دن روزہ نہ رکھا جائے اور سفر نہ کیا جائے مگر تین

مسجدوں کی طرف (یعنی مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور

میری اس مسجد یعنی مسجد نبوی) کی طرف۔ اور نہ سفر

کرے عورت دو دن کا مکرہ محرم کے ساتھ:

تشریح :- صحاح میں متعدد طرق میں ہم معنی الفاظ سے اس حدیث کی روایت آتی ہے۔ بلکہ

اس قدر کثرت سے صحابہ سے اس کی روایت ہے کہ احاف نے اس کو متواتر مانا ہے:

اس حدیث میں کئی اہم سائل بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مسئلہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل اور نماز

عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے نماز مکروہ ہے۔ اس امر کی وضاحت کہ ان لوگوں کا قول رد

ہوا۔ جو کہ کہندے ہیں کہ نماز فجر کے قائل ہیں جس میں سورج نکل آئے۔

یا جو نماز فجر کے بعد سنتوں کی قضا جائز جانتے ہیں۔ یا جو جمعہ کے روز مکروہ اوقات میں نماز نفل کے

جواز کے قائل ہیں۔ ان چاروں اقوال کی تردید اس حدیث کے ابتدائی حصہ سے ہوئی۔ بعد عید و برکت

کی ادائیگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض روایات صحیحہ مرفوعہ میں ثابت ہے۔ چنانچہ شیخین نے بھی اس

کی روایت کی ہے۔ بلکہ آنحضرت سے اس پر مداومت و مواظبت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اس حدیث

کے پیش نظر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص تھی۔ امت کے لئے یہی کھلا ہوا حکم

اتنماعی ہے جس میں جواز کا کوئی راستہ نہیں۔ مثلاً عوم وصال آپ خود رکھتے۔ مگر امت کو منع

کر دیا۔ آنحضرت کے اعمال کی یہ خصوصیت نہیں تھی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتی ہے۔

مسئلہ دوم روزہ کے حکم اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ دونوں عیدوں کو روزہ رکھنا

منوع ہے۔ شیخین نے ابی سعید خدری سے روایت کی ہے معنی صوم الفطر والنحر لا آنحضرت نے

عید الفطر اور عید الفطری کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ عید الفطری کے ساتھ ایام تشریق و گیارہویں،

بارہویں۔ پندرہویں (تاریخ ذی الحجہ بھی اس حکم اتنماعی کے تحت آتے ہیں۔ کیونکہ مسلم میں ہمیشہ سے

مرفوع روایت ہے ایام التثانی ایام اکل و شرب و ذکر اللہ کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الہی کے دن ہیں۔ تو پھر روزہ رکھ کر کھانا پینا خود پر حرام کہنا کس طرح جائز ہوگا۔ غرض ان ایام میں روزہ کے حرام ہونا پر ائمہ متفق ہیں۔ مگر ان ایام میں حنفیہ کے نزدیک بالخصوص نذر کا روزہ ماننا جائز ہے اس خیال کہ نذر عبادت ہے۔ روزہ کے لئے دن مقرر کرنے سے اور روزہ کا حرام ہونا فعل روزہ کو روکتا ہے۔ نذر کی تعیین کو۔ لہذا اس فرق کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان ایام میں نذر کا روزہ تو صحیح ہوگا۔ مگر حدیث ذیل کے سبب روزہ رکھنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔ اور اسی نذر کی قضا دوسرے کسی دنوں میں کرنی ہوگی؛

تیسرا مسئلہ اس حدیث میں ہے کہ زیارت و حصول ثواب کی غرض سے کن مساجد کی طرف سفر جائز ہے اور کن کی طرف نہیں۔ بعض محدثین اور ائمہ ظاہرہ یہ محمول کر کے دوسری مساجد کی طرف سفر ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر وہ مقصد سفر میں ایک گویہ خصوصیت مان کر دوسری مساجد کو اس حکم سے نکالتے ہیں یعنی اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا تقرب اگر حاصل کرنا ہو تو ان ہی تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے کیونکہ ان کو باقی تمام مساجد کی خاص شرف و عزت حاصل ہے۔ البتہ اگر تخصیل علم، تجارت و ادائے حق کے پیش نظر سفر اختیار کیا جائے تو ایسا سفر دوسری مساجد کی طرف بھی جائز ہے اور وہ اس حکم کے تحت نہیں آتا۔ چنانچہ ملا علی قاری کی عبارت اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بعض ممانعت کو افضلیت کے ساتھ خاص کرتے ہیں کہ مسفران تین مسجدوں کی طرف دوسری مساجد کی نسبت افضل و زیادہ منہم بالشان ہے۔ نووی نے اس خیال کو جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر بعض مثنیٰ منہ کے وارثہ کو اور وسیع مان کر زیارت قبور صالحین و اخوان و سیر و تفریح کو بھی اس حکم کے تحت برا سمجھتے ہیں۔ اور خلاف شریع۔ لیکن درحقیقت یہ امور مذکورہ اس حکم کے تحت نہیں آتے یہ حدیث اس حکم کی افضلیت سے صرف دوسری مساجد کو نکالتی ہے۔ ان میں زیارت قبور کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اس کو مباح قرار دیا ہے اور بعض نے اس سے منع کرتے ہیں۔ البتہ زیارت صالحین و اخوان یا تجارت کے لئے سفر بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ عراقی نے اس حقیقت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ بلکہ روایت امام احمد میں اس کی تصریح بھی ہے۔

چوتھا مسئلہ دو حال پر ہے اول یہ کہ کیا عورت بغیر اپنے خاوند اور محرم یعنی بیٹے، بھائی، ماموں چچا کے تنہا سفر کر سکتی ہے؟ دوسرا اس کی مدت سفر کا مسئلہ ہے۔ اور بعض میں ایک دن اور ایک رات بھی ہے۔ اور اگر سفر کے لغوی معنی ہیں تو ایک دن ایک رات سے کم ہیں بھی سفر ممنوع قرار پاتا ہے۔ چنانچہ مسلم کی بعض روایتوں میں ایک رات سے اور بعض میں ایک دن اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت ایسی بھی ہے کہ عورت ایک دن کے لئے بھی بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ مگر مختار مذہب یہی ہے کہ کم سے کم مدت سفر میں عورت بغیر خاوند و محرم کے سفر کر سکتی ہے۔

باب ۲۹ الاذان والاقامة

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن
بریدۃ ان رجلاً من الانصار مرسول
الله صلی اللہ علیہ وسلم
فراہ حزیناً وکان الرجل اذا لم
يجمع اليه فانطلق حزیناً بما سمع
من حزن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم
فترك طعامه و ما كان
يجتمع اليه ودخل مسجد لا يصلي
نبیما هو كذلك اذا نضر فاتاه الام
في النوم فقال هل علمت ما حزنت
رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم
قال لا قال فقول هذا التاذين فانت
فمره ان يا مر بلا ان يؤذن
فعله الاذان الله اكبر الله اكبر
مرتين اشهد ان لا اله الا الله
مرتين اشهد ان محمداً رسول الله
مرتين حتى على الصلوة مؤتمنين حتى على
الفلاح مرتين الله اكبر الله اكبر لا اله
الا الله ثم علمه الاقامة مثل ذلك وقال
في الحوة قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة
الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله كاذان الناس
واقامتهم فاقبل الانصاري ففعل على
باب النبي صلی اللہ علیہ وسلم و سئل فمر
ابو بكر فقال استاذن لي
وقد رايت مثل ذلك فاجاب به
النبي صلی اللہ علیہ وسلم فاستأذن
استأذن للانصار ع فدخل

اذان اور اقامت کا بیان !

ابن بریدہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اور آپ کو غمگین دیکھا۔ اور یہ شخص انصاری
متمول آدمی تھے۔ فقرا ان کے پاس، جمع
ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھنے
کے سبب یہ بھی وہاں سے چلے۔ کھانا بھی چھوڑا اور
جمع ہونے والے لوگوں کو بھی عزیز و اقارب فقرا وغیرہ
کو یا کھانے کے ساز و سامان کو بھی اور اپنے محلہ کی مسجد
میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں ان کو اذان گھڑی
آگئی انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی آنے والا آیا اور اس
نے ان سے کہا کیا تم جانتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کیوں غمگین ہیں انہوں نے کہا نہیں۔ اس شخص
نے کہا اسی اذان کے بارہ میں دوہ غمگین ہیں تو
جاؤ ان کے پاس اور ان سے کہو کہ بلال کو حکم فرمائیے
کہ وہ اذان کہیں۔ پس اس شخص نے ان کو اذان سکھائی
اس طرح اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ ہر دو دو گونیا کل چار
بار اشہدان لا الہ الا اللہ دوبار اشہدان ان محمداً
رسول اللہ دو مرتبہ حی علی الصلوۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح
دوبار اللہ اکبر اللہ لا الہ الا اللہ پھر ان کو اقامت سکھائی
اسی طرح۔ اور اس کے آخر میں کہا قد قامت الصلوۃ قد
قامت الصلوۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ دو گونیا
ہے جس طرح آج کل لوگوں کی اذان و اقامت ہے پھر
انصاری ان انصاری کا نام عبداللہ بن زید بن عبد رب
ہے، مسجد سے نکلے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر
ٹہیچے دانتے ہیں، ابو بکر تشریف لائے انصاری نے
ان سے کہا ذرا میرے اجازت طلب فرمائیے اور ابو بکر
نے بھی یہی خواب بیان کیا پھر انصاری کیلئے اجازت چاہی

فَاخْبَرَ بِالَّذِي رَأَى فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تَدَاخَبَرْنَا ابُو بَكْرٍ مِثْلَ ذَلِكَ
نَامِرِ بِلَا يُؤْذَنُ بِذَلِكَ:

وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ
مَرَّ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَرَأَاهُ حَزِينًا وَكَانَ الرَّجُلُ ذَا طَعَامٍ
يَعِيشِي مَعَهُ فَانْصَرَفَ لَمَّا رَأَى مِنْ حَزَنٍ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَكَ طَعَامَهُ
فَدَخَلَ مَسْجِدًا لِيُصَلِّيَ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ
إِذْ لَغَسَ فَاثَاكَ امْتَرَفَ النُّومِ فَقَالَ لَهُ
أَتَدْرِي مَا أَخْزَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا:

قَالَ هُوَ النَّدَاءُ فَاتَهُ بَانَ يَاهُ
بِلَا:

قَالَ الرَّجُلُ فَعَلِمَهُ الْإِذَاانَ - اللَّهُ
أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ مَرَّتَيْنِ
حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ عَلِمَهُ الْإِقَامَةُ كَذَلِكَ ثُمَّ
قَالَ فِي الْآخِرَةِ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ
كَإِذَاانَ النَّاسِ وَقَامَتِ هَافَانَتُهُ الْأَنْصَارِي
فَاتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَجَلَسَ بِالْبَابِ فَجَاءَ ابُو بَكْرٍ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ
اسْتَأْذَنَ لِي فَدَخَلَ ابُو بَكْرٍ
فَاخْبَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِمِثْلِ ذَلِكَ ثُمَّ دَخَلَ الْأَنْصَارِيُّ

تَوَالِصَارِي أَسَے اور انہوں نے جو کچھ خواب میں دیکھا
تھا وہ کہہ سنایا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ، ابوبکر نے بھی ہم سے ایسا ہی خواب بیان
کیا ہے۔ پھر آنجناب نے بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اسی
طرح اذان دیں:

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ انصار میں سے
ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا
اور آپ کو فکر مند پایا۔ اور یہ شخص رات کا کھانا
لوگوں کے ساتھ کھاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا غم و فکر دیکھا تو کھانا چھوڑ چھاڑ کر واپس لوٹ گیا۔
مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے لگا اس حال میں اس پر
غنودگی طاری ہو گئی۔ اور خواب میں کوئی شخص ان کے
پاس آیا اور کہنے لگا کیا تم جانتے ہو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے فکر مند کیا ہے۔ انہوں نے
کہا نہیں۔ اس نے کہا یہ ہی اذان ہی تو ہے تم آنحضرت
کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ آپ بلالؓ کو حکم دیں
پھر اس آدمی نے ان کو اذان سکھائی۔ اس طرح
اللہ اکبر اللہ اکبر دو مرتبہ دو یا کل چار بار (اشہد
ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ اشہد ان محمد رسول
اللہ دو بار حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح
دو بار اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اسی طرح
ان کو اتقامت سکھائی۔ پھر آخر میں کہا قَدْ قَامَتِ
الصَّلَاةُ دو بار دہرائی کہتے ہیں جس طرح آج کل لوگوں کی
اذان واقامت سے پس انصاری چونک کر اٹھے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے اور دروازہ پر بیٹھ
گئے۔ اتنے میں ابوبکر شریف لائے۔ انصاری ان سے بولے
فرامیگر لے اجازت تو طلب کرنا۔ ابوبکر اندر تشریف لے
گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاری جیسا
خواب بیان کیا۔ پھر انصاری اندر آئے

فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بالذی رأى فقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقد اخبرنا ابو بكر
فقال مريلا لا بمثل ذلك

اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ دیکھا تھا
بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر
بھی یہی بیان کر چکے ہیں۔ پھر آپؐ ارشاد فرمایا کہ
بلال کو حکم دو کہ وہ ایسی ہی اذان دیں:

تشریح :- اذان و اقامت میں ائمہ کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث اس بارہ میں مختلف النوع
وارد ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اذان میں تمام کلمات دو دو بار ہیں اور اقامت میں قدا قامت الصلوۃ
کے علاوہ سب کلمات ایک ایک بار نیز وہ اذان میں ترجیح کے قائل ہیں یعنی پہلی مرتبہ شہادتین کو نیچی
آواز سے دو دو مرتبہ ادا کرنا پھر دو دو مرتبہ بلند آواز سے گویا ہر دو چار چار مرتبہ ہے۔ افراد اقامت یعنی
اقامت میں کلمات کو ایک ایک مرتبہ کہنا ہیں ان کی مذہب کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت انسؓ سے
بخاری میں مروی ہے اَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُؤْتِيَ الْأَقَامَةَ الْأَقَامَةُ کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ
اذان میں کلمات دو دو بار ادا کریں اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ مگر قدا قامت الصلوۃ کی ترجیح کے
بارے میں ان کے مسلک کی دلیل حدیث حضرت ابی مخذومہ کی حدیث ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ان کا کہنا
ہے کہ ان کو نبی ﷺ نے اذان کی تعلیم فرمائی۔ اور ترجیح کا بھی حکم دیا۔ امام مالک بھی ترجیح و افراد
دونوں قائل ہیں۔ مگر وہ قدا قامت الصلوۃ میں بھی افراد کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ترجیح اور افراد کے
ثبوت میں حدیث محدودہ اور حدیث انسؓ ہے۔ مگر افراد میں حضرت انسؓ کی اس روایت کو لیتے ہیں جن
میں الاقامۃ کا لفظ نہیں جو ایک اور طریق سے بخاری میں مروی ہے۔ امام احمد ترجیح کے قائل
نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نہ ترجیح کے قائل ہیں نہ افراد اقامت کے بلکہ اذان و اقامت ہر دو میں ان کے نزدیک
کلمات دو دو مرتبہ ہیں۔ سوائے کلمات تکبیر کے کہ وہ چار بار ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے پاس ہر دو امور میں فیصلہ
کن حدیث یہی حدیث جو عبد اللہ بن زید بن عبد بن عمرو سے مروی ہے۔ جو طرق صحیح سے ترجیح اور افراد دونوں
کا رد کرتی ہے اس کو ابو داؤد و مفصل لائے ہیں۔ ترجیح کو اس طرح کہ اس میں شہادتین دو دو بار ہیں۔ اور
ترجیح میں چار چار بار ہیں اور افراد کو اس طرح کہ اس میں انصاری کو اقامت بھی اس طرح سکھائی۔
ابن ابی شیبہ بھی رجال صحیحین سے روایت لائے ہیں کہ عبد اللہ بن زید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں آئے اور کہا کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دو ہنر چاہیے اور کھجے دیکھا۔ جس نے دیوار پر
کھڑے ہو کر اذان و اقامت کہی دو دو مرتبہ کلمات کی ادائیگی سے۔ تیسرے طحاوی ہیں کہ انہار
اس بار میں متواتر ہیں کہ حضرت بلال اذان و اقامت میں ہر دو اپنی وفات تک کلمات کو دو دو مرتبہ ادا
کرتے رہے۔ چوتھے ابی مخذومہ کی یہ حدیث جو امام صاحب کے مذہب کے لئے قوی حجت ہے
کیونکہ ان کی مفصل حدیث میں ابی مخذومہ وغیرہ کے پیش نظر اس کو منسوخ مانا پڑے گا پھر بہت ممکن
ہے۔ ایک بار تعلیم فرمائی ہو تو ایسا فعل نہ متقل سنت بنتا ہے نہ ثبوت مسلک قرار پاتا ہے یہ تو
تھا معاملہ افراد کا۔ اب ذرا ترجیح کے مسئلہ کو لیجئے تو اس میں ابی مخذومہ کی ترجیح والی حدیث کے

مقابلہ میں عبداللہ بن زید کی حدیث ہے جو دربارہ اذان اصل اصول درحجت ہے۔ جو اپنی صحت کی بنا پر ناقابل تردید ہے۔ دوسری ابن عمر کی حدیث ہے جسے ابو داؤد۔ نسائی۔ دارمی وغیرہ لائے ہیں۔ ان میں مذکور ہے کہ اذان میں کلمات دو مرتبہ ہیں غیرے اللہ اور اس کے رسول کے محبوب مؤذن حضرت بلال کا عمل بھی اس باب میں قوی حجت ہے۔ انکی اذان میں بھی ترجیع نہ تھی نہ رسول اللہ کے دوسرے مؤذن حضرت ابن ام مکتوم کی اذان میں بھی ترجیع تھی اور اسی طرح حضرت سعد کی اذان میں بھی ترجیع نہ تھی جو مسجد قبا کے مؤذن تھے یہ کیسے ممکن ہو کہ ان حضرات کا عمل خلافت ہوا کے علاوہ مکان پر کہ ابی معذورہ سے تعلیم لگ کر اکرالی ہو نہ کہ شرعی یا سنت نبوی کی حیثیت کہ انہوں نے اول کلمات شہادت کی نیچی آواز سے ادائیگی کی ہو اور آنجناب نے انکو پھر دوبارہ زور سے کہنے کا حکم دیا ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ امر سنت بن گیا۔ طحاوی نے بھی یہی کہا ہے۔ پھر اس احتمال کی بھی زبردست دلیل یہ ہے کہ انہی ابی معذورہ کی حدیث دوسرے طریق سے ترجیع کے سے خالی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک وقتی بات تھی۔ ابن جوزی محقق ظاہر کرتے ہیں کہ ابی معذورہ نے نئے ایمان لائے تھے۔ تو آنجناب نے کلمات شہادت کو مکرر کہلوا یا۔ تاکہ یہ کلمات ان کے ذہن نشین ہو جائیں اور اپنے مشرکین ساتھیوں کے سامنے بھی ان کو دہرائیں وہ یہ سمجھے ہوں کہ یہ نام کلمات اذان کا جزو ہیں۔ اسی لئے تعداد بتانے وقت انیس کلمات گناے گئے۔ ویسے بھی ذرا عقل سے سوچئے تو تکرار کے زیادہ حق دار تو حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے کلمات ہیں جو بلائے کے کام میں آتے ہیں جب ان میں یہ تکرار نہیں تو دوسرے کلمات میں کیوں ہونے لگی۔ یا دوسری طرف یوں دیکھئے کہ اقامت اذان کی جانشین ہے۔ یا قائم مقام اگر اذان غائبین کے بلائے کے لیے تھی تو یہ حاضرین کے بلائے کے لیے تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ یہ ہر دو ایک ہی صورت میں ہوں اور اقامت میں تو ترجیع نہیں تو اذان میں بھی نہیں ہونی چاہئے۔

الو حنیفة عن عبد اللہ قال سمعت

ابن عمر یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اذن المؤذن قال مثل ما یقول المؤذن

تشریح۔ امام بخاری ابی سعید سے مرفوع روایت لاتے ہیں۔ کہ جب تم اذان سنو تو جیسا مؤذن کہتا جائے۔ تم بھی کہتے جاؤ۔ ابن ماجہ میں ابی ہریرہ سے مرفوعاً روایت لاتے ہیں۔ کہ جب مؤذن اذان سے تو جیسا وہ کہتے تم بھی کہو، غرض صحاح و سنن میں قریب قریب انہی الفاظ سے یہ حدیث موجود ہے لیکن جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے الفاظ ادا کرے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

کہنا چاہئے۔ کیونکہ طحاوی و مسلم میں ہے کہ جب آنحضرت مؤذن کی آواز سننے تو مؤذن کے مثل کلمات ادا فرماتے اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہتا ہے تو آپ فرماتے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بے شک ان کلمات کے دہرانے کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے بعض نے بیان کیا ہے کہ جو شخص اذان کے کلمات کا جواب دے۔ قیامت دن سب لوگوں میں عزت و شرف کے لحاظ سے بلند و نمایاں ہوگا۔ اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

بَابُ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا

جس نے اللہ کے لئے
مسجد بنائی

ابو حنیفہ قال سمعت عبد الله
بن ابي ادنى يقول سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول من بنى لله مسجدا
ولو كمفحص قطاعة بنى الله تعالى له
بيتا في الجنة

عبداللہ بن ابی ادنی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے
اللہ کیلئے مسجد بنائی اگرچہ وہ قطاعہ کے گھونسلے کے
مانند ہو اس کے اجر میں اللہ نے اس کیلئے جنت میں
ایک گھر بنا دیا۔

تشریح :- اس حدیث کی تشریح سے پہلے دو نفلوں کے معنی سمجھ لیجئے ایک لفظ قطاعہ ہے
قطاعہ عربی زبان میں ایک پرندے کو کہتے ہیں جسے اردو میں سنگ خوار کہا جاتا ہے اور دوسرا لفظ
مفحص ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گڑھا ہے جو قطاعہ انڈے دینے کے لئے بناتا ہے۔ ویسے مفحص
چھوٹا سا چھوٹا اور معمولی سا گھر مراد لیا جاتا ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے ”میں نے مفحص قطاعہ“ یعنی
اس کے پاس قطاعہ کے گڑھے جیسا گھر بھی نہیں ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ قطاعہ مفحص کی تشبیہ
اس وجہ سے دی کہ وہ زمین پر بنایا جاتا ہے اور مسجد بھی زمین پر بنائی جاتی ہے۔ لیکن احقر کا خیال ہے
کہ اس سے معمولی سی معمولی اور چھوٹی سی چھوٹی مسجد مراد ہے۔

حدیث میں مسجد تعمیر کرنے کی ترغیب ہے، مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مسجد کو کس قدر اہمیت حاصل ہے
اس کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ مسجد ہی عبادت کی جگہ
عدالت کی جگہ یہاں فیصلے کیے جاتے تھے، مسجد ہی غیر مالک کے وفود کے ساتھ گفت و شنید
کی جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں پر وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے، یہی مدرسہ تھا کہ لوگ
تعلیم حاصل کرتے یہاں ذکر و اذکار کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، مسجد ہی سکون و طمانیت کے حصول
کی جگہ کہ تمام دنیا سے گھبرا کر مسجد ہی میں آئے۔ اور اللہ کے آغوش رحمت میں سکون سے اپنا دامن
بھر لیجئے۔ عزیزیکہ مسجد ہی سب کچھ ہے۔ جس محلہ میں مسجد نہیں وہ ایک ویرانے کی طرح ہے۔ اگر
دیکھا جائے تو مسلمان کی زندگی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے کہ پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان
دی جاتی ہے اور اسی طرح انتہا بھی یہیں سے کہ فوت ہو جائے تو یہیں سے جنازہ اٹھتا ہے۔
اور میت کے لئے دعائے خیر کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسجد ہی ہے جس سے ایک مسلمان
کی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی یہی
مراد ہے کہ مسجد مسلمان کی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ پس آپ ترفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
جس نے مسجد بنائی اللہ اس کے لیے آخرت میں گھر بنا دے گا۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ انْتِشَادِ الضَّوَالِي فِي الْمَسْجِدِ

ابو حنیفہ عن علقمۃ عن ابن
بریدۃ عن ابيه ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم سمع رجلاً ینشد جملہ
فی المسجد فقال لا وحدثت -
وقی روایۃ سمع رجلاً ینشد
بعیرا فقال لا وحدثت ان ہذا
البیوت بنیت لما بنیت لہ
وفی روایۃ ان رجلاً اطلع رأسہ
فی المسجد فقال من دعا الی الجمیل
الاحمر فقال لہ صلی اللہ علیہ وسلم
ما وحدثت انما بنیت ہذا المساجد
لما بنیت لہ

گئی ہوئی چیزوں کو مسجد
میں تلاش کرنیکی ممانعت

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو مسجد اپنا اونٹ تلاش
کرتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے اونٹ کے گم ہو جانے کا اعلان
کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
میں یوں ہے کہ آپ نے سنا کہ ایک شخص اونٹ کو تلاش
ہے مسجد میں تو آپ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کے ہیں اسی کام کیلئے جس کیلئے یہ بنائے گئے ہیں
اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص
نے اپنا سر مسجد داخل کیا اور کہا کہ مجھ کو میرے سر
اونٹ کا تپا کون بتلائے گا۔ تو آپ نے فرمایا نہ پائے
تو اللہ مسجد میں تو اسی کام کے لئے ہیں جس کام
کے لئے وہ بنائی گئی ہیں

تشریح :- یہ حدیث کتب صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے۔ داری میں ابی ہریرہ سے مرفوع
روایت اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو تم خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری
تجارت میں نفع نہ دے یا دیکھو کہ کوئی اپنی گمشدہ
گم شدہ چیز تجھے نہ ملے۔

لیکن آنحضرت نے ان ہذا البیوت بنیت لما بنیت لہ سے ممانعت کا ایک معیار
بھی بیان فرمایا اور اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہر وہ عمل اور کام جو تعمیر مسجد کی غرض نہایت کے خلاف
ہو وہ سخت ناجائز ہے اور شریعت میں حرام ہے مسجد کی تعمیر کی غرض نہایت نماز و ذکر الہی ہے
لہذا جو کام بھی اس مقصد کے لئے خلاف ہو یا اس میں مغل اور دخل انداز ہو وہ سخت ممنوع ہے اور
اور اس پر سخت وعید ہے۔ مثلاً محض دنیوی معاملات میں بات چیت۔ سبنا پرانا۔ دستکاری
کا کاروبار اجرت پر لکھنا پڑھنا۔ اسی طرح ہر وہ کام جو نماز کی وحشت میں ڈالے مثلاً اونچی آواز
سے بولنا یہاں تک کہ علماء نے ذکر جہری سے بھی روکا ہے۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ہر اس
سائل کو خیرات دینا منع ہے جو چلا پکڑ کر مانگ رہا ہو۔ یا مین خطبہ کے وقت وہ سوال کر رہا ہو۔
بہر حال اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں اپنی گمشدہ اشیاء کے ڈھونڈنے کی ممانعت کر

دی گئی ہے۔

باب ۲۔ افتتاح نماز کا بیان

باب افتتاح الصلوة

ابو حنیفہ عن عامر عن ابيه

عن وائل بن حجران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه حتی یحاذی بہما شحمتہ اذنیہ +

وقی رواية عن وائل انه رأى

النبي صلی اللہ علیہ وسلم یرفع

یدیه فی الصلوة حتی یحاذی شحمتہ

اذنیہ۔

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو یہاں تک اٹھاتے کہ وہ کانوں کی نوک کے برابر ہو جاتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت وائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا یہاں تک کہ وہ آپ کے کانوں کی نوک آگئے۔

تشریح :- اس میں یہ مسئلہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت رسول اللہ کا کیا عمل تھا تو جواب یہ ہے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے شانوں کے برابر آجاتے۔ کہیں اس طرح ہے کہ ہاتھ یہاں تک اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹے کانوں کے برابر آجاتے، اور کہیں ایسا بھی ہوتا کہ ہاتھ شانوں کے برابر آتے اور انگوٹے کانوں کے برابر۔

اس مسئلے میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف یہ کہ ہاتھوں کو نماز کے شروع میں شانوں تک اٹھانا افضل ہے یا کانوں کی نوک شافعیہ پہلی صورت کو اختیار کرتے ہیں اور حنفیہ دوسری کو حنفیہ کے پیش نظر حدیث ذیل بھی ہے اور اسکے ہم معنی احادیث جو صحیح طرک سے منقول ہیں جن میں ہاتھوں کے اٹھنے کی آخری حد کانوں یا کانوں کی لور تائی ہے اور شافعیہ اپنے پیش نظر وہ احادیث رکھتے ہیں جن میں شانوں کی حد کا اظہار ہے مثلاً ابی حمید ساعدی کی حدیث یا ابن عمر وغیرہ کی حدیث۔

مسائل کا یہ اختلاف معمولی ہے۔ اور نزاع محض لفظی سا ہے۔ ہر دو طرف میں احادیث صحیحہ

جن میں تطبیق آسان ہے خود حدیث کے الفاظ بھی تطبیق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار امام شافعی مصر گئے تو لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ ان احادیث میں تطبیق کی بھی کوئی صورت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں مع پہنچوں کے شانوں کے مقابل رہیں اور انگوٹے کانوں کی نوک کے برابر اور انگلیوں کے پوروے کانوں کے اوپری حصہ کی مخالفت میں حنفیہ نے بھی یہ مطابقت پسند کی ہے اور احناف میں سے صاحب فستح القدر نے اسی کو اختیار فرمایا ہے ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خاص پابندی کے ہاتھ کبھی شانوں تک اور کبھی کانوں کی نوک اٹھالیتے۔ اور کبھی کانوں کے بالائی حصہ تک سر کے برابر تک پہنچاتے۔

✽

ابو حنیفہ عن عامر عن عبد الجبار بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رايت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه عند التکبیر ویسبہ ویسارہ۔

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا اور آپ دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے۔

تشریح :- اس حدیث میں دو امور قابلِ توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ ہاتھوں کا اٹھنا اور کلمہ تکبیر کی ادائیگی ایک ساتھ ہوں۔ یا ایک کے بعد ایک پھر اس میں بھی یہ ہے کہ آیا ہاتھ پہلے اٹھیں یا تکبیر بعد میں؟ یا اس کے برعکس گویا پہلی وجہ میں ٹھہرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے آخر میں دو سلام میں یا ایک پہلی صورت کو اکثر فقہاء حنفیہ مثلاً طحاوی، قاضی خاں اور امام ابو یوسف نے اختیار کیا ہے اور کسی دوسری احادیث مثلاً حدیث وائل ابی ہریرہ۔ ابن عمر علی بن ابی طالب برابر بن عازب اسی خیال کی تائید میں ہے۔ نیز کسی میں یہ ہے کہ آپ جب تکبیر کہتے تو شانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔ یا جب نماز میں داخل ہوتے تکبیر کہتے ہاتھ اٹھاتے کہ ان میں ہر دو کا اظہار شرط و ہر ایک صورت میں ہے یا معیت کی صورت میں شرط و جزا بھی مقارنت و معیت زمانی کو مستلزم ہے یہ بھی محبت لاتے ہیں کہ ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر کی سنت ہے تو لازماً اسی کے ساتھ اس کو ادا ہونا چاہیے۔ دوسری صورت امام ابو حنیفہ امام محمد کے مسلک کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا غیر اللہ کا انکار ہے اور تکبیر اور ہاتھ اٹھانے میں اس کا اثبات ہے اور نفی چونکہ اثبات پر مقدم ہوتی ہے اس لئے نفع یدین تکبیر سے پہلے وقوع میں آنا چاہیے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ میں بھی نفی لا الہ الا اللہ پر مقدم ہے۔ نسائی نے اسی کو صحیح بتایا ہے اور عام مشائخ بھی اسی طرف گئے ہیں اور اپنے مذہب کی تائید میں ابن عمر کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کو ابو داؤد و نسائی نے نقل کیا ہے۔ صحاح یدفع یدایہ حذاء منکبہ شریک کہ آپ شانوں تک ہاتھ اٹھاتے پھر تکبیر کہتے اس میں تم کا لفظ تاخیر کو ثابت کرتا ہے یا ابی حمید ساعدی کے بعض طرق کی حدیث کہ اس میں بھی تم کا لفظ ہے تیسری صورت کی طرف علامہ ابن ہمام نے اشارہ کیا ہے کہ بعض نے اس کا بھی قول کیا ہے ان کی دلیل یا تو حضرت انس کی مرفوع حدیث ہے جو بیہقی لائے ہیں کہ اذا فتمت الصلوۃ کبر ثور رفع کہ آنحضرت نماز کی ابتدا فرماتے تو تکبیر کہتے پھر ہاتھ اٹھاتے۔ یا وائل بن حجر کی حدیث بعض طریق سے جس میں یوں ہے فکبر و رفع یدایہ کہ آپ نے تکبیر کی اور پھر ہاتھ اٹھائے۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بہتر یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے مختلف عمل ہیں۔ بروئے قیاس جس کو بھی افضل سمجھ لیا جائے۔ وہی بہتر ہے۔ دوسری قابلِ توجہ بات سلام کے بارہ میں ہے۔ تمام ائمہ سوائے امام مالک کے سب متفق ہیں کہ دو سلام ہیں۔ تقریباً پندرہ اصحاب بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریق سے اس کی روایت ہے اور اسی پر آنحضرت کا ہمیشہ عمل رہا اور عام صحابہ تابعین کا بھی یہی طریقہ تھا۔ البتہ امام مالک ایک سلام مانتے ہیں۔ اس طرح کہ اگر کوئی اکیلا نماز پڑھتا ہے۔ تو اسلام علیکم کہے اور سر تھوڑا سا سیدھی جانب

پھیرے۔ اور پھر سامنے لے آئے اگر مقتدی ہے تو تھوڑا سا سیدھی جانب پھیرے پھر امام کی طرف سر کر کے اشارہ کرے اس کا ثبوت حدیث عائشہ ہے جس میں سند کے اعتبار سے کلام ہے پھر اگر صحیح بھی مانیں تو وہ مطلب براری نہیں کرتی کیونکہ اس میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام ایسی اونچی آواز سے پھیرتے کہ ہمیں جگاتے اس سے دوسرے سلام سے انکار نہیں لگتا کیا بعید ہے کہ دوسرا سلام پھیرتے ہوں مگر ایسے زور سے نہیں کیونکہ جگانے کے لئے اول ہی سلام کافی ہوتا۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

انہ قال فی وائل بن حجر اعرابی لم یصل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ قبلہا قط اھوا علم من عبد اللہ و اصحابہ حفظ ولم یحفظوا یعنی رفع البیدین۔ و فی روایۃ عن ابراہیم عن اہل بن حجر فقال اعرابی صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما صلی صلوٰۃ قبلہا ہوا علم من عبد اللہ۔

و فی روایۃ ذکر عندا حدیث وائل بن حجر انہ رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیه عند الركوع وعند السجود فقال ہوا اعرابی لا یعرف الاسلام لم یصل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا صلوٰۃ واحدا و قد حدثنی من لا ا حصی عن عبد اللہ بن مسعود انہ رفع یدیه فی بدء الصلوٰۃ فقط و حکاہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عبد اللہ عالم بشرائع الاسلام محد و دہ متفقہ لاحوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملازمہ لہ فی اقامتہ و فی سفارۃ و قد صلی مع

حضرت وائل بن حجر کے بارہ میں ابراہیم نخعی کی جرح ہے کہ وہ ایک دیہاتی آدمی ہیں انہوں نے اس سے پہلے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز نہیں پڑھی۔ کیا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود و ان کے اصحاب سے زیادہ جانتے ہیں کہ انہوں نے تو یاد کر لیا اور اصحاب عبداللہ یاد نہ رکھ سکے ایک روایت ہے کہ ابراہیم نے وائل بن حجر کی حدیث بیان کی پھر کہا کہ وہ ایک گنوار آدمی ہیں۔ اس نماز سے پہلے کوئی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں پڑھی کیا وہ عبداللہ بن مسعود سے زیادہ جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کے سامنے حدیث وائل بن حجر کا ذکر آیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع اور سجدہ کے وقت ہاتھ اٹھانے دیکھا تو انہوں نے (ابراہیم نے) کہا یہ گنوار آدمی ہیں یہ عبداللہ بن مسعود کی طرح اسلام کے فقیہ نہیں ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک بار نماز پڑھی دیا ایک آدمی اور مجھ سے بے گنتی راویوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے صرف ابتدائے نماز میں ہاتھ اٹھائے اور اسی کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اور عبداللہ شریع و حد و اسلام کو جاننے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی کہ یاد اور توجہ میں رہنے والے اور سفر و حضر میں بیخواب

النبي صلى الله عليه وسلم لا
يحصي ۛ کے رفیق و ساتھی ہیں۔ اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بے حساب نمازیں پڑھی ہیں ۛ

تشریح :- رفع یدین مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس میں ائمہ کرام کی آرا کا اختلاف ہے اور ہر فریق اپنے مسلک کے ثبوت میں اس پر سخت دلائل قائم کرتا ہے اور فریق ثانی کی کمزوری کو ثابت کرتا ہے۔ یہ حدیث اس اہم مسئلہ کی پہلی حدیث ہے مسئلہ کی تحقیق اور اختلاف آئندہ حدیث میں بیان کیا جا رہا ہے۔ یہاں اس حدیث میں ابراہیم نخعی کی ایک رائے بیان کی گئی ہے اور ان کا منصف فیصلہ جو انہوں نے وائل بن حجر اور عبداللہ بن مسعود کی احادیث میں کیا ہے اور ہر دو کا آپس میں موازنہ کیا ہے کیونکہ کلام کا زور متکلم کے حالات اور اس کے مقدار علم سے ہوتا ہے۔ مگر فریق ثانی نے ابراہیم کی اس رائے پر اٹھنے سیدھے اعتراضات کر دیے جس کا اس کلام سے کوئی رابطہ اور کوئی مناسبت نہیں ہر دو اعتراضات کے حالات سے تپا چلتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث وائل بن حجر کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار قابل حجت اور پر اعتماد ہے کون نہیں جانتا کہ وائل بن حجر کو خواہ دربار رسالت میں کچھ بھی اعزاز و فخر حاصل تھا مگر آنجناب کی ہر ایسی مخالفت مزاح شتاسی میں عبداللہ بن مسعود سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تو ایسے مختلف الحال شخصیتوں میں کسی بات پر رائے کا کراؤ ہو جائے تو کس کی بات حجت ہوگی۔ یہ ہر شخص جانتا ہے۔ اور منصفانہ بات وہی ہے۔ جو ابراہیم کہتے ہیں۔ بات گو حق تھی مگر چونکہ مذہب پر ٹھیس لگتی ہے اس لئے بات کو موڑ توڑ کر اعتراض کے قابل بنایا اور پھر اس پر اعتراضات کی بھرمار شروع کر دی یہ بھی کہتے ہیں کہ وائل ہی کی حدیث ماننی پڑے گی اور ان سے کم مرتبہ آدمی کے قول سے اس کو رد نہیں کیا جاسکتا حالانکہ ابراہیم اپنے قول سے ان کی حدیث کو کب رو کر رہے ہیں۔ بلکہ حضرت عبداللہ کی حدیث کو حضرت وائل کی حدیث پر بنا پر حالات و واقعہ ترجیح دے رہے ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ محض ابراہیم کا ظن ہے وائل نے اور اصحاب کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر بات اصل نقطہ بحث سے ہٹ گئی۔ کہ مختلف مسائل میں وہ عبداللہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے اور عبداللہ سے ابراہیم کو عدم رفع کی روایات تو اتنے پہنچی ہیں۔ تو اب شک کیسا بعض نے ابراہیم کو چھوڑ کر حضرت عبداللہ کا تعاقب کیا۔ کہ وہ بہت سی باتیں بھول جاتے تھے۔ تو کیا عجب ہے یہ بھی بھول گئے ہوں۔ مثلاً قرآن میں معوذتین کا بھول جانا۔ جمع صلوٰۃ کی کیفیت بھول جانا وغیرہ وغیرہ اس سے بھی ان کے کلام کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ یہ پیش کردہ امور جو نماز کے مقابلہ میں نادور الوقوع ہیں۔ ان میں بھول چوک کا امکان ہے۔ مگر نماز جو دن رات میں پانچ وقت پڑھی جاتی ہے اور جب کہ حضرت عبداللہ خدمت نبوی میں ہر وقت موجود ہوں کیا اس میں بھی بھول چوک کا احتمال ہے پھر یوں بھول کس کو نہیں ہوتی نبی بھی بھولے ہیں کہ فرمایا فانی ولہو نجد لہ عنہا۔ یا لیلۃ القدر میں آنجناب کے بھول جانے کا واقعہ یا ذی البیضاء کا واقعہ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور ذاعی

سفیان بن عیینہ قال اجتمع

گیہوں کی منڈی میں اکٹھے ہو گئے اور ذاعی نے

ابو حنیفہ والا ذاعی فی دار المناطین بمکہ

فقال الاوزاعي لا في حنيفة ما بالكم لا
ترفعون ايديكم في الصلوة عند
الركوع وعند الرفع منه فقال ابو حنيفة
لاجل انه لم يصح عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم فيه شيء قال كيف
لا يصح وقد حدثني الزهري عن سالم
عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم انه كان يرفع يديه اذا
اقتتح الصلوة وعند الركوع وعند
الرفع منه فقال له ابو حنيفة
فصل ثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة
والاسود عن ابن مسعود ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم كان
لا يرفع يديه الا عند افتتاح
الصلوة ولا يعود لشي من ذلك
فقال الاوزاعي احدثك عن
الزهري عن سالم عن ابيه و
تقول حدثني حماد عن ابراهيم

فقال له ابو حنيفة كان حماد
افقه من الزهري وكان ابراهيم
افقه من سالم وعلقمة ليس بدون
ابن عمر في الفقه وان كانت لابن
عمر محبة وله فضل محبة
فالا سود له فضل كثير وعبد الله
هو عبد الله فسكت الاوزاعي

تشریح :-

امام اوزاعی و امام ابو حنیفہ کا یہ مناظرہ چند حقائق کو سامنے لاتا ہے اور ایک حیثیت سے

ابو حنیفہ سے کہا تم تمہارا کیا حال ہے۔ کہ نماز
میں تم رکوع میں جلتے اور اس سے اٹھتے وقت اپنے
ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ ابو حنیفہ نے کہا اس سبب کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کوئی صحیح
دعویٰ متعارض (حدیث نہیں ملی۔ اوزاعی نے کہا صحیح حدیث
کیوں نہیں ہے اور التبتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہری
نے انہوں نے سالم سے روایت کی انہوں نے اپنے
والد عبداللہ بن عمر سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ
آپ جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھاتے تھے اور
رکوع کرنے اور اس سے اٹھنے کے وقت تو ابو حنیفہ
نے ان سے کہا کہ روایت بیان کی مجھ سے حماد انہوں
نے روایت کی ابراهیم سے انہوں نے علقمہ اور اسود سے
انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر دوبارہ
ایسا کچھ نہ کرتے اس پر اوزاعی کہنے لگے کہ
میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ زہری سے وہ
سالم سے اور اپنے والد سے دگوا علوی سے سند
سے حدیث کو ترجیح دینا چاہتے ہیں) اور تم
کہتے ہو حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے اور انہوں نے
روایت کی ابراهیم سے دگوا اس سلسلہ کو وہ نصیب
نہیں تو ابو حنیفہ نے اس کا جواب دیا ان کے خیال پر تنقید
کرتے ہوئے کہ حدیث کو ترجیح فقہاء راوی سے
ہوتی ہے نہ کہ علو روایت سے کہ حماد زہری کا مرفوعہ
اور ابراهیم سالم سے زیادہ فقیہ اور علقمہ حضرت ابن عمر
سے فقہ ہیں کچھ کم نہیں در زیادہ فقیہ و با نہیں کہا اگر
ابن عمر کو شرف صحبت نصیب تو اسود کو اور
کچھ بہت فضیلت حاصل ہے اور پھر عبداللہ تو
عبداللہ ہی ہیں اس پر اوزاعی چپ ہو گئے

مہابت مفید ہے۔ اس سے امام صاحب کی اعلیٰ ذہنی قابلیت اور ذہن رسافہم کا اندازہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں آپ احادیث نبویہ کو جانچ کر ان سے مسائل اخذ کیا کرتے۔ حدیث کی صحت کا دار و مدار رواۃ پر ہوتا ہے اس لئے آپ رواۃ کی جانچ میں ایسی کڑی سخت جانچ سے کام لیتے کہ کوئی بھی کمزور روایت آپ کی تیز نظروں سے بچکر نہیں جاسکتی تھی۔ فضیلت و برتری میں ایک روایت کو دوسرے پر جو باریک سی فوقیت نصیب ہوتی ہے اسکو بھی نظر انداز کرتے۔ لہذا یہ مناظرہ اگر ایک طرف امام صاحب کی اس صفت کو ظاہر کرتا ہے تو دوسری طرف ان غلط بیانی سے کام لینے والوں کا منہ توڑ جواب ہے جو آپ کو صاحب الراے کہتے ہیں کہ گویا آپ مذہب کا دار عقل و رائے و قیاس پر رکھتے ہیں کیا امام اوزاعی کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی رائے پیش کی یا حدیث نبوی پھر وہ حدیث باعتبار سند حدیث اوزاعی کے مقابلہ میں انہوں نے قوی تر تھی یا کمزور یہ مناظرہ رواۃ کو پرکھنے کا ایک بہترین اصول بھی بتلاتا ہے۔ وہ یہ کہ رواۃ کی برتری تفقہ و تجربہ علمی پر ہے۔ نہ علوسند یا عدالت پر۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہائے اور تجربہ علمی فضیلت صحبت سے افضل ہے بشرطیکہ دونوں کو نبی کی صحبت نصیب ہوئی ہو۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ علقمہ بن عمر سے کچھ کم نہیں غرض اس سے امام اعظم کا ادب اور فہم حدیث میں فوقیت صاف ظاہر ہے۔

مسئلہ رفع یدین کی نوعیت اور اس میں اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ نماز میں رفع یدین پر ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ابتدائے نماز کے علاوہ رکوع میں جانتے اور اس سے اٹھتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ ہاتھ صرف شروع نماز میں اٹھائے جائیں بعد میں کہیں نہیں۔ امام مالک سے دور روایتیں ہیں ایک میں امام شافعی کی موافقت ہے اور دوسری امام صاحب کی تائید ہے مگر ان کے زیادہ تر شاگرد پہلی روایت کے حامی ہیں شافعیہ اپنے مذہب کی تائید میں بہت سے صحابہ سے روایتیں لاتے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں باعتبار تین احادیث یا الفاظ روایات کے ان کی نقل کردہ احادیث و قسم کی ہیں۔ ایک وہ جس میں رکوع میں جانتے اور اٹھتے وقت یا ہر تکبیر کے وقت یا ہر مرتبہ سمجھتے اور اٹھتے وقت بہر حال باقی حدیثوں میں اضطراب ہے جن سے صحیح عمل کی طرف راہنمائی نہیں ہوتی بلکہ مخالف خیال بات کی بھی اس میں آمیزش ہے جس کو نہ وہ مانتے ہیں نہ ہم یعنی احناف۔

لہذا اور حقیقت ان کی صحیح حدیثیں وہی ہیں جن میں رکوع کے علاوہ اور جگہ رفع یدین سے انکار ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ صحابہ میں عبداللہ بن مسعود سے جس قدر بھی روایات ہیں خواہ ان کو شافعیہ لائے ہوں یا حنفیہ ان سے عدم رفع یدین کا ہی ثبوت ہے رفع یدین کا نہیں ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے مثلاً خلفاء سے یہ رفع یدین کی روایتیں لاتے ہیں اور حنفیہ عدم رفع یدین کی اس لکھان میں سے جو یہ کہے کہ عدم رفع یدین عشرہ مبشرہ یا خلفاء ہمارے ساتھ ہیں یا کوئی اس غلط بیانی سے بھی کام لے کہ سب صحابہ ہمارے ساتھ ہیں تو یہ قطعاً لغو ہے۔ آئندہ آنے والی روایات میں سے اندازہ لگائے کہ

اہل حدیث حضرات رفع یدین کے بارے جو اس قدر تشدد سے کام لیتے ہیں کس حد تک جائز اور درست ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے اس بارے میں حدیث ہے کہ آنحضرتؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ شانوں کے برابر آجاتے اور رکوع کے لئے تعبیر کہتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی ایسا ہی کرتے اور سجدوں میں ایسا نہ کرتے مسلم میں بھی اسی کے ہم معنی الفاظ ہیں یا مثلاً حضرت علیؓ کی روایت جو اصحاب سنن لائے ہیں اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب آپ سجدوں سے اٹھتے تو اس طرح ہاتھ اٹھاتے رفیع الدین کے تائید کا استدلال یہی ہے اب احناف کا استدلال دیکھئے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ مشہور یہ ہے کہ احناف کے پاس اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

سب سے پہلے تو یہ ہی حدیث بالا جو عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے جس میں صاف لا یعود کا لفظ ہے اس کے راویوں کے خلاف تو کوئی دم کیوں مارے جب ان کے امام الامام اوزاعی جن کی ہم رکابی میں اپنے کو امام مالک و ثوری جیسی جلیل القدر ہستیاں اپنے لئے فخر جانیں دم بخور ہیں تو ان کے بچپوں کی کیا مجال کلام کریں جب معاملہ دیگر راویوں سے گزر کر صحابیوں پر آیا ہے تو اس کو امام صاحب نے مختصر الفاظ سے یوں حل فرمایا کہ عبداللہ تو پھر عبداللہ ہی ہیں یہ الفاظ اکی فوقيت پر دلالت کرتی ہیں جو عبداللہ بن مسعود حالات پڑھیں گے کہ وہ آنحضرتؐ کے ہر دم کے ساتھی و رفیق ہیں وہ فوراً یہ باور کرنے پر مجبور ہو گا۔ کہ تعارض کے وقت ان کی بات سب پر وزنی ہونی چاہیے۔ چنانچہ متاخرین میں ابن حجر نے اصحابہ میں عبداللہ بن مسعود کو ابن عمرؓ پر ترجیح دی ہے اور انکی فضیلت ثابت کی ہے طحاوی حسین و ابراہیم کے طریق سے نقل کرتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعود نے سوائے شروع نماز کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے امام محمدؓ بھی اپنی مؤطا میں اسی معنی کے الفاظ لائے ہیں ابو داؤد و اپنی سنن میں عاصم بن کلیبؓ اور وہ عبدالرحمن بن اسودؓ سے اور وہ علقمہؓ سے اور وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ الا اصلی لکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلہم یدفع الایمانہ کہ انہوں نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں کہ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے ایک روایت میں یوں ہے کہ صرف ابتدائی بار مرتبہ ہاتھ اٹھائے مخالف مذہب حدیث اگر مخالف ہی کی کتاب میں آجائے تو بادل ناخواستہ گوارا کی جاسکتی ہے۔ مگر جو یہ صورت اپنے ہی بات کو ادنیٰ رکھنا چاہیے اور دوسرے کو نیچا اس سے یکب گوارا ہو سکتا ہے کہ ہم مشرب ہی کی کتاب میں مخالف حدیث آجائے چنانچہ بخاری عاصم بن کلیب کو نشانہ بازی کے لئے تاک کیا۔ ایک نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ایک بولا ضعیف ہے کسی نے کہا صحیح نہیں اور کسی نے اور کچھ کہا تو اکثر ایسے امور میں دو قدم آگے گئے ہیں فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کو اتفاق ہے نہ معلوم انہوں نے اتفاق کن افراد کے اجتماع کا نام رکھا ہے۔ یا صرف اپنی رائے کو اتفاق سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ زکریٰ سے نہ رہا گیا تو کہہ دیجئے کہ نقل الاتفاق لیس بحید کہ اتفاق کا نقل کرنا تو ٹھیک نہیں جب کہ ابن سیرین و ابن قسطنطین ابن قسطنطین نے اسل

تصحیح کی ہے اور نسائی نے ترک رفع یدین میں رخصت پر باب باندھا ہوا ہے یہ ہی عامم جس کی بنا پر ان بزرگوں نے اس قدر لے شے پجائی یہ کون ہے؟ یہ وہ جس سے مسلم نے تخریج حدیث کی ہے اور شیخ نے عام میں کہا ہے کہ عامم ثقہ ہے اگر عبدالرحمن میں کچھ شک ہے تو ان سے بھی مسلم تخریج حدیث کرتے ہیں تو اب حدیث میں کیا سقم کھل آیا۔ دوسرے مسلک کی حدیث کو اس قسم کی گروہ بندی سے کمزور دکھانا علماء کی شان کے خلاف ہے۔ اسی عامم کے طریق سے عبداللہ بن مسعود سے یہی حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث حسن ہے اور بہت اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین اہل علم اس طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا مسلک بھی یہی ہے جب خود اہل حدیث علماء اس حدیث کے راویوں کو مانیں اور اس حدیث کو حسن کہیں تو پھر دوسرے اس کو ضعیف کیسے کہتے ہیں۔ بعض نے یہ نکتہ نکالا کہ عبدالرحمن نے علقمہ سے سماع نہیں کیا خوب جب عبدالرحمن کی وفات اناسی بھری میں ہوئی جو ابراہیم نخعی کی حیات کا زمانہ ہے اور ان کو تو علقمہ سے بالالتفاق سماع ہے تو کیا عجب ہے کہ عبدالرحمان کو بھی سماع ہو مزید برآں خطیب نے کتاب المتفق والمتفرق میں عبدالرحمن کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے بھی سماع حدیث کیا ہے اور علقمہ سے بھی۔ لہذا اب ہر پہلو سے اس حدیث پر طعن باقی نہ رہا۔

اب دیکھئے خلفاء میں سے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے کا مسلک کیا ہے؟ دارقطنی اور ابن عدی محمد بن جابر سے حدیث بیان کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ عبداللہ بن مسعود سے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلم یروا ابداً یجھرا لاعداء الفتاح الصلوۃ۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہمراہ بھی ان میں کسی نے بھی اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر نماز شروع کرتے وقت اس روایت کی بعد میں ان کو محمد بن جابر بن لیساؓ ملے جن کو قابل گرفت سمجھا اور کہنے لگے کہ محمد بن جابر میں کلام ہے واقعہ مختصر ایوں ہے کہ جن محمد بن جابر سے ابوبکر ابن عوف شام بن حسان۔ ثوری۔ شعبہ۔ ابن عیینہ جیسے جلیل القدر اصحاب نے روایت کی ہو وہ کیا کچھ درجہ علمی نہ رکھتے ہوں گے۔ ان کے مرتبہ کو کون گراں لے؟ مذہب خفیہ کا پلہ صحت نہایت ذرا ہو گیا اور عبداللہ اولؓ تو خود کیا کچھ کم ہیں۔ پھر وہ تصدیق میں آنحضرت کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کی صداقت اور عمر فاروقؓ کی فقارہت کو بھی ملا لیں۔ تو نور علی نور بلکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث شریف ابوبکر و عمرؓ کی ہوئی جو نمونہ رسول ہیں اور جن کا قد عمل نبوی سے نہیں ہٹ سکتا یہ حدیث گو یا مسلک اخاف کی دوسری قومی دلیل ہے۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے مسلک کے سلسلہ میں آپ کو طحاوی اور امام محمدؓ کی صحیح حدیث ہے ابی بکرؓ نہی شلی سے وہ عامم سے وہ اپنے باب سے روایت کرتے ہیں کہ ان علیا کان یرفع فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لا یعود کہ علیؓ اول تکبیر کہتے وقت نماز میں ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ ایسا نہ کرتے دارقطنی نے بھی اسی نہی شلی ہی سے یہ حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

موقوف صحیح ہے نہ مرفوع۔ محمد بن ابان بھی عاصم سے اسی طرح کی روایت لاتے ہیں واری نے اس پر نئی طرز سے اعتراض اٹھایا ہے۔ ان کے الفاظ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ علی سے وہ روایت طریق سے روایت ہے کہ وہ اول تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے پھر ایسا نہ کرتے یہ بالکل ضعیف روایت ہے کیونکہ علی کے بارہ میں ایسا کیسے گمان کیا جائے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کریں گے۔ حالانکہ آپ کے یہ مروی ہے کہ آپ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے ان کا کنارہ یہ ہے کہ علی کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہے اور رفع یدین کے نسخ کو ثابت کرتا ہے۔ پس آپ لوگ اپنے خیال کے موافق ایک بنیاد قائم کرتے ہیں اور اسی پر اعتراض کی عمارت اٹھاتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ واری پر گرفت کے بعینہ یہی الفاظ ابن دقیق العید نے بھی کہے ہیں۔ حضرت علی سے ہی رفع یدین کے قائل مرفوع روایت لاتے ہیں۔ جس کو ابو داؤد۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ مگر پرہیز ہے۔ اول تو ابو داؤد کی روایت میں عبدالرحمن بن زناد ہیں۔ تفسیر میں کہا ہے کہ یہ صدوق ہیں مگر حجب بغداد اسے تو ان کے حافظہ میں نقص آچکا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں اذا قام من السجدة تین مرفوع یدایہ کذا لک کی کٹکٹ ہے۔ جو سب کے نزدیک یا تو نسخ سے یا غیر ثابت پھر اگر ابو داؤد کی حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو وہ آخر مرفوع ہے جو آپ کے عمل کو ظاہر کرتی ہے اور یہ حدیث مذکور موقوف جو خود علی کا عمل بتاتی ہے۔ یوں کیوں نہ سمجھا لیا جائے کہ پہلے علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ کے عمل کی پھر حجب ان کو رفع کا نسخ ثابت ہو گیا تو خود اس عدم رفع یدین پر عمل کرنے لگے۔ جس کی صحیح حدیث امام محمد سے ابھی بیان ہوئی۔ یہ ہا امر قرین قیاس ہے اور موافق عقل مگر ان کو ایک ہی ترکیب یاد ہے کہ احناف کے حدیث ضعیف ثابت کر دو۔ مخالف کی حدیث صحیح مان لو۔ تو بس معاملہ ختم ہے۔ لیکن ایسا کب ہوتا ہے؟

اس کی تائید میں ایک اور روایت ہے وہ یہ ہے کہ طحاوی اور بیہقی حسن بن عباس کے طریق سے سند صحیح اسود سے حدیث لاتے ہیں ذال ہرایت عمر بن الخطاب رفع یدایہ فی اول تکبیرۃ ثمر لا یعود قال ورایت ابراہیم و الشعی یفعلان ذلک کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے اول تکبیر پر ہاتھ اٹھائے پھر ایسا نہیں کیا کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم و شعی کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا۔ اس پر طحاوی لکھتے ہیں کہ حسن بن عباس جن پر یہ حدیث مدار رکھتی ہے ثقہ ہیں اور اہل جرح و تعدیل میں سے یحییٰ بن معین اور کئی دیگر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ جانتے تھے کہ پوری سند میں نشانہ بازی کے لئے انہیں غریب کو چھاننا چاہئے۔ لہذا پہلے سے پیش بندی کر دی۔ حاکم نے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ لاؤ اس کے طریق سے ابن عمرؓ اس کے خلاف صحیح حدیث موجود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب یہ حدیث باعتبار سند صحیح ہے تو مخالفت ہوتی ہے آخر میں تو دونوں اجاد پھر اس کی تائید حدیث ابن سعد کی تقویت کر رہے۔

اور عبداللہ بن مسعود کی فضیلت ابن عمرؓ پر جو کچھ ہے۔ اسے سب اہل جرح و تعدیل و ائمہ حدیث جانتے ہیں۔

رفع یدین کے قائل حضرات کو اس پر ناز ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر کا مسلک ہمارے مذہب کے موافق ہے لیجئے وہ احادیث بھی دیکھ لیجئے۔ کہ یہ کس کے مسلک کے موافق ہیں۔ بخاری نے کتاب المفرد میں بسلسلہ وکیع ابن ابی لیلیٰ حکم مقسم ابن عباس سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جاتے ہیں۔ ابتداء کے نماز میں استقبال قبلہ میں صفا و مردہ عرفا پر جمع میں۔ منیٰ میں اور جہرین میں۔ اور بزاز نے نافع کے طریق سے ابن عمرؓ سے یہی حدیث نقل کی ہے۔ تو ان میں رکوع میں رفع یدین کا کہاں ذکر ہے ان روایتوں میں یہ غلطی نکالتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ قابل حجت نہیں۔ حالانکہ یہ ایسے تابعی ہیں جنہوں نے ایک نکتہ میں صحابہ کو دیکھا ہے انہیں کی مرفوع حدیث نہ مانی جائے تو کس کی مانی جائے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ موقوف صحیح ہے جو بطریق وکیع ہے نہ مرفوع اس لئے معلوم ہوا کہ مسلک ابو حنیفہ درست ہے۔

مزید احناف کی تائید میں حضرت برادر بن عازب حضرت جابر بن سمرہ اور ابو سعید خدریؓ سے بھی صحیح روایات موجود ہیں جن کو اس معاملے میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ پایہ ثبوت کو پہنچی۔ کہ احناف کا مسلک صحیح احادیث پر مبنی ہے اب جو انہیں ضعیف بتاتا ہے۔ وہ اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہے۔ بلکہ حق والی صاف کو چھپانے کا بھی مترکب ہے اس بحث و تمحیص کے بعد احناف اپنا کیا عقیدہ قائم کرتے ہیں۔ اس سے آپ ان کے جذبہ حق والی صاف پسندی پر نظر ڈالیں۔ ان کا یہ مسلک نہیں کہ حدیث دانی کے ٹھیکہ دار ہم ہیں۔ جب کسی مخالف کی حدیث ملے اس کے راویوں کو موڑ توڑ کر ختم کر دیا جائے اور مشہور یہ کیا جائے کہ مخالفین کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں۔ یہ تو اہل الرائے ہیں اہل حدیث ہم ہیں۔ یہاں احناف کا منصفانہ فیصلہ یہ ہے کہ رفع بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور عدم رفع بھی اور ان ہر دو نوع احادیث میں تعارض ہے تو لامحالہ تطبیق کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ تطبیق اسطرح کہ رفع و عدم رفع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے دو مختلف عمل ہیں۔ بعد میں رفع منسوخ ہو گیا اور عدم رفع باقی رہا۔ چنانچہ بعض صحابہ مثلاً ابن عمرؓ وغیرہ جو رفع کے راوی ہیں خود رفع نہیں کرتے ان کا یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ نسخ کے قائل تھے۔ کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ جب کوئی صحابی حدیث کی روایت کرے خود اس کے خلاف کرے یہ دلیل سے کہ اس کے نزدیک اس کا نسخ ثابت ہو چکا۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ حضرت علیؓ وغیرہ ہمارے بارہ کیسے منظور ہو سکتا ہے اور کیسے یہ ممکن ہے کہ وہ حدیث رسول کے خلاف کریں گے اور صرف اصول بھی ہے کہ جب صحیح احادیث آپس میں متعارض ہوں تو بذریعہ قیاس ترجیح دینی درست ہے۔ نیز قیاس کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ عدم رفع ہو۔ کیونکہ رفع سکون و خشوع و خضوع میں فرق لانا ہے جو نہ منصفانہ ہے اور اس کا خاص جوہر نماز میں بہت سے ایسے اعمال منسوخ ہو چکے جس سے نماز کے خشوع و خضوع میں

فرق آتا تھا کیا عجیب رفع یدین بھی انہی میں سے ہو۔ بعض شافعیہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ احادیث رفع متواتر اور مشہور ہیں یہ بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔ ہر دو قسم احادیث درجہ احادیث ہیں کہ احادیث رفع ہوتا متواتر اور مشہور ہیں یہ بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔ ہر دو قسم احادیث درجہ احادیث ہیں اور ان میں تطبیق کی یہی واحد شکل ہے جو بیان ہوئی اس میں حق کا پاس بھی ہے اور مخالف کی دلجوئی بھی ۛ

البحیفة عن طریق ابی

سفیان عن ابی نضیة عن ابی سعید
المخدري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال الوضوء مفتاح الصلوة والتكبير
تحريرها والتسليم تحليلها وفي
كل ركعتين فسلم ولا تجزئ
صلوة الا بقائحة الكتاب ومعها
غيرها۔

وفی روایت اخری عن المقرئ
عن ابی حنیفة مثله وزاد فی اخره
قلت لا بی حنیفة ما یعنی بقوله
فی كل ركعتين فسلم فقتال
یعنی التشهد قال المقرئ
صدق۔

وفی روایت نحوه وزاد فی اخره
ولا یجزئ صلوة الا بقائحة الكتاب
ومعها شیء۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اور آخر میں
اتنا زیادہ ہے کہ کیا کوئی نماز بغیر قائحہ کتاب
والحمد اور سورت ملائے کے کافی دانی نہیں ہوتی

تشریح :- اس میں کئی مسائل حل طلب اور قابل تشریح ہیں مثلاً فرمایا۔ الوضوء مفتاح الصلوة
اس سے اس مسئلہ کی وضاحت نہایت لطیف اور عقلی اشارہ سے کی کہ وضو میں نیت واجب نہیں
بلکہ سنت ہے کیونکہ جب وضو کی حیثیت نماز کی کنجی کی سی ہوئی کہ وہ اس نماز کو کھولتا ہے اس کی
حقیقت کو قائم کرتا ہے اور اس کو وجود میں لاتا ہے جو محض ایک عبادت ہے تو وہ خود عبادت
میں شمار نہ ہوا۔ بلکہ آلہ عبادت و ذریعہ عبادت ٹھہرا۔ اور نیت عبادت کی صحت کے لئے شرط
ہے کہ وہ نیت کے بغیر ثواب کے خالی ہوتی ہے۔ جب ثواب سے خالی ہوئی تو اس کی صحت گئی
یہ کیفیت آلہ عبادت کے ساتھ نہیں باقی اس مسئلہ کی صاف اور کھلے الفاظ میں دلیل ابوداؤد

ابن ماجہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلوة لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم یذکر اسحٰ اللہ علیہ السلام کہ اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو وہ وضو نہیں جس پر اللہ کا نام نہ ہو۔ پھر ارشاد ہوا والتکبیر تحریمہا اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کن الفاظ سے کہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سوائے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر کے کوئی دوسری صورت جائز نہیں یعنی اکبر کو نکرہ یا معرفہ لایا جائے امام مالک اور احمد کے نزدیک صرف نکرہ کی صورت جائز ہے۔ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ اللہ اکبر بھی جائز ہے گو یا ان کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ اللکبر، اللہ الکیتر، منوں، منوں جائز ہوئیں امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ ہر اس لفظ کو تکبیر میں ادا کرنا روا رکھتے ہیں۔ جو اللہ کی تعظیم و بڑائی ظاہر کرتا ہو۔ یہ ادائیگی فرض کی حد سے باقی سنت وہ اللہ اکبر ہے جو حدیث کے ظاہری الفاظ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک کافی باریک بینی کا طلب گار ہے اس لئے یہ وضاحت طلب ہے دراصل تکبیر تحریمہ کی فرضیت سب کے نزدیک ثابت ہے۔ دیگر ائمہ طحاظ لفظ آیت اس کو لفظ اکبر میں محدود کرتے ہیں اور امام صاحب معنی پر نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ تکبیر لغت میں تعظیم کے معنی میں ہے جس لفظ سے بھی تعظیم ہوتی ہو اسے تکبیر تحریمہ ہی کہیں گے۔ خواہ وہ اللہ اکبر یا اللہ الجل۔ اللہ اعظم ہو خواہ الرحمن الرحیم مثلاً دوسری جگہ فرمایا فلما دایبہ اکبرہ یعنی جب ویجاہ انہوں نے اس کو تو بڑا سمجھا اس کو کہ یہاں بھی بزرگ ہی مراد ہے ایک اور جگہ نماز کے سلسلہ میں ارشاد ہوا واذ کو اسم ربہ فعلی کہ اس میں ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو گویا یہاں تکبیر کا اطلاق مطلق ذکر پر کیا لہذا اس کو کس طرح اکبر کے لفظ سے مخصوص کیا جائے۔ بلکہ لفظ اسم کے پیش نظر فلہ الاسماء المحتی یا حدیث میں وارد ہے۔ اموت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ اگر کسی نے کہا لا الہ الا الرحمن تو وہ مسلمان مانا جائے گا۔ اور اس کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا۔ جب اصل میں یہ وسعت معتبر ہے تو نماز میں جو فرع سے کیوں نہ وسعت معتبر ہوگی۔

پھر ارشاد ہوا والتسلیم تحلیلہا اس میں شافعیہ و حنفیہ کا اختلاف ہے کہ نماز سے نکلنے کے لئے لفظ سلام کی ادائیگی فرض ہے یا واجب۔ امام شافعیؒ و احمدؒ اس کو فرض کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہی مذہب ہے حضرت مرتضیٰؒ ابن مسعودؒ ابن مسیبؒ۔ ابراہیمؒ شعی۔ سفیانؒ ثوریؒ اور اوزاعیؒ کا۔ امام شافعیؒ کی دلیل ایک تو مندرجہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں والتسلیم تحلیلہا کہ اس میں بظاہر تحلیل (نماز سے خارج ہونے) کو تسلیم لفظ سلام کی ادائیگی میں محدود کیا ہے یا حدیث صلوا کعبا دایتمونی اصلی کہ جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی ایسی ہی نماز پڑھو اور آپ لفظ سلام ادا فرما پھر وہ تکبیر تحریمہ پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر کہنا بالاتفاق فرض ہے تو ایسے ہی سلام کہنا نماز سے خارج ہونے کے لئے فرض ہوگا امام صاحب کی دلیل ابن مسعودؒ کی حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ اذ قلت هذا وقضیت هذا فقد قضیت صلواتک کہ جب تو نے ایسا کیا یا اس کو پورا کیا تو تو نے اپنی نماز پوری کر لی کہ اس میں قول و فعل میں اختیار دیا گیا ہے اگر سلام فرض

ہوتا تو فرض میں اختیار دینا کیسا پھر اعرابی کی یہ حدیث بھی ان کی حجت ہے جس میں آپ نے اس کو نماز نکھائی مگر سلام کا ذکر نہ فرمایا۔ اگر فرض ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ ہاں دوسرا سلام کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں تو اس پر قیاس کر کے یہ بھی کیوں فرض ہوا۔ اب ان کے قیاس کا مسکت جواب یہ ہے کہ تکبیر و سلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ ہر دو حقیقت و حالت اور تاثیر میں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ تکبیر چونکہ محض ثنا ہے اس لئے خالص عبادت ہے بحالت استقبال ادا ہوتی ہے اور اس کی تاثیر یہ کہ یہ عبادت نماز میں داخل کر دیتی ہے تو نماز کی طرح یہ بھی فرض ہوئی۔ بخلاف سلام کے کہ وہ ایسا نہیں وہ ایک حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سلام پر مشتمل ہے ثنا ہے اور ایک حیثیت سے کہ وہ انسانوں سے خطاب ہے۔ لوگوں سے بات چیت ہے چنانچہ اسی حیثیت سے سلام کرنا منع ہوا نماز میں اور قبلہ سے روگردانی کر کے ادا کیا گیا۔ ایسا ہی وہ تاثیر میں بھی تکبیر سے جدا ہے کہ اگر وہ عبادت میں داخلہ کا سبب ہے تو یہ اس سے خارج ہونے کا تو پس اسی فرق کی بنا پر یہ سلام تکبیر کی طرح فرض نہ ہوا مگر ایک حیثیت سے چونکہ یہ سلام ثنا بھی ہے یہ نفل و فرض کے بیچ میں درجہ و وجوب میں رکھا گیا۔ اس سے حدیث مندرجہ کے یہ الفاظ والتسلیم تحلیلہا تو اس سے حصر کا ثبوت نہیں کہ تحلیل سلام ہی سے ہے۔ پھر یہ اخبار آحاد ٹھہریں اور آحاد سے فرضیت کا ثبوت کیسا؟ البتہ آنحضرتؐ کے ہمیشگی فرمانے یا حکم فرمانے سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے اور یہ ہی امام صاحب کا مسلک ہے۔

ایک اور اختلافی مسئلہ لائجنی صلوٰۃ الخ کے ضمن میں ہے جو پھر کسی موقع پر انشاء اللہ بیان کر دیا جائے گا۔

دو کلی رکعتیں فسلّم کے الفاظ دو معنی پر محتمل ہیں یا تو یہ الفاظ ظاہر پر محمول کئے جائیں گے اور ہر دو رکعت سے نفل مراد نفل ہوگا اور مذہب کے حکم میں ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرو۔ جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے کہ نفلین دو دو رکعت کر کے پڑھنی چاہئیں۔ مطابق حدیث الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ یا فسلّم میں سلام سے مراد حقیقی سلام مراد نہ ہو بلکہ تشہد مراد ہو جیسا کہ اسی حدیث سے خود پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے اس کی یہ ہی تشریح فرمائی۔ اس صورت میں یہ امر نوافل میں وجوب بمعنی فرض کے لئے ہوگا کہ قدر تشہد ان میں بیٹھنا واجب ہے یا بمعنی واجب ہی پونین رکعت یا چار رکعت والی فرض نمازوں میں۔

الوحیفة عن عطاء بن ابی رباح عن ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ندا دی کہ بغیر پڑھے کوئی نماز نہیں۔ اگرچہ پڑھی جانے والی چیز الحمد ہی کیوں نہ ہو۔

ابی ہریرہ قال نادى منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة لا صلوٰۃ الا بقراءة ولو بفتح الكتاب۔

تشریح:۔ طبرانی نے اوسط میں امام صاحب ہی کے طریق سے ان الفاظ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

امدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نادى فی اهل المدينة الحدیث کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ندا دینے کا حکم دیا۔ وار قطنی بھی قریب قریب یہی مضمون لائے ہیں۔

اس میں اختلاف یہ ہے کہ آیا نماز میں فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض ہے یا واجب یا

سنت امام شافعی و امام مالک قرآن فاتحہ فرض مانتے ہیں اور سورت ملائمان کے نزدیک سنت ہے اور امام ابو حنیفہ فاتحہ پڑھنے اور سورت ملائے ہر دو کو واجب کہتے ہیں۔ امام شافعی و امام مالک کی دلیل فاتحہ کے فرض ہونے پر مسلم کی یہ حدیث ہے من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا ہام القرآن فی خداج ثلاثا غیر تمام کہ جس نے ایسی نماز پڑھی جس میں الحمد نہ پڑھی تو وہ نماز خداج ہے۔ نین بار فرمایا یعنی نامکمل ہے اور سورت ملائے کے سنت ہونے پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ آنحضرت نے اول دو رکعت میں سورت ملائے پر پیشگی کی۔

امام صاحب کے مسلک کے ثبوت میں کئی دلائل ہیں۔ فرضیت قرأت کی سب سے پہلی دلیل قرآن کی یہ آیت فَاَقْرُؤْ مَا تَسْمَعُ مِنَ الْقُرْآنِ ہے یعنی قرآن کا جس قدر حصہ آسان ہو پڑ ہو۔ یہ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور کم سے کم ایک پوری آیت تک کو شامل ہیں پھر حدیث ظنی سے قرآن کے قطعی حکم میں فاتحہ کی قید لگا کر اس کے عموم و اطلاق کو کس طرح توڑا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک طرح کا نسخ کہ قید سے ایک شے کل کی حیثیت سے نکل کر جزو میں داخل ہوتی ہے اور وہ اپنی کل کی حیثیت کھو بیٹھتی ہے تو یہ نسخ ہوا اور نسخ کرنے والی شے منسوخ ہونے والی سے اقویٰ ہونی چاہیے۔ حالانکہ حدیث ظنی قرآن قطعی سے بدرجہا اضعف و کمزور ہے لہذا امام صاحب نے مطلق قرآن کا پڑھنا تو آیت قرآن کے ماتحت فرض مانا اور حدیث چونکہ عمل کے وجوب کو ثابت کرتی ہے اس لئے اس کے پیش نظر قرأت فاتحہ و سورت ملائے کو واجب قرار دیا۔ قرآن و حدیث ہر دو پر عمل ہوا۔ بخلاف فاتحہ کی قرأت کو فرض ماننے والوں کے کہ ان کے مذہب پر آیت قرآنی کا ترک لازم آتا ہے اور سنت پر عمل۔

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت نے اعرابی کو نماز سکھائی ہے کہ پوری شرح و بسط کے ساتھ نماز کی حقیقت کو واضح فرماتے ہیں۔ مگر اس میں فاتحہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر اس کی قرأت فرض ہوتی تو اس کا ترک کیسا؟ البتہ اتنا ضرور فرمایا تھا اقراء ما تسمی معک من القرآن یعنی پھر قرآن جو تجھ کو یاد ہو پڑھو۔ تیسری دلیل یہی ابی ہریرہ کی حدیث ہے جس کو وہ خود اپنی دلیل میں لاتے ہیں کہ اس کے الفاظ درحقیقت ان کے مطلب کی طرف راہنمائی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ امام صاحب کے مذہب کی طرف تائید میں ہے کہ فرمایا فی خداج۔ خداج کے معنی لغت میں ناقص کے ہیں جس کی ضد تام ہے۔ خود حدیث کے الفاظ غیر تام پتہ دے رہے ہیں کہ ناقص مقابل تام مراد ہے۔ فاسد کے معنی نہیں جو وہ سمجھتے ہیں۔ ناقص ہونے کے معنی یہ ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے سے واجب ترک ہوا تو نماز ناقص ہوئی۔ اگر قرأت فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے ترک سے نماز فاسد و باطل ہوتی ناقص و غیر تام نہ کہلاتی۔

چوتھی دلیل حدیث ذیلی ہے کہ اس میں ارشاد ہوا ولو بفاتحۃ الكتاب اگرچہ سورت فاتحہ ہو۔ یہ صاف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ قرأت فاتحہ کی تخصیص نہیں یعنی قرآن کا خواہ کوئی حصہ بھی ہو۔ اگرچہ سورت فاتحہ ہی ہو۔

پانچویں دلیل یہ کہ اگر سورت فاتحہ کو فرض مان کر ان الفاظ حدیث کے یہ ہی معنی مراد لیں کہ نماز ہر سے ہوتی ہی نہیں۔ تو یہ الفاظ آنحضرت نے ان احادیث میں بھی فرمائے ہیں لا صلوة لجاہ المسجد الا فی النہر

کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں ولا صلوة للعبد الا بقی حق یدرج کہ بھاگے ہوئے غلام کی نماز نہیں جب تک وہ نہ لوٹے ولا وضوء لمن لم یستم اور نہیں وضو ہے اس کا جو وضو سے پہلے بسم اللہ نہ کہے۔ حالانکہ یہاں کمال کی نفی ہے نہ اصل کی۔

جھٹی دلیل یہ کہ فرضیت فاتحہ کے قول پر ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ سورت کا ملنا بھی ساتھ ساتھ فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب کے ساتھ وسورة معها وغیرہ کا ٹکڑا بھی تو ہے تو فاتحہ کی لپیٹ میں سورت ملانے کی فرضیت کا زبردستی اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس پر وہ بھی راضی نہیں۔

باب ۴۳: لَا یَجْهَرُ بِبِسْمِ اللَّهِ فِي الصَّلَاةِ

باب ۴۳: نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھیں

ابو حنیفہ عن حماد عن انس قال کان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر لا یجھرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم

تشریح :- بسم اللہ کو الحمد سے پہلے بلند آواز سے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں امام شافعی و امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہم خیال ابن مسعود ابن زبیر عمار بن یاسر عبد اللہ بن مغفل حسن شعبی شعیبہ اور اعلیٰ سفیان

ثوری عبد اللہ بن مبارک قتادہ عمر بن عبد العزیز اعش زہری مجاہد حماد احمد انس ہیں۔ اور احادیث صحیحہ سے یہ مسلک درست قرار پایا ہے اس سلسلہ میں حضرت انس ہی سے امام بخاری بھی ان الفاظ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ ان النبی صلی

اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر لا یجھرون الصلوة بالمحمد لله رب العالمین۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔ سلم کے الفاظ یہ ہیں

صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر و عثمان فلما سمع احدا منهم یقرأ ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کہ میں نے نماز پڑھی میں نے نبی صلعم ابوبکر وعمر و عثمان کے پیچھے میں نے

ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ امام شافعی اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہیں جو دارقطنی میں محمد بن السری سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے مضمہ بن سلیمان کے پیچھے بے شمار نمازیں پڑھی ہیں صحیح و غریب

مگر اس حدیث کا خلاصہ ابن خزیمہ اور طبرانی کی روایت سے تغارض ہے جو وہ اسی معنی کے طریق سے انس سے بیان کرتے ہیں اس میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ وہی آواز سے پڑھا کرتے عرض ان کی

تمام پیش کردہ روایات میں کوئی نہ کوئی طعن ہے۔ اور روایتی مستقیم ہے پھر اگر چاہیں کہ ہر دو نوع احادیث کو جمع کریں تو مابول کا یہ پہلو نکل سکتا ہے کہ چہر کی حدیثوں کو محض تعلیم کے لئے مانیں۔ یا یوں کہیں کہ خفیف ملہر

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر رحمہم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

ابوبکر وعمر رحمہم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

ابوبکر وعمر رحمہم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

تھا۔ جسکو بالکل قریب کا آدمی سن سکتا ہے۔ مقتدی اگر امام سے قریب ہو تو اس کی آہنگی بھی بہر کی طرح سنائی دیتی
سنی الحقیقت یہ جہر نہیں۔ جس طرح روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ظہر کی سری قرار تے ہیں ایک دو آستین اس
طرح پڑھتے کہ افتادہ کرنے والے صحابہ کبھی کبھی سن لیا کرتے۔ یا اس طرح کہا جائے کہ پہلے جہر پر عمل تھا بعد
میں ترک ہوا۔ اور منوع۔ چنانچہ ابو داؤد نے سعید بن جبیر سے جو روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔
کیونکہ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ فامر الله رسولہ باخفاً فاجعل جہر حتی مات کہ پھر اللہ نے اپنے
رسول کو نجی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کے بعد میں تاوفات جہر نہیں کیا۔

ابو حنیفہ عن ابی سفیان عن

یزید بن عبد الله بن مغفل انه صلى
خلف امام فجهر ببسم الله الرحمن الرحيم
فلما انصرف قال يا عبد الله احبس عنا
فتمت هذه فاني مبيت خلف ابی
رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف ابی
بكر وعمر وعثمان فكلهم سمعهم
يجهرون بها وهذا صحيح
قال الجامع ومروك جماعة هذا
الحديث عن ابی حنیفہ عن ابی
سفیان عن یزید عن ابی
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قیل قهو الصواب لان هذا
الخبر مشهور عن عبد الله بن
مغفل

یزید بن عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے
کہ عبد اللہ بن مغفل نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی۔
پس اس نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی۔ یہ جب نماز
سے فارغ ہوئے تو اس سے کہا اے اللہ کے بندے اپنا
یہ نغمہ بند کر۔ یعنی زور سے بسم اللہ پڑھنا چھوڑ کیونکہ
میں نے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
پیچھے اور ابو بکر عمر اور عثمان کے پیچھے میں نے ان کو
بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے نہیں سنا۔ اور یہ عبد اللہ بن
مغفل صحابی ہیں۔ جامع نے کہا کہ اس حدیث کو ایک
جماعت نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے۔ وہ
روایت کرتے ہیں ابی سفیان سے وہ یزید سے وہ
اپنے والد عبد اللہ بن مغفل سے وہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے دیکھا یہ حدیث مرفوع ہے اور یہ یحییٰ
کیونکہ یہ حدیث عبد اللہ بن مغفل سے ہی مشہور ہے

تشریح :- عبد اللہ بن مغفل کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ ترمذی نے یہ
بحث دو بار پر تقسیم کی ہے۔ ایک باب ترک جہر میں دوسرا جہر میں۔ پہلے میں عبد اللہ بن مغفل کی حدیث
لائے ہیں اور دوسرے اس کی تشریح پہلے آچکی ہے وہیں سے دیکھ لی جائے۔

ابو حنیفہ عن عدی عن البراء قال

صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم
العشاء وقرأ بالتين والزيتون

حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی عشاء کی تو پڑھی آپ کے
اس میں والتین والزيتون

تشریح :- یعنی والتین انجناب نے عشاء کی پہلی رکعت میں پڑھی اور دوسری رکعت میں فاترنا
فی لیلۃ القدر۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے عشاء کی نماز میں اذ السماء انشقت پڑھی۔ اور حضرت معاذ کے آنحضرت

نے فرمایا نماز عشاء میں تم سورہ بروج اور انفقان کے مانند کیوں نہیں پڑھتے۔ صحاح کی تمام کتابوں نے بھی اس روایت کو درج کیا ہے اور انہی الفاظ میں اسے ترمذی نسائی احمد و مالک نے بھی لکھا ہے۔

ابو حنیفہ و مسعر عن زیاد عن
قطبة بن مالك قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول في إحدى ركعتي الفجر والتخل بسبقت بها طلع فضيد

حضرت قطبہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی ایک رکعت میں والتخل باستقامت لہلعل فضید پڑھتے سنا۔

تشریح :- ان احادیث کے پیش نظر احناف نے فجر کی نماز میں طوال مفصل کا پڑھنا مسنون قرار دیا لیکن زیادہ تر مداران کے خیال کا حضرت عمر کا وہ فرمان شاہی ہے جو ایک نئی دستور کے طور پر مختلف عمال کے نام و دربار خلافت سے جاوی ہوا ہے۔

باب قراءة الامام قراءة لمن خلفه

ابو حنیفہ عن موسیٰ عن عبد اللہ

بن شداد عن جابر بن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان لمام فقرأه الامام له قراءة۔

وفي رواية ان رجلا قرأ خلف النبي

صلى الله عليه وسلم في الظهر والعصر

واذ ما اليه رجل فنهاه فلما انصرف

قال انتنها في ان اقرع خلف النبي صلى

الله عليه وسلم فتذاكره لـ

حتى سمع النبي صلى الله عليه وسلم

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

من صلى خلف الامام فان قراءه الامام له قراءة۔

وفي رواية قال جابر قرأ رجل خلف

رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهاه

رسول الله صلى الله عليه وسلم

وفي رواية قال صلى رسول

الله صلى الله عليه وسلم

باب امام کی قرأت

مقتدی کی قرأت ہے

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا کوئی امام ہو۔ تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ظہر یا نماز عصر میں قرأت کی اور ایک شخص نے اشارہ سے منع کیا جب نماز سے فارغ ہوا تو کہنے لگا۔ کہ کیا تو مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے روکا؟ پس اس پر بحث ہوئے مگر یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ اور فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو

بالتاس فقرأ رجل خلفه
فلما قنى الصلوة قال ايكو قرا خلفي
ثلاث مرات فقال رجل انا يا رسول
الله فقال من صلى خلف الا امام
فان قراءه الامام له قراءه
وفي رواية قال انصرف النبي
صلى الله عليه وسلم من صلوة
الظهر او العصر فقال من قرا
منكوسم اسم ربك الاعلى فسكت
القوم حتى سأل عن ذلك سرا
فقال رجل من القوم انا يا رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال لقد رايتك
تتاذعني وتخالجني القرآن

نماز پڑھائی۔ تو آپ کے پیچھے کسی شخص نے قرأت کی
جب آپ نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ میرے پیچھے تم میں سے
کس نے قرأت کی میں بارہ سوال فرمایا تو ایک شخص
نے عرض کیا میں نے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا جو امام
کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے
اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت بارہ نے
کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یا عصر سے فارغ
ہونے کے بعد فرمایا تم میں سے کس نے سبح اسم ربك
الاعلى پڑھا۔ سب نے بجا چپ سے۔ یہاں تک
کہ آپ نے تین بار یہی سوال فرمایا۔ تو مقتدیوں
میں سے ایک نے عرض کیا کہ میں نے یا رسول اللہ آپ نے
فرمایا اللہ میں نے دیکھا بتجھ کو کہ گویا میرے ساتھ قرآن
میں جھگڑ رہا ہے۔ یا دیہ راوی کی طرف سے شک
قرآن پڑھنے میں مجھ کو خلیجان میں ڈال رہا ہے۔

تشریح :- یہ حدیث ایک اختلافی مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورت فاتحہ
پڑھنے کے بارے میں ہے۔ جس پر ائمہ کرام کی آرا مختلف ہیں اختلاف یہ ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں۔ کہ
مقتدی خواہ جہری نمازیں یا سنی کسی میں بھی فاتحہ نہ پڑھے۔ یہی مذہب جابر بن عبد اللہ۔ زید بن ثابت
علی بن ابی طالب عمر بن خطاب ابو بکر الصديق۔ عبد اللہ بن مسعود کا ہے۔ اور یہ ہی سفیان ثوری۔
سفیان بن عیینہ ابن ابی لیلی۔ حسن بن صالح بن حسن۔ ابو اسیم نخعی وغیرہ کا قول غرض مشاہیر صحابہ و تابعین اسی
خیال کے پیرو ہیں۔ یعنی کہ امام کا یہی حق ہے کہ اگر صحابہ میں سے انہی صحابہ منع قرأت کیے حامی ہیں بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ تعدا
ہے کہ جن کا اتفاق بمنزلہ اجماع کے ہے امام شافعی کا مسلک یہ ہے جبکہ آپ حضرت تھے کہ ہر دو نو نماز جہری سنی میں امام کے پیچھے
فاتحہ پڑھنی فرض ہے یہی امام حضرت عباد بن صامت۔ عروہ بن زبیر سعید بن جبیر اور اوزاعی حنفی بصری یث بن سعد۔ ابو ثور
وغیرہ کی ہے انہی کے ہم خیال امام مالک ہیں جہری نمازیں امام صاحب کی موافقت کرتے ہیں اور سنی میں امام شافعی
کی یہی قول ہے سعید بن مسیب سعید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر کا اور یہ ہی رائے زہری۔ قتادہ
ابن المبارک اسحاق کی ہے امام احمد امام مالک کے متفق ہیں۔ البتہ جہری نمازیں ان سے خفیقت سایہ اختلاف کہتے ہیں کہ اگر مقتدی
امام سے اس قدر مائل ہو کہ قرأت امام نہ سن سکے تو وہ فاتحہ پڑھے۔ امام شافعی بھی اسی خیال کے
حامی تھے جب آپ عراق میں تھے حضرت ابی بن کعب وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

امام صاحب کا مسلک نہایت مضبوط و لائل پر قائم ہے کیونکہ اس کی حقیقت پر قرآن کریم بھی
گواہ ہے اور حدیث نبوی بھی شاہد نیز ثیاس اس کی تائید کرتا ہے اور اکثر صحابہ کا اتفاق جو فریق قریب جماع کے ہیں اسکی قوت

ہیں۔ لوگ دین کے محکمہ ستون ہیں پہلے قرآن مجید کی آیت دیکھیں۔ کہ فرمایا اذ اقرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو۔ اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں اترتی ہے۔ جب ایک شخص نے آنحضرت کے پیچھے فاتحہ پڑھ لی تھی۔ تو نازل ہوئی یہی تھی نے امام احمد سے نقل کیا ہے اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة کہ لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور مجاہد سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی صلعم نماز میں قنوت فرما رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک انصاری کی قرارت کی آواز سنی۔ تو یہ آیت کریمہ اترتی۔ ابن مردودہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارے میں اترتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال ہے۔ کہ اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر سجال ہونا چاہیے۔ اور مقید کو اپنی تعید پر جب یہ ہر دو حقائق ملنے آگئے۔ تو آیت مذکورہ میں اذ اقرى القرآن میں قرارت مطلق ہے یعنی قرارت جہری دوسری ہر دو کو شامل ہے۔ اسی طرح انصوا میں انصاف صوامش رہنا، بھی مطلق دعا کر کے خواہ نماز جہری ہو خواہ سری ہر ایک میں چپ رہنے کا حکم ہے۔ البتہ فاستمعوا میں استماع سننا نماز جہر کے ساتھ خاص ہے کہ بغیر جہر کے کوئی کیا سنے تو گویا پوری آیت کے تفصیلی معنی یہ ہو گئے کہ جب قرآن کی قرأت کی جائے خواہ جہری قرأت ہو یا سری ہو تو جہری میں اس کو سنو اور جہری دوسری ہر دو میں چپ رہو اب چونکہ اس آیت میں نماز میں اترنا بالاتفاق ثابت ہوا نماز میں تو بہر حال خصوصاً جہر میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، بلکہ خارج نماز بھی چنانچہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص و سچی آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اور اس کے پہلو میں ایک شخص مثلاً فقہ کے لکھنے میں یا مصروف ہے کہ قرآن سننے سے عاجز ہے تو قرآن پڑھنے والا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ لکھنے والے پر سننا واجب تھا۔ جب نہ سن سکا تو اس کا گناہ قاری کے سر پر آیا۔ اسی طرح اگر کوئی رات کو چھپت پر زور زور سے قرآن پڑھ رہا ہے اور لوگ سو رہے ہیں تو بھی قاری قرآن ہی گناہگار ہوگا۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ قرآن کا سننا نماز اور غیر نماز میں دونوں واجب ہے اگرچہ سبب حکم خاص ہو۔ مگر لفظ عام ہونے کے سبب حکم عام ہی رہتا ہے۔ بعض لوگوں کو فاستمعوا للہ وانصتوا میں جو ایک دوسرے پر عطف ہے اس سے مراد ہوا ہے وہ ہر دو کو ایک حکم میں لے کر انصوا کو بھی جہر کے ساتھ خاص کرنے میں۔ حالانکہ عطف اس کو نہیں چاہتا کہ معطوب و معطوف علیہ حکم کے مورد و عمل میں بھی ایک ہوں۔ مثلاً اقموا الصلوة واتوا الزکوة۔ بلکہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ واجب ہے تو قرآن سننا اور چپ رہنا علیحدہ علیحدہ حکم ہیں ایک خاص ہے دوسرا عام نہ یہی شبہ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ آیت نماز جہری میں تری ہے۔ اس لئے ہر دو حکم جہر کے ساتھ خاص ہوں گے۔ کیونکہ لحاظ و اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ نہ خصوص مورد کا۔ اب یہ شک کہ بدی شک یہ آیت فاقروا ما تیسری من القرآن سے متعارض ہے۔ جو اپنے عموم کے سبب امام مقتدی منقرو سب پر قرارت واجب کرتی ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اولیٰ حدیث صحیحہ قرآن الامام للفقراء مقتدی واصل شرعاً قاری ہی مانا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام کی قرارت حقیقی ہے اور مقتدی کی حکمی۔ یا اس کا دایگی الفاظ کی شکل میں اور اس کی سکوت کی صورت میں تو اب آیت فاقروا کے خلاف کب لازم آیا کہ اس سے تعارض ہوتا۔ دوسرا

جواب یہ ہے کہ وہ شخص جو رکوع میں شریک ہو کر رکعت پلے وہ تو بہر حال اس آیت سے مستثنیٰ ہے یہی پس اگر حدیث مذکور کے پیش نظر مقتدی کو بھی مستثنیٰ کر لیں تو اس میں کیا برائی ہے یوں بھی ہر دو آیات میں تعارض مٹ گیا اب حدیث کو لیجئے۔ قرأت خلف الامام کی ممانعت میں مختلف صحابہ سے احادیث صحیحہ مرفوعہ و موقوفہ اور مرسل مروی ہیں جن میں حضرت جابر بن عبد اللہ ابی ہریرہ۔ ابی الدرداء۔ اور عمران بن حصین ہیں۔ ان میں سے حضرت جابر کی حدیث کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مسند بھی نہیں سے مروی ہے۔ اور یہی دراصل احناف کے مسلک کی بڑی دلیل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ حدیث ہے جس کی تردید کے لئے اہل حدیث نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی ہے۔ اور مخالفت کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا لہذا اس حدیث کی صحت کی پر بیان کو قدر تفصیل دی جاتی ہے پھر حدیث کی تشریح کی جائے گی۔ دراصل یہ حدیث جابر بھی منقول صحابہ مثلاً عبد اللہ بن عمر ابو سعید خدری انس بن مالک ابو ہریرہ اور ابن عباس سے مروی ہے۔ حدیث جابر ذیل میں مرفوع نقل ہے مخالفین نے جب اس کی سند پر نظر ڈالی۔ تو ان کو اس کی کمزور رنگ یہ دکھائی دی کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اس کو صحیح طریق سے بیان نہیں کیا۔ بلکہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے یعنی عبد اللہ بن شداد بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بغیر واسطہ حضرت جابر کے۔ چنانچہ دارقطنی نے جو اپنے زبردست مذہب کے مروجہ ہیں۔ اور جو احناف پر بے باک اور بے دھڑک تلوار چلانے کے ماہر ہیں۔ خاص طور پر صدا بلند کی کہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے اور سند صحیح نہیں۔ کیونکہ سفیان بن ابی الاوص۔ شعبہ اسرائیل۔ ابی خالد الدالانی۔ شریک وغیرہ سے یہ حدیث مرسل ہی نقل ہے۔ اب سوال یہ رہتا تھا کہ آخر امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر امام سے یہ حدیث مرفوع مروی ہے۔ اس کا کیا جواب ہے یہ تو بہر حال صحیح مانتی چاہئے۔ دارقطنی زور میں کہہ گئے ہذا الحدیث لم یسند عن جابر بن عبد اللہ غیر ابی حنیفہ والحسن بن عمارۃ وھما سفیان یعنی اس حدیث کو مسند جابر بن عبد اللہ سے سوائے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارۃ کے کوئی نہیں لایا اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ فتوٰ باللہ جب آثار الامام جس میں کسی نے مجول کر بھی کلام نہیں کیا ضعیف مٹھا ہو۔ تو اب عدالت کہاں باقی رہی۔ اور قومی کون ٹھہرا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تو نہیں سوچتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس کے بارہ میں کہہ رہے ہیں۔ جس کی خود مسند میں احادیث ستیمہ۔ معلولہ۔ منکرہ۔ غریبہ۔ موضوعہ بھری ہوئی ہوں کیا اس کو جرأت ہو سکتی ہے کہ امام صاحب جیسی زبردست ہستی کو ضعیف کہے پہلے اپنی تو خبر لے پھر دوسرے پر زبان کھولے۔ جن کی شان میں مخالف موافق کسی نے نکتہ چینی کے لئے لب کشائی نہ کی ہو۔ جن کے علم و فضل سے سفیان ثوری۔ ابن المبارک۔ حماد بن زید۔ ہشیم۔ وکیع بن جراح جیسے جلیل الشان اشخاص نے خوشہ چینی کی ہو۔ جن کی داسے پر ائمہ ثلاثہ امام مالک۔ شافعی۔ احمد نے فتاویٰ صادر کئے ہوں۔ ان کو ضعیف کہنا انصاف سے بعید ہے اور خود اپنی رسوائی کرنا ہے۔ بہر حال اس دلخراش بات کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہارے نزدیک یہ حدیث مسلسل ہی صحیح ہے تو احناف کے نزدیک مرسل بھی قابل حجت ہے۔ تو جھگڑا رفع ہوا۔ پھر یہ بھی سراسر غلط ہے کہ سوائے ابو حنیفہ کے کسی سے کسی نے

اس کو مسند بیان نہیں کیا۔ کیونکہ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں دو صحیح طرق سے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ ایک میں سفیان و شریک موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ اور دوسرے میں جریر وغیرہ پہلی اسناد شرط صحیحین پر صحیح ہے اور دوسری شرط مسلم پر۔ تو اب وار قطنی کا دعویٰ کہ سفیان و شریک اور جریر وغیرہ سے بواسطہ موسیٰ یہ حدیث مرفوع نہیں غلط ثابت ہوا۔ پھر بیہقی وار قطنی طحاوی۔ ابن عدی ایک در طریق سے اس کو مرفوع لاتے ہیں۔ مگر اس میں بیہقی نے جابر جعفی و رلیث بن ابی سلیم کو نشانہ بنایا۔ جو ابی الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور کہا جابر و رلیث لا یجتہم بھما کہ جابر و رلیث قابلِ محبت نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک راوی کا ضعیف ہونا خود راوی کے حالات پر موقوف نہیں بلکہ ثقہ سے ثقہ راوی کا مخالف کا حدیث میں آجانا بس یہ ہی اس کے ضعف کی نشانی ہے ان کا کہنا ہے۔ احناف کے پاس تو حدیث بھی نہیں۔ اسماء الرہجال بھی نہیں سب کچھ انہی کا ہے۔ مگر حنفیوں کی تردید میں کم از کم ایک زبان تو ہو جائیں۔ حقیقت میں ”حق بہ زبان جاری“۔ انہیں میں سے کسی کے منہ کے اللہ احناف کی موافقت میں بات نکلا دیتا ہے۔ جو احناف کے لئے محبت بن جاتی ہے۔ ورنہ یہ ہم میں سے کس کی ماننے لگے۔ چنانچہ اسی جابر کی توثیق و کیع۔ شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ جیسے ائمہ جرح والتقدیل نے کی ہے۔ ابن عبدالحکیم نے کہا ہے کہ امام شافعی سے بھی اس کی تو صیغہ میں نے سنی اور لیث کے بارہ میں ابن معین نے کہا ہے لا باس بہ عبدالوارث نے کہا ہے۔ کان من ادعیۃ العلم اور پھر جس سے شعبہ نے حدیث بیان کی ہو حبیب کہ میزان میں ہے تو اس میں کیونکر شک کیا جاسکتا ہے اسی طرح ابن ابی شیبہ ابی الزبیر کے واسطہ سے جابر سے یہ ہی مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جو ہر نقی میں کہا ہے کہ اس کے رجال سب ثقہ ہیں۔ ابو نعیم بھی اس کو مرفوع ہی لائے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں۔ کہ یہ حدیث کسی اور طریق سے مرفوع صحیح نہیں۔ تو امام صاحب کا اس کو مرفوع لانا یقیناً قابلِ محبت ہو گا۔ یہ اس حدیث کے رفع پر بحث تھی۔ یہ موقوف بھی صحیح طریق سے مروی ہے۔ چنانچہ امام محمد مالک کے واسطہ سے سب بن کیسان سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ من صلی رکعة لعلیٰ فیہا ہا۔ القرآن فلم یصل الا وراء الامام کہ جس شخص نے ایک رکعت پڑھی۔ اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی تو گویا اس نے نماز نہ پڑھی مگر جبکہ امام کے پیچھے ہو۔

مندرجہ بالا بیان حدیث جابر کی بحیثیت سند تحقیق تھی۔ اب حدیث کی تشریح ملاحظہ فرمائیں پہلی روایت درحقیقت اصل حدیث کا ایک حصہ ہے جو اور روایات میں بھی ہے۔ حضرت جابر کبھی محل حکم بیان فرماتے ہیں اور کبھی پوری تفصیل اس میں ضم فرماتے ہیں۔ دوسری۔ چوتھی۔ پانچویں روایات سے دو امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ قرارت خلف الامام سے ممانعت سری نمازوں میں بھی ہے کیونکہ ظہر و عصر جو سری نمازیں ہیں انہی کا یہ واقعہ ہے۔ اس سے امام مالک وغیرہ کے مذہب کی تردید صاف دکھلے الفاظ میں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے من صلی خلف الامام کے الفاظ یا رایت تنازعنی کی عبارت قرارت خلف الامام سے منع فرمایا یہ الفاظ

بکار بکار اس حقیقت کو کھول رہے ہیں۔ بعض نے یہاں مطلب نعمت ربود کر دیا ہے اور اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ نے صرف یہ فرمایا کہ امام کی قرارت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ اگر چاہے خود بھی پڑھ لے یہ معنی نہیں کہ وہ خود ہرگز نہ پڑھے۔ اگر ایسا ہوتا تو حسب قاری اور مانع کا معاملہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوتا۔ تو آپ منع کرنے والے کی تائید کیوں فرماتے اور قاری کی تردید کیوں کرتے کیونکہ ان الفاظ میں تو آپ نے کھلم کھلا قرارت سے روکا ہے کہ جب امام کی قرارت کافی ہوئی تو اب تم بلا وجہ کیوں پڑھتے ہو پھر اگر قرارت و عدم قرارت ہر دو کا مجاز ہوتا تو پانچویں روایت میں جو آپ نے سوال فرمایا۔ من قرأ منکر سمع اسم ربك الاعلیٰ تو سب کے سب نادیا اور حسب ہوش سے چپ رہے کسی نے جواب نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ اُن حضرت کے چہرہ مبارک سے ناراضگی و خفگی کے آثار نمودار تھے۔ سب اس کو تاثر گئے اور کسی کو جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر آنجناب کو تین دفعہ سوال کرنا پڑا۔ اگر قرارت جائز ہوئی۔ تو آپ سوال ہی کیوں کرتے اور کرتے بھی تو پڑھنے والا اول ہی مرتبہ کہہ دیتا۔ کہ حضور قرارت میں نے کی تھی۔ مقتودی دیر کے لئے اگر مان بھی لیں کہ کافی ہونے کے یہ معنی ہیں تو اس کا صاف یہ مطلب ہو گا کہ مقتدی کی قرارت کارکن تمام بس یہی ہے کہ اس کی طرف سے امام قرارت کرے تو اب اگر مقتدی بھی قرارت کرے تو لا محالہ یہ قرارت اس حصہ پر زیادتی ہوگی۔ جو ثمر بیعت اس کے لئے مقرر کر چکی ہے اور اس قسم کی زیادتی شرعاً جائز نہیں۔ پھر یہ بھی خلش ہے کہ جب امام کے ضمن میں اس کی قرارت مان لی گئی تو اب اگر یہ خود بھی قرارت کرے تو گویا اس نے ایک نماز میں دو قرارتیں کیں۔ اور یہ بھی جائز نہیں۔ اگر ان سے بھی قطع نظر کر لیں تو حدیث سے بہر حال یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ امام کی قرارت مقتدی کی قرارت کا بدلہ ہے اور نائب یا جانشین۔ اب اگر مقتدی خود بھی قرارت کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اصل و نائب یا بدل و بدل منہ یک جمع ہو جائیں۔ اور یہ ہرگز جائز نہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ آنحضرتؐ کے کلام من صلی خلف الامام کو گہرائی سے دیکھیں تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ قرارت کیلئے جہری یا سری نماز کی قید نہیں۔ کیونکہ امام کی قرارت کا مقتدی کی طرف سے بدل ہونیکا سبب صاف امام کے پیچھے قدم رکھنے کو ٹھہرا یا اور منع قرارت کا دار و مدار اس پر رکھا اور اقتدار مطلق ہے جہری و سری ہر دو کو شامل ہے تو اب امام مالک وغیرہ کے مذہب کے موافق جہری کی قید اس میں کیسے لگائی جاسکتی ہے۔ اگر یہ قید لگائیں تو نثار کلام کے خلاف ہوگا۔ تیسری روایت میں مہناک کے لفظ سے واضح ممانعت ہوتی ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اب بحث یہ ہے کہ مہنی جب وارد ہوئی تو اس سے مطلق حرمت قرارت ثابت ہوئی اور نماز فاسد ہوئی چاہئے۔ چنانچہ ایک مرجع روایت ایسی بھی ہے۔ مگر چونکہ اور میں تعارض واقع ہو اس لئے یہ حرمت سے نکل کر مکروہ مخفی رہی اور یہی روایت شیخین سے منقول ہے۔

حضرت ابوسعید خدری سے ابن عدی اپنی کامل میں اپنی الفاظ سے روایت لائے ہیں۔ اس میں طعن یہ کرتے ہیں کہ اس میں اسماعیل بن عمر بن صالح سے روایت کرتے ہیں جو ضعیف ہیں

اور کوئی ان کی متابعت نہیں کرتا۔ حالانکہ طبرانی اوسط میں یہی حدیث اور یہ ہی سند ذکر کرتے ہیں۔ اس میں نصر بن عبد اللہ بھی حسن بن صالح سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ سے دارقطنی اور انس سے ابن حبان کتاب الضعفاء میں یہی حدیث مرفوع لائے ہیں۔ جو اپنی اپنی جگہ صحیح ہے بلا وجہ اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ پھر مان لیا کوئی طریق ضعیف بھی ہو۔ مگر کثرت طرق سے حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ اب کوئی اشکال و سقم باقی نہیں رہتا۔

اب ان صحابہ کی احادیث پر ذرا نظر ڈالیں جو قرأت خلف الامام کی ممانعت کی تائید کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک ابو ہریرہ ہیں جن کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ انما جعل الامام ليوتم به فاذا اكبر فكبر واذا اقرء فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمدا فقولوا ربنا لك الحمد امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم بٹالک الحمد کہو۔ اس حدیث کو مالک۔ ابو داؤد و نسائی وغیرہ لائے ہیں۔ سب ایک دل ایک دل ایک زبان ہو کر اذاعہ فانصتوا کی زیادتی پر لگ پڑے۔ کہ یہ محفوظ نہیں۔ ابو داؤد۔ ابو یوسف۔ ابن معین حاکم۔ دارقطنی سب نے کہا لیست بحفوظہ۔ ابن ہمام نے جواب دیا ہے کہ اگر طریق سند صحیح ہے اور روایت بھی ثقہ تو یہ شاذ مقبول ہے۔ اسی جماعت مذہبی سے ابی خالد راوی کی طرف ابو داؤد و ہم کی نسبت کر گئے۔ آخر قریہ نے ابو داؤد کی گرفت کی۔ کہ یہ کیا کہتے ہو یہ ابو خالد سلیمان بن حیان وہ ہیں جس سے بخاری و مسلم حجت لاتے ہیں اور ان کی ثقاہت مسلم ہے۔ پھر سب بڑی بات یہ ہے کہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابی موسیٰ سے سلیمان بنی کے واسطے سے یہ حدیث لائے ہیں۔ اس میں یہ زیادت موجود ہے۔ اور خود امام مسلم نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کی تصحیح کی ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ اس کو صحیح بتاتے ہیں تو اپنی کتاب میں کیوں نہیں لاتے آپ نے کہا کہ ہر اس حدیث کو جس کو میں صحیح جانتا ہوں میں اس کتاب میں نہیں لایا۔ جس پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے اسی طرح حضرت ابی الدرداء۔ عمران بن حصین۔ ابو ہریرہ سے روایات بطریق صحیحہ منقول ہیں جو ممانعت قرار کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں آثار صحابہ بھی جید اسناد سے مروی ہیں مثلاً ابن عمر سے روایت نقل ہے۔ کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے۔ ابن مسعود سے نقل ہے کہ ان سے کسی نے قرأت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ چپ رہ۔ امام کی قرأت تیرے لئے کافی ہے۔ امام محمد اپنی سولہا میں عمر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کاش امام کے پیچھے پڑنے والے کے منہ میں پتھر ہو۔ اور سعد بن وقاص کے متعلق یہ کہ انہوں نے کہا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے پڑنے والے کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو۔ غرض اس طرح بہت سے آثار ہیں۔

اب اجماع و قیاس کو لیجئے تو جیسا کہ ذکر ہوا جب اتنی سے زائد صحابہ سے ممانعت قرار دی ہو تو یہ قریب قریب اجماع ہی ہوا۔ اور قیاس تو وہ بھی مسلک حنفی کی پر زور تائید کرتا ہے کیونکہ امام اگر حدیث الامام ضامن قرأت کا ذمہ دار ہوتا پاس ہے۔ چنانچہ ممانعت کی احادیث میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ قرأت کا ذمہ دار امام ہی ہے۔ گو یادہ قرأت کا ضامن ہے تو اب امام کے پیچھے قرأت کرنا گویا اس

کی ضمانت کو توڑنا ہے اور حکم شرع کی خلاف ورزی جو حرام نہیں تو مکروہ تخریمی ضرور ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ مذہب حنفی بروئے قرآن۔ لمحاظ حدیث نبوی اور بتقاضائے اجماع و قیاس حق ہے۔

دیگر مسلک کی تردید اگرچہ مسلک حنفیت کے تشریح و توضیح میں آگئی۔ مگر جہری و سری ہر دو نمازوں میں مقتدی پر قرارت فرض ماننے والوں کے مسلک کی ہم الگ تشریح بھی کرتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کا جتنی پہلو کتنے پانی میں ہے۔ یہ اپنے مسلک کی تائید میں نقلی اور عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ نقل میں فرضیت فائزہ کیلئے انکے پاس یادہ عام احادیث ہیں جنکا ذکر بھیجے فرضیت قرارت فائزہ کے ضمن میں ہوا اور جن میں امام مقتدی منفر و نماز جہری و سری کسی کی قید و خصوصیت مذکور نہیں۔ ان کے بارہ ہیں معلوم ہو چکا کہ ان احادیث سے فرضیت کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر یہ عام نہیں۔ بلکہ اقتدار کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر مان لیں یہ عام ہی ہیں تو ممانعت قرارت سے ان کا عموم کب ٹوٹتا ہے جبکہ مقتدی سکوت سے بھی شرعاً قاری مانا گیا۔ اس کے علاوہ جب رکوع میں شریک ہو کر رکعت پانے والے کو بالاتفاق ان احادیث سے مستثنیٰ کر لیا گیا تو عم ان ممانعت کی احادیث کے پیش نظر مقتدی کو کیوں نہ مستثنیٰ کر لیں۔ اب خصوصیت کے سامنے خلف الامام کے بارہ ہیں ان کے پاس لے دے کر ایک حدیث عبادہ ہے جو ان کے نزدیک بہترین مستحیاء ہے۔ وہ صحیحین کی روایت کی بنا پر تو عام ہی ہے پوری مطلب براری سے وہ قاصر ہے کہ اس کے الفاظ میں لا صلوة لمن یقرأ بفاتحة الكتاب لہذا اس میں عبادہ ہی جواب ہے کہ مقتدی دراصل قاری ہے۔ اگر خود نہیں تو امام کے ضمن میں۔ نماز فجر کا قصر ابو داؤد کی روایت سے نقل ہے جو تین طرق سے مروی ہے۔ اور جن کی صحت میں کلام ہے ایک میں محمد بن اسحاق بن بیاض سے جو حدیث ہے۔ اور محمد بن یحییٰ کسی کے نزدیک قابل حجت نہیں امام مالک نے اس کو کذاب کہا۔ امام احمد نے اس کو ضعیف بتایا۔ دوسرے میں نافع بن محمود ہے جسکو تہذیب التہذیب میں (مجهول) کہلے۔ طحاوی نے کہا لا یعرف۔ تیسرے میں یحییٰ بن عبادہ سے سماع نہیں۔ تہذیب التہذیب میں اس ابو بکر رازی سے یہ ہی نقل ہے۔ عقلی دلیل کے ذیل میں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ قرارت ایک رکن سے نماز کا جس میں امام و مقتدی کو شریک ہونا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن کے مقابلہ میں قیاس ہے۔ جو ناقابل قبول ہے پھر اگر کنیت میں شریک بھی مانتے تو رکعت ایک حقیقی قرارت کی شکل میں ہے جو امام کے لئے ہے اور ایک سکوت اور سننے کی صورت میں جو بروئے اذاعۃ فافضوا کے مقتدی کے لئے ہے دوسرے یہ منطق چلاتے ہیں کہ سری نماز میں جب مقتدی قرارت نہ سننے گا۔ نہ خود پڑھے گا۔ تو بے کار ہے گا۔ حالانکہ عبادت ایک شغل ہے نہ بیکاری۔ ہم کہیں گے کہ جب شرع نے اس کے سکوت کو قرارت مانا تو یہ بیکار کب شمار ہوا۔ پھر یہ بیکار تہاد سے مذہب پر بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ آخر فائزہ پڑھنے کے بعد بھی تو سری نماز میں امام کی فراغت تک بیکار رہا۔ نہ پڑھ رہا ہے نہ سن رہا ہے۔ اسی طرح تشہد میں بھی مقتدی اکثر تشہد صلوة و دعا پڑھنے کے بعد بیکار ہی بیٹھا رہتا ہے۔ پھر سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اس مذہب کے حامی بن سے خدا پوچھئے۔ کہ فائزہ کب پڑھی جائے کہیں گے کہہ دیں۔ پوچھئے کہ ثبوت شریعت میں کہاں ہے تو اس کے جواب میں ان کی طرف سے مکمل خاموشی ہے حقیقت اس خیال کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک امام

کے لئے چارہ کتے ہیں۔ پہلا تکبیر سترہمہ کے بعد قرارت شروع ہونے تک دوسرا ولا الضالین کے بعد آمین کہنے سے پہلے۔ تیسرا آمین کے بعد مقتدی کو قرارت فائتہ کا موقع دینے کی غرض سے چوتھا قرارت ختم کرنے پر رکوع میں جانے سے پہلے حنفیہ کے نزدیک صرف پہلا سکتہ ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس میں اور جو اصولی و عقلی پیچیدگی ہے وہ سنئے کہ اول تو اس سکتہ میں اس قدر موقع ملنا دشوار کہ اس میں انسان فائتہ پڑھ سکے۔ پھر بخت البھن کلام کے لئے ان سکتوں میں ٹھہرنا مستحب گو یا وہ مختار ٹھہرے یا نہ ٹھہرے۔ وہ اس کے ترک پر گنہگار نہیں۔ اور مقتدی کے لئے قرارت فائتہ واجب وہ نہ پڑھے تو گنہگار۔ اگر امام نہ ٹھہرے تو مقتدی بچار کی بلا وجہ قرارت ملی اور وہ گناہگار ہو جس کا کوئی چارہ کار نہیں ۛ

باب نسخ التَّطْبِيقِ! تطبیق کے منسوخ ہونے

کا بیان!

حضرت سعد بن مالک کہتے ہیں کہ ہم تطبیق کیا کرتے تھے۔ پھر ہم کو حکم ہوا کہ رکوع میں گھٹنے پکڑیں ۛ

ابو حنیفہ عن ابی یحییٰ عن
حدثہ عن سعد بن مالک قال كنا نطبق
ثم اُمرنا بالركب ۛ

تشریح: تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہر دورانوں کے درمیان دبا لیا جائے پہلے رکوع میں یہ صورت تھی۔ پھر فرمان نبوی سے یہ صورت منسوخ ہو گئی اور رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنے کی سنت جاری ہوئی جواب تک پہلی آ رہی ہے۔ نسخ پر یہ حدیث بھی دال ہے۔ اور دوسری احادیث صحیحہ بھی۔ اور اسی پر علماء حنفیہ و دیگر علماء کا عمل ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ان کے تلامذہ تطبیق کے قائل ہیں۔ اس پر بعض مخالفین کو ان کے زعم پر ابو حنیفہؒ پر اچھی گرفت کا موقع ہانٹ آیا۔ کہنے لگے کیا خوب رفع یدین کے مسئلہ میں تو آپؐ تمام صحابہ کو چھوڑا اور ابن مسعود کا واسن پکڑا۔ اور یہاں ابن مسعود سے بھی اختلاف کیا۔ ذرا دیکھیں کہ امام صاحب کا یہ عمل قائل مذمت سے یا قابل تمسین۔ قابل گرفت ہے یا قابل داد۔ ترک رفع یدین میں ان کو ابن مسعود کی صحیح حدیث ملی۔ اور اس کے نسخ پر کوئی حدیث مرفوعہ موقوف۔ صحیح۔ ضعیف۔ مراحۃ و کنا یہ نہ ملی اس لئے وہ یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ ترک رفع یدین سنت نبویؐ ہے یہاں نسخ تطبیق کی صحیح احادیث پہنچیں تو وہ نسخ کے قائل ہوئے۔ اور یہ کہ تطبیق مسنون نہیں۔ بلکہ رکوع میں گھٹنوں کو پکڑنا مسنون ہے۔ پس صحیح احادیث اور صحیح سنت پر عمل کیا اور دوسرے کو بوجہ ضعف چھوڑ دیا ۛ

بَابُ الْأَمَامِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ

امام کا بیان جبکہ وہ سمع اللہ
لمن حمدہ کہے !

ابن ابی السبع بن طلحة قال
رايت ابا حنيفة يثايل عطاء عن الامام
اذا قال سمع الله لمن حمداه يقول ربنا
لك الحمد قال ما عليه ان يقول ذلك ثم راوى
عن ابن عمر صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم فلما
رفع رأسه من الركعة قال سمع الله لمن حمداه
فقال رجل ربنا لك الحمد حمدا كثيرا
طيبا مباركا فيه فلما انفروا النبي
صلى الله عليه وسلم قال من ذا
المتكبر بهذا قالها ثلث
مرات قال الرجل انا يا نبى الله
قال فوالذى بعثت بالحق لقد
رأيت بضعه وثلثين ملكا
يتنادون ايهما يكتبها لك و
اول من يرفعها

ابن ابی السبع نے فرمایا کہ میں ابو حنیفہ کو عطا
بن ابی رباح سے یہ پوچھنے دیکھا کہ امام جب
سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو کیا اس کے ساتھ ربنا
لک الحمد بھی ملائے؟ عطار نے کہا کہ اس کیلئے یہ
کہنا ضروری نہیں۔ پھر عطا نے ابن عمر سے یہ روایت
کی کہ نماز پڑھائی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب
انجناب نے رکوع سے سر اٹھایا۔ اور سمع اللہ لمن
حمدہ کہا۔ تو ایک آدمی نے دمقزیوں میں سے۔
ربنا لک الحمد حمد اکثیرا طیباً مبارکاً فیہ کہا۔ جب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناس سے فارغ ہوئے تو آپ
نے فرمایا کہ ان کلمات کو ادا کرنے والا کون تھا؟ میں بار
یہ سوال فرمایا کہ ایک شخص بولا یا نبی اللہ میں تھا اس
پر آپ نے فرمایا۔ قسم سے اس ذات کی جس نے مجھ کو
سجادین سے کریم بنا۔ اللہ میں نے دیکھا کچھ آدمی تھے
قرنوں کو جھپٹتے ہوئے کہ کون ان میں سے ان کو
دکلمات کو تیرے لئے لکھ لے اور سب سے پہلے
ان کو اٹھا لے جائے؟

تشریح ۱۔ اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ منفرد سمع اللہ بھی کہے اور
ربنا لک الحمد بھی اور اس پر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ مقتدی سمع اللہ نہ کہے۔ النبی امام کے متعلق ائمہ کا اختلاف
امام شافعی کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ امام دونوں کہے اور امام اعظم امام مالک و احمد کا مذہب یہ ہے کہ امام
صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث ابو ہریرہ سے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع
بین الذکین کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں وکروں کو جمع فرمایا کرتے اور امام صاحب کی دلیل یہ حدیث اور اس قسم
کی احادیث ہیں کہ مثلاً حدیث مذکورہ میں آنحضرت نے صرف سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت
عطا حدیث کے اسی مقام سے استدلال لاتے ہیں اور یہی موافق عقل و نقل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے امام و مقتدی دونوں کے عمل کو تقسیم فرما دیا۔ فرمایا اذ قال الامام سمع الله لمن حمده۔ قولوا ربناک الحمد کہ جب امام سمع اللہ کہنے تکبیر بنا لک الحمد کہو تو امام مقتدی کے کام میں کس طرح حصہ لے لے اور مقتدی امام کے کام میں کیسے حصہ لے۔ اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ انفرادی حالت پر دلالت کرتی ہے۔

بَابُ هَيْئَةِ السُّجُودِ

سجدہ کی حیثیت اور کیفیت

کا بیان !

ابو حنیفہ عن عامر عن ابیہ

عن وائل ابن جحی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکتیہ قبل یدیه واذا قام دفع یدیه قبل رکتیہ

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت ہاتھوں سے قبل اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو لے گھٹنوں سے قبل اٹھاتے۔

تشریح: ابو حنیفہ شافعی و احمد اس طرف گئے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھ اور اٹھتے وقت ہی ترتیب ہو جو حدیث میں بیان ہوئی اور انکی دلیل یہی ہے وائل بن حجر والی حدیث ہے اور امام مالک و زاعمی اس کے قائل ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ لگائیں ان کے پیش نظر ابو ہریرہ کی یہ مرفوع حدیث ہے اذا سجد احدکم فلا یدبرک کما یدبرک البعیر ویضع یدیه قبل رکتیہ کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ لگائے۔ ابو داؤد و اس کی روایت کرتے ہیں۔ یا ابن عمر کی موقوف حدیث کہ آپ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے۔ درست مسلک ائمہ ثلاثہ کا ہے کیونکہ وائل بن حجر کی حدیث ابو ہریرہ کی حدیث سے صحیح راجع اور واضح تر ہے۔ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ اس کے سلسلہ سند میں عبداللہ بن سعید بن المقبری ہے۔ جس کی روایت ابن خزیمہ نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے لیکن پھر ہم کو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے لگانے کا حکم دیا گیا۔ مزید براں حدیث ابو ہریرہ میں بڑی گڑبڑ ہے کہ اس کا دل کا حصہ سے متعارض ہے کیونکہ جب ہاتھ پہلے رکھے اور گھٹنے بعد میں تو اونٹ کی بیٹھک کی نقل ہوئی۔ حالانکہ ابتداء میں اس سے ممانعت ہے۔

ابن الہمام کہتے ہیں کہ حضرت وائل کی حدیث میں آیا ہے اذا خفض اعنق علی فخذیہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رانوں کا سہارا لیتے اور ابن عباس سے مروی ہو کہ آنجناب نے نماز میں گھٹنے وقت ہاتھوں سے سہارا لے کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اب نبی سے مروی ہے کہ آپ زمین پر ٹیک دے کر اٹھتے تھے تو اسے آپ کے بڑھاپے پر عمل کرنا چاہیے جو شاید محض جواز تانے کی غرض سے آنجناب کا یہ عمل ہو۔

ابو حنیفہ عن طاؤس عن ابن

عباس او غیل عن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عباس یا اور کسی صحابی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی گئی۔ کہ آپ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں یعنی پیشانی پر دو

ان یسجد علی سبعة اعظم

ہاتھ ہر دو گھٹنے اور ہر دو پاؤں

تشریح :- ایک متفق علیہ حدیث میں ہے امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجہتہ والیدین والرکتیہ واطراف القدمین کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سجدہ سات ہڈیوں پشانی دونوں ہاتھ - دونوں گھٹنوں اور ہر دو قدم کے اطراف پر کروں اسی حدیث کے پیش نظر امام شافعی کے نزدیک سجدہ میں ان تمام اعضاء کا زمین پر رکھنا فرض ہے اور امرت کے لفظ سے دلیل لی ہے - ہدایہ میں ہے و رفع الیدین والرکتین سبعة عندنا کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے - مطلب یہ کہ فرض و واجب نہیں ہے - فرض اسلئے نہیں کہ نص قطعی میں مطلق سجدہ کا حکم ہے خبر واحد سے اس پر زیادتی جائز نہیں واجب اسلئے نہیں کہ نبی صلعم نے اعرابی کو جو واجبات بتلائی ان میں ان اعضاء کا ذکر نہیں ہے - اسلئے لامحالہ امرت کا لفظ مذہب پر دلالت کرتا ہے نہ فرضیت و وجوب پر

ابو حنیفہ عن ابی سفیان عن

ابی نفیثۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانسان یسجد علی سبعة اعظم جہتہ ویدایہ ورکتیہ ومقدم قدمیہ واذا سجد احدکم فلیضع کل عضو موضعہ واذا رکع فلا یجد تم قد بصر الحکام

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ فرمایا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے - پشانی - دونوں ہاتھ - دونوں گھٹنے اور پاؤں کی انگلیوں کے سروں پر اور جب سجدہ کرے تم میں سے کوئی تو ہر عضو و مذکور کو اسکی اپنی جگہ پر رکھے - اور جب رکوع کرے تو سر جھکا کر گرنے کی طرح نہ جھک جائے

تشریح :- اس حدیث میں سجدہ کے ساتھ ساتھ رکوع کی کیفیت کی بھی وضاحت ہے کہ رکوع میں سر اٹھا ہوا نہ ہو اور نہ جھکا ہوا ہو - بلکہ پیٹھ کے برابر رہنا چاہئے - کیونکہ جب سر پیٹھ سے جھکے گا - تو پشت میں خم پیدا ہوگا - اور پھیلاؤ اور برابری باقی نہیں رہے گی - بلکہ کوبان کی شکل پیدا ہو جائے گی - اور یہ آنحضرت کے فرمان کے خلاف ہوگا اور یہ ممنوع ہے - چنانچہ ابن ماجہ ابن معبد سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جب آپ رکوع کرتے تو پیٹھ برابر رکھتے - یہاں تک کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو بھٹک جاتا

ابو حنیفہ عن ابی سفیان عن

ابی نفیثۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد احدکم فلا یجد رجلیہ فان الانسان یسجد علی سبعة اعظم جہتہ ویدایہ ورکتیہ ورجلیہ

حضرت ابو نصر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اپنے پر کونہ اٹھائے - کیونکہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے - یعنی پشانی - دونوں ہاتھ - دونوں گھٹنے اور دونوں پیر کی ہڈیوں پر

اور ایک اور روایت یوں ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنی پیٹھ نہ پھیلائے -

فمن سجد اذا سجد احدکم فلا یجد رجلیہ

وفي رواية قال نبي رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان يمد الرجل
صليبه في سجوده :

اور ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے انسان کو سجدہ میں اپنی پیٹھ پھیلی
مردنی رکھنے سے منع فرمایا ہے :

تشریح :- گزشتہ حدیث کے مفہوم میں دیکھ لیا جائے ۔
ابو حنیفہ عن عکرمۃ عن ابن عباس

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرت ان
اسجد على سبعة اعظم ولا كف شعرا ولا ثوبا :

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں
سجدہ کروں سات بڑیوں پر اور نہ بالوں اور کپڑوں کو
نہ سیدھوں :

تشریح :- اس حدیث میں بھی سجدہ کا بیان ہے مگر یہ مسلم مزید ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت انسان آگے بچھے سے
بالوں اور کپڑوں کو نہ پھیٹے یہ حکم آئین چڑھانے کو بھی شامل ہے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت کپڑوں کو اٹھاتے
ہیں ۔ کبھی آئین چڑھاتے ہیں یہ عمل ادب نماز اور خشوع و خضوع کے خلاف ہے ۔ نماز کی حسن و خوبی
خشوع و خضوع میں ہے اور اس کے سارے مستحسن اثرات اسی پر مدار رکھتے ہیں بلکہ نماز پر فلاح و کامرانی
کا وعدہ اسی خضوع و خشوع کے سبب ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا ۔ قد افقم المؤمنون الذين هم في صلوٰتهم خاشعون
یعنی وہ مسلمان کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں :

ابو حنیفہ عن جبلة بن جبر عن

عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من صلي فلا يفترش ذراعيه افتراشا للكلب :

عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھے وہ سجدہ میں
اپنے بازو کتے کی طرح (زمین پر) نہ پھلے :

تشریح :- یہ حدیث صحاح میں بہ اختلاف الفاظ وارد ہے ۔ یہاں اس حضرت نے کتے کی طرح نشت
کی مثال دی ہے ۔ اور دوسری جگہ درندے کے ساتھ مبیہا کہ ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں ہے کہ انھوں نے
منع فرمایا کہ کتے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے اور درندے کی طرح بازو پھیلانے سے اور اونٹ کی
طرح سجدہ کی کسی خاص جگہ کو نماز کے لئے مخصوص کرنے سے :

صبح کی نماز میں دعاء قنوت
پڑھنے کا بیان !

بَابُ الْقُنُوتِ فِي
الْفَجْرِ !

ابو حنیفہ عن حماد عن ابن ابيهم عن

علقمة عن ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم
لما يقنت في الفجر قط الا شهر واحد العير
قبل ذلك ولا بعد الا يد عوا على فاس
من المشركين :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت
کبھی نہیں پڑھی مگر ایک ماہ نہ اس سے پہلے آپ کو پڑھتے
تھو دیکھا گیا ۔ نہ اس کے بعد آپ اس دعائے قنوت میں
چند مشرکین کے حق میں بددعا دیا کرتے تھے :

تشریح :- یہ وہ بدکردار مشرکین تھے جنہوں نے معاہدہ کر کے رسول اللہ کو فریب دیا اور یا آنحضرت کے چند تار بیلوں کو دھوکے سے لے جا کر بے رومی و سفاکی سے شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتنا شدید رنج ہوا کہ آپ ایسے بدکردار لوگوں کو دعائے قنوت میں بددعا فرمانے لگے خود سوچے کہ یہ کتنی بڑی بے رومی تھی اور کس قدر بد عہدی کہ دھوکے سے چند تھمتے تار بیلوں کو شہید کر دیا اسی وجہ سے آپ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت میں مشرکین کے لئے بددعا فرمائی۔

اس حدیث میں مسئلہ دعائے قنوت کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام اعظم احمد اور امام شافعی و مالک کے درمیان اختلافی امر ہے۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک دعائے قنوت فجر میں پڑھنا سنت ہے اور امام اعظم و احمد کے نزدیک وتر میں یہ کہتے ہیں کہ دعائے قنوت ایک وقتی چیز تھی۔ جو خاص حالات کی وجہ سے شروع ہوئی۔ اور صرف ایک ماہ کے بعد ختم ہو گئی۔ یہ انجناب کا دوامی عمل نہیں کہ سنت مستمرہ کی جگہ لے۔ امام شافعی و مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو دارقطنی وغیرہ ابی جعفر رازی کے واسطے سے حضرت انس سے لائے ہیں ماذال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا۔ کہ آنحضرت نماز فجر میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کے وصال فرمایا۔

دوسری حدیث جسے امام بخاری ابی ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تم سے زیادہ قریب ہوں اور ابوسریرہ نماز فجر کی رکعت ثانیہ میں سمع اللہ کے بعد دعا کرتے مومنین کے حق میں اور لعنت بھیجتے کفار پر۔ ابی ابوسریرہ کی خدمت جس کے سلسلہ سناو میں عبد اللہ بن سعید المقبری سے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دوسری رکعت میں کوع سے سرٹھانے کے بعد دعائے قنوت پڑھا کرتے۔ پس یہ گویا ان دلائل میں جس سے وہ دعائے قنوت کو فجر کی نماز میں سنت قرار دیتے ہیں امام اعظم کی پہلی دلیل یہی حدیث ہے حدیث عبد اللہ بن مسعود ہے جو ثابت کرتی ہے کہ فجر کی دعائے قنوت نازلہ کی شکل میں تھی۔ جس پر ایک ماہ عمل رہا اور پھر کبھی نہیں۔ یہی حدیث ابن ابی شیبہ۔ بنارہ۔ طبرانی وغیرہ لائے ہیں۔ پہلے ابن مسعود کی شخصیت ایسی ہے جن پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے۔ نیز یہ وہ عظیم صحابی ہیں جو دربار رسالت کے خدام میں ممتاز شخصیت کے حامل ہیں۔ ہر وقت کی رفاقت و معیت کا فخر ان کو حاصل ہے۔

پھر یہ باخبر کیا ان کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت لزوم کے ساتھ پڑھی جاتی اور یہ اس سے بے خبر ہونے۔ مسلسل اس پر عمل ہوتا اور انہیں خبر بھی نہ ہوتی یہ ناممکن خیال ہے۔ دوسری دلیل ابن عمر کی حدیث ہے جو بیہقی وغیرہ لائے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے نماز فجر ابن عمر کے ہمراہ پڑھی انہوں نے دعائے قنوت میں نے کہا آپ دعائے قنوت نہیں پڑھتے۔ کیا خوب کوئی ایسی چیز ہے جو کسی کو یاد نہ رہی۔ ذہبی آخر گمراہ شیخ ابن عمر کا اسے بھول جانا محالات میں سے ہے جو صحبت نبوی سے کسی جدا نہ ہوئے اور جو سنت نبوی ایسے کار بند تھے کہ ان کے بارہ میں کسی سنت کے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ اکبر جب گھر جاتے ہیں تو گھر اگر عجیب طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ انہوں کو بھی ہنسی آتی

ہے۔ ابن ابی شیبہ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ عمرؓ فجر میں قنوت نہ پڑھتے۔ شعبی نے کہا کہ عبداللہ قنوت نہ پڑھتے۔ اگر عمر پڑھتے تو یہ بھی پڑھتے۔ ابن ابی شیبہ نے کہا ابو بکر۔ عمر۔ عثمان قنوت نہ پڑھتے۔ محمد بن حسن اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں دو سال عمرؓ کے ہمراہ رہا۔ میں نے ان کو فجر میں قنوت پڑھتے نہ دیکھا۔ ابن ابی شیبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دشمن کے ضرر کے دفع کے لئے حضرت علیؓ نے نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی۔ تو مقتدیوں نے اس پر تعجب کیا۔ گویا یہ نئی بات تھی۔ ان کے تعجب پر آپؓ نے فرمایا کہ ہم دشمن پر مدد چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قنوت نازلہ تھی۔ اگر ہمیشہ پڑھی جاتے والی ہوتی تو صحابہ اس پر تعجب کیوں کرتے۔ اس دلیل کے بعد ایک اور دلیل بھی لیجئے جو امام اعظم کے عمل کو تقویت دیتی ہے۔

کہ ابی مالک سعد بن طارق اشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضورؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی آپؐ نے قنوت پڑھی اسی طرح ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کے اقتداء میں نماز پڑھی لیکن ان میں کسی نے بھی دعائے قنوت نہ پڑھی۔ پھر کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ اس کو لائے ہیں۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ اب تو کوئی شک باقی نہ رہا۔ لہذا ان تمام آثار و اخبار کو دیکھ کر مذہب ابو حنیفہؒ ہی حق معلوم ہوتا ہے۔ اب رہا مخالفین کا استدلال تو ذرا اسے ملاحظہ فرمائیں۔ ان کی دلیل حضرت انسؓ کی حدیث ہے۔ جس میں ابی جعفر رازیؒ ہے جس کے بارہ میں ناقدین کے خیالات سنئے۔ آخر یہ سب کے راویوں کو پرکھیں ان کے راوی کو کوئی نہ پرکھے ابن معین نے کہا تخیلی خطا کرتا تھا۔ احمد نے کہا قوی نہیں۔ ابو زرہؓ نے کہا اس کو وہم ہو جاتا تھا۔ ابن حبانؓ نے کہا کہ یہ منکر حدیثیں لایا کرتا تھا۔ پھر اس کی تردید میں طبرانیؒ کی یہ حدیث ہے جس کو وہ غالب بن فرقہ اطمینان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں دو ماہ انسؓ کے پاس رہا۔ آپؓ نے فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھی۔ اسی طرح خلیب انسؓ سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے مگر جبکہ آپؐ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بدعا کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ تھی جو آپؐ نے کبھی پڑھی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں ابو ہریرہؓ سے بدعتی مفسر ہی ہوا بھی باقی میں معلوم ہوا کہ اکثر کے نزدیک قابل حجت نہیں اس کی تردید بھی ابن حبانؓ کی حدیث کشاکش ہو رہی ہے موی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقنت فی صلوٰۃ الصبح الا ان یدعو فقوم او علی قوم کہ آپؐ نماز فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے۔ مگر جبکہ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بدعا۔ صاف الفاظ میں پتہ چلا کہ یہ قنوت نازلہ تھی۔ جس کی روایت ابو ہریرہؓ کر رہے ہیں۔ یہی جواب ہے بخاریؒ کی حدیث کا۔ مزید براں مسلم ترمذی وغیرہ میں صبح کی نماز کے ساتھ مغرب کا بھی ذکر ہے۔ اور مغرب میں تو منافقین بھی قنوت ستمہ نہیں پڑھتے تو لا محالہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہر دو نمازوں میں اس کو قنوت نازلہ پر محمول کریں۔ ورنہ پھر مغرب کی نماز میں بھی قنوت سر آتی ہے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہماری احادیث اپنے معنی و مطلب کے لئے نہایت صریح اور واضح ہیں۔ بخلاف ان کی احادیث کے کہ قنوت نازلہ پر بھی ان کا حمل ہو سکتا ہے اور قنوت مہینی قیام طویل پر بھی جو شریعت میں بالکل عام ہے۔ جیسا کہ فرمایا افضل الصلوٰۃ طول القنوت کہ نماز کی تمام تر فضیلت قنوت و قیام کی درازی میں ہے۔ اور صبح کی نماز تو ہر حال تمام نمازوں

میں قیام کے اعتبار سے ورازو لمبی ہوتی رہی ہے۔ اب رہا قنوت نازلہ کا مسئلہ سواب بھی شرعاً جاری ہے۔ یا منوچ ہو چکی۔ تو خلف کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا ہے۔ چنانچہ ابو بکر صدیقؓ نے نماز کے وقت دعائے قنوت پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی پڑھی۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کے خلاف میں اور حضرت معاویہ نے حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی میں قنوت نازلہ پڑھی۔

ابو حنیفہ عن عطیة عن ابی سعید

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لم یقنّت الا اربعین یوماً یدعو علی عصبیہ و ذکوان ثمر لم یقنّت الی ان مات :

ابن سعید خدریؒ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نہیں پڑھی۔ مگر چالیس دن دعا کرتے تھے (اس میں) آپ قبلہ عصبیہ و ذکوان پر پھر آپ نے وفات تک قنوت نہیں پڑھی :

تشریح :- اس حدیث کا مضمون گذشتہ اوراق میں گزر چکا مفہوم و شرح بھی وہیں دیکھ لی جائے اور اس میں ایک لفظ زیادہ ہے۔ چالیس دن تو مطلب یہ ہوا کہ چالیس دن قنوت پڑھی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دفع دشمن و بلا کے لئے قنوت چالیس دن پڑھے۔

باب صفة الجورح التثجد

ابو حنیفہ عن عامر عن ابیہ عن وائل بن جعد قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الصلوة افجع رجلہ الیسری و تعد علیہا و نصب راحلہ الیمنی :

تشریح میں بیٹھنے کی حالت کیا ہے؟

حضرت وائل بن جعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی التحیات میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں پھیلا اور اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے :

تشریح :- اس حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ تشریح میں کس طرح بیٹھنا سنت ہے امام اعظمؒ ہر دو التحیات میں افراش کو سنت قرار دیتے ہیں یعنی بائیں پر بیٹھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں کو کھڑا رکھنا امام شافعیؒ پہلے تشریح میں امام مالکؒ ہر دو تشریح میں تورک کے قائل ہیں۔ اور دوسرے ہیں تورک سرین پر بیٹھنے کو (مسنون مانتے ہیں۔ امام مالکؒ ہر دو تشریح میں تورک کے قائل ہیں۔ امام احمد ایک تشریح والی نماز میں امام ابو حنیفہؒ کے ہم نوا ہیں اور دو تشریح والی میں امام شافعیؒ کے ہمراہ۔ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی ترجمانی خود یہ حدیث کہہ کر ہے کہ نماز میں بوقت تشریح پاؤں پھیلا کر اس پر بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھے۔ حضرت وائلؒ ہی کی حدیث کو ترمذی بھی لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھی تو آپ التحیات میں جب بیٹھتے تو الٹا پاؤں پھیلاتے۔ اور الٹا ہاتھ الٹی راہ پر رکھتے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھتے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث جو مسلم ابی الحوزار کے واسطے سے لائے ہیں وہ بھی امام ابو حنیفہؒ کی تائید کرتی ہے کہ آپ فرمائی ہیں۔ کان یقلش رجلاً الیسری و ینصب جلہ الیمنی کہ آنجناب بائیں پاؤں پھیلاتے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھ لیتے۔ مزید برآں احمد رفاع بن رافع سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب تو بیٹھے (تشریح میں) تو بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

نسائی ابن عمر کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا من سنة الصلوة ان ينصب القدم اليمنى ويستقبل
باصابعها القبلة ويجلس على اليسرى کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ سیدھا قدم کھڑا رکھے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ
رخ اور اٹھے قدم پر بیٹھے۔ یہ قول بھی امام صاحب ہی کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔ اب جن احادیث
میں تو رک آیا ہے ان کو کبرسنی اور بڑا پسے کی حالت پر محمول کریں گے۔ کیونکہ سنت تو پچھلی احادیث صحیحہ
مقرر ہو چکی۔ جن میں تشہد اولیٰ یا ثانیہ کی کوئی قید نہیں۔ اب چونکہ دوسرے تشہد میں زیادہ دیر بیٹھنا پڑتا ہے
اس لئے اس میں مراعات قرین مصلحت ہے اور سہولت قرین قیاس۔ امام شافعی حدیث ابی حمید ماعدی
سے دلیل لاتے ہیں جو ترمذی لائے ہیں اور جہاں حضرت ابی حمید کی حدیث کا حوالہ دیا ہے وہاں کہتے ہیں۔
وبہ يقول بعض اهل العلم۔ کہ بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ اس سے مسلک امام اعظم کو ترجیح ہوتی ہے۔

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر
انه مثل كيف كن النساء يصليين على عهد
رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كن
يتربعن ثم امرن ان يجتفرن
تشریح :- اس حدیث سے متواتر کے التبیات میں بیٹھنے کی ہدیت کی وضاحت بھی ہو گئی اور یہ
فصل ستر پوشی کی حامل ہے۔

تشہد کا بیان !

حضرت برادر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو
تشہد اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سوزہ سکھایا
کرتے تھے :

تشریح :- اس سے معلوم ہوا۔ کہ تشہد کا سیکھنا کتنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ نماز کے واجبات کو
ایسے اہتمام سے سیکھا یا اور سیکھا جائے جیسے قرآن سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ صلوٰۃ کی تعلیم فرمائی۔ یعنی
تشہد کی :

تشریح :- یہ حدیث بھی تشہد کی تعلیم کی اہمیت پر والی ہے تشہد کو خطبہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم جب نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو تشہد میں
کہتے السلام علی اللہ :

باب فی التشہد

ابو حنیفہ عن ابی اسحاق عن البراء
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعلمنا التشہد كما یعلم السورة
من القرآن :

تشریح :- اس سے معلوم ہوا۔ کہ تشہد کا سیکھنا کتنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ نماز کے واجبات کو
ایسے اہتمام سے سیکھا یا اور سیکھا جائے جیسے قرآن سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن
ابی داؤد شفیق بن سلمۃ عن عبد اللہ بن مسعود
قال کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
نقول السلام علی اللہ :-

وفی رواية زیادة من عبادة
السلام علی جبریل ومیکائیل
فأقبل علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ هو
السلام فإذ تشهد أحدکم فلیقل التحیات لله والصلوات
والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمة وبرکاتہ السلام
علینا وعلی عباد اللہ الصالحین أشهد ان لا اله الا اللہ
وأشهد ان محمدا عبدا ورسولا : وفی رواية انهم
كانوا یقولون السلام علی اللہ السلام علی جبریل
السلام علی رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تقولوا السلام علی اللہ ولكن قولوا التحیات
لله والصلوات والطیبات الی اخر التمشہد -
وفی رواية ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علمہم التحیات الی اخر التمشہد -
وفی رواية علمنا -

وفی رواية قال کنا اذا صلینا مع النبی
صلی اللہ علیہ وسلم نقول اذا جلسنا فی اخر
الصلوة - السلام علی اللہ السلام علی رسول
اللہ وعلی ملائکة رسلہم من الملائکة فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا کذا
وقولوا التحیات لله والصلوات والطیبات :

تشریح :- تشہد کے الفاظ میں کچھ اوپر مختلف صحابہ سے منقول ہیں۔ اس بارہ میں ائمہ کا بھی اختلاف
ہے۔ امام ابو حنیفہ تشہد عبد اللہ بن مسعود کو امام شافعی تشہد ابن عباس کو اور امام مالک تشہد عمر کو اختیار
کرتے ہیں۔ تشہد ابن مسعود کئی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔ ائمہ حدیث اس کی تصحیح پر متفق المرے ہیں۔
ترمذی نے کہا کہ تشہد میں یہ صحیح ترین حدیث ہے اور کہا کہ اکثر اہل علم صحابہ و تابعین کا عمل اسی پر ہے۔ بزار نے
کہا کہ میرے نزدیک تشہد میں صحیح ترین حدیث حدیث عبد اللہ بن مسعود ہے۔ مسلم نے کہا کہ لوگوں نے کہا۔
عبد اللہ بن مسعود کے تشہد پر اجماع کیا ہے اور ان کے علاوہ اس میں مختلف نہیں بر خلاف دوسرے تشہدوں
کے طبرانی نے کہا ہے کہ اس سے اچھی حدیث تشہد میں میں نے نہیں سنی :

دوسرے چند صحابہ بھی اسی تشہد ابن مسعود کے ساتھ موافقت فرماتے ہیں مثلاً ابو بکر صدیق اور حضرت
معاویہ وغیرہ پھر اس تشہد کی تعلیم میں وثوق و تاکید بہت برتی گئی ہے۔ حماد نے ابو حنیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اس

کی تعلیم دی اور حماد کا ہاتھ پکڑ کر ابراہیم نے اور ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر علقمہ کا ہاتھ پکڑ کر ابن مسعود نے اور ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر نبی صلعم نے اس کی تلقین فرمائی غرض بس سے کچھ اور پر قوی اسناد الہی ہیں جن کی پیش نظر تشہد ابن مسعود ہی قابل قبول ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سلام پھیرتے اسلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک دکھائی دیتا اور بائیں جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی کہتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ گردن پھرتے ہوئے بجا کر بجا کر کے دائیں رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی اور بائیں جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی ہوتا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ سلام پھیرتے وقت گردن اس قدر پھرنی چاہیے کہ رخسار دکھائی دے اس حدیث کی پیش نظر یہ مسئلہ حل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تھے۔ دائیں بائیں طرف دو سلام۔

تشریح: اس مسئلے پر تقریباً اتفاق ہے صرف امام مالک کو اس سے اختلاف ہے انکے نزدیک ایک سلام ہے وہ حدیث عائشہ کو پیش نظر رکھتے ہیں جس میں سے کان یسلم فی الصلوۃ بتسلیمۃ کہ آپ نماز میں ایک سلام پھیرا کرتے۔ احسان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا صحیح حال جس قدر مردوں کو معلوم ہے اس قدر عورتوں کو نہیں اور مردوں کی تمام روایات دو سلام پر ہی دلالت کرتی ہیں۔

باب ۵۱ - امام کا نماز مختصر پڑھنا

ابراہیم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود نے ابو موسیٰ اور حذیفہ اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکان میں جمع ہوئے نماز کے لئے امامت کی گئی تب غصے صاحب خانہ سے کہا۔ جناب امامت کیلئے آپ آگے بڑھئے۔ انہوں نے انکار کیا اور عبد اللہ بن مسعود سے کہا اے اباعبدالرحمن آپ آگے بڑھئے یعنی امام بنئے چنانچہ وہ آگے بڑھے اور مختصر پڑھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ساتھیوں نے کہا کہ ابو عبد الرحمن نے رسول اللہ صلعم کی نماز کو خوب یاد کیا ہے یعنی قرأت میں مختصر مگر رکوع اور سجود میں مکمل۔

تشریح: اس حدیث میں کئی مسائل ہیں۔ اول یہ کہ مقتدیوں کی رعایت سے آنحضرت خود بھی مختصر اور طویل نماز پڑھتے جس کی

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم عن یمنہ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ حتی یرى شق وجهہ وعن یسارہ مثل ذلک وفي رواية حتی یرى بیاض خدۃ الایمن و عن شمالہ مثل ذلک

تشریح: معلوم ہوا کہ سلام پھیرتے وقت گردن اس قدر پھرنی چاہیے کہ رخسار دکھائی دے اس حدیث کی پیش نظر یہ مسئلہ حل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تھے۔ دائیں بائیں طرف دو سلام۔

باب ۵۲ - تخفیف امام الصلوۃ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم قال کان عبد اللہ بن مسعود و حذیفہ و ابو موسیٰ و غیرہم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتمعوا فی منزل فاقیمت الصلوۃ فجعلا یقولون تقدم یا فلان لفلان المنزل فابی فقال تقدم انت یا اباعبدالرحمن فقد فصلی الصلوۃ خفیفة و جلیزة انتم التکوع و السجود فلما انصرف قال القوم لقد حفظ ابو عبد الرحمن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نقل ابن مسعود نے اتاری اور اصحاب کو بھی اسی کی ہدایت پر زور اور تاکید الفاظ میں فرماتے۔ ایسی نماز پڑھانے پر سخت ناراض ہوتے جو مقتدیوں پر بھاری ہو اور جس سے لوگ اکتا جائیں۔ جس کی وجہ سے لوگ باجماعت نماز پڑھنے سے جی ہرائیں۔ چنانچہ حضرت ابی مسعود انصاری سے ابن ماجہ وغیرہ اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ ایک شخص آنجناب کی خدمت میں آیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ میں فلاں شخص کی وجہ سے نماز فجر کی جماعت میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دن کی ملاوہ میں نے آنجناب کو نصیحت کرتے وقت کبھی اس قدر ناراض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو نماز سے نفرت دلاتے ہو۔ تم میں جو بھی نماز پڑھتا ہے وہ لمبی نماز پڑھتا ہے۔ کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بوڑھے اور عاجز بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح آنجناب نے ایک بار لمبی نماز پڑھانے پر حضرت معاذ بن جبلؓ کو بہت تنبیہ کی۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ گھر میں دیگر جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ مگر امامت کے لئے ابن مسعودؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ کیونکہ امامت کے لئے شرعاً توقع واقعی موزوں ہے۔ گو یہ تمام حاضرین نے آپ کو واقعہ واقعی جانتا کہ امامت کا شرف آپ کو عطا کیا گیا اس واقعہ سے ابن مسعود کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ خلفائے اربعہ کے بعد فقہ میں آپ ہی سب سے مقدم تھے۔ اسی واقعہ سے اس کی بھی ہدایت ملی کہ مقتدیوں کی رعایت سے گو نماز کی قرأت مختصر ہو مگر ارکان نماز کی ادائیگی میں عملیت سے کام نہ لیا جائے بلکہ حسب ہدایت شرع وہ نہایت سکون طمانیت و وقار سے ادا کئے جائیں۔ اسی لئے حدیث ذیل میں صلوٰۃ خفیفہ کے ساتھ اتم التوکل والستجود کے الفاظ ہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْحَمِيرِ

چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان !

الْوَحِيْفَةُ عَنْ ابْنِ سَعْيَانَ عَنْ

جَابِرٍ عَنْ ابْنِ سَعْدٍ اَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَهُ يَمْشِي عَلَى حَمِيرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ

حضرت ابی سعید سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو چٹائی پر نماز پڑھتے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین پر کوئی فرش وغیرہ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔ خواہ وہ فرش زمین پر لگنے والی شے سے بنا ہوا ہو یا نہیں۔ یہاں بعض اصحاب کا مقولہ اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین پر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ اس سے مقصد نماز کا خشوع و خضوع اور عاجزی ہے اور ان کا اظہار جس قدر زمین پر ہوتا ہے کسی دوسری شے پر نہیں۔ ترمذی باب ۔ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْحَمِيرِ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ زیادہ تر اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ الا ان قومًا من اهل العلم اختاروا الصلوة على الارض استحبابًا یعنی بعض اہل علم نے زمین پر نماز پڑھنے کو منتخب کیا ہے۔ نووی نے بھی اس سلسلہ میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ اگر جائے نماز جس ارض سے نہ ہو تو نماز میں پراہ فضل ہے لان الصلوة سواها التواضع کیونکہ نماز میں تواضع و فروتنی ہے۔

باب ۵۳ صَلَوةُ الْمُرِيضِ

ابو حنیفہ عن عطاء بن ابی عیسیٰ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی قاعدا وقائما
ومختبئا

تشریح: حسب غرض الرض میں یا نفلوں میں یہ صورتیں جائز ہیں۔

ابو حنیفہ عن ابی سفیان عن الحسن

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی
مختبئا من رمد کان بعینه

تشریح: اس حدیث سے غرض کی ایک شکل ظاہر ہوئی۔

محمد بن بکیر قاضی الدامغان

قال کتبت الی ابی حنیفہ فی المریض اذا
ذهب عقله کیف یعمل بہ فی وقت الصلوة
نکتب الی یحبر فی عن محمد بن المنکدر
عن جابر بن عبد اللہ قال مرضت فعاد فی
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعه ابوبکر
وعمر وقد اعنی علی فی مرضی وجاءت
الصلوة فتوضأ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم وصبت علی من وضوئہ
فانفت فتال کیف انت یا جابر
ثم قال صلی ما استطعت ولو ان
توضی

باب ۵۴ مریض کی نماز

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
بیٹھ کر نیز کھڑے ہو کر اور گویا ہاتھ مار کر نماز پڑھتے تھے

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ دکھنے کے باعث گوث
مار کر نماز پڑھائی

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ کو لکھا کہ جب
بیمار کی عقل جاتی ہے تو وہ نماز کے وقت کیا کرے
تو انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا۔ محمد بن المنکدر
سے روایت کرتے ہوئے کہ جابر بن عبد اللہ
نے کہا کہ (ایک مرتبہ) میں بیمار پڑا اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر کیساتھ میری بیمار
پر سی کو تشریف لائے اور بیماری میں مجھ پر ہوشی
طاری تھی۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو میں ہوش
میں آیا۔ آپ نے فرمایا جابر تمہارا کیا حال ہے پھر فرمایا نماز
پڑھو جب تک طاقت ہو اگرچہ اشارہ کرتے
جاؤ

تشریح: اس سے مسئلہ نکلتا ہے کہ بیمار کسی حال میں نماز ترک کرے۔ خواہ کھڑے ہو کر پڑھے۔
خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر یا سر کے اشارہ سے۔ اس بارے میں حضرت جابر حضرت علی اور حضرت ابن عمر
سے مرفوع و موقوف احادیث مروی ہیں۔ جو جب تک ذرا سی بھی طاقت ہو نماز نہ چھوڑنے پر تاکید ہے

ابو حنیفہ عن حماد عن

ابراہیم عن علقمة عن عائشة أم
المؤمنین قالت لما اعنی علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال مَرُوا أَبَا بَكْرٍ

حضرت ام المؤمنین عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی تو آپ نے فرمایا ابو بکر
سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ نے عرض کیا کہ
ابو بکر ایک یقیناً قلب دی ہیں و لا اضطرب کے وقت

فليصل بالناس فقل ان ابا بكر رجل
حصو وهو بنفسه يكره ان يقوم مقامك
قال افعلوا ما امركم به :

قراعت سے فاصر رہتے ہیں اور وہ خود اس کو ناپند
کرتے ہیں کہ آپ کی جگہ وہ کھڑے ہوں۔ آپ نے
دبھر فرمایا جیسا میں تم سے کہتا ہوں ویسا کرو :

تشریح :- اس حدیث میں حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت و برتری ہے کیوں کہ امور دینیہ میں ہر حیثیت
سے آپ ہی کو فوقیت اور برکت حاصل ہے چنانچہ خود جناب سرور کائنات کی زبانی امامت صغریٰ کے لئے آپ کا
انتخاب ہوا کیونکہ امامت کے لئے علم و تفقہ اور تقویٰ میں چوٹی کے آدمی کا انتخاب ہوتا ہے۔ نماز چونکہ دین کی
بنیاد ہے اس لئے گویا صرف امامت کا ہی منصب آپ کو عطا نہیں ہوا بلکہ پورے دین و مذہب کی سرداری آپ کو حاصل ہوئی
یہ حضرت صدیق کی زندگی کا وہ منصب جس پر آپ کو جس قدر فخر ہے کم ہے یہ حدیث شیعہ رافضیہ کے عقیدہ پر ایک ضرب ہے۔
وہ آپ کے مرتبہ کو گھٹاتے ہیں۔ اور آپ کی فضیلت میں شک کرتے ہیں۔ پھر ان کا شک بالکل بے جا ہے۔
اور خود حضرت علی بوقت انتخاب ان کی فضیلت کا اعتراف فرماتے ہیں کیف لا فوثرک علینا فی امر دیننا
نا وقد ائثرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا فی امر دیننا کہ دینی امر میں ہم ان کو اپنا خلیفہ کیوں نہ کہیں جبکہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی امر میں ان کو ہماری پیشوائی کے لئے منتخب کیا۔ انہیں روایات کے پیش نظر اہل
سنت خلفاء اربعہ کی ترتیب کو حق جانتے ہیں :

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم
من علقۃ عن عائشۃ ام المؤمنین
قالت لما اُغنی علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال مروا ابا بکر فليصل
بالناس فقل له یا رسول اللہ ان ابا بکر
رجل حصو وهو یکرہ ان یقوم مقامک
فقال مروا ابا بکر فليصل بالناس
یا مہجبات یوسف وکرو :

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم پر عیشی طاری ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا
کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ کے
عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ابو بکر تین دنوں سے بیمار ہیں
انہیں یہ بات ناپسند ہے۔ کہ آپ کی جگہ کھڑے
ہوں۔ آپ نے فرمایا اے یوسف کی قسم شیعہ
ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور مکرر
ارشاد فرمایا :

تشریح :- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرنے والی یہ حدیث اور اس کی
تشریح گزر چکی ہے اگر زیادہ تفصیل کی طلب ہے تو ہمارے شریف و کچھ لیجائے۔ یہ حدیث تفصیل سے مابین
نے کئی ابواب کے تحت بیان کی ہے۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم
عن الاسود عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم لما مرض المرفض الذی
قبض فیہ خف من الوجع فلما حضرت
الصلوۃ قال لعائشۃ مروی ابا بکر فليصل

عائشہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب
اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوا
اس درد میں شدت کے باعث آپ بہت کمزور
ہو گئے تھے نماز کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عائشہ
فرمایا ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ نے

بِالنَّاسِ فَأَرْسَلْتُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْصِيَ بِالنَّاسِ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهَا ابْنِي شَيْخَ كَبِيرٍ رَقِيقٌ دَانِي مَتْنِي لَا أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَقَامِهِ أَرْقَى لَذَلِكَ فَأَجْتَمَعِي أَنْتِ وَحَفْصَةُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُرْسِلُ إِلَى عُمَرَ فَيَقُولُ بِهِمْ فَفَعَلْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتِ مَوَاحِبُ يُوسُفَ مَرْيَ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ فَيَقُولُ بِالنَّاسِ فَلَمَّا نَزَلْتُ بِالصَّلَاةِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَوْذِنَ وَهُوَ يَقُولُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْفَعُو فِي فَقَالَتِ عَالِشَةُ قَدْ أَمَرْتُ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يَهْلِي بِالنَّاسِ أَنْتِ فِي عَذْرٍ قَالَ ارْفَعُو فِي فَإِنَّهُ جَعَلْتُ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ قَالَتْ عَالِشَةُ فَرَفَعْتُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَقَدْ مَا تَحْدَثُ أَنَّ الْأَرْضَ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأْخُذُ بِمَا الْكِيَّةَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حِذَاءَهُ يَكْبُرُ وَيَكْبُرُ أَبُو بَكْرٍ بِتَكْبِيرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَكْبُرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ مَضَى بِالنَّاسِ غَيْرَ تِلْكَ الصَّلَاةِ حَتَّى قُبِضَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ الْأَمَامَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحِبٌّ حَتَّى قُبِضَ ۝

ابو بکر کو آدمی کے رعبہ کہلوا یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابو بکرؓ نے عائشہ کے پاس جواب بھیجا کہ میں بوڑھا سن رسیدہ رقیق القلب انسان ہوں۔ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ نہ دیکھوں گا۔ نودول قابو سے نکل جائے گا تو تم اور حفصہ دونوں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ کہ وہ عمر کے پاس آدمی بھیجیں کہ وہ نماز پڑھائیں پس عائشہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم غم نشینان یوسف ہو ابو بکر کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر جب نماز کے لئے اذان دی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن کی حی علی الصلوٰۃ کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اٹھاؤ عائشہ نے عرض کیا کہ میں نے ابو بکر کو کہلایا بھیجا ہے کہ نماز پڑھائیں اور آپ معذور ہیں دیکھ کیوں رحمت فرماتے ہیں آپ نے فرمایا مجھ کو اٹھاؤ۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں عائشہ نے فرمایا کہ پھر میں نے آپ کو اٹھایا اور دو آدمیوں کے بیچ میں د آپ ایسے چلے کہ آپ کے دونوں قدم زمین پر گھسٹتے تھے جب ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ سے پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا پس نبی صلعم ابو بکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ (تاکہ آپ امامت فرما سکیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برابر میں تکبیر کہتے تھے۔ اور ابو بکرؓ انجنائب کی تکبیر کی تقلید کرتے تھے۔ اور لوگ ابو بکرؓ کی تکبیر کی۔ یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہوئی۔ پھر اس نماز کے سوا آنحضرت نے کوئی نماز نہ پڑھائی آخر آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ ہی امامت فرماتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے یہاں تک کہ آپ نے وصال فرمایا ۝

تشریح :- یہ حدیث حسب سابق مضمون کی تائید میں ہے۔ لیکن اس میں واقعے کی تفصیل ہے۔ فافہم۔

بَابُ اِمَامَةِ وَلَدِ الزَّانَا

ولد الزنا۔ غلام، اور دیہانتوں

وَالْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِ!

کا امام بننا

حماد عن ابيه عن ابراهيم قال

يَوْمَ الْقَوْمِ وَلَدَ الزَّانَا وَالْعَبْدَ وَالْاَعْرَابِ

اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ :

ابراہیم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ کہ
ولد الزنا۔ غلام اور دیہانتی اگر قرآن پڑھ سکتا ہو تو
لوگوں کی امامت کر سکتا ہے :

تشریح :- حدیث سے ثابت ہوا کہ ان تینوں کی امامت جائز نہیں تا وقتیکہ وہ قرآن کی تعلیم حاصل نہ
کر لیں امامت کے لئے علم و فضل کی برتری و تقویٰ و بزرگی کا امتیاز لازمی چیز ہے جو اکثر و بیشتر ان میں مفقود
ہوتا ہے اسی لئے ان کی امامت کراست سے خالی نہیں۔ ولد الزنا اپنی کتری نسل و رذالت جسی کے
باعث اکثر تہذیب و شائستگی سے دور رہتا ہے اور علم کی روشنی سے عاری اور تقویٰ کی نعمت سے
بے بہرہ۔ اگر وہ علم کے زیور سے آراستہ ہو جائے تو شرعاً وہ بے کھٹکے امامت کے منصب
کو انجام دے سکتا ہے۔ علم کے زیور سے آراستہ اس کی جسی کتری کی تلافی کے لئے کافی وافی ہیں۔ کیونکہ بمطابق
لاتذروا ذرۃ و ذرا خدۃ وہ درحقیقت اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوسرے کے گناہوں
کا بوجھ اس کے کندھوں پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ بالمشا غلام کہ اس کی غلامی کے سبب اکثر وہ علم کے حصول سے
دور رہتا ہے اور اس طرح وہ بے علم اور تقویٰ و پرہیزگاری سے بھی دور رہتا ہے۔ اگر وہ علم کی دولت
سے مالا مال ہو جائے اور تقویٰ کی نعمت حاصل کر لے تو اس کی غلامی اس امامت کو مانع نہیں۔ شریعت
کے نقطہ نظر سے انسانیت کی سب سے بڑی بے نیسی جہالت ہے اور سب سے بڑی خوش نصیبی علم و تقویٰ ہے
یہ ہی حال اعرابی کا ہے کہ عام طور پر دیہانتی علم و تقویٰ سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ عالم اور متقی ہو
تو اس کی امامت ہر حال میں جائز ہے۔

بَابُ الْاَشْكَينِ

دو آدمی جماعت

جَمَاعَةٌ!

ہیں !

الْوَحِيْفَةُ عَنْ الْهَيْثَمِ عَنْ عَمْرِو

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ صَلَّى بِرَجُلٍ فَصَلَّى خَلْفَهُ وَامْرَاةً

خَلْفَ ذَلِكَ صَلَّى بِهِنَّ جَمَاعَةً :

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو جو ان کے
پیچھے بیٹھے اور ایک عورت کو جو ان (صاحب) کے
پیچھے تھیں جماعت سے نماز پڑھائی :

تشریح :- حدیث میں یہ نہیں کہ یہ مرد و عورت یہ کون تھے ۔ شاید یہ واقعہ حضرت انس اور ان کی والدہ ام سلیم کا ہے ۔ کہ انس آنحضرت کے پیچھے تھے اور ان کے پیچھے ان کی والدہ ام سلیم تھیں ۔ یہ واقعہ حضرت علی اور حضرت خدیجہ کا ہے کہ آنجناب کے پیچھے حضرت علی تھے اور ان کے پیچھے حضرت خدیجہ تھیں ۔ امام صاحب اسی سے دلیل لائے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کی برابری مرد کی نماز فاسد ہو جانے کا سبب ہے ورنہ اگر یہ قباحت نہ ہوئی تو عورت کو مرد کے ساتھ کھڑا کیا جاتا ۔ کیونکہ صف میں تنہا کھڑا ہونا بھی تو اپنی جگہ درست نہیں امام صاحب کے نزدیک کراست نماز کا سبب ہے اور امام احمد کے نزدیک فساد نماز کا ۔ مگر جب دو قباحتیں یک جا جمع ہوں تو عقلاً چھوٹی قباحت کو گوارا کیا جاتا ہے ۔ یہاں چھوٹی قباحت تنہا کھڑا ہونا ہے بہ نسبت مرد و عورت کے برابر کھڑا ہونے کے لہذا اس کو اختیار کیا گیا ۔ اور اس سے گریز کی گئی ۔

باب فضیلة وصل

صفوں کے ملانے کی فضیلت

الصفوف!

کے بیان میں!

ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ تعالیٰ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو برابر کرتے ہیں بیچ میں فاصلے اور خلا نہیں چھوڑتے ۔

ابو حنیفہ عن عطاء بن یسار

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ و ملائکته یصلون علی الذین یصلون الصفوف :

تشریح :- ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے مرفوعہ روایت کی ہے ۔ اس میں اتنا زائد ہے ۔ من سدد فوجہ رفعہ اللہ بھادرجۃ کہ جس نے خلا پر کیا ۔ اللہ نے اس کا درجہ بڑھ دیا ۔ احمد ابن حبان حاکم وغیرہ بھی اس کی روایت کرتے ہیں غرض صف ملانے پر متعدد احادیث اور نہایت تاکید کا الفاظ سے مردی ہیں اور غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے ۔ چنانچہ حاکم کی روایت میں جو ابن عمر سے ہے یوں دارود ہے کہ جس نے صف کو کاٹا اللہ اس کو کاٹے ۔ صف کو ملانا یہ ہے کہ بیچ میں ایک دوسرے کے درمیان فاصلے اور خلا نہ چھوڑا جائے ۔ کندھے سے کندھا اور شانے سے شانہ ملا لیا جائے ۔ خلفائے اربعہ اپنی اپنی خلافتوں میں اس کی اہمیت پر بہت زور دینے حضرت علی و عثمان اس کی بہت دیکھ بھال رکھتے ۔ حضرت علی مقتدیوں کو ہدایت کرنے کسی کہتے تم آگے بڑھو ۔ کسی سے کہتے تم پیچھے ہٹو ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ

ابو حنيفة عن عطاء عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من شهد الفجر والعشاء في جماعة كانت له براءة من براءة من النفاق وبراءة من الشرك

جس نے فجر وعشاء کی جماعتوں میں شرکت کی!

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے جو شخص صبح وعشاء کی جماعتوں میں حاضر رہا تو یہ اس کے لئے دو براءت نامے ہیں ایک برائے نفاق سے دوسری شرک سے

تشریح :- نفاق و شرک سے براءت کے لئے ان دو نمازوں کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ ان میں انسان پر نیند و سستی غالب ہوتی ہے۔ طبیعت کے فطری تقاضے جماعت کی شرکت سے روکتے ہیں۔ لہذا جس کا ایمان قوی ہو تاہم نیز نفاق و شرک سے اس کا دامن پاک و صاف رہے اور جماعت میں شرکت کے لئے دوڑ پڑتا رہے جب اس نے ان اوقات میں چست رہے اور خدا ترسی دکھائی تو دوسری نمازوں کو یہ کیوں ترک کرنے لگا۔ برخلاف اس کے جو دل میں شرک و نفاق چھپائے ہوئے ہو وہ ان نمازوں سے خاص طور سے جان چھڑائے گا۔ نیند کے تقاضوں سے پھوٹ جائے گا۔ سستی کے غلبے سے مار کھائے گا۔ جب اس نے یہاں یہ شرمناک کمزوری دکھائی تو گویا اس نے اپنے نفاق و ریاکاری کا خود ثبوت دیا۔ تو اب اس کے حق میں براءت کیسے لکھی جائے گی

ابو حنيفة عن عطاء عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من دام أربعين يوماً على صلوة الغداة والعشاء في جماعة كتب له براءة من النفاق وبراءة من الشرك

حضرت ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو صبح وعشاء کی نمازوں کی جماعتوں میں چالیس دن تک برابر شرکت کرتا رہا اس کے لئے نفاق اور شرک سے براءت لکھی دی گئی

تشریح :- اس حدیث میں براءت کے لکھے جانے کو چالیس دن کی مدت سے مفید فرمایا کہ کم از کم چالیس روز تک پیہم شریک جماعت ہوتا رہا ہو۔ کیونکہ اتنی مدت میں کسی کام کو کرنے سے انسان اس کام کا عادی ہونے لگتا ہے اور اس کے بارہ میں عادت ناخیال کیا جاتا ہے کہ اب یہ اس کو ترک نہیں کرے گا۔ اس لئے شریعت نے یہاں براءت کے لئے اس مدت کی قید فرمائی

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الشعبي عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم رخص في الخروج لصلوة الغداة والعشاء للنساء فقال رجل

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نماز صبح اور عشاء میں حاضر ہونے کی اجازت دی ایک شخص دیکھ کر بولا یہ شخص جہل اللہ کی عمر کے صاحبزادہ بلبل تھے جیسا کہ دوسری روایتوں سے

اِذَا يَتَخَذُوْنَ دَغْلًا فَقَالَ ابْنُ
عَمْرٍ اُخْبِرْك عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلْ هٰذَا :

معلوم ہوتا ہے (نواب تو لوگ اس کو مکروفریب کا ایک
جال بنالیں گے۔ اس پر عبداللہ بن عمر فرمادیں کہ جو
میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان
کرتا ہوں اور تم یہ کہتے ہو :

تشریح ۱۔ یہ مضمون دوسری حدیثوں میں بھی آتا ہے۔ کہیں کہیں الفاظ و جملوں میں ایک دوسرے سے
کمی بیشی ہے۔ مثلاً مسلم میں خود حضرت بلال ہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ عورتوں کو منع نہ کرو۔ وہ بھی مسجدوں سے برکت حاصل کریں۔ بلال بولے
قسم اللہ کی ہم منع کریں گے انکو حضرت عبداللہ نے فرمایا میں تجھ سے کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا
اور تو کہتا ہے۔ کہ قسم اللہ کی ہم منع کریں گے انکو امام احمد مجاہد کے واسطے سے یہی حدیث لائے ہیں۔ اس
میں اس مضمون کا بھی اضافہ ہے کہ پھر حضرت عبداللہ اپنے صاحبزادہ سے تاحیات نہ بولے۔ غرض حضرت
عبداللہ اس بات پر نہایت غصہ ہوئے کہ حدیث پاک کے مقابلہ میں کوئی اپنی عقل چلائے۔ اسے پیش کرے
اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ کرے۔

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ علماء نے اس رخصت کو بڑھی اور سن رسیدہ عورتوں کے لئے مخصوص کیا ہے
جو عمر رسیدہ ہوں وہ بھی اس پابندی سے کہ زینت و آرائش بناؤ سنگھار نہ کریں۔ خوشبو کو بھی مکروہ جانا ہے
کیونکہ موجودہ دور میں فسق و فجور بدکرداری بد اعمالی کا ہر طرف دور دورہ ہے نہ جوان اس کے اثرات سے
بچا ہے نہ بوڑھا۔ بہت ممکن ہے حضرت بلال نے زمانہ کی اس بے حیائی کو دیکھ کر اپنی رائے پیش کی ہو۔ مگر
چونکہ قدرے بے محل و بے موقع تھی۔ اس لئے حضرت عبداللہ سخت برہم ہوئے۔ مزید کہ آنحضرت کے
زمانہ مبارک میں عورتیں حصول سائل شرعیہ کے مقصد سے بھی مسجدوں میں حاضر ہا کرتیں۔ اور اب آج کل یہ
مقصد بھی فوت ہوا کہ دینی مسائل اپنی پوری وسعت سے پھیل چکے نہ مردان سے ناواقف ہیں۔ نہ
عورتیں ان سے نا آشنا اور موجودہ گندی اور مکدر فضا میں تو ان کے لئے گھر ہی اہم ترین جگہ ہے :

باب ۵۸

باب ۵۸ عشاء کی نماز تیار ہو

اور کھانا آجائے تو کب

صورت ہوگی !

حضرت انس ابن مالک سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز عشاء کے لئے اذان دی
جائے اور مکبر تکبیر کے (اور کھانا آجائے) تو

اِذَا احْضَرَ الْعِشَاءُ

وَالْعِشَاءُ !

ابو حنیفہ عن الزہری عن انس
ابن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اِذَا نُوْدِيَ بِالْعِشَاءِ وَاذِنُ الْمُؤَذِّنِ فَاَبْدُوا

بالعشاء

پہلے کھانا کھا لو۔

تشریح :- طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نماز مغرب کے بارے میں ہے اور یہ پہلے روزہ دار کے لئے ہے۔ یحییٰ بن ابی عمر سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور ادھر نماز کی اقامت ہو تو پہلے کھانے سے فارغ ہو جو۔ اور فراغت تک جلدی نہ کرو۔ خود ابن عمر کا یہ عمل تھا کہ جب کھانا ان کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ اور نماز کھڑی ہو جاتی تو آپ نماز میں شریک نہ ہوتے جب تک کھانا کھانے سے فراغت حاصل نہ کر لیتے۔ یہاں تک کہ آپ امام کی آواز بھی سنتے ہوتے۔ یہاں حضرت جابر سے ایک مرفوع حدیث وارد ہے جو بظاہر اس حدیث سے متعارض ہے۔ اس میں یوں آیا ہے۔ لا تؤخروا الصلوة لطعام ولا بغیرہ۔ کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز مؤخر نہ کرو۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بعض نے یہ نکالی ہے کہ تاخیر نماز کی اجازت اس وقت ہے کہ کھانا کھانا شروع کر دیا ہو۔ یا یہ خوف ہو کہ یہ کھانا پھر ہاتھ نہ آسے گا۔ یا یہ کہ بھوک شدید لگ رہی ہو خیال ہو کہ اگر نماز پڑھی تو دل کھانے میں لگا رہے گا۔ جس طرح پشیاب پاخانہ جب سناٹا ہو تو اس وقت بھی تاخیر نماز کی اجازت ہے۔ اور ممانعت کی حدیث اس موقع کے لئے خاص ہے کہ نماز کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہو یا بھی کھانا سامنے نہ آیا ہو۔ بلکہ آنے والا ہو تو ان صورتوں میں نماز کو مقدم رکھنا چاہیے گویا ایسی صورت میں ہر ایت ہے کہ کھانا سامنے نہ لایا جائے۔ یہ نہیں کہ آنے کے بعد نہ کھاؤ۔ اور نہ شروع کرے اٹھ جاؤ۔ اور ساری نماز میں سوچتے رہو کہ کب نماز سے فارغ ہوں اور کب کھانا کھائیں ؟

بَابُ مَنْ صَلَّى صَلَوةً

بَابُ اِذَا كُنِيَ تَنْهًا فَرَضَ

ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ

پڑھ آئے اور پھر مسجد میں آئے اور

وَهُمْ كَيُصَلُّونَ

جماعت کھڑی ہو تو کیا کرے !

ابو حنیفہ عن العیثم عن جابر بن

الاسوداد الاسود بن جابر عن ابيه ان رجلين صليا الظهر في يومئذ علي عهد النبي صلى الله عليه وسلم وهما يريان ان الناس قد صلوا ثم اتيا المسجد فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلوة فقعدا فاحية من المسجد وهما يريان ان الصلوة لا تحل لهما فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم و

حضرت جابر بن اسود یا اسود بن جابر سے روایت کہ دو شخصوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لی اس خیال سے کہ لوگ باجماعت نماز پڑھ چکے ہونگے پھر جب مسجد میں گئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہیں تو مسجد کے ایک کونے میں جا بیٹھے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایک مرتبہ فرض پڑھ لینے کے بعد اب جماعت میں شریک ہونا ان کے لئے جائز نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز

رَأَاهَا رَسُلُ إِلَهِهَا فَجِئَ بِهِنَّ
فَوَاتَّصَمَا فَوَقَّعَ مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ
تَدْحُثٌ فِي أَمْرِهَا شَيْءٍ

فَمَا لَهَا أَنْ تَخْبِرَ بِهِ الْخَبَرَ
فَقَالَ إِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ فَصَلُّوا
مَعَ النَّاسِ وَاجْعَلُوا إِلَّا وَصَلَّاهُمْ
الْفَرْضَ -

وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ جَمَاعَةٌ
عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنِ الرَّهَيْثَمِيِّ فَقَالُوا
عَنِ الرَّهَيْثَمِيِّ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۝

سے فارغ ہو گئے اور اپنے ان کو ایک کونہ میں
اگے بیٹھے ہوئے دیکھا تو آدمی بھیج کر ان کو بلوایا پس
وہ لائے گئے اس حال میں کہ ان کے شانوں کا درمیان
گوشت اس خوف و وحشت سے لرز رہا تھا کہ
دشاید ان کے بارہ میں کوئی دسزاکا حکم صادر ہوا ہو
اپنے ان سے جماعت میں شریک نہ ہونے کا سبب
پوچھا۔ انہوں نے آپ کو پورا قصہ کہہ سنایا۔ آپ نے ارشاد
فرمایا کہ جب تم ایسا کرو کہ گھر میں نماز پڑھو (لوگوں کے
ساتھ جماعت میں شریک ہو جایا کرو اور اپنی پہلی نماز کو
فرض سمجھو ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت
کی ابو حنیفہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں ہیشم
سے اور ہیشم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں دگو یا یہ
مرسل ہے جو حنیفہ کے نزدیک حجت ہے) ۝

تشریح :- اس حدیث میں یہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں نماز پڑھ آئے۔ پھر اس کو جماعت ہوتی
نظر آئے تو اس کو چاہئے کہ جماعت میں شریک ہو جائے علیحدہ نہ بیٹھے کہ علیحدہ بیٹھنے کی ممانعت صاف
اور واضح ہے۔ اس کی تنہا نماز فرض شمار ہوگی۔ جس طرح حدیث ذیل میں ہے واجعلوا الادلی ہی
الفرض اور جماعت کے ساتھ نماز نماز نفل جیسا کہ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی وغیرہ میں ہے۔ انما لکم
نافلة مگر حنیفہ کے نزدیک اس حکم سے نماز فجر و مغرب و عصر خارج ہیں کیونکہ فجر و عصر کے بعد
نفلیں ہر دسے حدیث صحیح جائز نہیں پھر وار قطنی ابن عمر سے صحیح طریق سے یہ حدیث ان الفاظ سے
لائے ہیں اذ اصلیت فی اہلک ثم ادرکت الصلوة فصلها الا الفجر والمغرب کہ جب تو اپنے گھر
والوں میں نماز پڑھے لے۔ پھر جماعت ہوتی ہوئی پالے تو اس میں شریک ہو جاؤ مگر فجر و مغرب میں
تو خود حدیث میں استثنا موجود ہے اور مغرب میں گونفلیں جائز ہیں۔ مگر میں نفلوں کا ثبوت نہیں
اس لئے یہ ہر سہ اوقات کی نمازیں اس حکم سے خارج ہوئیں ۝

باب - جمعہ کے دن غسل کرنا!

بَابُ الْغُسْلِ يَوْمَ

الْجُمُعَةِ!

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ لوگ جمعہ کی نماز میں
شریک ہونے کیلئے اس حال میں آتے تھے کہ انکے بدن

ابو حنیفہ عن یحییٰ عن عمر عن

عائشة قالت عانوا یردھون الی الجمعة

وَقَدْ عَرَفُوا ذَلِيلَهُ بِالطَّيْنِ فَقِيلَ لَهُمْ
مَنْ رَاحَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ
وَفِي رَوَايَةٍ كَانَ النَّاسُ مَمَارًا فِيهِمْ
وَكَا فَوَافِرٌ وَحُونَ يَخَالُطُونَ الْعَرَقَ
وَالْتَرَابَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِذَا احْضَرْتُمْ الْجُمُعَةَ
فَاغْتَسِلُوا ۖ

پسینہ میں شرابور اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے
تھے۔ لہذا ان کو حکم ملا کہ جو جمعہ کی نماز میں آئے
اسکو چاہئے کہ غسل کرے۔ ایک روایت میں ہے
کہ لوگ کاشتکاری کرتے تھے۔ جب نماز جمعہ کیلئے
چلتے تو پسینہ اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے لہذا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جمعہ کی
نماز کیلئے آؤ تو غسل کر کے آؤ۔

تشریح :- یہ حدیث غسل جمعہ کے بارے میں ہے۔ جمعہ کا غسل واجب نہیں سنت ہے۔ جمہور
علماء اور اکثر ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ قاضی عیاض نے امام مالک کا یہی
مسک بتایا ہے۔ واجب ماننے والوں کی حجت ابن عمر کی مرفوع حدیث ہے جو شیخین نے روایت کی
ہے۔ اذاتی احد کہ الجمعة فليغتسل کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو وہ غسل کرے
بظاہر امر سے وجوب کا پتہ چلتا ہے۔ یا حضرت ابی سعید خدریؓ کی مرفوع حدیث جسکو شیخین وغیرہ
لائے ہیں کہ غسل الجمعة واجب علی کل محتلم کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے کہ اس میں وجوب
سے جمہور علماء صحیح احادیث سے محبت لاتے ہیں۔ مثلاً ایک تو یہی حدیث ان کی حجت ہے کہ
اس میں غسل کے لئے اس حدیث کے حکم ہوا کہ وہ کاشتکاری وغیرہ کی وجہ سے مٹی اور پسینے میں خلط ملط
ہوتے اور اسی طرح نماز جمعہ میں آجاتے ہیں جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ کپڑے موٹے عرب
کی شدید گرمی اور دوپہر کا وقت ان پر ان کی کھیتی باڑی کرنا ایسی چیزیں ہیں کہ جس میں گرد و غبار سے بچنا غیر ممکن۔ لہذا ان کے حالات
کے تحت میں ان کو غسل کا تاکید حکم ملا مگر جب یہ عذرات مٹے تو وہ حکم جو ان عذرات سے وابستہ تھا۔ وہ بھی ختم ہوا۔ دوسری
دلیل حضرت عمر و عثمان کا وہ قصہ ہے جو مسلم وغیرہ میں نقل ہے کہ حضرت عثمان نماز جمعہ میں تشریف لائے حضرت عمرؓ نے خطبہ میں آپؓ پر فرمائی کہ یہ
وقت آنے کا ہے حضرت عثمانؓ نے عذر بیان کیا کہ مشغولیت کے باعث اس قدر تاخیر ہوئی کہ صرف وضو کر سکا ہوں اس
پر حضرت عمرؓ نے مزید تعجب کیا کہ خوب معلوم ہوا کہ آپؓ غسل کی سنت بھی چھوڑ دی۔ اگر غسل واجب
ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کو واپس لوٹاتے اور ان کے صرف وضو پر خاموشی اختیار نہ کرتے۔
پھر حاضرین صحابہ اس پر کیوں نہ لبے کہ حضرت انہوں نے واجب کو ترک کیا ہے۔ ان کو غسل کے لئے
واپس لوٹائیے۔ آپؓ خاموش کیسے رہتے ہیں۔ تیسری دلیل عائشہؓ کی حدیث ہے جو مسلم میں ہے جس
میں لوگوں سے کہا گیا ہے تَوَافَتُكُمُ ہوتا۔ تم غسل کرتے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غسل واجب
نہیں۔ چوتھی دلیل سمرہ بن جندب کی حدیث ہے جو ترمذی والوداؤد وغیرہ سے منقول ہے۔ کہ حضرت
نے فرمایا مَنْ تَوَضَّأَ فِيهَا وَنَهَتْ دَمْنًا غَسَلَ فَاغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ۔ کہ جس نے وضو کیا تو اس نے سنت پر عمل کیا
اور کیا خوب ہے یہ سنت اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ اب ان احادیث کے پیش نظر جن احادیث
سے وجوب کا شبہ ہوتا ہے ان کی تاویل کرنی پڑے گی مثلاً فليغتسل میں امر وجوب نہیں بلکہ استحباب ہے۔

اور واجب کے معنی حقیقی واجب کے نہیں بلکہ یہ کہ ہر بالغ کو غسل کرنے کی تاکید کی ہے۔ پھر اس غسل جہی دوسری دو غیر واجب چیزیں بھی شریک ہیں یعنی مسواک اور خوشبو لگانا۔ جب یہ دونوں واجب نہیں تو غسل کیسے واجب قرار پائے گا۔

ابو حنیفۃ والمنصور و محمد بن بشر

کاہر عن نافع عن ابن عمر بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الغسل يوم الجمعة من اتي الجمعة

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن ہر اس شخص پر غسل ہے جو جمعہ کی نماز میں آئے ہے۔

تشریح :- اس حدیث سے بھی غسل واجب قرار پاتا ہے۔ لیکن اس کی توجیہ یوں کی جائے گی کہ نماز جمعہ میں ہر شریک ہونے والا نہایت تاکید صوری صورت میں غسل کے لئے مامور ہے۔ یا پھر یہ حکم حدیث عائشہ و ابن عباس سے منسوخ ہے۔ اس صورت تک وہ ماقبل کا حکم یعنی غسل کا وجوب منسوخ ہو گیا اور تاکید باقی رہی ہے۔

بَابُ فِي الْخُطْبَةِ

ابو حنیفۃ عن عطیة عن ابن عمر قال

كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر يوم الجمعة جلس قبل الخطبة جئسة خفيفة

تشریح :- ابو داؤد کی حدیث میں حتی یضغ الموذن زائد ہے۔ یعنی یہاں تک کہ موذن اذان سے فارغ ہو جاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی متفق ہیں اور مجہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ اور یہ جو نووی نے کہا امام اعظم اسے مذہب نہیں مانتے یہ نووی کے قلم کا زلزلہ ہے۔ چنانچہ یہ حدیث امام اعظم کے مذہب کی تاکید کرتی ہے۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم

ان رجلا حدثا انه سأل عبد الله بن مسعود عن خطبة النبي صلی اللہ علیہ وسلم يوم الجمعة

فقال له اما تقرأ سورة الجمعة

قال بلى ولكن لا اعلم

قال فقرأ عليه واذا راوا تجاراً

اولهون انفسوا اليها وترهون

قائماً

باب خطبة کا بیان !

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز جب منبر پر صعود فرماتے تو خطبہ سے پہلے کسی قدر بیٹھتے۔

تشریح :- ابو داؤد کی حدیث میں حتی یضغ الموذن زائد ہے۔ یعنی یہاں تک کہ موذن اذان سے فارغ ہو جاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی متفق ہیں اور مجہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ اور یہ جو نووی نے کہا امام اعظم اسے مذہب نہیں مانتے یہ نووی کے قلم کا زلزلہ ہے۔ چنانچہ یہ حدیث امام اعظم کے مذہب کی تاکید کرتی ہے۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے دعا لیا وہ علقمہ بن قیس تھے۔ جیسا کہ ابن ماجہ سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ کے خطبہ کے بارے میں دریافت کیا۔

بن مسعود نے کہا کہ کیا تم سورت جمعہ نہیں پڑھتے اس نے کہا کیوں نہیں مگر مجھے یہ بات معلوم نہیں۔

تو حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

واذا داوا تجادوا اولهون انفسوا اليها وترهون

قائماً

تشریح :- یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرآن فہمی کا کمال ہے کہ انہوں نے آیت سے بہت لطیف استدلال فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ میں قیام فرمانا ثابت کیا اور یہ ایک نہایت لطیف استنباط ہے۔ مقام استشہاد ترک کر کے قائم ہے۔ یعنی آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔ واقعہ تو بہر حال خطبہ کا ہے تو معلوم ہوا کہ آنجناب کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ آپ سے اور صحابہ سے یہی صورت مروی ہے۔ جن میں جابر بن سمرہ۔ جابر بن عبداللہ۔ ابو ہریرہ اور ابن عباس بھی ہیں۔ خطبہ کے ذیل میں چند امور اور تشریح طلب ہیں اول قیام کا مسئلہ ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے یا شرط صحت خطبہ امام صاحب کے نزد سنت ہے یعنی اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو خطبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ خطبہ کی حقیقت محض ایک وعظ کی سی ہے جو بیٹھ کر بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ سنت رسول اور صحابہ کے عمل کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ عمل مکروہ ہوا۔ البتہ افضل صورت خطبہ میں قیام ہے کہ خطیب کی آواز دور دور تک پہنچ سکے امام شافعی قیام کو خطبہ کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو گوہر خطبہ ہوا ہی نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔ امام مالک بھی ایک روایت میں ان کے ساتھ متفق ہیں اور امام احمد بھی ان میں نہیں کے پیرو ہیں۔ امام صاحب کے مذہب پر دلیل کعب بن عجرہ کی حدیث سے جو مسلم لائے ہیں۔ کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے عبدالرحمن بن ام الحکم کو بیٹھے ہوئے خطبہ پڑھتے دیکھا تو کہا انظر والی هذا الخبیث یخطب قاعداً۔

واذا راؤا متجارتا اولیٰ الایۃ حالانکہ نماز فاسد ہونے پر کسی نے تصریح نہیں کی۔ دوسری بات قصر خطبہ و طول صلوت سے سنون یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور نماز لمبی۔ مسلم یہ حضرت عمار سے مروی ہے۔ ان طول صلوت الرجل وقصر خطبته من فقه فاطیو الصلوٰۃ وافقی والخطبۃ فان من البیان لیسوا۔ کہ انسان کا نماز کو لمبا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے تفقہ کی نشانی ہے۔ لہذا نماز کو دراز کرو اور خطبہ کو چھوٹا۔ البتہ بعض بیان جاوہر میں مستدرک میں ہے کہ عمار کہتے ہیں کہ آپ ہم کو خطبہ مختصر کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ تمیر الامر متحق بیان خطبہ میں سے عصا لگانا ہے یہ بھی حضور اکرم سے مروی ہے ابو داؤد میں حکم بن حزن کی حدیث کے ذیل میں مروی ہے کہ ہم جمعہ میں حاضر ہوئے تو آپ عصا یا کمان سے ہمارے کمرے ہوئے تھے حضرت برابر کہتے ہیں۔ کہ آپ نے عید پر کمان کا سہارا لیکر خطبہ دیا۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

ابو حنیفہ عن احمد بن محمد بن اسماعیل الکوفی عن یعقوب بن یوسف بن زیاد عن ابی جنادۃ عن ابراہیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی یوم

بَابُ جُمُعَةٍ كِي نَسَازٍ فِي كِيَا يُرْضَا بِهَا

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقین پڑھا کرتے تھے۔

الجمعة سورة الجمعة والمنافقين :

تشریح :- اجماع کا زیادہ تر عمل یہی تھا۔ عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ مروان نے کہ جاتے وقت جب ابو ہریرہ کو امامت پر اپنا جانشین مقرر کیا تو انہوں نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون پڑھی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہی دو سورتیں پڑھتے ہوئے سنا :

ابو حنیفہ عن ابراہیم عن ابیہ عن

جیب۔ ابن سالم عن النعمان بن بشیر عن ابیہ عن

انہ کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعة بسم ربک

الاعلیٰ وھل اتاک حدیث الغاشیة :

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین و جمعہ میں بسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیة پڑھا کرتے :

تشریح :- بعض روایتوں میں سورہ فات اور سورہ قمر کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت یہ مختلف سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

بَابٌ فِي فَضِيلَةِ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ
وَمَنْ مَاتَ فِيهَا !

باب جمعہ کی رات کی اور اس رات میں مرنے والے کی فضیلت کا بیان

ابو حنیفہ عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من ليلة جمعة الا وينظر الله عز وجل الى خلقه ثلاث مرات يغفر الله لمن لا يشرك به شيئا

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کی کوئی رات ایسی نہیں جس میں اللہ عز وجل اپنی مخلوق کی طرف دیکھ کر شفقت میں مرتبہ نہ دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے۔ اس شخص کی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا :

تشریح :- ان گناہوں کے بارہ ہیں اکثر علماء کا کہنا ہے کہ یہ چھوٹے گناہوں کا بیان ہے نہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا کیوں کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ بعض ان میں بڑے گناہ بھی داخل کرتے ہیں۔ بہر حال وہ گناہ جو حقون العباد سے تعلق نہ رکھتے ہیں۔ سب کے نزدیک اس سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان کی معافی کا دار و مدار صاحب حق پر ہے۔

ابو حنیفہ عن الہیثم عن الحسن عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة وقى عذاب القبر

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا۔ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے :

تشریح :- نزدیکی اور پیوستگی ابن عمر سے جو روایت لائے ہیں۔ اس میں لیلۃ الجمعہ کا لفظ نہیں ہے

یوں ہے کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو فوت ہوتا ہے اللہ اس کو فتنہ قبر سے بچا لیتا ہے بعض روایتوں میں اس طرح آیا ہے کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی حساب نہیں ہوتا۔ حکیم زندہ ہی اس راز کا انکشاف اس طرح کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے بھڑکتے ہوئے شعلے ماند پڑ جاتے ہیں۔ نوا ایسے مبارک دن میں جب بندہ دنیا سے رحلت کرتا ہے تو اس کی خوش نصیبی اور سعادت ہے کہ وہ ایسے برکت والے دن دنیا سے رحلت کر گیا کہ عذاب اس کے رک گیا۔

بَابُ الرُّخْصَةِ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْخَيْرِ وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِينَ!

ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم
عن سمع ام عطیة تقول رخص للنساء
فی الخروج الی العیدین حتی لقد کانت
الکمران تخرجان فی الثوب الواحد حتی
لقد کانت الحائض تخرج فتجلس فی
عرص الناس یدعون ولا یصلین

باب عورتوں کو مہلاتی کے کاموں اور
تمام مسلمانوں کے ساتھ دعائیں شرکت
کی غرض سے نکلنے کی اجازت ہے!

حضرت ام علیہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی طرف سے عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ نماز
عیدین میں شرکت کیلئے نکلیں۔ یہاں تک کہ دو
لڑکیاں ایک کپڑے (داڑھی) میں دلیپی ہوئی
نکلتیں بلکہ یہاں تک کہ حیض والی عورت بھی نکلتی اور
لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف جا بیٹھتی۔ یہ عورتیں
دعائیں شرکت پڑھتی اور نماز نہ پڑھتی تھیں۔

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کے زمانہ طیبہ میں عورتوں کو مسجدوں اور عید گاہ میں
جاکر نماز میں شرکت ہونے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ جوان لڑکیاں اور حیض والی عورتیں بھی پہنچیں گو نماز
میں شرکت نہ ہو سکتیں۔ شیخین نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت بیان کی ہے لا تمسوا ماء اللہ مساجد
اللہ کہ اللہ کی بندگیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ البتہ خوشبو نہ لگانے کی پابندی ضرور تھی۔ جیسا کہ زینب
زوجہ عبداللہ سے مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجدوں میں حاضر ہو تو خوشبو نہ
لگائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیخین نے حضرت عائشہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ اگر نبی
صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد کی عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ پائے تو اللہ ان کو مسجدوں میں
آنے سے روک دیتے۔ یہی وہ نقطہ تحقیق ہے جس کی بنا پر علمائے متاخرین نے عورتوں کو مسجدوں میں
آنے سے منع کر دیا۔ صید لانی نے کہا ہے کہ اجازت اس وقت تھی۔ لیکن اب عورتوں کا باہر نکلتا مکروہ
ہے۔ کیونکہ اب حالات اچھے نہیں ہیں۔ اس لئے اس سے پرہیز بہتر ہے لیکن آج کل بھی محلہ کی جامع
مسجد میں خواتین جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے جاتی ہیں۔ اگر امن و امان ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں

ابو حنیفہ عن عبد الحکیم
عن امر عتیة قالت کان یخرج
للنساء فی الخروج الی العیدین
من الفطر والاضحیٰ :

وفی روایة قالت ان کان
الطامث لتخرج فتجلس فی
عروض النساء فتدعوا فی
العیدین :

وفی روایة قالت امر فارسل
الله علی الله علیه وسلم ان یخرج
یوم النحر و یوم الفطر ذوات الخدور
والحیض فاما المَحِیضُ فیعزلن
الصلوة و یشهدن الخیر و دعوة
المسلمین فقالت امرأة یا رسول
الله اذا كانت احدا منا لیسن
لها جلباب قال لتلبسها اختها
من جلبابها :

ام عطیہ کہتی ہیں کہ عید اور بقر عید کی نمازوں
میں خواتین کو شریک ہونے کیلئے نہ بلانے کی رخصت
دی جاتی تھی دختی کہ آنجناب کی صاحبزادیوں اور
ازواج مطہرات کو بھی رخصت تھی جیسا کہ ابن ماجہ
میں ابن عباس سے مروی ہے :

اور ایک روایت میں ہے کہ عائشہ بھی
نکلنے لیکن اور عورتوں سے ایک طرف بیٹھتی تھیں۔
اور چھوٹی اور بڑی دونوں عیدوں کی دعاؤں میں
شریک ہوتی :

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ام عطیہ
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بقر عید
اور عید الفطر کے دن باپردہ عاریضہ عورتوں کو باہر
عید کے لئے لے جائیں۔ البتہ عائشہ نماز سے الگ
رہیں مگر عبادت کی جگہ حاضر رہیں اور دعا میں
شریک ہوں۔ ایک عورت بولی یا رسول اللہ اگر
ہم میں سے کسی کے پاس اور سہمی نہ ہو۔ تو
آپ نے فرمایا کہ اس کو اس کی کوئی بہن یا ساتھی اپنی
چادر میں شریک کر لے :

تشریح :- بخاری میں بھی تقریباً اسی مضمون کی حدیث ام عطیہ سے منقول ہے۔ یہ حکم آنحضرت
کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ سابق حدیث میں معلوم ہوا :

باب ۵۵ عدم الصلوة
قبل العید و بعدھا

ابو حنیفہ عن عدی عن سعید
بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یخرج یوم العید الی المصلی
فلم یصل قبل الصلوة ولا بعدھا شیئاً :

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بنی
صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن عید گاہ میں تشریف لے
گئے۔ نہ اپنے نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی
اور نہ نماز کے بعد :

تشریح :- یہ حکم عید گاہ کے ساتھ خاص ہے کہ عید گاہ میں آنحضرت نے عید کی نماز سے پہلے کوئی

نماز پڑھی نہ بعد میں پڑھی۔ کتب صحاح میں اسی طرح کی روایات اور بھی ہیں۔ بعض روایات میں اس طرح ہے۔ اذارجع الی منزلہ صلی رکعتین کہ آپ جب کثرت نبوت میں واپس آتے تو دو رکعت ادا فرماتے چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت ابی سعید خدری سے انہیں الفاظ کی حدیث ہے۔ اب مسئلہ کی حقیقت یہ ہوئی کہ نماز عید سے پہلے گھر میں اور عید گاہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں بعد میں گھر پر دو رکعت پڑھ سکتے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد میں عید گاہ میں نفل ادا کئے تو اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی تو نہیں البتہ مکروہ تنزیہی ضرور قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ خلاف سنت عمل کا مرتکب ہوا جو کراہت تنزیہی کو مستلزم ہے اگر اس میں کراہت نہ ہوتی تو انتخاب نماز کی تندید حرم میں رکھتے ہوئے نماز کو کس طرح ترک فرماتے حنفیہ کا مسلک یہی ہے۔ اور امام شافعی بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔ بعض نے صرف حنفیہ کا اس کو مکروہ جانتے پر اعتراضات کیا ہے۔ یہ بات حق والی صاف کے خلاف ہے۔

بَابُ تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ

فِي السَّفَرِ

ابو حنیفہ عن محمد بن المنکدر

عن انس بن مالک قال صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر اربعاً والعصر بذی الحلیفۃ رکعتین

تشریح :- حضرت انس ہی سے یہ حدیث ترمذی بھی لائے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث سفر میں قصر فی الصلوٰۃ کی دلیل ہے۔ یہ مسئلہ بسط و تفصیل کے ساتھ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن علقمۃ عن عبد اللہ بن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی السفر رکعتین و ابوبکر و عمر لا یزیدان علیہ

تشریح :- یہ اس حدیث میں صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ مسافر بحالت سفر چار رکعت والی نمازوں کو قصر سے پڑھتے یعنی دو دو رکعت اختلاف اس میں یہ ہے کہ کیا اس کو چار رکعت بھی پڑھنے کا حق حاصل ہے اور اگر چار رکعت پڑھ لیں تو شریعت میں اس کا یہ عمل کیسا شمار ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک وہ مختار ہے چاہے پوری پڑھے چاہے قصر کرے۔ ایک روایت میں امام مالک اور احمد بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو پوری نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ قصر کے سوا اس کے لئے کوئی صورت جائز نہیں۔ اگر اس نے پوری نماز پڑھی تو گنہگار ہوا اور اس کا یہ فعل مکروہ

باب - سفر کی نماز میں قصر کرنا

حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

تشریح :- حضرت انس ہی سے یہ حدیث ترمذی بھی لائے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث سفر میں قصر فی الصلوٰۃ کی دلیل ہے۔ یہ مسئلہ بسط و تفصیل کے ساتھ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعتیں پڑھتے اور ابوبکر و عمر بھی اس پر زیادتی نہ کرتے۔

تشریح :- یہ اس حدیث میں صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ مسافر بحالت سفر چار رکعت والی نمازوں کو قصر سے پڑھتے یعنی دو دو رکعت اختلاف اس میں یہ ہے کہ کیا اس کو چار رکعت بھی پڑھنے کا حق حاصل ہے اور اگر چار رکعت پڑھ لیں تو شریعت میں اس کا یہ عمل کیسا شمار ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک وہ مختار ہے چاہے پوری پڑھے چاہے قصر کرے۔ ایک روایت میں امام مالک اور احمد بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو پوری نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ قصر کے سوا اس کے لئے کوئی صورت جائز نہیں۔ اگر اس نے پوری نماز پڑھی تو گنہگار ہوا اور اس کا یہ فعل مکروہ

تحریری قرار پایا۔ امام شافعیؒ قرآن کی اس آیت سے دلیل لائے ہیں۔ فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ قصر کرو نماز میں اس کے الفاظ رخصت و اجازت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی مسافر پر کوئی پابندی نہیں ہے خواہ قصر پڑھے خواہ پوری۔ حدیث میں وہ علی بن ربیعہ کی حدیث کو سامنے رکھتے ہیں کہ انہوں نے عمر سے کہا کہ اب تو دشمن کا خوف بھی نہیں۔ تو اب ہم کیوں قصر کریں۔ کیونکہ فرمایا ان خففتم آپسے کہا کہ یہی اشکال مجھے بھی درپیش تھا۔ کہ میں نے آنجناب سے اس کو حل کیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ ایک قسم کی رعایت و احسان ہے جو اللہ کی طرف سے تم کو دیا گیا ہے تو اس کو قبول کرو۔ پھر وہ اس کو روزہ پر قیام کرتے ہیں جس طرح اس میں مسافر مختار ہے خواہ روزہ رکھے یا افطار یہی حال اس میں ہے گا۔ اسی سلسلہ میں ان کو دو روایات سے اور تقویت ملی ایک حضرت عثمان کی حدیث کہ انہوں نے منیٰ میں مسافر ہوتے ہوئے چار رکعت پڑھیں۔ یعنی پوری نماز دوسری حدیث حضرت عائشہؓ کے بارے میں کہ آپسے بھی نماز بجا لیت سفر پوری پڑھی۔ یہ شافعی مسلک کا فیصلہ ہے۔ امام صاحب کے مذہب پر مختلف احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ اول یہی حضرت انس کی حدیث جو ابھی محمد بن المنکدر کے واسطے گزری۔ کہ آپ نے ذی الحلیفہ میں قصر فرمایا۔ جس کو ترمذی نے حدیث صحیح کہا ہے۔ دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود کی جو اس معاملہ میں فیصلہ کن ہے اور جو اس حدیث کے متصل ہی امام صاحب سے مروی ہے۔ اور جو دیگر کتب صحاح میں بھی موجود ہے۔ کہ جب آپ سے کہا گیا کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں نماز چار رکعت ادا کیں تو آپسے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور کہا کہ میں نے آنحضرت کے ہمراہ دو رکعت پڑھیں اور ابو بکر و عمر کے ساتھ دو رکعت پڑھیں غرض آپسے سخت تعجب کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حیثیت اور علمی مقام سب کو معلوم ہے۔ جب وہ کسی امر کو اپنے کی بات سمجھیں تو سمجھ لیجئے کہ اس کی شریعت میں کیا حقیقت ہوگی۔ پھر وہ آنحضرت اور بخین کا عمل بھی پیش کرے ہیں۔ تیسری حجت مذہب حنفیہ کی حضرت عبداللہ کی حدیث ہے جو بخاری میں ہے۔ جس میں سرسبز گول کا عمل پیش کر کے کہ میں نے ان کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی۔ انہوں نے دو دو رکعت پڑھیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ابتداء سے خلافت میں قصر کیا پھر پوری پڑھی۔ چوتھی حجت ترمذی کی حدیث جو وہ عمران بن حصین سے نقل کرتے ہیں جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ ان سے صلوۃ مسافر کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپسے دو رکعتیں پڑھیں ابو بکر کے ہمراہ حج کیا انہوں نے بھی دو رکعتیں ادا کیں۔ پانچویں دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے جو وہ ابن عمر سے مرفوعاً لاتے ہیں کہ آنحضرت جب مدینہ سے باہر نکلتے تو کھجور واپسی تک ہی رکعتیں ادا فرماتے رہتے ہزارہا روایت صحیحہ اس عمل پر آنحضرت و بخین کی طرف سے موافقت و ہمیشگی کا ثبوت ہیں جس سے مجال انکار نہیں۔ اور اس کا ثبوت بھی ہم پہنچتا ہے کہ سفر میں دو رکعت کی سنت سنت نوکدہ ضرور ہے۔ جب اس کو شریعت میں سنت نوکدہ کا وجہ حاصل ہوا تو اب اس پر زیادتی کب روا ہوگی۔ اور اس پر زیادتی ایسی ہوگی جیسے کوئی مجہود و عیدین میں بھلائے دو کے چار رکعت پڑھ لے۔ پناہ نہائی۔ ابن ماجہ۔

ابن ابی بلی کے واسطے سے عمر سے روایت لیتے ہیں کہ صلوٰۃ السفر۔ صلوٰۃ الاضحیٰ صلوٰۃ الفطر اور صلوٰۃ
الجمعة یہ سب کی سب دو دور رکعت ہیں۔ گویا یہ سب ایک ہی حکم میں ہیں اور حضرت ابن عباس رضی
بمعج طریق سے مروی ہے من علی فی السفر اربعاً کن علی فی الحضر رکعتین کہ جس نے سفر میں چار رکعت
پڑھیں۔ گویا اس نے حضرتیں دو بجائے چار کے دو پڑھیں۔ گویا ہر دو جگہ حد شرعی کو توڑنا ہے۔ یہ ہے۔
مذہب حنفیہ کا استدلال جس پر ان کا مسلک قائم ہے۔ اب مذہب شافعیہ کو دیکھئے ان کی بناءً مسلک
یہ ہے کہ فرض و راصل چار رکعت ہیں اور سفر میں رعایتاً ان کی تخفیف ہو کر دو رکعت کر دی گئی ہیں۔
اور مسافر کو اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ حالانکہ یہ بناءً

خیال ہی خلاف روایات صحیحہ اور واقیعت اور حقیقت سے دور ہے۔ کیونکہ معاملہ درحقیقت
کچھ اور ہے کہ نماز پہلے دو رکعت کی شکل میں فرض تھی۔ پھر حضرتیں ان پر دو رکعت کا اضافہ کیے
پوری چار رکعت کر دی گئیں اور سفر میں وہ دو کی دو ہی فرض رہیں۔ یہ نہیں کہ فرض چار رکعت کا اضافہ
کر کے پوری چار رکعت اس میں رعایت دی گئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی حدیث جو بخاری میں ہے وہ
اس بارہ میں فیصلہ کن ہے۔ الصلوٰۃ اول ما فرضت رکعتان فانزلت صلوٰۃ السفر رکعتان فانزلت
صلوٰۃ السفر واتمت صلوٰۃ الحضر کہ پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھیں۔ پھر سفر میں دو کی دو ہی برقرار
رہیں اور حضرتیں پوری چار ہو گئیں۔ نسائی نے صحیح طریق سے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے صلوٰۃ
السفر رکعتان تمام غیر قصی علی لسان نیکو صلح کہ سفر کی نماز میں دو رکعت ہیں۔ پوری قصر شدہ
نہیں۔ مہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی۔ مسلم میں ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی زبانی اللہ نے حضرتیں چار رکعت فرض کیں اور سفر میں دو اور خوف میں ایک۔ لہذا مسلک
شافعیہ کا استدلال درست نہیں والد اعلم کہ ان کا مسلک کس طرح شائع ہوا۔

یہ کہ یہ بات حضرت عثمان نے مٹی میں چار رکعت کیوں پڑھیں۔ اور حضرت عائشہ نے سفر میں پوری
نماز کیوں ادا فرمائی۔ اس کا بھی جواب سنئے کہ جواب حضرت عثمان بعدی کے کا قیامت کا ارادہ کر چکے
تھے جیسا کہ عبدالرزاق بیان کرتے ہیں۔ گویا اس اقامت کو آپ نے تو طعن کا درجہ دیا۔ اور توطن سے انسان
لا محالہ قصر کو ترک کر کے پوری نماز ادا کرتا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے یہ ہی قصہ نقل کیا ہے کہ جب لوگوں
نے آپ کے اس عمل پر استعجاب ظاہر کیا تو آپ نے یہی عذر ظاہر فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ من قافل فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم کہ جب کوئی کسی شہر میں رہ پڑے
اور اہل و عیال کے زندگی اختیار کرے تو پھر وہ تقیم کی نماز پڑھے۔ ثواب تو صورت ہی دوسری ہوئی۔
اب آپ مسافر کیسے ہے۔ یا ممکن ہے آپ تمام وقصر ہر دو کے جواز کے قائل رہے ہیں۔ جیسا کہ غالباً
عائشہ کا خیال تھا۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ کیوں سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں۔
عروہ نے کہا کہ انہوں نے وہ ہی تاویل کر لی جو حضرت عثمان نے کی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب اس حضرت اور خین کے اس
قصر پر موافقت ثابت ہوئی تو یہی عمل بجا مسلک قرار پاد پھر اسی پر پس نہیں بلکہ اور ایچے کہ اگر انحضرت سے

کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح - حسن - ضعیف کیسی بھی پیش کر دیں کہ آپ نے بھی کبھی سفر میں پوری نماز پڑھی ہو تو ہم سمجھ لیں گے کہ اس مسلک کی کوئی حقیقت ہے۔ جب کہ آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔ جب آنکھ ٹوڑی سے کسی طرح کا ثبوت سوائے قصر کے اس بارہ میں نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا مکروہ ہے اور احناف کا مسلک بھی یہی ہے۔

عقل و درایت کی رو سے بھی امام شافعی کا مسلک درست نہیں ٹھہرتا کیوں کہ اگر یہ دو رکعت جو شافعی نے سفر میں مزید پڑھوائیں کیا یہ فرض ہیں؟ اگر فرض ہیں جیسا کہ ان کا خیال ہے تو ان کی ادائیگی کیا کیوں نہ ہوئی؟ اختیار پر اس کی بنا کیوں ٹھہری؟ اسی طرح ہر فرض کی قضا ہوتی ہے۔ ان کی قضا کیوں نہیں؟ اور ہر فرض کا ترک گناہ کا سبب ہے، ان کا ترک باعث گناہ کیوں نہیں؟ یہ کیسا فرض ہے کہ فرض کی کوئی علامت نہیں۔ بلکہ یہ علامات ان کے مطلب کے خلاف نفلوں کی رکعتاں ہیں۔ یہیں سے روزہ پر قیاس کرنے کی جڑ کٹ گئی کہ روزہ میں گوارا اختیار ہے۔ مگر اس میں قضا ہے؟ یہاں وہ بھی نہیں۔ جب یہ صورت حال ہے تو اضافہ شدہ رکعات کو فرض کیسے مان لیا جائے۔ یوں ان کے عقلی دلائل اور کم ہوئے اب صرف آیت رہ گئی۔ جس میں لفظ جناح سے شبہ ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصر کرنے یا نہ کرنے میں تم کو اختیار یا رخصت ہے۔ بلکہ یہ لفظ دراصل اس لئے بڑھا یا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ نماز حضرت میں کچھ نقصان ہو گیا کہ چار کی دورہ گئیں۔ بلکہ یہ طیغہ فرض ہیں اور پوری یہ نماز حضرت کی اور پوری شکل نہیں۔ کہ تم کو نقصان کا شبہ ہو۔ اور تم اس کو گناہ جانو۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم
عن علقمۃ عن عبد اللہ انہ اُتی فقیل
صلی عثمان بمئی اربعاً فقال انا لله و
انا الیہ راجعون صلیت مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین و مع ابی
بکر رکعتین و مع عمر رکعتین ثم حفی
الصلوات مع عثمان فقلی معہ اربع
رکعات فقیل لہ استرجعت و قلت
ما قلت ثم صلیت اربعاً
قال الخلافۃ ثم قال وکان
اقل من اتمها اربعاً بمئی

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت
ہے کہ آپ کے پاس کوئی آیا اور کہا کہ عثمان نے منی میں
چار رکعتیں پڑھیں۔ آپ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون
پھر کہا میں نے چھین سوال اللہ کے ہمراہ دو رکعتیں اور ابو بکر کے ہمراہ
دو رکعتیں اور عمر کے ہمراہ دو رکعتیں۔
پھر حضرت عبداللہ، حضرت
عثمان کے ہمراہ نماز میں شریک ہوئے تو ان کے پیچھے چار
رکعت پڑھیں۔ اس پر ان سے حضرت عبداللہ نے کہا
کیا کہ آپ نے انا للہ پڑھی اور کہا جو کچھ کہہا پھر آپ نے خود
ہی، چار رکعتیں پڑھیں آپ نے جواب دیا کہ یہ خلافت
کا پاس ادب ہے، پھر آپ نے کہا کہ عثمان فرض سے
پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے منی میں چار رکعت

پڑھیں

تشریح :- اس حدیث میں زیر بحث مسئلہ کی تشریح گزر چکی۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ

ابو حنيفة عن حماد عن مجاهد

انه صحب عبد الله بن عمر من مكة الى المدينة فمضى ابن عمر على راحلته قبل المدينة يومئذ ايماء الا المكتوبة والوتر فانه كان ياترل لهما عن وابته قال فالتت عن صلاته على راحلته ووجهه الى المدينة فقال لي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته تطوعا حيث كان وجهه يومئذ ايماء

باب - سواری پر نماز پڑھنا

مجاہد کہتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ لوٹتے وقت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا رفیق سفر تھا۔ پس آپ نے اپنی سواری پر (اونٹ) پر مدینہ کی طرف سفر کی حالت میں نماز ادا فرمائی (در کوع سجود کے لئے) آپ اشارہ کرتے جلتے تھے مگر فرض اور وتر سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو سواری پر نماز پڑھنے کے بارہ میں پوچھا۔ جبکہ سواری کا منہ اور رخ مدینہ کی طرف ہے دگوا قبلہ سے پھر ہوا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اپنی سواری پر خواہ کدھر بھی رخ ہوا اور رکوع سجود میں اشارہ کرتے جلتے تھے۔

تشریح :- اس حدیث سے جو مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ سفر میں سواری پر کون کون سی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں اور کون سی نہیں۔ امام شافعی و امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں دو سواری پر ادا ہو سکتے ہیں۔ محض فرض زمین پر اتر کر پڑھے جائیں۔ نہ کہ سواری پر ادا کی جاسکتی۔ نزاع محض وتر میں رہ جاتا ہے۔ امام شافعی کے مذہب کی دلیل بخاری کی حدیث ہے جو وہ انہیں عبداللہ بن عمر سے بطریق نافع روایت کرنے میں جسکے الفاظ ہیں کان ابن عمر یصلی علی راحلته ویوتر علیہا کہ ابن عمر سواری پر نماز پڑھا کرتے اور اسی پر وتر پڑھ لیا کرتے وینخبوان النبی صلعم کان یفعلہ اور بیان کرتے کہ نبی صلعم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یا سعید بن لیہ کی روایت محبت سے جسکو الکل لائے ہیں۔ جسکا مضمون یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں سفر میں ابن عمر کے ساتھ تھا راستہ میں میں پیچھے رہ گیا۔ حضرت ابن عمر نے مجھ سے فرمایا۔ کہاں تھے؟ میں نے کہا وتر ادا کر رہا تھا۔ فرمایا کہ کیا تمہارے لئے اس بارہ میں رسول اللہ صلعم کا کوئی اچھا طریق نہیں ہے۔ میں نے آنحضرت کو دیکھا کہ آپ سواری پر وتر پڑھ لیتے۔ مذہب حنفیہ کی بنا بھی ابن عمر کی حدیث پر ہے جو تین صحیح طرق سے مروی ہے۔ ایک مجاہد کے واسطے سے جو ذیل میں آپ کے سامنے ہے کہ صاف ناظر ہے کہ صاف ابن عمر فرض نماز اور وتر نہ میں پرادا فرمایا کرتے۔ دوسرے حصین کے واسطے سے جس کو امام محمد موطا میں لائے ہیں جس میں ہے فاذا كانت الفریضۃ والوتر نزل فیصلی کہ جب فرض یا وتر پڑھنے ہوئے تو زمین پر اترتے اور پڑھتے۔ تیسرے نافع ہی کے طریق سے جو طحاوی لائے ہیں جس کے الفاظ ہیں کان یصلی علی راحلته ویوتر بالارض کہ سواری پر نماز پڑھا کرتے اور وتر نہ میں پڑھا۔ اب ابن ماجہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے سواری

پر وتر ادا کئے۔ یاسعید بن یسار کا قصہ کہ ان کو اپنے اس کے لئے ہدایت کی تو اس کی تاویل کی جائے گی۔ کہ غالباً کسی عذر کے سبب ایسا ہوا ہوگا۔ کہ کچھڑ۔ پانی۔ یا کسی اور خوف سے نہ اتر سکے ہوں گے۔ کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض بھی سواری پر پڑھے جاسکتے ہیں۔ یا بہت امکان ہے کہ اس وقت تک وتروں کا وجوب جناب کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہو۔ کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں بہت سے احکام میں پہلے بہت کچھ آزادی تھی جو بعد میں قیود اور سختیوں سے بدلتی گئی۔ ان کا شمار محض سنتوں میں رہا ہو۔ جو سواری پر پڑھے جاسکتے ہیں۔ ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے سواری پر وتر پڑھنا مروی ہو اور آپ ہی اس کے خلاف کریں۔ اور نحو ذالبتداء تا مردون الناس بالبر وتسنون انفسکم کے مصداق ہوں؟

بَابُ الْوُتْرِ

ابو حنیفہ عن ابی یغفور العبدی
عن حدیثہ عن ابن عمرؓ قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زادکم صلوٰۃ و
وتر۔

و فی رواية ان اللہ افترض علیکم
و زادکم الوتر۔
و فی رواية ان اللہ زادکم صلوٰۃ الوتر
و فی رواية ان اللہ زادکم صلوٰۃ وھی
الوتر فحافظوا علیہا

باب۔ وتر کا بیان!

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے
لئے ایک نماز فرض نمازوں پر زائد کی۔ وہ وتر
ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
فرض کی نماز تم پر اور زائد کئے تمہارے لئے وتر۔
اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
زیادہ کی تمہارے لئے نماز اور وہ وتر ہے۔ پس
حفاظت کرو ان کی۔

تشریح ۱۔ حدیث ذیل کے تحت یہ مترقب تنبیح ہے کہ وتر کے باب میں امام اعظم سے
مختلف روایات مروی ہیں۔ یعنی کہ آپ ان کو واجب مانتے تھے یا فرض و سنت۔ واجب ماننے
کی روایات صحت کے قریب تر ہیں۔ وتروں کے وجوب پر کسی احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔
ان میں سے ایک یہی حدیث بھی ہے۔ یہی حدیث مختلف صحابہ سے مروی ہے جن میں خارجہ بن حذافہ
عمرو بن عاص۔ عقبہ بن عامر۔ ابن عباس۔ ابولبصرہ الغفاری۔ ابوسعید خدری وغیرہ ہیں۔ بعض کو ان میں
سے کسی کے سلسلہ سند میں کلام ہوا ہے۔ لیکن بہر حال بعض بعض کو قویٰ مکرر دیتی ہیں۔ اول یہی حدیث
اپنے تمام طرق سے جن سے یہ مروی ہے وجوب وتر کا پتہ دیتی ہے۔ مگر اس میں زاو کم کا لفظ ہے جس
میں پر زور اشارہ ہے کہ وتر سنت نہیں۔ بلکہ ان سے بلند وجہ واجب ہیں۔ کیونکہ زیادتی کی نسبت
اللہ تعالیٰ کی طرف کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ سنت قرار پاتے۔ فرض اس لئے نہیں ہوئے
کہ یہ دلیل قطعی نہیں لامحالہ سنت و فرض کے درمیان واجب ٹھہرے۔ دوسرے زیادتی سے بھی

لطیف اشارہ اس طرف ہے۔ کیونکہ زیادتی مقررہ عدد سے ہوگی۔ جو واجبات کی ہے۔ نفلوں کی کیونکہ ان کی کوئی تعداد یا گنتی متعین و مقررہ نہیں کہ ان سے زیادتی کی جائے۔ تیسرے ایک شے پر زیادتی اسی کے جنس سے ہونا قرین قیاس ہے۔ یہاں مزید علیہ جس پر زیادتی ہوئی ہے فرض ہیں تو یہ بھی فرض ہونے چاہئیں۔ مگر چونکہ ان کے ثبوت میں دلیل قطعی نہیں اس لئے یہ فرض تو نہ ہوئے واجب ضرور ٹھہرے اب دوسرے طرق سے مروی الفاظ دیکھئے۔ وار قطنی میں عمر بن شعیب کے طریق میں ہے کہ ہم کو حکم دیا تو ہم جمع ہوئے۔ حمد و ثناء کے بعد یہی الفاظ ادا فرمائے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس حال میں کہ چہرہ سرخ تھا۔ مہر پر چڑھے اور حمد و ثناء کے بعد یہ الفاظ ادا کئے۔ لہذا جمع کرنا۔ چہرہ کا سرخ ہونا۔ حمد و ثناء کہنا یہ سب ان وتروں کی سنتوں سے زائد اہمیت کو ثابت کرنے ہیں۔ ابو ہریرہ کی حدیث میں فصلوھا صیغہ امر ہے۔ عمر بن شعیب کے طریق میں لفظ امر نا ہے کہ ہم کو حکم دیا۔ یہ ساری گفتگو اس حدیث پر مبنی۔ اب دوسری احادیث جو اسی سلسلہ میں وارد ہیں وہ اس سے زائد وضاحت کے ساتھ وتر کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔ ابو داؤد ابی ایوب انصاری سے حدیث لائے ہیں الوتر حق علی کل مسلم حتیٰ کی وائی کی چونکہ واجب ہے اس لئے اس سے بھی وجوب کا علم ہوا۔ ابن بربہ سے ابو داؤد یہی روایت لاتے ہیں۔ اس میں اس کی زیادہ ہے۔ فمن لم یوتر فلن یسئل منا کہ جس نے وتر ادا نہیں کئے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ لہذا ایسی سخت وعید اور تین مرتبہ اس کا اعادہ با واز بلند ان کے وجوب پر گویا ہے۔ مسلم میں ابی سعید سے اوترؤا کا لفظ مروی ہے جو وجوب کی طرف مشیر ہے۔ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ حضرت وتر کیا واجب ہیں آپ نے فرمایا وتر چھ آنحضرت نے اور مسلمانوں نے پھر سائل نے وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ تین مرتبہ البیہوی ہوا۔ اس سے بھی آشکارا ہے کہ وتر واجب ہی ہیں۔ گویا دیگر الفاظ یوں فرمایا کہ یہ کیسے واجب نہ ہوں جبکہ آنحضرت اور مسلمانوں نے ان کو ہمیشہ ادا کیا ہو۔ لہذا ان تمام روایات کے الفاظ کوئی صراحتہ کوئی کنایتہ اور اتار دہ وتروں کے وجوب پر واضح اور بین دلائل ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہے۔

ابو حنیفہ عن ابی اسحاق عن امام

بن عمر قال سألت علیاً رضی اللہ عنہ عن الوتر احق هو قال اما لحق الصلوٰۃ فلا ولكن سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ینبغي لاحد ان یتزکک

عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ وتر کے بارے میں کیا وہ حق و واجب یا فرض ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کی طرح تو حق و فرض نہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کسی کیلئے اسکا چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

تشریح: حدیث وتر کی اہمیت کو ثابت کرتے ہیں کہ گویا وہ فرض کی طرح دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ فرض ٹھہریں۔ البتہ ان کا وجوب سنت نبوی سے ثابت ہے اور ان کا ترک جائز نہیں ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت ادا فرمایا کرتے۔ اول رکعت

ہیں مجھ اسم ربك الاعلى پڑھتے۔ دوسری ہیں۔
قل یا ایہا الکافرون اور تیسری ہیں قل
هو الله احداً

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث یقر فی الاول
سبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية قل یا ایہا الکافرون
وفي الثالثة قل هو الله احداً

وفي رواية كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
یقرأ فی الركعة الاولى من الوزن بام الكتاب وسبح
اسم ربك الاعلى وفي الثانية بام القرآن وقل یا ایہا
الکافرون وفي الثالثة بام الكتاب قل هو الله احداً
وفي رواية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

كان یوتر بثلاث

نشر صحیح۔ اسی حدیث تحت تعداد رکعات وتر کا مسئلہ وضاحت طلب ہے۔ یہ مسئلہ بھی ائمہ

کے مابین مختلف فیہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں امام مالک و شافعی ایک

رکعت کے قائل ہیں۔ ہر دو ائمہ کی دلیل ابن عمر کی حدیث ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے اختلاف

الفاظ قریب قریب ایک ہیں مثلاً ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کی بابت سوال

کیا تو آپ نے فرمایا مثنی مثنی فاذا خشیت الصبح فصل رکعة تو تر لك صلواتك کہ دو دو رکعت

ہیں۔ جب صبح ہونے کا سمجھو کہ خطرہ ہو تو ایک رکعت پڑھو۔ یہ تیسری نماز کو وتر کر دے گی۔ ایک روایت

میں خاوند واحد کہتا ہے کہ ایک رکعت ملا کر دو گانہ کو وتر کر دے۔ اس کی حقیقت کو ہم آخر بیان میں کھولیں

گے۔ امام صاحب کے مذہب پر قوی دلائل ہیں جو سپرد علم ہیں۔ اول حدیث ذیل ہی کہ فرمایا یوتر بثلاث

کہ آنحضرت وتر کی تین رکعات پڑھا کرتے پھر رکعت کے لئے علیحدہ قرأت کا اظہار ہوا۔ اور بظاہر تیسری

رکعت کا وصل ہی ہے بغیر فاصلہ تحریر کے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی حدیث جو حاکم شرطین پر

لائے ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم الا فی اخرهن کہ آنحضرت وتر کی

تین رکعات ادا فرمایا کرتے اور آخر میں سلام پھیرتے یا نائی کی حدیث کہ عائشہ فرماتی ہیں۔ کان النبی صلی

لایسلم نے دکتی الوتر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت پر سلام نہ پھیرا کرتے تیسرے واقطنی میں ابن مسعود سے روایت ہے

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث کو نزل النہار صلوات المغرب کو شب کے وتر تین رکعت ہیں جس طرح دن

کے وتر مغرب کی تین رکعت ہیں اس میں یہ قسم نکالتے ہیں کہ یہ مرفوع صحیح نہیں ثوری وغیرہ اس کو موقوف لائے ہیں۔ خبر

مرفوع صحیح نہ سہی موقوف بھی قابل حجت ہے جس میں مثال تک سے دی گئی کہ اب تیسری رکعت کو دوسرے سے جدا

کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی پھر اس کی تقویت یوں ملتی ہے کہ طحاوی ابی خالد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے

ابا العالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ نے کہا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وتر مغرب کی نماز کی طرح کھائے یہ شب تو

ہیں تو وہ دن کے وتر پر جو تھے بخاری ہی صحیح میں قاسم بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو وتر کی تین رکعت پڑھنے کو کہے یا

یا نبی حضرت عمر کا عمل یہی تھا چنانچہ ملک متدرک میں حبیب معلم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے جی سے کہا کہ ابن عمر وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے ہیں

حسن بولے کہ عمر ابن عمر سے زیادہ افقہ مٹنے اور وہ تودو کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اٹھ جاتے۔ چھٹے ابن ابی ثبیہ حسن سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا اجتماع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی اخر منہا کہ جمہور نے اس پر اتفاق کیا کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور نہ سلام پھیرے انسان گمراہ نہیں رہتا۔ محمد بن یوسف ابن مسعود کی روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک رکعت ہرگز کافی نہیں۔ اب ہر دو ائمہ کی دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ **تَوَاتُرُكَ فَلَوْ تَرَوْا احَدًا اَكْرَمَ مِنْكُمْ شَانِعًا وَمَا لَكُمْ لِي حُبًّا** ہے تو مذہب منغیہ کی بھی یہی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی کیوں نہ کئے جائیں۔ کہ اس دو گانہ نماز کے ہمراہ ایک رکعت ملا کر تین رکعت کے وتر کر لے۔ یہ کہ وتر کو نئی تحریم سے علیحدہ ایک رکعت کی شکل میں پڑھ لے۔ یہ ترجمانی حدیث کی نہیں۔ بلکہ اپنے خیال کی ہے۔ پھر ایسے الفاظ جو درمیانی کا احتمال رکھتے ہوں وہ نزاع کب چکا سکتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ مخالف کے پاس صاف اور کھلے الفاظ ہیں صحیح احادیث مزبورہ موقوفہ موجود ہوں۔ دوسرے یہ حکم **فَاِذَا خَشِيتُ الصُّبْحَ** کے پیش نظر صبح کے طلوع ہونے کے خوف کے ساتھ مشروط ہے۔ گویا یہ حکم بغیر وجود اس شرط کے کالعدم ہے اور غیر نافذ اور مزید برآں اخبار صحیحہ کی و سے تیسرا کی صورت جائز نہیں۔ اور ایک رکعت کو دو گانہ سے بذریعہ نئی تحریم جدا کر کے پڑھنا صاف تیسرا کی شکل ہے۔ جو ہرگز جائز نہیں۔ اب فیصلہ خود کریں۔

ابو حنیفہ عن زبید بن الحارث

ایامی عن ابی عمر عن عبد الرحمن بن ابی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقر فی وترہ اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایہا الکفرون فی الثانیۃ وقل هو اللہ احد فی الثالثۃ۔

وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الوتر فی الركعة الاولى بسم اسم ربک الاعلیٰ و فی الثانیۃ قل للذین کفروا یعنی قل یا ایہا الکفرون فہذا فی قراءۃ ابن مسعود و فی الثالثۃ قل هو اللہ احد۔

وفی روایۃ امہ کان یقرأ فی الوتر فی الركعة الاولى بسم اسم ربک الاعلیٰ و فی الثانیۃ قل یا ایہا الکفرون و فی الثالثۃ قل هو اللہ احد۔

وفی روایۃ کان یوتر بثلاث رکعات یقرأ فیہا سبعم اسم ربک الاعلیٰ

حضرت عبدالرحمن بن ابی زبید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتروں کی پہلی رکعت میں سبم اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے۔ دوسری میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبم اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے دوسری میں قل للذین کفروا یعنی قل یا ایہا الکفرون اور یہی روایت ہے ابن مسعود کی اور تیسری میں قل هو اللہ احد۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ وتر میں پہلی رکعت میں سبم اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے دوسری میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ وتر کی تین رکعات اور فرماتے تھے۔ پڑھا کرتے ان میں سبم اسم

وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ
 أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سَفْيَانَ عَنْ أَبِي
 نَفْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فِضْلَ فِي الْوُتْرِ
 أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ
 عَمْرِو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ أَوَّلُ اللَّيْلِ سَخَطَةٌ
 لِلشَّيْطَانِ وَآخِرُ السَّحُورِ وَمُنَاقَاةُ
 الرُّحْلَيْنِ

۱۵۷

۱۵۸

دہلے الاعلیٰ قتل یا ایہا الکافرون اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ
 حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر شفیع اور آخری رکعت کے
 درمیان میں کوئی جدائی دینی تحریم سے نہیں ہے
 حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شروع رات
 کے وتر شیطان کو برا فرختہ اور غصہ کرنے میں اور
 درمیان میں سحری کھانا خدائے رحمن کی رضا مندی
 و خوشنودی کا سبب ہے

تشریح :- اول رات کے وتر شیطان کے غصہ کا سبب یوں ہیں کہ اس سے اس کی امیدیں خاک
 میں مل جاتی ہیں۔ اور بہکانے کے سارے منصوبے فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر نمازی سو جاتا اور غلبہ نیند سے
 وتر قضا ہو جاتے تو خوشی مناتا۔ کہ وتر عیسیٰ اہم نماز نیند سے برباد ہوئی مگر شروع رات میں وتر پڑھنے سے
 اس کی خوشی ختم ہوئی۔ بلکہ خوشی کی جگہ غصہ اور مددہ سننے لے لی ہے

سحری کی فضیلت کئی دیگر احادیث صحیحہ ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت انس سے وارد ہے فی اکل السحور
 برکت۔ یعنی سحری کے کھانے میں برکت ہے۔ اول تو سنت نبوی۔ طریق مصطفوی کی پیروی و متابعت
 میں جو خیر و برکت ہے۔ دوسری روزہ دار زیادہ تقاربت و کمزوری و نا طاقتی و ناتوانی کا شکار نہیں ہوتا
 چپٹی و چالاک سے عبادت الہی و یاد خداوندی میں دن کا تاس ہے

۱۵۹

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ
 عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ
 الْأَنْصَارِيِّ قَالَ أَوْتَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَآوَسَطَهُ وَآخِرَهُ لَمْ يَكُنْ
 يَكُونُ وَاسْعًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَيْ ذَلِكَ اخْتِذَا بِهِ
 كَانُوا يَأْخِذُونَ بِهِ مِنْ طَمَعٍ لِقِيَامِ اللَّيْلِ فَلْيَجْعَلْ
 وَتَرَكَ فِي الْآخِرِ اللَّيْلِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ
 وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ
 عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ
 أَنَّهُمَا قَالَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 يَوْتِرُ أَحْيَانًا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَآوَسَطَهُ وَآخِرَهُ لِيَكُونَ سَعَةً

حضرت ابی سعید انصاری کہتے ہیں کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رات میں وتر پڑھی۔
 وسط شب میں اور آخر شب میں بھی پڑھی تاکہ تم سب کو
 کو عمل کرنے میں کشادگی نصیب ہو۔ اس میں کچھ پر
 بھی عمل کر لیں وہ ٹھیک ہے۔ النبی جو مجھ سے رکھتا
 ہوا رات کو دہتہ کیلئے، اٹھنے پر اس کو چاہئے کہ
 وتر اخیر رات میں پڑھے۔ کیونکہ یہ اخیر رات میں
 وتر پڑھنا ہی افضل ہے اور ایک روایت میں
 عقبہ بن عامر اور ابی موسیٰ اشعری دونوں اصحاب روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع شب میں اور آخر رات میں کبھی
 درمیان رات میں کبھی اخیر رات میں تاکہ مسلمانوں کو اس بارے
 میں کشادگی اور آزادی نصیب ہو کہ ان ہر سہ اوقات میں سے جس

للمسلمین : وقت میں چاہیں و تراوا کر لیں موافق سنت ہوگا
تشریح :- آنحضرت نے اپنے عمل سے وتر کے لئے میدان عمل وسیع فرمادیا کہ رات کے جس حصہ میں
ادائے جائیں موافق سنت ہے۔ اب رہ جاتی ہے فضیلت تو وہ آخر رات میں ہی ہے۔ کیونکہ دوسری
احادیث صحاح میں اس کا سبب بتلادیا گیا فرمایا فان تراءتہ القرآن فی الخواہل محضوۃ دھنی فضل
کہ اخیر رات کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ بہت فضیلت کا باعث ہے :

بَابُ سَجْدَتِي السَّهْوِ

الْبُحْثُ فِيهِ عَنْ حَمَادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ

عن علقمہ عن عبد اللہ ابن معمر
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی صلوۃ اما الظهر واما العصر فراح
او نقص فلما فرغ وسلم فقیل لہ لحدث
فی الصلوۃ امر نیت قال انی کما
تسوک فاذا انیت فذکرونی ثم
حول وجہہ الی القبلة وسجد سجدتی
السہو وتشہدا فیہا ثم سکر عن
یمینہ وعن شمالہ :

بَابُ سَهْوِ كَيْ دُجْدُول كَابِيَان

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی
نماز پڑھائی اور اس میں کچھ زیادتی ہوئی یا کچھ کمی۔
جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیرا تو
اپنے عرض کیا گیا۔ کہ حضرت نماز میں کوئی نئی بات ہوئی
ہے۔ یا حضور بھول گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں بھی بھولتا
ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہذا جب بھول جا یا کروں
تو مجھ کو یاد دلا دیا کرو۔ پھر اپنے اپنا چہرہ قلمبرخ کیا اور
سہو کے دو سجدے کئے اور اس میں تشہد پڑھا۔ پھر
دائیں بائیں جانب سلام پھیرا :

تشریح :- حدیث میں ایک الجھن ہے کہ آنحضرت نے کلام فرما کر سجدہ سہو کیسے ادا فرمایا۔ کیونکہ کلام
نماز میں جائز نہیں۔ اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور نماز کا اعادہ لازم ہوتا ہے نہ سجدہ سہو۔ اس
کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب نماز میں بات کرنا جائز تھا۔ اس سے نماز فاسد نہیں
ہوتی تھی۔ جس طرح کہ عبداللہ بن مسعود کی آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تاویل قرنی
قیاس ہے۔ اور اس سے الجھن بخن و خوبی دور ہو جاتی ہے۔ القیام امام شافعی نے جو بیان فرمائی ہے
وہ کسی طرح ٹھیک نہیں۔ کہ یہ کلام انتخاب کا سہو امتحانہ عمدہ۔ اور سہو کلام جائز ہے۔ کیونکہ
اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو سہو تسلیم کریں تو ذی البین یا دوسرے صحابیوں نے جب
کلام کیا تو ان کی نمازیں قابل اعادہ ٹھہرتی ہیں۔ حالانکہ آپ نے ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔ پھر اس
پر یہ کہنا کہ بیشک ان کی نمازوں کا اعادہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ مقتدی امام کا تابع ہے۔ اس لئے ان
کی نمازوں میں کوئی قیاحت لازم نہیں آتی۔ جبکہ امام کی نماز قیاحت سے پاک ہے۔ پہلی بات سے
بھی ناگزیر کیلت ہے۔ کیونکہ صرف مقتدی کی نماز میں جب فساد ہوتا ہے تو مقتدی کی نماز فاسد
ہوتی ہے نہ امام کی :

بَابُ سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ!

ابو حنیفہ من سہال عن عیاض

الاشعری عن ابی موسی الاشعری ان النبی صلی
سجد فی حقہ

بَابُ - سَجْدَةِ تِلَاوَتِ کَاسْبَانِ!

حضرت ابی موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے،
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حق میں
سجدہ کیا:

تشریح :- آنحضرتؐ کا یہ سجدہ حضرت واوود علیہ السلام کی متابعت میں تھا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک اس آیت کو آیات سجدہ میں سے مانتے ہیں۔ نہ شافعیؒ۔ ان کے مسلک کی تائید یا تو ابن عباسؓ کی اس حدیث سے نکلتی ہے۔ جو بخاری لائے ہیں کہ کہا سجدہ حق عزائم میں سے نہیں ہے۔ یا ابی سعیدؓ کی حدیث جس کی روایت ابو داؤد و نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ پڑھتے وقت سورت حق پڑھی تو آپؐ نے بھی سجدہ ادا فرمایا۔ اور صحابہ نے بھی۔ پھر پڑھی تو صحابہ نے سجدہ کی تیاری کی تو آپؐ فرمایا کہ یہ تو نبی کی تو بہ ہے۔ حالانکہ ہر دو احادیث کے ان الفاظ سے ان کے مذہب کی وضاحت نہیں ہوئی۔ عزائم میں سے نہ ہونے کا مطلب ہے کہ فرائض میں سے نہیں بلکہ واجبات میں سے ہے جو شکر کے طور پر واوود علیہ السلام کی اقتدار میں واجب ہوا۔ اور دوسری حدیث میں جو سجدہ کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ تو نبی کی تو بہ ہے تو یہ بھی اس کے جواب کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ تمام فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کی بیش از بیش نعمتوں کے شکر میں تو فرض و واجب ہو گئے ہیں۔ لہذا یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ امام صاحب کے مذہب کی دلیل امام احمد کی حدیث سے نکلتی ہے جو وہ بکر بن عبد اللہ المزنی کے واسطے ابی سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورت حق لکھ رہا ہوں۔ جب آیت سجدہ پر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ دو آت قلم پا جو کچھ موجود تھا۔ سر بسجود ہوئے کہتے ہیں کہ یہ قصہ میں نے آنحضرتؐ سے بیان کیا اس کے بعد آپ سجدہ کرتے رہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ اس واقعہ کے بعد سجدہ کا عمل جاری رہا۔ اور اس قصہ سے پہلے ہو گا۔ نہ اس کے بعد:

بَابُ مَنَعِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن ابی وائل عن عبد اللہ بن مسعود عن
امہ لما قدم من ارض الحبشة سلم علی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یصل فلم یزد
علیہ السلام فلما انصرف رسول اللہ صلیبَابُ - نَمَازِ مِیْنِ بَاتِ چیت
کرنا منع ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ
جب وہ حبشہ سے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اور آپ نماز میں مصروف تھے۔ ان
جنابؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب آنحضرتؐ
نماز سے فارغ ہوئے حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: ہاں!

اللہ علیہ وسلم قال ابن مسعود اوصوا باللہ
من منقطع نعمة اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وما ذاک قال سلمت علیک فلم ترد
علی قال ان فی الصلوة کشف
قال فلم ترد السلام علی احک
من یومئذ

مانگتا ہوں میں اللہ اور اس کی نعمت درجی صلی اللہ علیہ وسلم
سلم کے حصہ سے۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ پناہ مانگنے کی
کیا وجہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو سلام
کیا۔ اور آپ نے جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ
نماز میں اللہ کی طرف توجہ اور اس کی طرف مشغولیت
ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں پھر اس
دن کے بعد ہم کسی کے سلام کا جواب نہ دیتے۔

تشریح ۱۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں بات چیت اور جواب
سلام جائز تھا۔ جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا گیا۔ بندشیں بڑھتی گئیں۔ چنانچہ شیخین نے زبدین ارقم سے روایت
نقل کی ہے کہ پہلے ہم نماز میں اپنے ساتھی سے بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قوموا للہ
فانتین نازل ہوا۔ تو ہم سکوت کا حکم ہوا اور ہم بات کرنے سے روک دیئے گئے۔ لہذا ابن مسعود ہمیشہ
جانے سے پہلے یہ زمانہ دیکھ چکے تھے کہ بات چیت اور سلام کلام کی آزادی تھی۔ جب وہاں سے
نازل ہوا اُسے تو وہی خیال دل میں تھا۔ حالانکہ اس بیچ میں یہ رعایت ختم ہو چکی تھی۔ بارگاہ الہی سے قوموا
للہ فانتین کا فرمان نازل ہو چکا تھا۔ چنانچہ نبی صلعم کی طرف سے جب سلام کا جواب نہ ملا۔ تو لرز اٹھے
کانپ گئے اور سمجھے کہ مزاح اقدس میں ان کی طرف سے کچھ تکرر پیدا ہو گیا ہے۔ پھر خود پوچھا۔ اور معاملہ
کی وضاحت فرمائی کہ نماز تو سر مشغولیت اور مصروفیت ہے اس میں سلام و کلام گنجائش کہاں اور
مولیٰ سے مناجات کے وقت بندوں سے بات چیت کا کیا موقع ہے۔ پس یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام فرمایا درست تھا اور بعد میں یہ کلام کرنا منع قرار دے دیا گیا۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن
الاسود عن عائشۃ قالت کان النبی صلعم یصلی من
اللیل وانا فائتۃ الی جنبہ وجانب الثوب
واقع علی

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
شب کو نماز ادا فرماتے اور میں سوئی ہوئی ہوتی۔
آپ کے پہلو میں اور کپڑے کا ایک حصہ مجھ
پر پڑا ہوا ہوتا۔

تشریح ۱۔ یہ حدیث صحیحین میں یوں ہے کہ نبی صلعم راست کو نماز ادا فرماتے اور میں آپ کے اور قبلہ
کے بیچ میں جنازہ کی طرح لیٹی ہوئی ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عائشہ آنحضرت کے بالکل سامنے لیٹی ہوئی
ہوتیں۔ اور حدیث ذیل میں پہلو کا ذکر ہے لہذا یا تو پہلو کے معنی سامنے ہی کے لئے جائیں کہ تمام روایات
متفق المعنی ہوں یا اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے کہ عائشہ آنجناب کے دائیں یا بائیں جانب لیٹی ہوئی
ہوتیں مسئلہ کی رو سے جو تشریح حدیث کی ہوئی چاہے وہ آئندہ والی حدیث میں انشاء اللہ بیان
ہوگی۔

بَابُ التَّصْفِيحِ لِلرِّجَالِ وَالْتَّصْفِيحِ لِلنِّسَاءِ

ابو حنیفہ عن مافع عن ابن عمر

رسول الله صلى الله عليه وسلم من
في الصلوة اذا نأى به حرفه شيء
التسبيح للرجال والتصفیق
للنساء

۱۴۲

بَابُ - بھول کو ظاہر کرنے کیلئے

نماز میں مردوں کو تسبیح اور عورتوں
کو تصفیق کرنی چاہیے!

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نماز میں یہ طریقہ بتایا
گیا۔ کہ جب ان کو دو مقتدیوں کی نماز میں کوئی بات
پیش آئے جس پر امام کو خبردار کرنا ہو تو مردوں
کے لئے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کیلئے ہاتھ
پر ہاتھ مارنا

تشریح :- عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے یوں روکا گیا۔ کہ عورتیں اپنی آواز مردوں کو نہ سنائیں اسی
لئے بعض علماء کے نزدیک عورت کی آواز بھی ستر میں شمار ہے

بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ وَمَا لَا يَقْطَعُ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهيم

عن الاسود بن يزيد انه سأل عائشة
عما يقطع الصلوة فقالت يا اهل
العراق تزعمون الصلوة فترتمونا
بهماد رأ ما استطعت كان النبی
صلى الله عليه وسلم يصلي وانا
نائمة الى جنبه عليه ثوب جابنه
على

۱۴۵

بَابُ - کس چیز سے نماز ٹوٹی ہے

اور کس چیز سے نہیں ٹوٹی!

اسود بن یزید نے حضرت عائشہؓ سے اس چیز
کے بارہ میں دریافت کیا۔ جو نمازی کے سامنے سے
گزر کر نماز کو توڑ دیتی ہے۔ آپؓ کہنے لگیں عراق
تم یہ سمجھتے ہو کہ گدھا۔ کتا۔ بلی نمازی کے سامنے
سے گزر جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ گویا تم نے
ہم د عورتوں کو ان کے ساتھ ملا دیا۔ جہاں تک
بس چلے گزرنے والے کو گزرنے سے روک دینی
صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور میں آپ کے
پہلو میں سوئے ہوئے ہوتی۔ آپ کے کپڑا کا ایک
حصہ مجھ پر پڑا ہوتا

تشریح :- صحیح مسلم میں اس بارے میں حدیث ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ فرمانے ہیں کہ نمازی کے ساتھ
اگر سترہ نہ ہو تو عورت گرے اور کالے کتے کا گزرنا اس کی نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر
ظاہر یہ کہ یہ بھی مسلک ہے کہ ان چیزوں کا گزرنا نماز کے ٹوٹ جانے کا سبب ہے امام ابو حنیفہؒ مالک اور شافعی

کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ امام احمد عورت اور گدھے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتے اور کتے کو قطع کا سبب مانتے ہیں۔ یہ ہے مسئلہ کی نوعیت اور اس میں ائمہ کے اختلاف کی حقیقت۔ اب بڑا تذلل ملاحظہ فرمائیں۔ ائمہ ثلاثہ کے سامنے دوسری صحیح احادیث اس کے معارض ہیں۔ جن کی بنا پر وہ قطع کی حدیث کے نسخ کے قائل ہوئے یا اس کی تاویل کے۔ ان میں سے ایک حدیث ذیل حدیث عائشہ ہے جو کتب صحاح میں خفیف لفظی اختلافات سے وارد ہے اور جس میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ عورت کے معاملہ میں عدم قطع نماز کا ناطق فیصلہ صادر کرتی ہے۔ کہ اس کے سامنے رہنے یا گزر جانے سے نمازی کی نماز میں کوئی فرق نہیں آتا۔ خود آنحضرت کا عمل اس کی تین دلیل ہے۔ گدھے کے بارہ میں حضرت ابن عباس کی صحیح حدیث ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نماز پڑھتے تھے تو میں نے گدھے کو صف کے سامنے چھوڑ دیا۔ اور آپ نے اس کی پروا نہ کی۔ اب رہا کتے کا مسئلہ تو حدیث قطع میں کتے کا عطف مرارۃ و حمارا پر ہے جس کا شرعی حکم معلوم ہے۔ لہذا کتے کا عطف اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ بھی قطع کے نیچے اگر ان ہی ہر دو کے ساتھ ٹکریک حکم ہوا۔ امام احمد بھی ہر دو احادیث عدم قطع کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت و گدھے کے بارہ میں قطعی حکم نہ لگا سکے۔ البتہ کتے کے متعلق ان کو چونکہ کوئی معارض حدیث نہ ملی اس لئے وہ اس میں بدستور قطع ہی کے قائل ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس حقیقت کی صراحت کی ہے۔ و بقرائہ حدیث قطع میں قطع صلوٰۃ سے خشوع و خضوع کا چلا جاتا مراد لیتے ہیں نہ نماز کا ٹوٹ جانا جیسا کہ ظاہر الفاظ بتاتے ہیں۔

بَابُ مَلَوَةِ الْكُوفِ

ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم

عن علقمہ عن عبد اللہ قال انکسفت الشمس یوم مات ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخطب فقال ان الشمس والقمر ایتان من آیات اللہ لا تنکسفان موت احد ولا لحیۃ فاذا رأیتما ذلک فصلوا فاحمدوا اللہ وکثروا وسبحوا حتی یجلی ایہما انکسفتا نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویکلے رکعتین

باب - سورج گرہن کی نماز

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے دن سورج گرہن ہوا تو آنجناب کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیں ہیں سے ایک نشانی ہے۔ اس میں کسی کی موت کے سبب یا کسی کی پیدائش کے باعث گرہن نہیں پڑتا لہذا جب تم ان کو الیاد گرہن کی حالت میں دیکھو تو نماز پڑھو اللہ کی حمد کرو۔ پیکر کرو۔ اور تسبیح پڑھو یہاں تک کہ ہر دو گھنٹے نکل جائیں۔ پھر منبر سے آپ اترے اور دو رکعت نماز کسوف ادا فرمائیں۔

تشریح ۱۔ یہ حدیث سورج گرہن کی نماز ثابت کرتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں ائمہ کا اختلاف ہے

اس کی تشریح تفصیل سے آئندہ حدیث میں دی جا رہی ہے :

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابیہ

عن ابن عمر قال انکسفت الشمس یوم مات ابراہیم فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم قیاماً لم یزل حتی ظنوا انه لا یرکع ثم رکع فکان رکوعه قد ارقیامہ ثم رکع رأسه فکان قیامہ قد ادرک رکوعه ثم سجد قد ارقیامہ ثم جلس فکان جلوسه بین السجدتین قد ادرک سجودہ ثم سجد قد ادرک جلوسه ثم صلی الركعة الثانیة ففعل مثل ذالک حتی اذا کانت السجدة منها بکی فاشتد بکاءه فسمعنا و هو یقول الم تعذبنی ان لا تعذبهم وانا فیهم ثم جلس فتشهد ثم انصرف وارتل علیهم بوجهه ثم قال ان الشمس والقمر ایتان من آیات اللہ یخوف اللہ بہما عبادہ لا یکفان لموت احدا ولا لحياته فاذا کان کذا لک فعلیکم بالصلوة ولقد رأیتنی اذ نیبت من الجنة حتی لو شئت ان اتناول عصفاً من اغصان شجرها فعلت ولقد رأیتنی اذ نیبت من النار حتی جعلت اتقی ولقد رأیت سارق رسول اللہ فی رواية سارق بیت رسول اللہ یعذب بالنار ولقد رأیت فیہا عبد بن دعداء سارق الحجاج بمحجۃ ولقد رأیت فیہا امرأة اذ ماء حمیریة تعذب فی امرأة اذ ماء حمیریة تعذب فی

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے دن سورج کو گرہ بن لگا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے باعث سورج میں گرہ لگا ہے۔ آنحضرت نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور اس قدر طویل قیام فرمایا کہ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے رکوع قیام ہی کے برابر تھا پھر رکوع سے سر اٹھایا۔ تو آپ کا رکوع قیام کے برابر تھا۔ پھر سجدہ کیا قیام کے برابر پھر بیٹھے تو دو سجدوں کے درمیان تو کہ جب دوسری رکعت کے سجدہ میں گئے تو بہت زیادہ روئے اچھٹے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ دے اللہ کیا کرنے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا کہ تو ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک میں ان میں ہوں۔ پھر آپ بیٹھے اور تشهد پڑھا۔ پھر نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف رخ فرما کر ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیوں میں ڈولتا ہے اللہ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کو نہ کسی کی پیدائش سے لہذا ایسے موقع پر نماز کی پابندی کرو اور اللہ میں نے خود کو دیکھا کہ مجھ کو نزدیک کیا گیا جنت سے حتیٰ کہ اگر میں چاہتا تو اس کے درختوں کی کسی شاخ کو چھو کر لے سکتا تھا۔ اور مجھ کو نزدیک کیا گیا دوزخ سے یہاں تک کہ میں نے اس کی سوزش سے سہنا چاہا اور اللہ میں نے دیکھا رسول اللہ کا چور اور ایکے ذات میں یوں ہے کہ رسول اللہ کے گھر کے چور کو جو دوزخ میں عذاب دیا جاتا تھا اللہ اللہ دیکھا۔ میں نے اس میں عبد بن قحطہ عاجلوں کے چور کو جو عاجلوں کے کپڑے وغیرہ چراتا تھا اپنی خمار لکڑی سے اور اللہ میں نے دوزخ میں دیکھا قبیلہ حمیر کی ایک ساؤنلی

هَرَّةٍ لَهَا رِبَطُهَا فَلَوْ قَطَعَهَا وَلَحَرَ
تَدْعُهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَا شِ
الارض وحشراتها۔ وفي رواية
نحوه وفيه لقدر ائيت عبد بن
مرعمه سارق الحجاج بمحنة
فكان اذا خفي ذهب واذا راها احدا
قال انما تعلق بمحجني۔

وفي رواية كان اذا خفي له
شي ذهب به واذا ظهر عليه قال
انما تعلق بمحجني۔

عورت کو جو ایک بتی کی وجہ سے عذاب کی جباری
تھی جس کو اس نے باندھ رکھا تھا۔ نہ اس کو کھینچ
کھانے کو دیتی تھی نہ ہی اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ مین
کے کپڑے کھڑے کھالے۔ اور ایک روایت میں
اسی جیسا ہے اور اس میں ہے القبة میں نے دیکھا عبد
بن مرعمہ کو اپنی حمیدہ لکڑی سے حاجیوں کی چوری
کرنے والے کو اگر کسی نے نہیں دیکھا تو لے اڑا
اور اگر کسی کی اس پر نظر پڑی تو کہا کہ میری خیمہ دار لکڑی
میں یہ الجھ گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ
جب کوئی چیز کسی کی نظر سے اوجھل ہوتی ہے اڑتا۔
اور جب دیکھ لیتا تو کہتا کہ یہ تو میری میٹھی لکڑی میں
الجھ گئی تھی۔

نشر: ص ۱۔ نماز کسوف کی بیئت کے بارے میں امام شافعی مالک و امام اعظم کے درمیان اختلاف
ہے۔ کہ وہ یہ کہ اس کی ہر رکعت میں ایک رکوع ہے یا دو؟ ہر دو ائمہ ہر رکعت میں دو رکوع کے قائل ہیں
اور امام اعظم دیگر نمازوں کی طرح ایک ہی رکوع مانتے ہیں۔ ان دونوں کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث سے
جو صحاح ستہ میں منقول ہے۔ مگر وہ حقیقت یہ تعداد رکوع کی حدیث میں تامل سے کہ اس کا یہ تامل اس کو قابل
حجت نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک راوی کی روایت میں تامل سے مثلاً عائشہ سے دو رکوع کی بھی روایت وارد
ہے اور تین کی بھی۔ حضرت جابر سے دو رکوع کی بھی روایت ثابت ہے اور تین کی بھی۔ حضرت ابن
عباس سے چار رکوع کی روایت ہے۔ اور حضرت ابی سے پانچ کی۔ لہذا حنفیہ نے مجبور ہو کر آنحضرت
کی قولی و فعلی ان روایات کی طرف رجوع کیا جو موافق قیاس ہیں۔ یعنی عام نمازوں سے ملتی جلتی۔ قولی
حدیث مثلاً لسانی۔ نعمان بن بشیر سے روایات لاتے ہیں۔ کہ نبی صلعم نے فرمایا اذا خفت الشمس
والقمر فصلوا کا حدث صلوا صلیتموها من المكتوبة کہ جب سورج یا چاند میں گرہن واقع ہو تو
ایسی نماز پڑھو جیسے کہ تم نے ابھی (فجر کی) فرض نماز پڑھی ہے۔ کیونکہ یہ کسوف اس وقت ہوا تھا۔
کہ بطلان حدیث حضرت سمرہ کے سورج و نیزہ افت سے اٹھا تھا۔ فعلی حدیث مثلاً حدیث یہی
ہے جس سے ایک ہی رکوع کا ثبوت ہے۔ پھر ممکن ہے کہ اثر وہام کے باعث گڑبڑی پیدا ہو گئی ہو
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ خلاف معمول رکوع میں تاخیر فرمائی۔ آگے پیچھے کھڑے ہونے والوں نے
دھوکے سے سر اٹھا لیا ہو اور ان کو دیکھ کر ان سے پیچھے والوں نے ایسا کیا ہو پھر جب انگوٹھوں نے
دیکھا کہ آنحضرت تاہنوز رکوع میں ہیں پھر سر جھکا کر رکوع میں چلے گئے ہوں تو پیچھے والوں نے بھی
ان کی متابعت کی ہو اور یوں دو یا تین رکوع کا دھوکہ لگتا چلا گیا ہو۔ اور زیادہ بھیڑ میں ایسا ہو جانا بعید

قیاس نہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں اختلاف پڑ گیا تھا اور یہ نہایت عمدہ دلیل ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الاسْتِخَارَةِ

ابو حنیفہ عن ناصر عن یحییٰ عن

ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ

کما یعلمنا السورۃ من القرآن ۝

تشریح :- اس حدیث کی تفصیل آگے آرہی ہے ۝

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن

علقمۃ عن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامر کما یعلمنا

السورۃ من القرآن ۝

وفی روایۃ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدکم

امراً فلیتوضأ ولیرکع رکعتین من

غیر الفریضۃ ثم لیقل اللہم

انی استخیرک بعلمتک واستقدارک

بقدرتک واسألتک من فضلتک

فانت تعلم ولا اعلم وتقدر ولا

اقتدر وانت علام الغیوب اللہم

ان کان هذا الامر خیر الی فی

معشیتی وخیر الی فی عاقبتہ امری

فیسرہ لی وبارک لی فیہ۔

و زاد فی روایۃ وان کان مری

فاقد رلی الخیر حیث کان ثم

ترغبتی بہ ۝

تشریح :- نماز استخارہ ایسے اہم اور ضروری امور کے لئے ہے جن نے اچھے برے نفع و نقصان

کے بارہ میں دل میں شک ہو اور انسان عقل کسی خاص طرف کو ترجیح دینے میں عاجز رہے مثلاً سفر، تعمیر، مکان

معاملات، تجارت وغیرہ معمول کاموں میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

بَابُ - نمازِ استخارہ کا بیان !

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو استخارہ داس کی نماز اور دعائے استخارہ وغیرہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے ۝

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرآن کی سورت کی طرح استخارہ کی تعلیم وغیرہ کی دہا کرتے تھے ۝

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وضو کرے دو رکعت غیر فرض نماز پڑھے پھر کہے اے اللہ میں تیرے علم کے لطیف خیر کا طلب گار ہوں اور تیری قدرت کے صدقہ میں تجھ سے قدرت کا طلب کرنے والا ہوں اور تیرے فضل کا میں خواستگار ہوں۔ کیونکہ تو جاننے والا ہے اور میں بے طاقت تو کبھی باتوں سے خوب باخبر ہے۔ اے میرے اللہ اگر یہ کام میرے لئے بہتر ہے میری زندگی میں اور میرے کام کے نتیجہ میں تو اس کو میرے لئے آسان کر دے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا کر۔ اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اگر اس کے خلاف ہے تو میرے لئے بھلائی مقدّر کر جہاں کہیں بھی وہ ہو پھر مجھ کو اس پر راضی رکھ دے۔

تشریح :- نماز استخارہ ایسے اہم اور ضروری امور کے لئے ہے جن نے اچھے برے نفع و نقصان کے بارہ میں دل میں شک ہو اور انسان عقل کسی خاص طرف کو ترجیح دینے میں عاجز رہے مثلاً سفر، تعمیر، مکان معاملات، تجارت وغیرہ معمول کاموں میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

بَابُ صَلَاةِ الصُّبْحِ !

ابو حنیفہ عن الحادث عن
ابی صالح عن ام هانی ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم یومرنہم بحکۃ
وضع لامتہ ودعا بماء فصبتہ علیہ
ثم دعا بثوب واحد
فصلی فیہ و زاد فیہ رواۃ
متوشحاء

و فی رواۃ ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وضع لامتہ یوم فتم مکۃ
ثم دعا بماء فأتی بہ فی جفۃ
فیہا خبز العجین فاستتر بثوب
فاغتسل ثم دعا بثوب فتوشم بہ
ثم صلی رکعتین قال ابو حنیفہ
وہی الفحی و فی رواۃ ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم وضع یوم فتم مکۃ
لامتہ ودعا بماء فأتی بہ فی جفۃ فیہا
اشر عجین فاغتسل وصلی اربعاً اور کعتین
فی ثوب واحد متوشحاً

بَابُ - چاشت کی نماز !

ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز زہرہ اتاری اور
پانی منگا کر غسل فرمایا۔ پھر ایک کپڑا طلب فرمایا اور اس
میں نماز پڑھی۔ اور ایک روایت میں متوشحاً کا لفظ
زیادہ ہے۔ یعنی متوشح کی صورت میں کہ ایک کپڑے
کو ہر دو بغل سے نکال کر پیچھے گدی پر اس میں گرہ دے
کر باندھ لیا جاتا ہے

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
سلم نے فتح مکہ کے دن اپنی زہرہ اتاری پھر پانی طلب
فرمایا تو کٹری کے ایک بڑے کوڑے میں پانی پیش کیا
گیا جس میں گوندھا ہوا آٹا لگا ہوا تھا۔ آپ نے ایک کپڑے
سے آڑ کی اور غسل فرمایا۔ پھر کپڑا طلب فرمایا اور متوشح کیا
پھر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ابو حنیفہ نے فرمایا کہ یہ چاشت
کی نماز تھی۔ ایک روایت میں سلم سے کہ فتح مکہ
کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زہرہ اتاری اور پانی طلب کیا تو ایک
بڑے پیالہ میں جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے لٹائے
تھے۔ پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور چار رکعت
یا دو رکعت ایک کپڑا میں متوشح کی شکل کا باندھ کر نماز ادا
فرمائی

تشریح :- یہ نماز چاشت معنی جسیا کہ ابو حنیفہ کی زبانی خود اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے
بعض کہتے ہیں کہ نماز شکرانہ تھی۔ جو فتح مکہ کی خوشی میں ادا کی گئی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ آنجناب کا ورد
تھا جو فتح مکہ کے ہنگامہ میں قضا ہو گیا تھا۔ جسے آپ نے فرصت ملنے پر ادا فرمایا

باب - اعتکاف کا بیان !

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب
رمضان کا مہینہ آہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں
کو جاگنا شروع کر دیتے اور کبھی کبھی سوتے بھی۔ اور

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

ابو حنیفہ عن المہثم عن رجل
عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کان اذا دخل شہر رمضان قام

و نام و اذا دخل عشر الا و اخر
شد المینر و احيى الليل

جب پچھلے دس دن آتے تو کمر کس لیتے دینی ،
عبادت الہی کے لئے کمر بستہ ہو جاتے اور
شب بیداری فرماتے :

بَابُ التَّجَرُّدِ !

ابو حنیفہ عن زیاد عن المغيرة
قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقوم عامة الليل حتى تورمت قدماه
فقال له اصحابه اليس قد غفر لك ما
تقدم من ذنبت وما تأخر قال افلا
اكون عبد اشكورا :

باب - نہجہ کا بیان !

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اکثر حصہ میں نماز کیلئے قیام
فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے
صحابہ کرام نے عرض کیا کہ رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کے
لگے پچھلے گناہ نہیں بخش دیے آپ نے فرمایا کہ کیا
میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں :

تشریح :- بخاری بھی اس کو حضرت مغیرہ سے مرفوعاً لائے ہیں اس میں ”وساقاة“ کا لفظ زیادہ ہے
یعنی آپ کی پنڈلیاں درم کر جایا کرتیں :

ابو حنیفہ عن ابی جعفر ان صلوة
النبي صلى الله عليه وسلم بالليل كانت ثلث عشرة
ركعة مهن ثلاث ركعات الوتر وركعتا الفجر

حضرت ابی جعفر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
رات کی نماز میں تیرہ رکعتیں تھیں۔ ان میں سے تین رکعات
وتر کی اور دو رکعات سنت فجر کی شامل تھیں :

تشریح :- اس حدیث سے وتر کی آٹھ رکعات معلوم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وتر کے باب میں
مذہب حنفیہ کی تصدیق کرتی ہے۔ وتر کا بیان گذر چکا۔ مگر چونکہ حدیث ذیل بھی اس کے سلسلہ اولہ کی ایک
کڑی ہے اس لئے اگر یہاں بھی وتر کے مسئلہ کو قدرے کھولا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تہجد کے ضمن میں ترمذی حضرت عائشہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ تہجد نہ پڑھتے۔ چار رکعت پڑھتے جن کی درازی و
حسن و خوبی کے بارہ میں نہ پوچھو۔ پھر چار رکعت پڑھتے ان کی درازی و حسن و خوبی کے بارہ میں نہ پوچھو۔
پھر تین پڑھتے (یعنی وتر) اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ مسلم حضرت ابن عباسؓ سے نماز تہجد
کے سلسلہ میں حدیث لاتے ہیں۔ آخر میں ہے ”ثَوَاتِرُ ثَلَاثِينَ“ یعنی پھر تین رکعت وتر کی پڑھیں۔ اب یہ ہر
دو احادیث جو نماز تہجد کے ذیل میں تقریباً قطب الاحادیث ہیں۔ اس امر کی بین و لیں ہیں اور اس کا کھلا
ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں۔ اس سے کمی زیادتی کی روایات اس وقت کی ترجمانی کرتی
ہیں جبکہ وتر کے معاملہ نے قرار نہیں پکڑا تھا۔ بعد میں تین ہی رکعات کی شکل طے پائی۔ اور اسی پر عمل رہا۔

بس کی طرف حدیث عائشہ مشہور ہے۔ لہذا ان احادیث صحیحہ کی موجودگی میں اگر کوئی مخالف اپنی سبٹ مری
پر اصرار کرے اور کہے کہ وتر کی تین رکعت پر کوئی صحیح حدیث نہیں تو عقل کسی صورت میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں کا نماز تہجد میں شمار ہے۔ محض متصل ہونے کے سبب اور بدین وجہ کہ اکثر روایات سے انتخاب ان کے بعد آرام نہیں فرماتے۔ اور بعض روایات میں تو بعد تبیین الفجر کے لفظ بھی ہیں کہ طلوع صبح صادق کے بعد سنت ادا فرماتے۔ اور کسی میں "بین الندائین" کا لفظ بھی ہے یعنی اذان و اقامت کے درمیان یہ سنیتیں ہوتیں۔ بہر حال سب کا اتفاق ہے کہ وہ تہجد کے ساتھ اذان کی جاتیں بلکہ طلوع فجر کے بعد۔

نماز تہجد کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں کسی میں تعداد تیرمے۔ کسی میں گیارہ کسی میں سات۔ اور کسی میں پانچ کی بھی۔ بہر حال تیرمے نائمہ کی کوئی روایت نہیں۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ نماز تہجد صرف آنحضرت پر فرض تھی یا امت پر بھی پھر بعد میں منسوخ ہوئی۔ مختار مذہب مؤخر الذکر ہے۔

بَابُ سُنَّةِ الْفَجْرِ

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن الاقمر عن حماد بن قال ماری بن عمار قال واقرّب الناس مجلساً حماد بن فقال ذات يوم يا حماد ان لا اراك تراظبنا الا وانت تريد لنفسك خيراً فقال اجل يا ابا عبد الرحمن قال اما اثنتان فاني اخاف عنهما واما واحدة فاني امرت بها فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يامر بها۔

قال ما هي تلك الخصال الثلاث يا ابا عبد الرحمن۔

قال لا تموتنّ وعليك حزينٌ الا ديناً تدع به وفاءً ولا تسمعنّ من تلاوة الآية فاتة يستمع بك يوم القيمة كما سمعت به نفساً ما د لا يظلم راعي أحدًا۔

واما الذي امرت به كما امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فركعتا

بَابُ فَجْرِ كِ سُنَّتِیْنِ

بہر روایت معنعن سے روایت ہے کہ جب کبھی کسی نے حضرت ابن عمر سے ملاقات کی تو حمران کو مجلس میں ایک قریب تر پایا۔ ایک دن حضرت ابن عمر بوسے لے حمران میں تہجد کو ہماری صحبت میں ہمیشہ دہوتہ (غالباً) صرف اسی لئے دیکھتا ہوں کہ تو ہماری صحبت سے اپنے آپ کیلئے کسی بھلائی کا طلب گار ہے انہوں نے کہا جی ہنسیک لے ابا عبد الرحمن۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ (اچھا تو) میں دو باتوں سے تجھ کو روکتا ہوں اور ایک بات کا تجھے حکمت ہے ہوں کیونکہ میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیتے ہوئے پایا حمران نے عرض کیا ابا عبد الرحمن وہ میں جھکتا ہوں کون کونسی ہیں آپ نے کہا کہ تو نہ مرے لیے مال میں کہ تجھ پر فرض ہو۔ مگر اس قدر کہ اس کی ادائیگی کے لائق تو مال چھوڑ جائے۔ اور نہ پڑھ ایک آیت بھی (لوگوں کو) غلے کیلئے دینی ریاکاری کی غرض سے اور نہ قیامت کے دن تیری تہنیر کی جائے گی۔ جیسا کہ تو نے پڑھنے کو بغرض شہرت (لوگوں نے سنا یا۔ یہ محض بدلے کے طوط پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ اب وہ چیز جس کا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں جس طرح مجھ کو

الفجر ثلاثا عرهما فان فيه ساء
الرفاء :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ سنت
فجر کی دو رکعتیں میں پس نہ چھوڑا ان کو کیونکہ ان میں بہت
اہمیت ہے :

تشریح :- اس حدیث میں ریاکاری اور کھلاوسے کی برائی ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ سمیع و بصیر ہے
ہر عبادت اسی کے لئے کرنی چاہیے۔ ان میں نام و نمود۔ شہرت پسندی حرام و ناجائز ہے اور اس پر سخت
وعید ہے کہ قیامت کے دن اس کا قصاص لیا جاوے گا۔ اس حدیث میں سنت فجر کی اہمیت کو
بھی واضح فرمایا ہے :

ابو حنیفۃ عن عطاء عن عبد بن
عمیر عن عائشة قالت۔ رآنا رسول اللہ صلی اللہ علی
شئ من النوافل اشداً جہلاً بآئہ علی رکعتی
المجھو :

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کسی دوسرے نوافل کا اس قدر سختی سے
اہتمام نہ فرماتے جس قدر سنت فجر کی دو رکعت
کا :

تشریح :- یہ حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے کہ مسلمان دیگر نوافل و سنن کے مقابلہ میں سنت
فجر کا بہت لحاظ رکھے کہ وہ ناعد نہ ہو جائیں اور ان کی ادائیگی پر سختی سے پابندی رکھے۔ احادیث صحیحہ
میں ان کی متنازع اہمیت مختلف الفاظ میں ظاہر کی گئی ہے۔ کہیں آنحضرت نے یوں فرمایا کہ دنیا و مافیہا
سے زیادہ مجھ کو یہ دو رکعتیں زیادہ پسند ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہیں اس طرح ارشاد ہوا کہ ان کو ہرگز
نہ چھوڑا اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں یا کھیل دیں۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ طبرانی میں ہے کہ عائشہ
فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنتوں کو کبھی بھی ترک نہیں فرمایا۔ نہ سفر میں نہ حضر میں نہ بیماری میں

اسی اہمیت کے سبب اخاف اور اکثر اللہ کے نزدیک ہو کہ سنتیں پانچ ہیں۔ اول فجر کی
سنتیں۔ دوسرے مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت۔ تیسرے ظہر کے بعد کی دو رکعت سنت
چوتھے عشاء کے بعد کی دو رکعت سنت۔ پانچویں ظہر کے پہلے چار رکعت سنت۔ ان پانچوں سنن
موردہ کی اہمیت بترتیب مذکورہ ذکر کی گئی ہیں :

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس دن یا ایک ماہ تک کہ
آپ سنت فجر کی ہر دو رکعت میں قل ھو اللہ
احدا اور قل یا ایھا الکافرون پڑھتے سنتے :

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر
قال ومقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اربعین یوماً او شہراً فسمعتہ یقل فی
رکعتی الفجر قل ھو اللہ احدا و قل یا ایھا
الکافرون :

تشریح :- اکثر احادیث میں اس طرح ہی ہے اور ابوداؤد میں ابن عباس سے جو روایت ہے
وہ یہ ہے کہ آپ سنت فجر کی پہلی رکعت میں امانا باللہ واما انزل علینا کی آیت تلاوت فرماتے اور دوسری

میں امانا باللہ واشہد بانا مسلمون کی آیت :-
الوَحِيفَةُ عن سماعة عن جابر ابن
 سمرة قال كان النبي صلى الله عليه وسلم
 اذا صلى الصبح لم يخرج عن مكانه حتى
 تطلع الشمس وتبيض

حضرت جابر بن سمرة کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جگہ سے نہ اٹھتے
 یہاں تک کہ سورج نکل آتا اور ایک دینارہ کی مقدار
 اٹھ کر اس کی روشنی سفید ہو جاتی ہے
 تشریح :- غالباً آنجناب کی نشست قبلہ رو ہوتی تھی۔ بلکہ دائیں بائیں یا قبلہ کو پیچھ کر کے لوگوں
 کی طرف رخ کرتے ہوئے جیسا کہ آنجناب سے مروی ہے بعض نے بعد نماز قبلہ رخ پھرنا مکروہ جانا ہے
 ابو داؤد سماک سے روایت لاتے ہیں۔ اور وہ حضرت جابر سے کہ آنحضرت نماز فجر کی ادائیگی کے بعد
 صلی پر سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ پھر آپ نماز اشراق کے لئے کھڑے ہو جاتے :-

بَابُ مَنْ صَلَّى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي الْمَسْجِدِ

الوَحِيفَةُ عن محارب عن ابن
 عمر قال قال رسول الله صلى الله
 عليه وسلم مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْعِشَاءِ اَرْبَعَ
 رَكَعَاتٍ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ عَدَبَ
 مَلَائِكَةٍ مِنَ الْقَدَرِ :-

بَابُ مَنْ صَلَّى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ
 بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي الْمَسْجِدِ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز عشاء کے بعد مسجد
 نکلنے سے پہلے چار رکعت کے داخل ہو جائیں تو
 وہ برابر مائیں شب قدر کی اتنی ہی رکعت کے دینی
 گویا کہ اس نے شب قدر میں چار رکعت نفلیں داکیں :-
 تشریح :- نفلوں کی انتہائی فضیلت و برکت کے بارے میں کئی دوسرے احادیث بھی منقول
 ہیں۔ جس طرح یہاں عشاء کے بعد چار نفلوں کے بارے میں آیا ہے کہ جن نے وہ ادا کیں گویا کہ اس نے شب
 میں نماز ادا کی۔ سعید بن مسعود نے اپنی سند میں اس حدیث کے ساتھ ایک اور کھڑا بھی نقل کیا ہے۔
 کہ عشاء سے پہلے چار نفلوں کے ادا کرنے کا ثواب تنہید کی نماز کے برابر ہے :-

الوَحِيفَةُ عن محارب عن ابن عمر
 قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنْ صَلَّى
 اَرْبَعَ بَعْدَ الْعِشَاءِ لَا يَفْعَلُ بَيْنَهُمْ تَسْلِيمٍ
 بَقِيَ اَنْفِ الْاُولَى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَنْ صَلَّى السَّجْدَةَ
 فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحَمْدُ الدُّعَاءِ
 فِي الرُّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَلَيْسَ فِي
 الرُّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمَلَكُ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعت
 پڑھے۔ جن کے بیچ میں سلام نہ پھیرے۔ پہلی رکعت
 میں الحمد اور تنزیل پڑھے۔ دوسرے میں الحمد اور حم
 الدخان۔ تیسری میں الحمد اور لیس۔ اور چوتھی میں الحمد اور
 تبارک الملک تو اس کے لئے شب قدر میں قیام کا
 ثواب لکھا جائے گا۔ اور اس کی شفاعت مشکور ہوگی :-

اس کے ان تمام گھروالوں کے حق میں جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے۔ اور وہ خود عذاب قبر سے چھٹکارا پاسے گا یہ حدیث حضرت ابن عمر سے موقوف بھی مروی ہے

کتبہ لمن قام ليلة القدر وشفع له في اهل بيته كلهم من النار واجبر من عذاب القبر وددى موقوف عن ابن عمر

تشریح :- ابو داؤد انہیں چار رکعت کے ثبوت میں حضرت عائشہ سے یہ حدیث لائے ہیں کہ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علی الاصلی بعدھا اربع رکعات اذ شأ یعنی آنحضرت جب بھی نماز عشا ادا فرما کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت ادا فرماتے

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ

باب - نماز ظہر کے بعد دو رکعت

بعد مَكْلُوَةِ الظُّهْرِ

کا بیان !

ابو حنیفہ عن الحكم عن مجاهد عن ابن عباس قال كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بعد الظہر من رکعتین

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز ظہر دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے

تشریح :- بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنجناب نے ان دو رکعات پر مداومت فرمائی۔ گویا دو کون سنتوں کا شمار سنت مکرہ میں ہے

بَابُ الْمَكْلُوَةِ

باب - گھروں میں نفل نماز

فِي الْبُيُوتِ

پر پڑھنا !

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر

قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوها قبورا

تشریح :- آنحضرت نے گھروں میں نفل نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ بعض روایات میں

یوں ہے۔ اجعلوا من صلواتکم ولا تجعلوها قبورا۔ یعنی اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں کے لئے بھی

رکھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ یہ حدیث سنن و تواتر کے بارہ میں ہے

نہ فرمون کے متعلق چنانچہ دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے۔ افضل الصلوات صلوات الداعی بطنہ

الا المكتوبة کہ زیادہ فضیلت کی نماز انسان کی اس کے گھروں سے سوائے فرض نماز کے بعض اس کو

حدیث اجعلوا من صلواتکم الخ کے پیش نظر فرض نماز کے لئے ملتے ہیں۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے لکھا

سے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ گھر میں بعض فرض نماز پڑھتے سے جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں۔ مثلاً غلام بیمار۔ عورتیں وہ بھی شریک جماعت ہو سکیں۔ اور ان کو اقتدار کا موقع مل سکے۔ مگر فقہار مذہب اول سے۔ گھروں میں نماز ادا کرنے سے گھروں کو آنحضرت نے قبرستان سے یوں تشبیہ دی کہ قبرستان میں بھی چونکہ نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے نماز نہ پڑھے جانے میں گھر قبرستان کی طرح ہو گیا۔ اور یہ حکم دوسرے اسرار بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے سے ریاکاری۔ دکھاوے۔ نام نمود سے بہت حد تک انسان بچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ ہی عبادت پسندیدہ ہے جس میں ریاکاری نہ ہو۔ اور اس سے گھر میں برکت پھیلتی ہے۔ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ شیطان بھاگتا ہے۔ چنانچہ مسلم ہیں حضرت ابی ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے اور اس میں یہ الفاظ زاد ہیں ان الشیطان یفزع من البیت الذی تقرأ فیہ سورۃ البقرۃ کہ اس گھر سے شیطان بھاگتا ہے۔ جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے بعض روایات میں آنحضرت کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ جس میں ذکر نہ ہو یہ ہر دو گھر زندہ اور مردہ انسان کی مثال ہیں :

بَابُ سُنَّةِ الرَّكْعَتَيْنِ فِي

بَابُ كَعْبَةٍ فِي رَكْعَتِ سُنَّتِ

الْكَعْبَةِ

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر
قال سألت بلالاً ابن رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبۃ وکمر صلی
قال صلی رکعتین متماثلی العمودین اللتین
تلیان باب الکعبۃ والبیۃ اذ ذاک علی
سۃ اعمدا :

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال
سے دریافت کیا کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کعبہ میں کہاں اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔
انہوں نے کہا کہ دو رکعتیں ان دو ستونوں کے قریب جو
دوروازہ کے نزدیک ہیں اور اس وقت کعبہ کے
چھ ستون تھے :

تشریح :- یہ فتح مکہ کے دن کا قصہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت جب کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے
ساتھ حضرات اسامہ۔ بلال اور عثمان بن طلحہ تھے۔ اور دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت ابن عمر آنحضرت
کے ہمراہ نہ تھے۔ اسی لئے جب آنحضرت باہر تشریف لائے تو حضرت ابن عمر نے حضرت بلال سے
آنحضرت کی نماز کے بارہ میں پوچھا :

ابو حنیفہ عن حماد عن سعید
بن جبیر عن ابن عمر أن رجلاً سأل
عن صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی الکعبۃ یوم دخلها فقال صلی فی

حضرت ابن عمر کے کسی شخص نے دریافت
کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز
کس جگہ اور کتنی رکعتیں پڑھیں انہوں نے کہا کہ آپ نے
کعبہ میں چار رکعتیں ادا فرمائیں اس شخص نے کہا کہ ذرا سمجھ

الکعبة اربع رکعات فقال له ابر في
المكان الذي صلى فيه فبقا فقال فبعث
معه ابنه ثم ذهب تحت الاسطوانة
بحيال الجذاعة :

وفي رواية ان ابن عمر قال صلى
النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة
اربعة ركعات قلت له ابر في المكان
الذي صلى فيه فبعث معي ابنه
فارا في الاسطوانة الوسطى تحت
الجذاعة :

وہ جگہ دکھائیں۔ جہاں آنحضرت نے نماز ادا فرمائی
تو حضرت ابن عمر نے اپنے صاحبزادہ کو اس کے ساتھ
کر دیا کہ وہ جگہ دکھا دیں پھر وہ بیچ کے ستون تک
کئے کھجور کے تنے کے برابر میں :

اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ نماز
پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں چار رکعات۔ تو
میں نے دس عبد بن جبر راوی حدیث نے ایسے کہا کہ
ذرا مجھ کو وہ جگہ دکھائیے۔ جہاں آنحضرت نے نماز ادا
فرمائی۔ تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو میرا ساتھ کر دیا۔
اور انہوں نے مجھ کو وہ بیچ والا ستون دکھایا جو نہ
کھجور کے نیچے ہے :

تشریح :- بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

باب - جنازے کا بیان !

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا یہاں مرتبے کوئی مرنے والا ایسا
کہ جس کے تین دن بالغ (بچے مر گئے ہوں۔ مگر یہ کہ
اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے حضرت
عمر بوسے اور دعا آنحضرت نے فرماید ہاں) یا دو :

باب الجنائز

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة
عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم ما من ميت يموت له ثلاثة
من الولد الا اخله الله تعالى الجنة فقال
عمر اثنان فقال صلى الله عليه وسلم
او اثنان :

تشریح :- یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ صحاح میں موجود ہے۔ مسلم وابن ماجہ میں اس طرح ہے۔
کہ جس مسلمان کے تین دن بالغ بچے مر جائیں تو وہ اس کا جنت کے دروازوں پر استقبال کرنے میں
جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے وہ چاہے۔ جنت میں داخل ہو جائے۔ بعض میں
اس طرح ہے کہ اس کو آتش و دوزخ برائے نام ہی چھوئے گی۔ بعض میں یوں ہے کہ وہ بچے اس
کے لئے مضبوط و سنگین حصار ہو جائیں گے :

ابو حنيفة عن عبد الملك عن رجل
من اهل الشام عن النبي صلى الله عليه وسلم
قال انك لتري السقا فحبطا يقال
له ادخل الجنة فيقول له لا حتى

کسی شامی شخص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو مجھے گاشتریں پیش کرے
جو بچہ کو کسی کی تلاش میں رہتا ہو اس سے کہا جائیگا۔
جا جنت میں چلا جا تو وہ کہے گا نہیں جب تک

یہ داخل ابوابی : میرے ماں باپ جنت میں نہ جائیں :

تشریح : اس بارے میں کثیر تعداد میں احادیث منقول ہیں جن کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ طبرانی کبیر میں یہی حدیث لائے ہیں۔ اس کے آخر میں یہ ٹکڑا ہے۔ فیقال لہ اذ دخل الجنة انت وابواک پس اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور میرے ماں باپ سب کے سب جنت میں داخل ہو جائیں یہ ہے پروردگار عالم کی بندہ نوازی۔ اور بندہ پروردی کا دل تو نابالغ بچوں کو ماں باپ کے لئے ذریعہ نجات ٹھہرایا۔ اور تین بچوں کے مرجانے پر غنٹی قرار دیا۔ پھر تین سے گھٹ کر دو کے مر جانے پر بھی یہی اجتہاد رحمت جاری رہا۔ بلکہ کئی روایات میں ایک تک کی تعداد بھی آئی ہے۔

چنانچہ ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص تین نابالغ بچوں کو اپنے آگے اس دنیا سے بھیجے وہ اس کے لئے آگ سے بچاؤ و حصار ہو جائیں گے۔ حضرت ابو ذر اپنی مثال سامنے رکھ کر بولے یا رسول اللہ میں تو بھیج چکا ہوں۔ ارشاد عالی ہوا ہاں اگر دو بھی ہوں۔ اور حضرت ابی ثناء اپنی مثال پیش کی۔ کہ میں نے حضرت ایک ہی بھیجا ہے۔ تو ارشاد ہوا اگرچہ ایک بھی ہو۔ پھر یہاں تک پروردگار عالم نے اپنی عنایا خیر و انہ کا دائرہ وسیع فرمایا۔ کہ پیٹ کے گرے ہوئے بچہ کو بھی سبب داخلہ جنت

ٹھہرایا۔ جس پر یہی حدیث ثابت ہے :

ابو حنیفہ عن سلیمان بن عبد الرحمن الدمشقی عن محمد بن عبد الرحمن التتیری عن یحییٰ بن سعید عن عبد اللہ ابن عامر عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ مات العبد اللہ یعلم منہ شئ ویقول الناس حق فیہ قال اللہ تعالیٰ ملائکتہ قد قبلت شہادۃ عبادی علی عبدی وغضبت علیہ :

حضرت عامر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ مرا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسکی بد عملی کو جانتا ہے مگر لوگ اس کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اس بندہ پر اپنے بندوں کی شہادت قبول کی اور معاف کر دیے وہ گناہ جو میرے علم میں ہیں :

تشریح : اس بارے میں صحاح میں بہت سی احادیث یہ اختلاف الفاظ مروی ہیں طبرانی حضرت سلمہ بن الاکوع سے مرفوع روایت لاتے ہیں۔ انتم تشهدوا علی اللہ علی الارض والملائکۃ تشهدوا علی اللہ فی السماء کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اور فرشتے آسمان میں اللہ کے گواہ ہیں :

ابو حنیفہ عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ہانی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم ان اللہ یغفر لہ فہو مغفور لہ :

حضرت اسم ہانی کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جانتا ہے کہ اللہ اسے بخش دے گا۔ تو وہ بخشا ہوا ہے :

تشریح : اس حدیث کی اصل وہ حدیث ہے۔ جو بخاری مسلم اور نسائی میں وارد ہے کہ ایک بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ رب میں نے گناہ کیا مجھ کو بخش دے اس پر اس کا رب فرماتا ہے کہ کیا

میرے بندہ نے یہ جان کر اس کا رتبہ، جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کو پکڑتا بھی ہے۔ تو میں نے اپنے بندہ کا گناہ معاف کر دیا۔ پھر کچھ مدت ٹھہرتا ہے۔ جب تک اللہ چاہتا ہے اور بار دیگر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے رب مجھے دوسرا گناہ سرزد ہوا۔ اس کی بخشش فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میرے بندہ نے سمجھا کہ اس کا رتبہ، جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ پس میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا پھر کچھ مدت ٹھہر کر جب تک اللہ چاہے۔ تیسری بار گناہ کرتا ہے اور وہی کلمہ زبان پر لاتا ہے کہ اے رب میں پھر گناہ کا مرتکب ہوا لہذا میرا گناہ بخش دے اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ کیا اس نے جانا کہ اس کا رتبہ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر اس کی گرفت بھی۔ پس میں نے اپنے بندہ کا تیسرا گناہ معاف کیا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ ارتکاب گناہ کے بعد ہی توبۃ النصوح کا بھی انسان عادی ہو۔ اور پھر ایک بقا ضائع انسانیت لغزش سرزد ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فرمان کے ذریعہ نعوذ باللہ من ذلک انسان کے لئے گناہ کرنے کا ایک وسیع اور سہل راستہ کھولا گیا ہے کہ گناہ کرتا ہے اور ہر گناہ و قصور پر یہود کی طرح یغفرنا کا نعرہ لگاتا ہے یہ گناہ کی معافی کی خواست گاری نہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ اللہ کے ساتھ قسم ہے ۛ

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں

ابو حنیفہ عن منصور بن سالم بن ابی

نے کہا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے چاروں پاؤں کو اٹھائے ایک بار اب اس پر جو زیادتیاں ہوں نقل ہے ۛ

المجدد عن عبید بن مسعود عن ابن مسعود انه قال من السنة ان تحمل بجوانب السکر فمما زاد على ذلك فهو نافلة ۛ

تشریح :- یہ حدیث جنازہ کے اٹھانے کے بارے میں ہے اس میں اختلاف ہے لیکن ایک گروہ کے دلائل قوی ہیں۔ امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ جنازہ کو کنگے پیچھے یعنی پیروں کی جانب اٹھایا جائے۔ اگلا آدمی اپنی گدی پر رکھے اور پچھلا اپنے سینہ پر۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جنازہ چار پاؤں کے پاؤں سے اٹھایا جائے۔ امام شافعی کے مذہب پر بہت احادیث موقوفہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ جن کی اصل روایت حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں ہے جس کو ابن سعد طبقات میں نقل کرتے ہیں کہ آپ کے جنازہ کو اسی طرح اٹھایا گیا تھا امام ابو حنیفہ کے مذہب کی دلیل ایک تو یہی حدیث ہی ہے جو اس امر کو واضح کرتی ہے کہ ہر چار رخ سے جنازہ اٹھانا مسنون ہے صحابی کا من السنۃ کا لفظ استعمال کرنا حدیث کے موضوع ہونے کا بین ثبوت ہے۔ پھر مری صحیح روایات بھی اس خیال کی تائید کرتی ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اپنی اپنی تصنیفات میں علی المازدی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر کو اسی طرح جنازہ اٹھائے ہوئے دیکھا۔ عبد الرزاق حضرت ابی ہریرہ سے روایت لاتے ہیں کہ جس نے جنازہ کو ہر چار رخ سے اٹھایا تو اس نے پورے کا فہرہ دار ہو گیا جو اس پر سختی وہ ادا کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنت متخص یہی طریقہ ہے اور کوئی نہیں۔

اب مسلک شافعیہ پر جس قدر احادیث موقوفہ ہیں وہ قابل تاویل اور مختلف توجہات پر مبنی ہیں۔

مثلاً حضرت سعد کے بارے میں جو روایت ہے اور جو اس مذہب کے لئے حجت ہے وہ ایک خاص عند پر مبنی تھا

کہ ستر ہزار فرشتوں کے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے اتر آئے۔ سنت بصیر ہو گئی تھی کہ چلتا تک
 شکل ہو گیا تھا۔ جنازہ کو کندھا دینا تو ایک طرف رہا۔ تو لامحالہ پھر یہی ہو سکتا تھا کہ جہاں جسکو موقع مل
 سکا جنازہ اٹھا کر نیکیاں کمالیں۔ یہاں تک آیا ہے کہ خود آنحضرت بسبب اڑدھام کے اپنے پاؤں کے
 پنجوں پر چل رہے تھے بعض وقت راستہ تنگ ہوتا ہے۔ تو جنازہ اٹھانے کی یہی مشکل اختیار کرنی پڑتی ہے
 اور اسی طرح کبھی اٹھانے والوں کی کمی کے باعث بھی یہی صورت برتی جاتی ہے کہ مثلاً دو ہی اٹھانے
 والے ہیں تو وہ لامحالہ اسی شکل سے اٹھائیں گے اور چاروہ کار ہی کیا ہے۔ مگر یہ تو نہیں کہ جو صورت ان مجتہدین
 کی بنا پر جائز ہو۔ وہ مستقل مسئلہ بن جائے۔ اور ایک مستقل سنت کی جگہ لے۔ پھر قیاس کی رو سے بھی
 مذہب حنفیہ قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ اس شکل میں میت کا احترام زیادہ ہے۔ تیز گامی کی سنت بھی بسہولت
 ادا ہو سکتی ہے۔ درمیان کے خلاف صورت میں تیز چلتا تو کجا بعض وقت اٹھانا اور چلنا ہی دشوار ہو جا
 گا اگر اتفاق سے میت ہوئی بھاری جسم کی اور اٹھانے والے ٹھہرے کمزور جسم کے۔ اور ہوشافی مذہب
 تو آفت آگئی۔ اور ایک سخت وقت کا سامنا ہوا۔ پھر قبرستان بھی اگر دور ہو تو پھر تو آفت پر آفت
 پھر جنازہ اٹھانے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر پائیہ کو اٹھا کر کم از کم دس قدم چلے۔ کیونکہ ابن عساکر
 دائم سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے چاروں طرف سے جنازہ کو اٹھایا اس
 کے چالیس گناہ معاف ہوئے۔ تو گو یا ہر پائیہ پر جب انسان دس قدم چلا تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف
 ہوا اور ہر پائیہ پر دس گناہ یوں چالیس قدم پر چالیس گناہ معاف ہوئے۔ سبحان اللہ کس قدر مہربان اللہ تعالیٰ
 اپنے بندوں پر۔

الْبُخَارِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْقَاسِمِ

عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ بْنِ الْوَدَاعِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي جَنَازَةٍ فَنَظَرَ إِلَى
 أَمْرٍ لَا نَمْرٍ بِهَا فَنَظَرَ وَتَلَا فَيَكْبُرُ
 حَتَّى لَمْ يَبْقَ رَجُلٌ

حضرت ابی عطیہ بن الوداعی سے مروی ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ہمراہ تھے
 کہ آپ کو ایک عورت اس جنازہ کے پیچھے آتی دکھا
 دی۔ آپ نے حکم دیا تو وہ نکال دی گئی۔ پھر جب تک
 وہ نظر سے اوجھل نہ ہو گئی آپ نے تکبیر نہیں کہی۔

تشریح۔ سنن بیہقی میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جنازہ کے پیچھے جانے میں عورت
 کے لئے کوئی تواب نہیں۔ طبرانی ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ عورتوں کے لئے جنازہ میں کوئی
 حصہ نہیں۔

الْبُخَارِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ أَنَّ عَمْرًا بْنَ الْخَطَّابِ
 رَافِئِي اللَّهِ مِنْهُ جَمْعُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرُوا لَهُمْ
 التَّكْبِيرَ قَالُوا لَهُمْ أَنْظِرُوا خَيْرَ

بہت سے ثقہ لوگوں سے روایت ہے کہ عمر بن الخطّابؓ
 نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا اور
 تکبیرات نماز جنازہ کے بارہ میں ان سے سوال کیا کہ وہ
 کتنی ہیں اور کہا کہ یاد کرو کہ اخیر جنازہ جس پر نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور تکبیریں کہیں کون سا تھا کہ

جنازہ کبر علیہا النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فوجدوا قد کسر
أربعاً حتى قبض قال عمر
فكبروا أربعاً

وہ پچھلے عمل کا نسخہ ہوا اور وہی عمل قائم ہو گیا لہذا
اصحاب نے ایسی مثال سوچ لی کہ ان کے پاس
تک چار تکبیریں کہیں۔ تب حضرت عمر نے نماز جنازہ
میں چار تکبیریں کہے جانے کا حکم دیا۔

تشریح: چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ کیونکہ اکثر صحابہ کا اسی
پر اتفاق ہے۔ حاکم نے منذرک میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباس سے حدیث بیان کی ہے کہ فرشتوں نے
اوم علیہ السلام پر جب نماز پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور کہا کہ اے نبی آدم تمہارے لئے سنت یہی ہے۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہ ان کا آخری عمل کیا تھا۔ ضرورت اس لئے پڑی کہ آپ علیہ وسلم نے ان
لوگوں کے جنازہ پر جو بیعت رضوان اور بدر میں حاضر تھے وہ تو تکبیریں پڑھی ہیں جو بیعت رضوان میں تو حاضر
نہ تھے لیکن صرف بدر میں موجود تھے۔ ان پر آپ نے سات تکبیریں پڑھی ہیں اور ان کے علاوہ سب
پر چار تکبیریں۔

ابو حنیفہ عن شیبان عن

یحیی عن ابی سلمة عن ابی ہریرة ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول
اذا صلی علی المیت اللہم اغفر لحینا و
میتنا و شاہدا و غائبنا و صغیرنا و
کبیرنا و ذکرنا و انثانا

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کی نماز پڑھتے تو کہتے اللہم
اغفر لحینا و میتنا و شاہدا و غائبنا و صغیرنا و کبیرنا
و ذکرنا و انثانا ترجمہ اے اللہ معصرت فرما ہمارے مردوں
کی اور مردوں کی ہمارے حاضرین کی اور غائبین کی ہمارے
چھوٹوں کی اور بڑوں کی ہمارے مردوں کی اور
عورتوں کی۔

تشریح: دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں اللہم من اھیۃ منا فاجیہ علی اسلام و من
توفیۃ منا فتوفہ علی الایمان اور بعض دعائے جنازہ میں اس سے بھی زیادہ الفاظ ہیں۔

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن بريدة

عن ابيه قال الحمد للہ صلی اللہ علیہ وسلم
واخذ من قبل القبلة و نصب علیہ اللیل
نصباً

حضرت بریدہ کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کیلئے حمد تیار کی گئی اور آپ قبلہ کی جانب تیار
کئے اور کچی انیٹیں آپ پر نصب کی گئیں۔

تشریح: اس حدیث میں دو امور قابل ذکر ہیں۔ اور ان پر اس کا اختلاف ہے۔ ایک حمد و
شق کا مسئلہ کہ حمد و بغلی قبر، میت کے لئے زیادہ بہتر ہے یا شق و سندوقی قبر، امام صاحب پہلی
قبر کے حامی ہیں۔ اور امام شافعی دوسری صورت کے قائل ہیں۔

اس مسئلہ میں مذہب حنفیہ کی پہلی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جو ترجمہ ان الفاظ سے
لائے ہیں۔ الحمد لنا و الشق لغيرنا۔ کہ ہمارے لئے حمد ہے کہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور شق ہمارے

غیر کے لئے کیونکہ یہودیوں میں اس شکل کی قبر کا رواج تھا۔ دوسری دلیل یہ کہ خود آنحضرت کے لئے لحد تیار کی گئی۔ اس سے بڑھ کر افضلیت کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ گو صحابہ نے ہر دو قسم کی قبر کھودنے والوں کو بلایا اور معاملہ قدرت پر چھوڑا کہ جو پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ مگر قدرت کی طرف سے آنجناب کے لئے لحد کا انتخاب ہوا۔ اول لحد کھودنے والے صاحب پہلے آپہنچے اس لئے آپ کے لئے لحد تیار ہوئی۔

تیسری دلیل مسلم کی روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن وقاص نے اپنے لئے وصیت فرمائی کہ میرے لئے لحد تیار کریں۔ ایسے جلیل القدر صحابی جب اپنے لئے لحد پسند فرمائیں تو یہ اس کی افضلیت کی قطعی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لحد ہی مسنون ہے۔

دوسرے مسئلہ میں امام شافعیؒ کی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جو سند امام شافعی میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل راسہ کہ آپ سر کی جانب سے نکالے گئے اور قبر میں اتارے گئے۔ اس کی شکل ایسی ہے کہ جنازہ کو قبر کی پانٹی رکھا جائے کہ سر میت کا قبر کی پانٹی کے پاس ہے پھر جب قبر میں اتارا جائے تو سر کی جانب سے میت کو اتارا جائے۔ اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ جنازہ کو قبر کے سر ہانے رکھا جائے۔ اور میت کے پاؤں قبر کے سر ہانے ہوں اور میت کے پاؤں کی طرف سے اس کو اتارا جائے۔ بعض اس طرف بھی گئے ہیں۔ اور ان کے مذہب کی موافقت میں چند روایات بھی ہیں۔ مگر امام شافعی سے پہلی شیعہ کی روایت ہے احناف کا استدلال شافعیہ کے جواب میں یہ ہے کہ آنحضرت کے دفن کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سخت اضطراب ہے کیونکہ اس مضمون کی بھی صحیح احادیث مروی ہیں کہ آپ کو قبلہ کی جانب سے قبر اتارا گیا۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور ابو داؤد اپنی مراسیل میں ابراہیم نخعی سے مرفوع مرسل حدیث لاتے ہیں کہ آپ کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا۔ اور آپ سر کی جانب سے نہیں نکالے گئے۔ استقبال کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے جانب قبلہ رکھا جائے اور میت کو قبر میں اتارنے والے قبلہ و سر کو میت کو قبر میں اتار دیں۔ اور اسی طرح ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابی سعید خدری سے مرفوع حدیث لاتے ہیں کہ آنجناب کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا۔ جب احادیث میں تعارض واقع ہو تو لامحالہ قیاس کرنا پڑے گا اور قیاس مذہب حنفیہ کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ہر امر خیر میں قبلہ کا رخ اختیار کرنا بہتر مانا گیا ہے۔ نہ کہ اس وقت کہ انسان کو اس کی خواب گاہ میں رکھا جا رہا ہو۔ پھر اس تعارض کو بھی جاننے کی بجائے۔ اگر کوئی کہے گا کہ مذہب شافعیہ کی موافقت میں حدیث صحیح سے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس وقت ایک خاص قدرہ و انگیر تھا۔ جس کی بنا پر استقبال کی سنت پر عمل نہ ہو سکا۔ کہ قبر شریف دیوار کی جڑ میں تھی اس لئے قبلہ کی جانب جنازہ نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ کہ بعد اظہر کو قبلہ رخ کر لیتے اس مجبوری سے ایسا کر لیا گیا۔ کہ آپ کو سر کی جانب سے اتارا گیا۔ نہ یہ کہ یہ طریقہ سنت ہے۔ کیونکہ اگر یہ عمل صحابہ کا عذر پر مبنی نہ ہو یہ تو صحابہ کا فعل ہے ہمارے پاس خود آنحضرت کے عمل کی حدیث صحیح اس کے خلاف موجود ہے کہ ترمذی ابن عباس سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبر میں آئے آپ کے لئے چراغ کی

روشنی کی گئی آپ نے میت کو قبلہ کی جانب لیا اور فرمایا رحم کرے اللہ تجھ پر تو خوف الہی میں بہت رونے والا تھا اور قرآن کا بہت پڑھنے والا تھا۔ اور چار تکبیریں کہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ لہذا اس حدیث سے کیسے درگزر کی جاسکتی ہے۔ پھر صحابہ کا عمل بھی اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے یزید بن الکلفہ پر چار تکبیریں کہیں اور ان کو قبلہ کی طرف سے اتارا۔

بَابُ السَّوَالِ فِي الْقَبْرِ

بَابُ - قبر میں سوال و

جواب!

الْبُحْنِيفَةُ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَجُلٍ عَنْ

سعد بن عبادۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضع المؤمن في قبره اتاه الملك فأجلسه فقال من ربك فقال الله قال ومن نبيك قال محمد قال وما دينك قال الاسلام۔

قال فيفسح له في قبره دُيْرِي مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ۔

فاذا كان كافرا اجلسه الملك فقال من ربك فقال هال لا ادرى كالمضل شيئا فيقول من نبيك فيقول هال لا ادرى كالمضل شيئا فيقال ما دينك فيقول هال لا ادرى كالمضل شيئا۔

فيضيق عليه قبره دُيْرِي فيقول هال لا ادرى كالمضل مَقْعَدًا مِنَ النَّارِ فيضربه ضربة سبعة كل شيء الا الثقلين الجن والإنس۔

ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت سعد بن عبادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت مومن اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور اس کو بٹھاتا ہے پھر اس سے کہتا ہے تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے اللہ فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے۔ مومن کہتا ہے۔ محمد۔ پھر سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیسے مومن کہتا ہے سلام پھر اپنے فرمایا کہ پھر اس کی قبر فراخ اور کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو اسکی جنت کی جگہ دکھا جاتی ہے۔ اور جب مردہ کافر ہوتا ہے تو فرشتہ اس کو بٹھاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ایک بھولے ہوئے آدمی کی طرح افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا پھر دیکھو تیرا بار فرشتہ اس سے سوال کرتا ہے۔ تیرا دین کیا ہے اوہ کافر اسی حیرانگی میں کہتا ہے حیف میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور دوزخ میں اس کا مقام اس کو دکھا دیا جاتا ہے اور فرشتہ اس پر ایک ایسی ضرب لگاتا ہے کہ جس کی آواز سوائے جن وانس کے ہر شے سنتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بابت پاک پڑھی

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ
الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ
الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ

تشریح :- قبر کے سوال و جواب کے سلسلہ میں کسی احادیث میں صرف اتنا ضروری ہے کہ قبر کے
سوال و جواب کو حق جاننے کوئی شک نہ کرے۔

ابو حنیفہ عن اسماعیل عن ابی
صالح عن ام ہانی عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فی القبر ثلاث سؤا ل عن اللہ تبارک
وتعالی و درجات فی الجنان وقراءۃ
المقران عند رأسک

ام ہانیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کی ہے کہ قبر میں تین چیزیں پیش آنے والی ہیں،
دایک، اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارہ میں سوال (دوسرا)
درجات و مقامات، جنت و کاموں کے سامنے
پیش کیا جانا، (تیسرا) پڑھنا قرآن کا سر کے نزدیک

تشریح :- یہ گویا قبر کی ابتدائی زندگی کا مختصر حال ہے اس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں موجود ہے۔

ابو حنیفہ عن علقمہ عن ابن
جریدۃ عن ابیہ قال خرجنا مع النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فاتی
قبرا مہ فجاہ و هو یبکی اشد البکا حتی
کادت نفسہ ان یموت من بین جنبیہ
قال قلنا یا رسول اللہ ما یبکیک قال
استأذنت ربی فی زیارۃ قبرام محمد
فاذن لی واستأذنتہ فی الشفاعۃ
فابی علی

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کی معیت میں نکلے دفن
میت کے بعد آپؐ نبی والدہ کی قبر پر تشریف لائے
اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا کہ معلوم ہوتا
تھا کہ عنقریب روح پاک جسم اطہر سے پرواز کر جائے
گی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ اس قدر کیوں
روتے ہیں۔ آپؐ فرمایا کہ میں نے اللہ سے نبی والدہ
کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی۔ تو مجھ کو اجازت ملی
پھر میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو امانت طور پر دی گئی

و فی روایۃ قال استأذن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ربہ فی زیارۃ
قبرامہ فاذن لہ فاطلقوا و اطلق معہ
المسلمون حتی انتہوا الی قریب من
القبر فمکث المسلمون ومعنی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فمکث طویلا
ثم اشد بکاء حتی ظننا
انہ لا یمکن فاقبل و هو یبکی
فقال لہ عمر ما ابکاک یا نبی اللہ

اور ایک روایت میں ہے کہ اجازت مل گئی تو آپؐ
تشریف لے گئے اور آپؐ کے ساتھ مسلمان بھی یہاں تک
کہ قبر کے قریب پہنچے تو صحابہؓ نوٹھ کر گئے اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم قبر تک تشریف لے گئے۔ اور قبر پر بہت ہی
تک مشرے رہے پھر آپؐ شہادت روز شروع کیا یہاں
تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ کا رونا نہیں رکے گا پھر
ہمارے طرف روتے ہوئے بیٹھے۔ تو حضرت
عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ کو کس چیز نے اتنا
زیادہ رلایا۔ آپؐ فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار

بابی اند... مری۔

سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی
تو مجھ کو اجازت دی اور میں نے شفاعت کی
اجازت طلب کی تو منظور نہ ہوئی لہذا مجھ کو
ان کی محبت نے اتنا رلا یا اور مسلمان آپ
پر شفقت کرتے ہوئے رو پڑے :

اَلْاِسْتَاذِنْتَ سِرِّي فِيْ زِيَارَةِ
بِرَامِيْ فَاذِنْ لِيْ وَاِسْتَاذِنْتَ فِي
الشَّفَاعَةِ فَاَبِيْ فَبِكَيْتَ رَحْمَةً لِّهَآ
وَبِكِي الْمَسْلُوْنَ رَحْمَةً لِّلنَّبِيِّ صَلَّى
اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ :

تشریح :- اس جگہ ایک نازک اور شدید مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ جس میں علمائے متقدمین و متاخرین
مختلف خیال ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت کے والدین نے اسلام پر وفات پائی۔ یا غیر اسلام پر علماء
متقدمین دوسری شق کے حامی ہیں اور متاخرین پہلی کے۔ متقدمین کے سامنے حدیث ذیل یا اس جسی حادثہ
ہیں۔ جن سے بظاہر ہر دو اصحاب کے کفر کا پتہ چلتا ہے اور اسی ذیل میں جو ان آیات قرآن کو بھی پیش
نظر رکھتے ہیں کہ فرمایا ما کان للبنی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولیٰ قربی یا ارشاد
ہو ولا تسئل عن اصحاب الجحیم۔ متاخرین اس امر میں نہایت محتاط ہیں اور وہ اس مسلک پر ہیں کہ
آنجناب کے والدین مسلمان ہیں۔ ان کا مسلک درحقیقت تفصیلی پہلو سے عین خیال پر تقسیم نہ ہوا
ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما کر ان کو ایمان نصیب فرمایا۔ اس بارہ میں ان کے پاس
احادیث موجود ہیں جن کو انہوں نے صحیح یا حسن ثابت کیا ہے۔ اور جن تک ممکن ہے متقدمین کی رسائی
نہ ہوئی ہو۔ واللہ یختص برحمۃ من یشاء۔ دوسرا یہ کہ آنجناب کے والدین نے زمان فترت پایا۔
یعنی قبل بعثت کا زمانہ اور اللہ تعالیٰ موجود غیر سرکش کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا وان العذاب علی من کذب وتولىٰ یسریر کہ وہ قید
ملت ابراہیمی پر تھے جس کی وجہ سے سخت عذاب نہیں بہر حال یہ مقام نہایت اوج احتیاط کا ہے۔ کھلم کھلا کفر کی نیت انکی طرف کرنی
شان ایمانی کے خلاف ہے۔ اگر اس بات میں انسان کو کچھ اور کچھ بھی ملیں اور خیال ادھر جھکے تو پھر بھی
سکوت ہی قرین مصلحت ہے اور موافق ادب کیونکہ چھوٹا منہ بڑی بات مسلمان کو کہاں زیادہ
کہ سرور کائنات و سرکار دو عالم کے ماں باپ کو جن کی پوری نوع انسانی ممنون ہے اور مرہون احسان
کفر کا مصداق ٹھہرا ہے۔ پھر یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن پر ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی ہو کہ غیر
اس فیصلہ کے اس کا ایمان مکمل نہ ہو۔ لہذا یہ کیا ضروری ہے کہ ایک غیر ضروری مسئلہ میں پڑ کر اپنی زبان
گندی کرے۔ دل میں ٹھوک لاسے اور ایمان کو ٹھیس لگائے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال والیہ
المرجع وللنال :

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُورِ وَالسَّلَامِ عَلَى أَهْلِهَا

بَابُ قُبُورِ کی زیارت اور مردوں پر سلام کرنا بیان !

ابو حنیفہ عن علقمة بن مرثد الحداد
انہما حدثا عن عبد اللہ بن بریدۃ عن
ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال کنت نھیتکم
عن القبور ان تزوروها فزوروها
ولا تقولوا ہجراً

حضرت بریدہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو قبروں
کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا۔ تو اب زیارت
کرو قبروں کی۔ لیکن بری کلمہ زبان پر نہ ہو۔

تشریح :- ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ نہ اندر میں خان فی زیارت تھا تذکرہ کہ البتہ قبروں
کی زیارت میں نصیحت ہے۔ ترمذی میں یوں ہے فقد اذن لہم لی زیارۃ قبور امہم فزوروها فانھا تذکرۃ
الآخرۃ کہ محمد کو اپنی والدہ کی قبر کی اجازت ملی تو تم بھی قبروں پر جاؤ۔ کیونکہ قبروں کی زیارت آخرت
یا دلاتی ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قبروں پر جانا شرعاً کیسا ہے تو واضح ہے کہ قبروں پر جانا بالاجماع مستحب
ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ فائدہ ہے ہیں۔ اس سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ آخرت کا خیال
بندھتا ہے۔ انسان کو خود اپنی موت یاد آتی ہے۔ دنیا کی فنا و نابا پیداری کا خیال دل میں آ جاتا ہے
جو تقویٰ کے لئے اکبر اعظم کا کام دیتے ہیں۔ اس میں مشغلہ یہ ہے کہ مردوں کے حق میں دعائے خیر کرے
اور ان کے گناہوں کی معافی کا خواست گزارے۔ یہاں یہ مسئلہ کہ سوائے نبی علیہم السلام کے اوروں کی ارواح کے
مردمانگنا کہاں تک روا ہے تو اکثر علمائے فقہ نے تو اس سے روکا ہے اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء
نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ اہل کشف و کمال کا تو یہ مشغلہ ہے کہ وہ اکثر قبروں کی زیارت سے استفادہ
کرتے ہیں۔ شافعی تے نو فرمایا کہ حضرت کاظم کی قبر اجابت دعا کے لئے عجیب جگہ ہے۔ اب اس کے
بعد رہ جاتا ہے مسئلہ عورتوں کے قبروں پر جانے کا تو بعض نے ان کو اس سے روکا ہے اس حدیث
کے پیش نظر جوابی ہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والیوں پر
لعنت کی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ بعض نے اجازت دی ہے۔ اس خیال
کے ماتحت کہ آنحضرت کا یہ اتنا ہی حکم اس وقت کا ہے۔ جبکہ مردوں اور عورتوں سب کو زیارت
قبور سے روک دیا گیا تھا۔ لیکن جب آنحضرت نے اجازت مرحمت فرمائی جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے
تو اس عام اجازت میں عورتیں بھی شامل ہوئیں۔ اور بعض نے جو عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا
ہے وہ محض اس بنا پر کہ وہ منبط و تحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اس لئے قبروں پر جا کر جزع فرع کرے
لگتی ہیں اور یہ ناجائز ہے۔ اگر وہ اس سے بچ سکیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں یہ اجازت عام ان کے لئے

بھی ہے۔ چنانچہ علمائے حنفیہ نے زیارت قبور کو ان کے لئے جائزہ جانا ہے۔ اور یہی فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے۔

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن جریر عن ابیہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الی المقابر قال السلام علی اهل الدیار من المسلمین وانا ان شاء اللہ بکرم للاحقون نسأل اللہ لنا و لکم العافیة

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قبرستان تشریف لے جاتے۔ تو فرماتے دیر الفاظ دعائے زبان مبارک پر ہوتے السلام علی اهل الدیار من المسلمین وانا انشاء اللہ بکرم للاحقون۔ نسأل اللہ لنا و لکم العافیة۔ ذکر اے قبروں میں رہنے والے مسلمانوں سلامتی ہو تم پر ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کے طلب کار ہیں۔

تشریح:- دیگر احادیث صحیحہ میں بھی یہ دعا انہیں الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔

زکوٰۃ کا بیان !

رکاز کا حکم !

کتاب الزکوٰۃ

باب الرکاز

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرکاز ما رکزہ اللہ تعالیٰ فی المعادن الذی ینبت فی الارض

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ رکاز وہ جسکو اللہ تعالیٰ نے کانوں میں گاڑا ہے (اور) جو پیدا ہوتی ہے زمین میں۔

تشریح:- سوال پیدا ہوتا ہے کہ رکاز کیا ہے؟ تو رکاز دراصل وہ چیز ہے جسکو اللہ تعالیٰ کانوں میں بند پیدا فرماتا ہے۔ یہ زمین ہی میں پیدا ہوتا ہے۔

امام شافعی و امام مالک و امام ابو حنیفہ کے درمیان رکاز ایک اختلافی بحث ہے حقیقت اس کی یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک کانوں میں زکوٰۃ مانتے ہیں۔ اور رکاز کو ایام جاہلیت کے دفینوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور ان میں وہ خمس کے قائل ہیں۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک رکاز کان اور دفینہ دونوں کو شامل ہے چنانچہ ہر دو میں خمس کے قائل ہیں۔ امام شافعی و مالک کے مذہب کی دلیل قوی بلال بن الحارث المزنی والی حدیث ہے جسکو مالک نے مؤطا میں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرع کے نامیہ میں معاون قبیلہ کو بلال بن حارث المزنی کی جاگیر میں دیدیا تھا پس ان معاون سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے آج تک مگر زکوٰۃ۔

امام صاحب اپنے خیال کے ثبوت میں قرآن پیش کرتے ہیں۔ لفظ رکاز کی لغوی تحقیق کہ اختلاف

یہیں ہے۔ درحقیقت زمین سے نکالا جانے والا مال تین ناموں سے پکارا گیا ہے۔ کنز۔ معدن۔ رکاز۔
کنز وہ خزانہ ہے۔ جس کو انسان خود زمین میں دفن کرے۔ معدن وہ جس کی تخلیق زمین کی تخلیق کے ساتھ
ہوئی ہو۔ رکاز وہ نونک شامل ہے اور عام۔ اب قرآن میں اس طرح کہ فرمایا واعلموا انما غنمتم من شئ فان
لله خمسہ کہ جانو تم یہ کہ جو کچھ لوٹ لو کسی چیز سے پس تحقیق واسطے اللہ کے ہے پانچواں حصہ اس کا اور
یہ ظاہر ہے کہ ذبیحہ اور اس کا عمل زمین ہر دو پر لفظ غنیمت صادق آتا ہے کیونکہ پہلے وہ کفار کے قبضہ
میں تھے۔ پھر مسلمانوں نے ان کو چھینا۔ لوٹا۔ اور قبضہ میں کیا۔ جب یہ غنیمت میں شمار ہوئے تو اس کے
حکم خمس کے نیچے بھی آئے۔ اور ان میں خمس واجب ہوا۔ سنت کی حجیت اس طرح کہ صحاح ستہ میں حدیث
وارد ہے۔ الْجُمَاءُ جُبَاهُ وَالْبَيْتُ حَبَادُ وَالْمَعْدَنُ خَبَارُ وَفِي الْمَوَازِ الْخَمْسُ۔ کہ جانوروں میں بدلہ نہیں۔
کنوئیں میں بدلہ نہیں۔ کان میں بدلہ نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔ لہذا بنا پر تحقیق لغوی رکاز کو صرف ذبیحہ
کے معنی میں لینا کوئی وجہ نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ خود آنحضرتؐ کی زبانی اس کی تائید ملتی ہو کہ امام محمد نے اپنی
موطا میں اور نیز بہیقی نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے جب فرمایا کہ رکاز میں خمس ہے تو آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول
اللہ رکاز کیا چیز ہے آپؐ فرمایا وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان معاون میں پیدا کیا جو جبکہ آسمان و
زمین کو پیدا فرمایا۔ اب شافعیہ کے استدلال کا جواب سنئے کہ حدیث بلال بن الحارث المزنی اول تو
منقطع ہے۔ جیسا کہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر اس میں اس کا اظہار کسے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ کہ معاون سے زکوٰۃ لی جائے۔ بلکہ قریب قیاس ہے کہ یہ اہل
ولایت کا اجتہاد ہے۔ کیونکہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں۔
رہی مذہب حنفیہ کی بروئے قیاس تائید تو وہ بدی صورت کہ معدن کو پوری پوری غنیمت کی
خشیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ پہلے یہ معدن کی زمین کفار کے قبضہ میں تھی۔ پھر مسلمانوں
نے اس کو بقوت و طاقت اپنے قبضہ میں کیا تو غنیمت ہوئی اور غنیمت میں چونکہ بلا شک و شبہ خمس ہے
تو اس میں خمس کیوں نہ ہو؟

بَابُ كُلِّ مَعْرُوفٍ مَدْفُوعٌ

ابو حنیفہ عن عطاء عن جابر

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
كل معروف فعلته الى غني وفقير صدقة

ہر بھلائی کا کام صدقہ ہے!

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ بھلائی جو تم کسی غنی یا فقیر
سے کہو وہ صدقہ ہے۔

تشریح :- یہ حدیث بعینہ الفاظ یا اس کے قریب قریب الفاظ سے مختلف کتب صحاح میں وارد ہے
طبرانی میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے اس میں بجائے فَعَلْتَهُ کے مَنَعْتَهُ کا لفظ ہے۔ حاکم جابر سے روایت
کرتے ہیں۔ اس میں اس قسم کا مضمون زیادہ ہے کہ مسلمان جو خود اپنے نفس پر صرف کرے یا اپنے گھر والوں پر
یا اس سے اپنی عزت بچائے تو وہ صدقہ میں لکھ لیا جاتا ہے۔

بَابُ كَوْنِ الصَّدَقَةِ

بَابُ - فقیر صدقہ کا مال دوسرے

هَدِيَّةٌ لِلْغَنِيِّ

کو ہدیہ کے طور پر دے سکتا ہے!

ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم

الاسود عن عائشة قالت تصدق علی

بریرۃ بلحم فراک النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقال هوکھام صدقة ولنا هدیة

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ بریرہ کو گوشت بطور صدقہ دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ گوشت اس کے (بریرہ) لئے صدقہ

ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے

تشریح :- آنحضرت کا مقصد کلام یہ ہے کہ مختلف حیثیات سے چیز کے تبادلے سے حکم بدل جایا کرتا ہے۔ مثلاً موقع زیر بیان میں بریرہ کی ملک بیچ میں آجانے سے گوشت کا حکم بدل گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی فقیر صدقہ سے کسی غنی کی ضیانت کرے۔ تو غنی کے لئے صدقہ کی چیز کھانا جائز ہے۔ یا اگر غنی اس کو خریدے تو بھی روا ہے۔ ہاں غنی یا غنی کا قسم کو براہ راست مال صدقہ کو تصرف میں لانا اور اس کو اپنی ملک میں لینا ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے اپنے عمل و الفاظ مذکورہ سے اسی مسئلہ کی وضاحت فرمادی کہ جو بریرہ کے لئے صدقہ ہے وہ ہمارے لئے ہدیہ ہے

کتاب الصوم

کتاب - روزہ کا بیان!

بَابُ فَضِيلَةِ الصَّوْمِ

بَابُ - روزے کی فضیلت!

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابی صالح

الزیات عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ کل عمل ابن

ادم لہ الا الصیام فہولی وانا اجزی بہ

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب عمل انسان کے اس کے واسطے ہیں۔ مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا

تشریح :- یہ حدیث دیگر اعمال پر روزہ کی فضیلت ثابت کرتی ہے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ انسان کے دیگر اعمال میں ریاکاری۔ دکھاوے۔ نام نہاد۔ ظاہر واری ہو سکتی ہے۔ اور ریاکاری کے باعث انسان کے بہت سے اعمال اللہ کی نظر سے گر جاتے ہیں۔ مگر روزہ میں یہ سب کچھ نہیں۔ یہ محض خدا کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس میں ریاکاری نہیں۔ چنانچہ ہر بقی شعبہ لایمان میں ابی ہریرہ سے مرفوع روایت لاتے ہیں کہ الصیام لا ریا فیہ قال اللہ تعالیٰ ہولی وانا اجزی بہ بدیع طعامہ وشرابہ من اجلی کہ روزہ میں ریاکاری نہیں۔ وہ خالص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ دار میری خاطر اپنا کھانا اور پینا چھوڑتا ہے۔ اسی بنا پر روزہ کی نسبت اپنی طرف کی پھر اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ہر

عمل انسانی کا بدلہ اس کی مشقت کے اعتبار سے ہے جو دس گناہ سے بڑھا ہوا سات سو گنا تک پہنچتا ہے مگر روزہ کے اجر کی کوئی مقدار متعین نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی عنایات رحمانیہ سے جو چاہے اور جس قدر چاہے عنایت فرماوے :

الْبُحَيْفَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي سَالَمَةَ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلٍ مِنْ جَائِعٍ يَوْمًا فَاجْتَنَبَ الْحَرَامَ وَلَمْ يَأْكُلْ مَالِ الْمُسْلِمِينَ بَاطِلًا إِلَّا أَطْعَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ :

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی مومن بھوکا ہے دن بھر اور حرام کاموں سے بچتا ہے (مثلاً غیبت وغیرہ سے) اور نہ کھائے ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں میں سے کھلا گا :

تشریح :- اس حدیث میں اگر بھوکا رہنے سے مراد عام بھوکا رہنا ہے۔ خواہ روزہ کی شکل میں ہو یا ویسے کسی مجبوری سے تو روزہ سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ گویا یہ روزہ کی فضیلت ہے اور مومن کی رعایت و پاسداری جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ کہ جب بغیر روزہ کے مومن کا بھوکا رہنا اس قدر خدا تعالیٰ پر شاق ہے کہ اس کے بھوکے رہنے کا اجر جنت کے پھلوں سے فرماتا ہے اور دنیا کی بھوک کو جنت کے پھلوں کی سیری سے بدلتا ہے تو روزہ کی بھوک جو محترم عبادت ہے اور افضل ترین عبادت اس کا بدلہ کیا کچھ عنایت فرمائے گا :

الْبُحَيْفَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي سَالَمَةَ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي يَوْمَ عَاشُورَاءَ مَرُّ قَوْمِكَ فَلْيَصُومُوا هَذَا الْيَوْمَ قَالَ إِنْهُمْ طَعَمُوا قَالَ وَإِنْ كَانُوا قَدْ طَعَمُوا :

حمید بن عبد الرحمن الحمیری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج روزہ رکھیں! انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ کھانا کھا چکے ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا اگرچہ وہ کھانا کھا چکے ہوں (یعنی بلحاظ حرمت دن۔ باقی حصہ دن میں کچھ نہ کھائیں) :

تشریح :- آنحضرتؐ نے اس دن کے احترام کو نہایت موثر الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ میں نے کھانا کھا لیا ہے۔ وہ بقیہ دن میں احتراماً کچھ نہ کھائے۔ اور جس نے نہیں کھا یا ہے وہ شام تک اپنا روزہ پورا کرے۔ یہ رمضان کی فرضیت سے قبل کا واقعہ ہے کہ جب تک اس کا روزہ لازم تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اور ہمارے نیچے روزہ رکھتے۔ غرض اس دن کے روزہ کی اہمیت میں بہت احادیث وارد ہیں۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے :

ابو حنیفہ عن الہیثون عن موسیٰ

بن طلحہ عن ابن الحواری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادیب فامر اصحابہ فاکلوا وقال للذی جاء بہا مالک لا تاكل منها قال انی صائم قال وما صومک قال تطوع قال فہل البیض ؟

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنجہرت میں دیکھا ہوا خرگوش پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کھاؤ انہوں نے کھانا شروع کیا۔ آنجناب نے لانے والے سے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے۔ انہوں نے کہا کہ میرا روزہ ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کبسا روزہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نفلی روزہ۔ آپ نے فرمایا کہ ایام بیض کے روزے کیوں نہیں رکھتے ؟

تشریح :- یہاں چند امور محتاج بیان ہیں۔ جن کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ اول ایام بیض کی نفییت اسی حدیث سے ہے۔ ایام بیض ہر ماہ کی تیرہویں پندرہویں تاریخیں ہیں اور ان کی برکت دوسرا خرگوش کے گوشت کھانے کا ہے کہ اس کی اباحت میں بعض نے اختلاف کیا ہے۔ اسخاف کے نزدیک وہ بلا شک مباح ہے اور حدیث ذیل اس پر قوی شاہد ہے۔ تیسرا امر نفلی روزہ کا ہے۔ کہ اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اتفاقی کہ بوجہ غدر مثلاً ضیافت وغیرہ اس کو افطار کر سکتے ہیں۔ اس پر سب متفق ہیں اور روایات سے اس کا ثبوت ہے۔ دوسری اختلافی وہ یہ کہ پھر اس کی قضا واجب ہے یا نہیں پہلی شق مذہب حنیفہ کی طرف جاتی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں اور حفصہ روزہ سے تھیں۔ ہمارے پاس ایسا کھانا آیا۔ جو ہم کو مرغوب تھا۔ ہم نے اس کو کھا لیا حضرت حفصہ نے یہ قصہ آنحضرت سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوسرے دن روزہ رکھ لو۔ یعنی اس کی قضا کر لو۔ امر بظاہر وجوب کے لئے ہے اس کے وجوب پر ثبوت ملا۔ اب یہاں یہ شک پیدا کرنا کہ ممکن ہے وہ روزہ قضا یا نذر کا ہو۔ تو یہ بعید از خیال ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے بارہ میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا وجوب کب ماقط ہوتا ہے۔ کہ اس پر استفسار کا موقع آتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں آنحضرتؐ ان کو ایسے فعل پر زجر فرماتے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام خود فرض و واجبات پر سختی سے پابندی کرتے وہ کسی حال میں ان کو نہ چھوڑتے۔ نہ کہ ایک ذرا سی کھانے کی لذت یا زبان کے میٹھا رہ کے باعث جس کو معمولی لوگ دین کی باتوں پر قربان کر ڈالتے ہیں ؟

ابو حنیفہ عن عبد اللہ عن ابن

عمر قال قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلا لا ینادی بلیل فکوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم فانه یؤذن وقد حلت الصلوات

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلال اُرات کو اذان دیتے ہیں تو تم کھاتے پیتے ہو جب تک کہ ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔ کیونکہ وہ اذان دیتے ہیں نماز کا وقت ہو جائے ؟

تشریح :- یہ حدیث ابنی الناطی میں بخاری۔ سلم۔ ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کے ذیل میں ایک

اختلافی مسئلہ ہے جس کی تشریح کرنا بہتر ہے۔ امام شافعی۔ مالک و احمد اس کے قائل ہیں کہ نماز صبح کی اذان بالخصوص وقت سے پہلے یعنی طلوع فجر کے قبل دینا جائز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقت سے پہلے نہ تو صبح کی اذان جائز ہے۔ نہ کسی اور وقت کی ائمہ ثلاثہ کی محبت یہی حدیث ہے۔ احناف کے نزدیک غیر صبح احادیث ہیں۔ جس میں سے کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ ابو داؤد و ترمذی و ابی داؤد و ابی یوسف نے کہا کہ حضرت بلال نے ایک مرتبہ طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہہ دیں کہ بندہ یعنی میں وقت سے غافل ہو گیا۔ کہ وقت سے پہلے اذان دے دی۔ یہ صرف اس لئے کہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو۔ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اذان وقت سے پہلے جائز ہے۔

اب یہی حدیث ذیل جو ان کو اشتباہ میں ڈالتی ہے۔ نہ ہم کو۔ تو اس کے صاف الفاظ اس کے خود مطلب کو حل کرنے کے لئے بس ہیں۔ وہ یہ کہ یہ معاملہ محض رمضان کا ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے تفسیر صبح کی ہے کہ رمضان میں حضرت بلال کی اذان سحری کھانے کا ایک اعلان سا ہوتا۔ نہ نماز صبح کی مفاد اذان۔ اور ابن ام مکتوم کی اذان محض نماز کے لئے ہوتی۔ اور بعد طلوع فجر تو اس کے بعد کھانا پینا کب جائز ہونے لگا۔ لہذا حضرت بلال کی اذان کو نماز فجر کی اذان خیال کرنا اور سال بھر اس کو قابل عمل بنانا اور کلوادشی ہوا کے الفاظ سے چشم پوشی کرنی حدیث کی دوران خیال ترجمانی ہے۔ جو حدیث دانی پر بٹہ لگاتی ہے۔ بہت ممکن ہے بلکہ بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ آنحضرتؐ کی غرض کلام یہ ہو کہ بلال چونکہ غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے سحری ختم کرنے کا مدار ان کی اذان پر نہ رکھو۔ گویا ان کی اذان قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ ابن ام مکتوم کی اذان پر کیونکہ وہ چونکہ نابینا تھے وہ جب ہی اذان دیتے کہ بالکل صبح ہو جاتی۔ اور لوگ ان سے کہتے صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے تو اس وقت التبتہ کھانا پینا بند کر دینا چاہئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ احناف اپنے مسلک میں کس قدر محتاط اور درست ہیں؟

فسخ الإفطار بالحجامة

پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم منسوخ ہے!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے مقام فاحہ میں جبکہ آپ کا روزہ تھا:

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجر ثلث لکھا اگر یہ مزدوری حرام ہوتی تو آپ اس

ابو حنیفہ عن ابی السوار و یقال له ابو السوراء وهو الساسی عن ابن حافض عن ابن عباس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اجتمعوا بالفاحة وهو ما ثمر:

وفي رواية قال اجتمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالفاحة وهو محرم صائم. وفي رواية ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم اجتمعوا بالفاحة

کو نہ دیتے:

اجرة ولو كان خبيثا ما اعطاه:

تشریح:- حدیث مذکور کے پیش نظر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ روزہ میں اگر کچھ لگوائے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس سے روزہ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ دوسری روایت حجام کی اجرت کا مسئلہ ہے کہ وہ جائز ہے یا حرام۔ جن احادیث سے یہ اجرت حرام ہوتی ہے۔ ان میں یا تو حرمت کو کراہت شریعی پر محمول کیا جائے گا۔ یا پھر سرے سے حرمت کو منسوخ مانا جائے گا۔ جو طحاوی نے اختیار کیا ہے:

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دروزہ کی حالت میں کچھ لگوائے اس گلوں کے لئے کہ روزہ جاتا رہا:

انس قال اجتمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما قال افطرا الحاجم والمججم:

تشریح:- اس روایت سے معلوم ہوا کہ ممانعت آنجناب کے خود کے عمل سے جو بعد میں وقوع پذیر ہوا۔ منسوخ قرار پائی:

ابو حنیفة عن الزہری عن النبی

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لگائے اور آپ کا روزہ تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو حنیفہ رحم نے کہا خبروی مجھ کو ابن شہابؒ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لگائے جبکہ آپ کا روزہ تھا۔ گویا اس سند میں حضرت انسؓ کا ذکر نہیں کیا:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتمع هو صائم وفي رواية قال ابو حنیفة اخبرني ابن شهاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتمع وهو صائم ولحم يذکر انسا:

تشریح:- یہ حدیث پھلی حدیث ہی کی طرح ہے اس لئے اس کی تشریح وہیں ملاحظہ کرنی چاہیے۔

بَابُ الْأَصْبَاحِ جَنَابًا

بَابُ سَجَنَابَاتِ كِي حَالَتِ فِي

فِي الصَّوْمِ!

روزہ دار کا صبح کرنا!

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی جنابت صبح ہو جاتی۔ بغیر احتلام کے یعنی یہ سبب جماع کے پھر اپنا روزہ پورا فرماتے:

ابو حنیفة عن عطاء عن عائشة

قالت كان يصوم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم جنبا من غير احتلام ثم یتیم صومه:

تشریح:- یہاں یہ مسئلہ ہے کہ اگر جنابت میں روزہ دار صبح کرے۔ تو اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ یا نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا روزہ صحیح ہے۔

ابو حنیفۃ عن حماد بن ابی سلیمان
عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج الی
صلوۃ الفجر ورأسه یقطر ماء من غسل
جنابة وجماع ثم یظل صائماً :

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کیلئے تشریف لے جاتے
اور آپؐ سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے
غسل جنابت کے بعد جنابت (بببب جماع
ہوئی پھر آپؐ دو دن بھر روزہ دار رہتے :

تشریح :- اس حدیث سے بھی وہی ماقبل بیان کیے گئے مسئلہ کی طرف اشارہ ہوا کہ جنابت
روزہ کو فاسد نہیں کرتی۔ لفظ جماع کی زیادتی سے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ جنابت اختلاف شیطان
کے اثر سے ہوتا ہے۔ اور انجناب کی ذات اقدس شیطانی اثرات سے پاک تھی۔ اس لئے جنابت
اختلاف سے آنحضرت پاک تھے :

بَابُ قَبْلَةِ الصَّائِمِ

بَابُ رُؤْيَا دَارِ كَيْ لَيْسَ بُوَسَّ

لَبِنَا

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم
عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج الی الفجر
ورأسه یقطر ویظل صائماً
وَبَا سَنَادًا کان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یقبل نساءً فی رمضان :

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کیلئے تشریف لے جاتے
اور آپؐ سر مبارک سے غسل کے پانی کے
قطرے ٹپکتے ہوئے دھیرے آپؐ روزہ دار رہتے
اور اسی سند سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
بوسہ لیتے اپنی بیبیوں کا رمضان میں :

تشریح :- اس حدیث میں تشریح ہے کہ روزہ میں بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ عائشہؓ
نجماری میں مرفوع روایت سے کہ آپؐ بجات روزہ بوسہ لیتے میل جول رکھتے۔ اور آنحضرتؐ تم سے
زیادہ اپنی خواہشات پر قابو رکھتے تھے۔ منشاء کلام یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو چونکہ جذبات پر پورا
قابو تھا۔ اس صورت میں روایت ہے کہ انسان کو اپنے جذبات و خواہشات پر پورا بھروسہ ہوئے اسی لئے کتب
فقہ میں قبلہ کے ساتھ ان ائمہ کی قید بڑھائی ہے کہ وہ جماع تک بڑھ جانے سے بالکل خوف ہو۔
امام شافعی اس کی اباحت کو کسی قید کے ساتھ مفید نہیں کرتے :

ابو حنیفۃ عن الیثم عن عامر الشعب
عن مسروق عن عائشة کان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یصیب من وجہہا وہو قائم یعنی القبلة

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بجات روزہ آپؐ کا بوسہ
لےتے تھے :

تشریح :- مماوی میں ہے کہ آنحضرتؐ روزہ میں ہمارے چہروں سے پرہیز نہ فرماتے :

ابو حنیفہ عن زیاد بن عمرو بن

میمون عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل وهو مائتہ ۛ

تشریح :- اس میں بھی پیار لینے کی اباحت ثابت کی ہے ۛ

باب رخصۃ الافطار

باب - سفر میں روزہ نہ رکھنے

فی السفر !

ابو حنیفہ عن الہیثم ابن جیب

عن الصیرفی عن انس بن مالک قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیتین خلتا من شہر رمضان من المدینۃ الی مکۃ فصام حتی اتی قد یدافشکا الناس الیہ الجہد فافطر فلم یزل مفطرا حتی اتی مکۃ ۛ

تشریح :- حدیث میں اس کی تفصیل ہے کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسافر روزہ رکھنے اور نہ

رکھنے میں تمنا سے چاہے رکھے چاہے چھوڑے پھر فقہاء کے - البتہ افضلیت میں اختلاف ہے - کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا ترک کرنا - بعض ہر دو صورتوں میں فرق نہیں کرتے - جیسا کہ حدیث ان شئت فعم وان شئت فافطر سے آشکارا ہے کہ اگر چاہو روزہ رکھو چاہو نہ رکھو - بعض نے روزہ کو افطار پر ترجیح دی ہے - اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں - امام صاحب اور امام شافعی روزہ کو افضل جانتے ہیں بشرطیکہ مسافر روزہ کی طاقت رکھے - چنانچہ حدیث کے الفاظ اسی پر شہادت دیتے ہیں کہ فمنا الصلوۃ وما انقطع فان من قدر علیہ برجمہ واختارہ فصار من الافلا - یعنی ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض بغیر روزہ کے جن لوگوں کی طاقت ممتی - انہوں نے روزہ رکھا اور جو الیسا نہ تھا اس نے الیسا نہ کیا ۛ

ابو حنیفہ عن مسلم عن انس قال

سافر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان یرید مکۃ فصام وصام الناس معہ -

وفی رواية خرج من المدینۃ الی مکۃ

فی رمضان فصام حتی انتہی الی بعض

الطریق فشکا الناس الیہ الجہد

کی اجازت ہے !

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کی تیسری تاریخ مدینہ سے مکہ کی طرف عازم سفر ہوئے اور آپ روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ قدیدر پہنچے - لوگوں نے آپ سے تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے افطار فرمایا - پھر آنجناب نے روزہ چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ مکہ پہنچ گئے ۛ

تشریح :- حدیث میں اس کی تفصیل ہے کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسافر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں تمنا سے چاہے رکھے چاہے چھوڑے پھر فقہاء کے - البتہ افضلیت میں اختلاف ہے - کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا ترک کرنا - بعض ہر دو صورتوں میں فرق نہیں کرتے - جیسا کہ حدیث ان شئت فعم وان شئت فافطر سے آشکارا ہے کہ اگر چاہو روزہ رکھو چاہو نہ رکھو - بعض نے روزہ کو افطار پر ترجیح دی ہے - اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں - امام صاحب اور امام شافعی روزہ کو افضل جانتے ہیں بشرطیکہ مسافر روزہ کی طاقت رکھے - چنانچہ حدیث کے الفاظ اسی پر شہادت دیتے ہیں کہ فمنا الصلوۃ وما انقطع فان من قدر علیہ برجمہ واختارہ فصار من الافلا - یعنی ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض بغیر روزہ کے جن لوگوں کی طاقت ممتی - انہوں نے روزہ رکھا اور جو الیسا نہ تھا اس نے الیسا نہ کیا ۛ

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں مکہ کی طرف سفر کیا اور روزہ رکھا -

اپنے اور آپ کے ساتھیوں نے ۛ

ایک روایت میں ہے کہ نکلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان میں اور روزہ رکھتے

ہے - یہاں تک کہ پہنچے بعض راستہ مقام کا پر - لوگوں

فانظر فلم يزل منظرًا حتى ارثى
مكة

وفي رواية قال سافر رسول الله صلى
الله عليه وسلم في رمضان يريد مكة
فصام وصام المسلمون حتى اذا كان
بعض الطريق شكوا بعض المسلمين
الجهد فدا عابمَاء فانظروا فطر
المسلمون

نے تکلیف کی شکایت کی تو آپؐ افطار کیا اور مکہ
تک افطار ہی میں رہے

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا مکہ کا ارادہ کرتے
ہوئے۔ آپؐ نے بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں نے بھی
یہاں تک کہ جب کسی راستہ (مقام) پر پہنچے بعض
مسلمانوں نے تکلیف کی شکایت کی تو آپؐ نے پانی
طلب فرمایا۔ اور افطار فرمایا۔ اور مسلمانوں نے بھی
افطار کیا

تشریح: یہ حدیث چونکہ مکرر ہے اس لئے تفصیل پچھلی حدیث میں گذر چکی ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ الْقِمَمَةِ

پے درپے روزے رکھنے اور خاموشی

وَعَنْ صَوْمِ الْوَصَالِ

کا روزہ رکھنے کی ممانعت

الْبُحَيْفَةُ عَنْ عَبْدِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ
أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
نَهَى عَنْ صَوْمِ الْوَصَالِ وَصَوْمِ الْقِمَمَةِ

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل روزہ رکھنے سے اور
خاموشی کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے

تشریح: صوم وصال یہ کہ انسان پے درپے روزہ رکھے۔ اور رات کو کچھ نہ کچھ کھائے۔ صوم
قیمت یہ کہ دن بھر بات چیت نہ کرے۔ کوئی بات بھی منہ سے نہ نکالے۔ صوم وصال کی آنحضرتؐ نے
صاف اور کھلے الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔ دوسری روایات میں اس طرح بھی آیا ہے کہ ایک شخص
نے آپؐ کو عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ روزے تو رکھتے ہیں یعنی پھر ہم کو آپؐ کیوں منع فرماتے ہیں۔ تو آپؐ
نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ جیسا کون ہے۔ میں رات گزارتا ہوں۔ اس حال میں کہ مجھ کو میرا رب کھلاتا بھی
ہے اور پلاتا بھی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صوم وصال جائز ہے۔ کہ حرام یا مکروہ۔ بعض نے اس کو
جائز مانا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ممانعت محض امت پر رخصت و شفقت کی بنا پر تھی۔ مگر جہور کا یہی
مسئلہ کہ یہ ناجائز ہے اور مکروہ چنانچہ سوائے امام احمد کے نہ ملاشے اس پر تصریح وارد ہے۔
صوم قیمت نصاریٰ کا دینی شعار ہے۔ لہذا دین اسلام میں اسی سے بھی ممانعت وارد ہوئی کیونکہ یہودیوں
سے مشابہت بالکل منع ہے

الْبُحَيْفَةُ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى
عَنِ الرَّهَّاجِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے صوم قیمت اور صوم وصال سے

صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الصمت وصوم
المومنین

منع فرمایا :

تشریح :- پہلی حدیث کا اعادہ ہے :

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

باب ۹۶ - آیام تشریق

اور شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن

قُرَاحَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ ثَلَاثَةِ
أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَبِهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ الْيَوْمِ
الَّذِي يَشْكُ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ :

حضرت ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیام تشریق کے دنوں سے
مراد ماہ ذی الحجہ کی بارہویں تا بیسویں اور چودھویں تا پانچویں
سے روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ اور اسی سند سے
مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا
اس دن روزہ رکھنے سے جس میں شک کیا جائے
رمضان کا۔ یعنی تباریح ۱۹ شعبان اور وغیرہ کے
باعث چاند نہ دیکھنے پر شک ہو کہ یہ رات کرمضان
کی ہے۔ یا تیس شعبان کی تو آئندہ دن چونکہ شک
کا دن ہے روزہ رکھنا منع ہے۔

تشریح :- اس حدیث میں شک کے دن کے روزہ کی تشریح ہے۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے
شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کئی اور احادیث میں بھی ہے۔ ترمذی، نسائی وغیرہ میں ہے کہ
جس نے اس دن روزہ رکھا اس نے ابو القاسم کی نافرمانی کی۔ یہ ممانعت دراصل ایک دوراندیشی ہے۔
وہ یہ کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے سے رمضان کے روزوں میں اضافہ معلوم ہوتا ہے
اور نصاریٰ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان پر روزے چونکہ موسم گرما میں فرض ہوئے تھے۔
جو ان کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان پر چند روزوں کی
نہادتی کر دی تھی۔ لہذا اگر اس صورت کی عادت ہو جائے تو جاہل تو خصوصاً اس غلط فہمی کے شکار ہو جائیں
کہ یہ روزے بھی فرض ہیں تو گو باپیش بندی کے طور پر ممانعت فرمادی۔ اختلاف یہ ہے کہ شک کے
دن اسی ممانعت کی حدیث کے پیش نظر مکرہ قرار دیتے ہیں۔ اور نقلی روزے کو نہیں۔ بلکہ اس کو مستحب
کئے ہیں۔ کیونکہ دوسری احادیث میں اس حکم اتمامی سے نقلی روزہ کی تشادھی وارد ہے۔ مثلاً ابن عباس
کا قول لا تقعدوا رمضان بصوم يومين او يومين الا رجل كان يصوم رمواً فيصوم رمضان من
ايام وودن پہلے روزہ نہ رکھو۔ مگر وہ شخص جو کسی دن روزہ رکھتا ہو وہ اس دن رکھ لے۔ یعنی کوئی شخص

کسی دن نفلی روزہ رکھنے کا عادی ہے۔ مثلاً دو شنبہ کا دن اور اتفاق سے دو شنبہ تک کا دن رکھ لے یعنی وہ شخص دو شنبہ کے دن حسب معمول روزہ رکھ لے۔ یا یہ صورت خواص علماء کرام اور مفتیاں عظام کے لئے جائز ہے جو اس کا اعلان نہ کریں۔ اور عوام کے لئے شک کے دن نصف یوم تک انتظار جائز ہے پھر وہ افطار کر لیں۔ ورنہ عام لوگوں کے لئے اس نفلی روزہ کی عادت اسی قباحت کا باعث ہوگی۔ جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اور یہ نفلی روزہ بھی اس مصلحت پر مبنی ہے کہ ہر ماہ کو عبادت یعنی روزہ پر ختم کرنا مسنون ہے لہذا اس فخر سے شعبان کیوں خالی جائے۔ عوام میں چونکہ ایک اور خرابی کا خطرہ تھا۔ اس لئے ان کے لئے اجازت مسدود ہوئی۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ وَالْاِيْفَاءِ

بَابُ ۹۰ - اِعْتِكَافُ كَرْنَا اَوَّلِي مَنّت

پوری کرنا

بَذَرِہ

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب نذرت ان اعتکف فی المسجد الحرام فی الجاہلیۃ فلما اسلمت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اوف بندرت

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جاہلیت کے دنوں میں مسجد الحرام میں اعتکاف کی منّت مانی تھی۔ جب میں اسلام لایا تو میں نے اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا میں اپنی منّت پوری کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی منّت پوری کرو۔

تشریح: شیخین نے بھی یہ روایت کیا ہے۔ اس میں شب کا اضافہ ہے کہ میں نے ایک شب اعتکاف کرنے کی منّت مانی تھی۔ دوسری روایت میں دن کا لفظ ہے۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ اور طبرانی میں روزہ کا لفظ بھی ہے۔ کہ انہوں نے روزہ منّت بھی مانی تھی۔ چنانچہ اس کے جواب میں مروی ہے۔ کہ آپ نے عمرؓ کو روزہ کا حکم بھی دیا۔

کتاب الحج

کتاب - حج کا بیان

بَابُ التَّعَجُّلِ فِي الْحَجِّ

بَابُ ۹۱ - حج میں جلدی کرنا

ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابي سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امر اذا الحج فليعجل

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ کرتے تو اسے چاہئے کہ اپنے ارادے کو عمل جامہ پہنانے میں جلدی کرے۔

تشریح :- بہیقی میں یہ الفاظ زائد ہیں جو عجلت وشتابی کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں۔ فان احدکم لا یدری ما یعرض لہ من مرض او حاجة یعنی تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کو کیا بیماری لگ جائے اور کیا مشغولیت پیش آجائے۔ اس وجہ سے اس بارہ میں اپنے ارادہ حج کو پہلی فرصت میں ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اسی لئے امام ابو یوسف فی الفور حج کے وجوب کے قائل ہیں :

باب ۹۹ مغفرة الحاج

ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن النبی صلی

اللہ علیہ وسلم الحاج مغفور لہ ولین استغفر لہ الی السلاخ المحرمہ :

۲۲۱

باب ۹۹ حاجی کی مغفرت ہے !

علقمہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حاجی بخشا بخشا ہے اور وہ بھی جس کیلئے حاجی بخشش چاہے اتنا ہی عذر تک :

تشریح :- ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے مرفوعہ روایت ہے کہ حج و عمرہ ادا کرنے والے اللہ کے وفد میں کہ اگر اس سے دعا کریں مقبول ہو۔ اگر اس سے بخشش چاہیں تو ان کی بخشش ہو۔ امام احمد ابن عمر سے مرفوعہ روایت کرتے ہیں کہ جب تم حاجی سے ملو اس کو سلام کرو۔ اس سے مصافحہ کرو اور اس سے گزارش کرو کہ وہ گھر آنے سے قبل تمہارے لئے بخشش کی دعا مانگے کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے :

باب الحج العجۃ والتمح

باب ۱۰۰ حج زور سے لے کر

اور قربانی کا نام ہے !

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل اعمال حج حج اور شیخ ہیں حج تلبیہ دیکھتے ہیں لیس الحج بہنہ آواز سے کہتا ہے۔ اور شیخ جانور کی قربانی کا خون بہاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ شیخ جانور کی قربانی یعنی اس کا ذبح کرنا ہے :

ابو حنیفۃ عن قیس عن طارق عن

ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الحج العجۃ والتمح فاما العجۃ فالعجیم واما التمح فتمح البدن قال فتمح الدم :

و فی روایۃ فاما التمح فتمح

الہدی :

تشریح :- باعتبار فضیلت و برتری اعمال حج میں ان دونوں اعمال کو خاص عظمت حاصل ہے۔ جو دوسرے اعمال کو نصیب نہیں۔ تلبیہ میں حاجی نہایت عاجزانہ موذبانہ اور پردہ والفاظ میں اپنی حاضری کا اقرار کرتا۔ جو حضرت باری عزاسمہ کو نہایت پسند ہے۔ اور قربانی سے حاجی خدا کی راہ میں جان پیش کرتا ہے جو دربار الہی میں مقبول و مشکور ہے۔



باب مواقیت الحج

باب احرام باندھنے کی جگہیں

ابو حنیفہ عن یحییٰ ان ثاقبا قال سمعت عبد الله بن عمر يقول قال رجل فقال يا رسول الله ابن المہل قال یهل اهل المدينة من ذی الحلیفة و یهل اهل العراق من العقیق و یهل اهل الشام من الحففة و یهل اهل نجد من قرن

تشریح :- ان مقامات سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا حرام ہے۔ اگر ان سے آگے جا کر احرام باندھا تو دم لازم آئے گا۔ البتہ اگر پھر مہمات میں اپنی گروہاں سے احرام باندھے تو اکثر علماء کے نزدیک مسموع ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود بن یزید ان عمر بن الخطاب خطب الناس فقال من اراد منكم الحج فلا یجر من الا من البیقات والمواقیت التي وقتها نبيكم صلعم لاهل المدينة ومن مرجها من غير اهلها ذوالحلیفة ولاهل الشام ومن مرجها الحففة ولاهل نجد ومن مرجها من غير اهلها قرن ولاهل اليمن ومن مرجها من غير اهلها یلمم ولاهل العراق ولاسائر الناس ذات عرق

تشریح :- اس میں شافعیہ اور حنیفہ کا اختلاف ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین و نامزدگی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا عمرؓ کا اجتہاد ہے۔ شافعیہ اس خیال کے پیرو ہیں کہ یہ گوصحابہ کا اجماعی مسئلہ ہے۔ مگر یہ عمرؓ کا اجتہاد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی توقیت نقل نہیں۔ بخاری کی حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے بظاہر اس کی خیال کی تائید کرتی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خود آنحضرتؐ نے اس کی تعیین فرمائی۔ یہ عمرؓ کا محض اجتہاد نہیں ان کی دلیل اول حدیث ہے۔ یا اس سے ماقبل کی حدیث کہ یہ دونوں احادیث حنفیہ کی تائید کرتی ہیں۔ دوسرے مسلم ابی الزبیر کے واسطے سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور وہ جابر بن عبد اللہ سے روایت ہیں گمان کا حکم چونکہ یقین کا سہ ہے اس لئے گویا الفاظ رفع حدیث پر دلالت کرتے ہیں۔ تیسرے ابو داؤد وغیرہ میں عائشہؓ سے حدیث مروی ہے کہ خود آنحضرتؐ نے اہل عراق کے لئے ذات عرق موضع احرام مقرر فرمایا۔ چوتھے ابن ماجہ کی حدیث جو وہ بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر سے لائے ہیں اس کی تائید کرتی ہے۔ پھر بہت ممکن ہے کہ عمرؓ کی اجتہاد ہی چیز ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیت ان تک نہ پہنچے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا یا رسول اللہ احرام باندھنے کی جگہ کون سی ہے۔ آپؐ فرمایا کہ اہل مدینہ ذی الحلیفہ سے۔ اہل عراق عقیق سے اہل شام حفہ سے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں۔

تشریح :- ان مقامات سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا حرام ہے۔ اگر ان سے آگے جا کر احرام باندھا تو دم لازم آئے گا۔ البتہ اگر پھر مہمات میں اپنی گروہاں سے احرام باندھے تو اکثر علماء کے نزدیک مسموع ہے۔

اسود بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ فرمایا کہ جو تم میں سے حج کا ارادہ کرے تو وہ احرام نہ باندھے مگر مہمات سے جنگو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادیا ہے یعنی اہل مدینہ اور ان کے لئے جو اس کے راستہ سے جائیں ذوالحلیفہ سے۔ اہل شام اور اس کیلئے جو براہ شام جائیں حفہ سے۔ اہل نجد اور ان کیلئے جو براہ نجد جائیں قرن سے۔ اور اہل یمن اور ان کے لئے جو براہ یمن جائیں یلمم سے۔ اور اہل عراق اور تمام

لوگوں کے لئے ذات عرق سے

لوگوں کے لئے ذات عرق سے

سکی ہو۔ اور عمر کی رائے اور نبی صلعم کی توقیت آپس میں مل گئی ہوں:

باب ۱۳۔ محرم کا لباس ہو

باب ۱۳ ما یلبس المحرم

ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن دینار

عن ابن عمر ان رجلاً قال یا رسول اللہ ما ذا یلبس المحرم من الثیاب قال لا یلبس القمیس ولا العمامۃ ولا القباء ولا السراویل ولا البرکس ولا ثوباً متبّورس او زعفران ومن لم یکن له غلان فلیلبس الخفین ولیقطعہما اسفل من الکعبین

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ محرم کیا پہنے آپ نے فرمایا: قمیض عمامہ عبا اور پاجامہ لمبی ٹوپی۔ اور وہ کپڑا جس میں کسم اور زعفران کی رنگت نہ ہو نہ پہنے اور جس کے پاس چلیں نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر چلیں بنا کر پہن لے

تشریح:۔ سوال و جواب میں مطابقت نہیں کیونکہ سوال ان کپڑوں کے متعلق تھا جو احرام میں پہنے جاسکتے ہیں اور انتخاب نے وہ کپڑے گناے جو نہیں پہن سکتے۔ دراصل یہ عدم مطابقت کلام رسالت کی فصاحت و بلاغت ہے۔ کیونکہ پہنے جانے کے کپڑے کوئی ایک دو نہیں کہ ان کوئی گنا دے التبتہ احرام میں نہ پہنے کے کپڑے چند ہی ہیں۔ جو آنحضرت نے گناے۔ اور جن کے بارہ میں سوال ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ درحقیقت جواب میں سوال کی اصلاح ہے اور سائل کو سبق کہ سوال ممنوعہ کپڑوں کے بارہ میں ہونا چاہئے تھا نہ جائز شدہ کپڑوں کے بارے میں

ابو حنیفہ عن عمرو بن دینار عن

جاہر بن زید عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یکن له ازار فلیلبس سراویل ومن لم یدیکن لہ فقال فلیلبس خفین

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس نہ بند نہ ہو تو وہ پاجامہ پہنے اور جو نہ پائے رکھیں تو وہ موزے پہنے ورنہ سائل کو سبق کہ نیچے سے ان کو کاٹ لیا جائے کہ ٹخنے کھلے ہیں

تشریح:۔ صحیحین میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاجامہ اس شخص کے لئے ہے جو تہ بند نہ باندھ سکے اور موزے اس کے لئے جو نعلین نہ پائے

باب ۱۴۔ محرم کے لئے خوشبو کا استعمال

باب ۱۴ الطیب للمحرم

ابو حنیفہ عن ابراہیم بن المنذر

عن ابيه قال سألت ابن عمر ایتطیب المحرم قال لا انما صبر الفم قطراً انما احب الی من ان اصبر انفکم طیباً

منشر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر سے دریافت کیا محرم خوشبو لگائے؟ آپ نے کہا کہ اگر وہ صبح کرے ایسی حالت میں کہ اس سے قطران کی بو آتی ہو تو یہ سیر نزدیک بہتر ہے اس سے کہ اس سے خوشبو کی مہک

فَاتَيْتُ عَائِشَةَ فَذَكَرْتُ لَهَا
فَقَالَتْ اَنَا طَيِّبَتٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ فِي أَزْوَاجِهِ
ثُمَّ أَصْبَحَ تَغْنِي مُحْرَمًا ۝

آتی ہو۔ پھر میں نے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر
کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خوشبو لگائی (شب میں)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ نے طواف کیا
اپنی ازواج پر اور صبح کو آپ محرم تھے ۝

تشریح :- قول حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔
مگر درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ ابن عمرؓ بحالت احرام خوشبو کے استعمال کو سختی سے ممنوع قرار دے رہے
ہیں۔ اور عائشہؓ اس خوشبو کو جائز ٹھہرا رہی ہیں جو احرام سے پہلے لگائی جائے مگر اس کی مہک احرام کے
بعد بھی باقی ہے تو اس میں دونوں کے نزد مضائقہ نہیں اور بحالت احرام خوشبو کا استعمال دونوں کے
نزدیک روا ہے۔ اب کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ۝

بَابُ التَّمَتُّعِ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ أَبِي الزَّيَّادِ عَنْ جَابِرٍ
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَجْلُوا
مِنْ أَحْرَامِهِمْ بِالْحَجِّ وَيَجْلُوا عَمْرًا ۝

بَابُ - تَمَتُّعِ كَابِيَانِ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے شمع رسالت کے پردوں کو حکم دیا کہ
اپنے احرام حج سے حلال بن جائیں۔ اور اس کو عمرہ کر دیں ۝

تشریح :- معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے حج کی نیت کی تھی۔ اور آپ نے حج سے حلال کر دیا عمرہ
پر۔ یعنی طواف وسیع کرنے کے بعد حلال ہو گئے ۝

الْبُحَيْفَةُ عَنْ أَبِي الزَّيَّادِ عَنْ
جَابِرٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا أَمَرَهُ فِي حُجَّةِ الْوَدَاعِ
قَالَ سِرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَخْبِرْنَا عَنْ عَمْرَتِنَا خَامِئَةَ
أُمِّ اللَّائِلِ -

حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حجة الوداع میں حکم کیا جو کچھ کہنا کہ حج
کو فسخ کر دیا اور عمرہ پر بس کیا۔ اور عمرہ حج کے مہینوں میں
ادا کر دیا تو سراقہ نے کہا یا رسول اللہ ہمارے عمرہ کے
بارے میں فرمائیے کیا یہ ہم صحابہ کے ساتھ خاص ہے
یا ہمیشہ پیش کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ
کے لئے ہے ۝

قال هي للابنة ۝

تشریح :- سوال کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ ممنوع تھا لہذا آنحضرت
نے اس عمل سے اس رسم بد کو توڑا۔ اور اس خیال باطل کی تردید فرمائی ۝

الْبُحَيْفَةُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ
عَائِشَةَ أَنَّهَا قَدِمَتْ وَهِيَ حَمِيمَةٌ وَهِيَ خَالِصٌ
فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَرْفُضَ عَمْرَتَهَا
تَشْرِيح :- حضرت عائشہؓ قبل طواف حائضہ ہو گئیں تو آپ نے عمرہ فسخ کر دیا اور بعد میں قضا عمرہ کی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ داخل
ہوئیں بہ نیت تمتع اور حائضہ ہو گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ توڑ دیں ۝

تشریح :- حضرت عائشہؓ قبل طواف حائضہ ہو گئیں تو آپ نے عمرہ فسخ کر دیا اور بعد میں قضا عمرہ کی

تفہیم سے عبدالرحمن بن ابی بکر کے ہمراہ کرائی۔ اور دم دیا۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن

الاسود عن عائشة انها قدمت متمتعاً وهي

حائض فامرها النبي صلى الله عليه وسلم فرفضت عمرتها؛

تشریح :- حج کی تین قسمیں ہیں ایک انفراد وہ یہ کہ میقات سے احرام باندھا جائے مکہ میں داخل

ہونے بعد طواف وسعی کر کے حلال ہو جائے۔ اب موسم پر اہل مکہ کی طرح حج کی نیت کریں گے۔ دوسرے

تمتع وہ یہ کہ حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی۔ تیسرے قرآن وہ تمتع سے ملتا ہے فرق صرف اس قدر ہے

کہ تمتع میں بعد ارکان عمرہ حلال ہو جاتے ہیں۔ مگر جماع جائز نہیں۔ پھر آٹھویں کو احرام باندھنے میں اور قرآن

میں حج تک برابر محرم رہتے ہیں۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن

الاسود عن عائشة انها قدمت متمتعاً وهي

حائض فامرها رسول الله صلى الله عليه وسلم

فرفضت عمرتها واستأففت الحج حتى اذا فرغت

من حجها امرها رسول الله صلى الله عليه وسلم

ان تعمدوا الى التنعيم مع اخيها

عبدالرحمن؛

تشریح :- تفہیم مکہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ وہاں سے عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھتے ہیں۔

اور بعد طواف وسعی اور طلق حلال ہو جاتے ہیں۔ عورتیں پر طلق کا حکم نہیں ہے۔

ابو حنیفہ عن ابراہیم عن حماد عن

عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذبح

لوفضها العمرة بقرة؛

تشریح :- یہ فسح عمرہ کی بنا پر دم دینا پڑا۔

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن جعي

بن حراش عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم

امر برفضها العمرة دمًا؛

تشریح :- یہ سابق حدیث کا اعادہ ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن

الاسود عن عائشة انها قالت يا نبي

الله يصد الناس بحجة وعمرات واصدا

بن ابی بکر کو حکم دیا اور فرمایا کہ ان کو تفہیم دے جاؤ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

کہا یا نبی اللہ لوگ حج و عمرہ کہہ کے جائیں گے اور میں

صرف حج کہہ کے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن

بن ابی بکر کو حکم دیا اور فرمایا کہ ان کو تفہیم دے جاؤ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

حج تمتع کی نیت کی۔ پھر بعد تلبیہ و احرام، حالض ہو

گئیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ فسح کر دیا

اور بوقت حج احرام سے سر سے حج کیلئے باندھا

پھر جب مکان حج سے فارغ ہوئیں تو آپ نے ان کو حکم

دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ تفہیم جا کر احرام

باندھ کر آئیں۔

وہاں سے عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھتے ہیں۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب انہوں

نے عمرہ فسح کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دم دینے

کا حکم دیا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

کہا یا نبی اللہ لوگ حج و عمرہ کہہ کے جائیں گے اور میں

صرف حج کہہ کے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن

بن ابی بکر کو حکم دیا اور فرمایا کہ ان کو تفہیم دے جاؤ۔

بجۃ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد الرحمن بن ابی بکر فقال انطلق بها الی التسعیم فلتقل ثم لتغرم منها ثم لتعجل علی فانی انتظرها بطن العقبة ۛ

وہاں جا کر احرام باندھیں عمرہ کے لئے پھر عمرہ سے فارغ ہو کر مجھ سے جلد آلو۔ میں بطن عقبہ میں تمہارا انتظار کروں گا ۛ

تشریح :- تشریح گزر چکی وہیں دیکھ لی جائے۔

بَابُ كُلِّ الْمَحْرَمِ لِحَمِّ الصَّيْدِ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدَرِ عَنْ عَثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ اللَّهَ قَالَ تَذَكُّرُوا لِحَمِّ صَيْدٍ يَصِيدُ فِي الْحَلَالِ فَيَاكُلُهُ الْحَرَامُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَالَهُ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَاسْتَيْقِظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ فِيمَا يَتَذَكَّرُونَ فَقُلْنَا فِي لَحْمِ صَيْدٍ يَصِيدُهُ الْحَلَالُ فَيَاكُلُهُ الْحَرَامُ قَالَ نَا مَرْنَا بِأَكْلِهِ ۛ

بَابُ - محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امراحت فرماتے تھے اور ہم نے یہ بحث چھیڑ دی تھی کہ حلال (غیر محرم شخص) کا مارا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے۔ (یہاں تک کہ ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ پڑے اور ارشاد فرمایا کہ کس بات میں جھگڑ رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ اس کو کھا سکتا ہے۔ حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ہمیں اسکے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی ۛ

تشریح :- اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ شکار اگر غیر محرم شخص کا مارا ہوا ہو۔ خود محرم نے اس کو نہ مارا ہو تو محرم بلا حرج کھا سکتا ہے اور اس شکار کا کھانا اس کے لئے حلال ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابی قتادہ کی روایت کی رو سے جس کا اختصار بعد میں آ رہا ہے۔ یہ شرط ہے کہ محرم نے غیر محرم کو شکار کے لئے اشارہ نہ کیا ہو۔ یا کسی قسم کی مدد نہ کی ہو۔ ورنہ پھر یہ شکار اس کے لئے ایسا ہی حرام ہو جاتا ہے کہ گویا خود اسی نے اس کو شکار کیا ہے ۛ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدَرِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ حَلَالٌ غَيْرِي فَسُوطٌ نَعَامَةٌ ، فَسَرْتُ إِلَى فَرْسِي فَرَكَبْتُهَا وَعَجَلْتُ عَنْ سَوْطِي فَقُلْتُ لَهَا نَادِ بِنَبِيهِ فَابْكُوا فَانْزَلْتُ عَنْهَا فَاخَذْتُ سَوْطِي فَطَلَبْتُ النِّعَامَةَ فَاخَذْتُ مِنْهَا حِمَارًا فَابْكْتُ وَابْكُوا ۛ

حضرت ابی قتادہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت کے ہمراہ نکلا اور پوری جماعت میں میرا کوئی حلال (غیر محرم) نہ تھا۔ میری نظر گور خروں پر پڑی۔ میں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ کر اس پر سوار ہو گیا۔ مگر طبری میں اپنا چابک بھول گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کا ذرا مجھے یہ چابک اٹھایا۔ اور پھر گور خروں کے پیچھے ہو گیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک شکار کر لیا پس میں نے بھی کھایا اور انہوں نے بھی ۛ

تشریح :- ابی قتادہ کی یہ حدیث جس کی مزید تفصیل صحاح میں بھی موجود ہے میں ایک مختلف فیہ مسئلہ کے ایک فریق کے لئے قوی دلیل ہے۔ صورت مسئلہ اور اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ جس شکار کو حلال آدمی مارے اس کو محرم کھا سکتا ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نے شکاری کو کسی قسم کی مدد نہ دی ہو۔ خواہ اسی کی خاطر شکار کیوں نہ کیا جائے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اگر غیر محرم نے شکار محرم کے لئے مارا ہے تو وہ شکار اس کے لئے حلال نہیں۔ امام شافعی کے مسلک کی دلیل حضرت جابر کی مرفوع حدیث ہے۔ جس کو ابو داؤد و ترمذی نسائی ان الفاظ سے لائے ہیں کہ آپؐ فرمایا صید البرکھ حلال مالم تعید و لا یدعیاد کہہ کہ خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے۔ تا وقتیکہ تم شکار نہ کرو۔ یا وہ تمہارے لئے شکار کیا جائے امام صاحب مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے جس کی تفصیل صحاح ستہ میں بھی ہے کہ ایک سفر میں یہ اور چند اصحاب آنحضرتؐ سے بھیجے رہ گئے۔ راہ میں ابو قتادہ نے گور خر شکار کیا بعض اصحاب اس کو کھایا اور بعض نے اس سے پرہیز کیا جب آنحضرتؐ سے ان ملے تو معاملہ انتخاب کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے صرف یہ سوال فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابو قتادہ کو شکار بتایا تھا یا اس پر آمادہ کیا تھا۔ سب نے اس سے انکار کیا تو فرمایا کہ بقیہ گوشت بھی کھا کر۔ معلوم ہوا کہ گوشت کے حلال نہ ہونے کے اسباب میں یہ ہی تھے جو آنحضرتؐ نے بیان فرمائے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حلت کو روکنے والی ہوتی مثلاً یہ کہ شکار تمہارے لئے تو نہیں مارا تھا۔ تو آپ اس کو بھی کھول کر پوچھ لیتے۔ لہذا حضرت جابر و حضرت ابی قتادہ کی احادیث میں تعارض واقع ہوا۔ جس میں حضرت ابی قتادہ کی حدیث قابل ترجیح ٹھہرے گی۔ کہ وہ صحیحین میں بھی ہے اور دیگر کتب صحاح میں بھی بخلاف حدیث مخالف کے کہ وہ صحیحین میں نہیں۔ یا حدیث مخالف میں تاویل کریں گے۔ کہ ہر دو میں تطابقی ہو جائے کہ اولیٰ قتلکم کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے حکم اور فرمائش سے وہ شکار کیا گیا ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ فرمائش ہی سے کسی کے لئے کوئی چیز حاصل کی جاتی ہے :

باب ما يجوز للمحرم قتله باب - محرم کے لئے کس چیز کا مارنا جائز ہے

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم
روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرمایا کہ محرم چوہے -
سانپ کتے - چیل اور بچھو کو مار سکتا ہے :

تشریح :- جن جانوروں کا سبالت احرام مار ڈالنا جائز ہے ان کی تعداد میں احادیث مختلف ہیں بعض میں کلب کے ساتھ عقور کی قید بھی ہے۔ یعنی کٹ کھنا کتا۔ بعض میں بلع کا یعنی درندہ کا لفظ نام نہ ہے۔ کسی میں غراب (کوئے) کا اضافہ ہے۔ انہیں جانوروں کے ذیل میں مختلف عنوانات پر علماء میں خفیف سے اختلافات ہیں۔ مثلاً اس میں علماء مختلف الراے ہیں کہ ان جانوروں کا مار ڈالنا

جائز ہو تا کہس نقطہ خیال پر مبنی ہے۔ امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ جانور کھائے نہیں جاتے اور جو جانور کھائے نہ جائیں ان کا مار دینا محرم کے لئے جائز ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ امام مالک اس خیال کے حامل ہیں کہ یہ ایڈ پہنچانے والے جانور ہیں اور مراد پہنچانے والے جانور کو محرم مار سکتا ہے۔ اسی لئے جو درندہ ایذا رساں نہیں مثلاً لومڑی۔ بلی۔ بچو وغیرہ ان کا مارنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو مار ڈالے گا تو ان کے نزدیک اس پر فدیہ آئے گا۔ پھر کتے کے بارہ میں راویوں کا اختلاف ہے۔ بعض اس سے معروف کتا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اوزاعی رحمہ اللہ حلیفہ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اور اسی کے حکم میں بھیڑیا ہے اور امام زفر کے نزدیک اس میں سے صرف بھیڑیا مراد ہے۔

بَابُ نِكَاحِ الْمُحْرَمِ

ابو حنیفہ عن سہال عن ابن

جبیر عن ابن عباس قال تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ بنت الحارث دھو محرم

بَابُ مُحْرَمِ كَانِكَاحِ كَرْنَا

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا حضرت میمونۃ بنت حارث سے اور آپ حالت احرام میں تھے۔

تشریح :- اس حدیث کے تحت ایک اختلافی مسئلہ محتاج بیان ہے۔ اس لئے ہم جانبین کا نقطہ خیال اور وجہ استدلال باختصار پیش کرتے ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ محرم اور محرمہ بجمالت احرام نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ احناف پہلی صورت کے قائل ہیں اور یہی مسلک عبد اللہ بن مسعود عبد اللہ بن عباس۔ انس بن مالک کلبی اور یہی مذہب سعید بن جبیر عطاء۔ طاؤس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ جابر۔ عمرو بن دینار اور اہل عراق کلبی۔ شافعیہ۔ مالکیہ۔ حنبلیہ دوسری صورت کے حامی ہیں اور یہی تحقیق ہے۔ حضرت عمرو حضرت علی کے مذہب حنفیہ کی دلیل قرآن۔ سنت رسول اور قیاس ہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَاَنْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔ یا اَنْکَحُوا الِیَّ مَا مَنَعَكُمْ کہ یہ حکم مطلق ہے۔ محرم وغیرہ محرم سب کو شامل ہے۔ خبر واحد سے عدم احرام کی اس میں قید لگانا کتاب پر زیادتی ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں مختلف سلسلہ طرق مروی ہے۔ طحاوی۔ مجاہد۔ عطاء۔ طاؤس۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ جابر بن زید کے وسائل سے ابن عباس سے اس کی روایت کرتے ہیں۔ اول تو حضرت ابن عباس کا علم۔ اور آپ کابلے پایاں تاجر کہ آنحضرت کی دعا کی برکت سے آپ علم کے بحر تھے۔ قرآن کے سب سے بڑے ترجمان تھے۔ اور کلام رسول کے معنی شناس۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صغریٰ نے کبھی آپ کے علم پر بٹہ نہیں لگایا حضرت عمر فرمایا کرتے کہ ابن عباس اگر سہاری حبشی عمر پالیں تو ہم میں سے کوئی ان کا عشر عشر نہیں ہو سکتا۔ لہذا آپ کی تنہا حدیث مذہب حنفیہ کی صداقت و صحت کے ثبوت میں بس ہے۔ نہ کہ پھر اس کے مانعہ ساتھ اور روایات صحیحہ بھی اس کی موید ہوں مثلاً حدیث عائشہ جو طحاوی معانی الآثار میں اور بزاز اپنی سند میں لائے ہیں۔ اس مضمون سے کہ آنحضرت نے اپنی بعض عورتوں سے بجمالت احرام نکاح کیا۔ سہیلی نے کہا کہ بعض سے مراد حضرت میمونۃ ہیں۔ طحاوی کہتے ہیں کہ اس کے سب ناقلین ثقہ ہیں۔ یا حدیث

ابی ہریرہ جس کو دارقطنی اور طحاوی لائے ہیں۔ اس مضمون سے کہ آنحضرت نے بحالت احرام حضرت میمونہ سے نکاح کیا ہے۔

قیاس کی تائید بھی موجود ہے۔ اول یہ کہ نکاح دیگر عقود کے مثل ہے۔ جو بحالت احرام جائز ہیں پھر اس میں حرمت کی کیا بات ہے۔ دوسرے اگر بحالت احرام نکاح جائز نہ ہوں تو قیاس متقاضی ہیں کہ احرام سے پہلے والا نکاح بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ جو چیزیں نکاح کے منافی ہیں اور اس کو باطل کرنے والا۔ وہ نہ نکاح ہونے دیتی ہیں نہ اس کو باقی رکھتی ہیں ان میں ابتدا اور بقا ہر دو برابر ہیں۔ تمیز سے نکاح تو بہر حال وطی کی طرح تو ہے۔ نہیں کہ محرم کے لئے حرام ہو۔ البتہ یوں کہنا پڑے گا کہ جائز ہے۔ مگر ترک اولیٰ ہے جس طرح خطبہ و منگنی کرنا۔ اور آپ کا عمل محض جواز کے لئے ہے۔ اگر کہیں کہ نکاح اس لئے ناجائز ہے کہ یہ وطی کا سبب بٹھرتا ہے۔ تو چاہئے تھا کہ بحالت احرام اپنی زوجہ کو ہر ماہ کھنا بھی ناجائز ہوتا۔ کیونکہ یہ معیت بھی تو وطی کے اسباب و دواعی ہیں۔ چوتھے حضرت میمونہ حضرت ابن عباس کی خالہ ہوتی تھیں۔ ان کو نکاح کے بارہ میں جو علم ہو سکتا ہے وہ دوسرے کو کب نصیب۔ عرض یہ ہیں مذہب حنیفہ کے۔ دلائل جن کو رد کرنا ناممکن ہے۔

دوسری جانب کے مسلک کے ثبوت میں تین احادیث ہیں ایک خود حضرت میمونہ کی حدیث دوسری یزید بن الاصم کی۔ تیسری ابو رافع مولیٰ نبی صلعم کی۔ یہ فعلی احادیث ہیں اور ایک قولی حدیث ہے جو حضرت عثمان سے مروی ہے۔ گویا کل چار احادیث ہیں۔ حضرت میمونہ کی حدیث ابو داؤد و ترمذی مسلم وغیرہ لائے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ مجھ سے نکاح کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم دونوں حلال تھے۔ چونکہ معاملہ ان کا ہے اس لئے یہ کہتے ہیں کہ ان کی بات وزن دار ہے۔ ہم کہتے ہیں بے شک ان کی بات وزن دار ہے مگر کس بات میں نکاح کے معاملہ میں جس میں یہ صاحب معاملہ ہیں یا آنحضرت کے احرام کے بارہ میں جو اصل میں نزاعی ہے اور اس کے علم میں یہ اور دیگر صحابہ برابر ہیں بلکہ حضرت ابن عباس کا قول بسبب اتقان۔ تفقہ و حفظ قابل و ثوقی ہے۔ پھر حضرت میمونہ کو آنحضرت سے زیادہ قرب و ملاست جو نصیب ہوئی تو وہ مقام سرف میں حلال ہونے کی صورت ہیں۔ جبکہ زفاف ہوا۔ نہ بحالت احرام کہ ان کا قول اور دل پر مقدم ہو۔ اب اس حدیث کا اسنادی پہلو دیکھئے۔ اول تو ایہ بخاری میں نہیں ہے یعنی بخاری نے اسے لکھا جس سے اس کا کمزور ہونا ثابت ہوا دوسرے ترمذی اس کو حدیث غریب کہتے ہیں تیسرے اسکی سند میں جریر بن حازم ابن زید بن عبد اللہ لازد کا ہے جن کے بارہ میں تقریب میں کہا ہے کہ جب یہ اپنے حافظہ سے روایت کر تے ہیں تو ان کو وہم ہو جاتا ہے جو کچھ یہ حقیقت ہے کہ مرد عورتوں سے بہر حال حفظ و اتقان اور تفقہ میں قوی تر ہیں۔ لہذا حضرت ابن عباس کے مقابلہ میں ان کی حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ دوسری حدیث یزید بن الاصم کی ہے جن کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت عباس کو حضرت میمونہ کے بھانجے ہونے کے سبب برتری حاصل ہے تو ان یزید کو بھی ان کے بھانجے ہونے کے باعث فضیلت ہونی چاہئے تو ہر دو برابر ہو گئے۔ ان کی حدیث طحاوی و دیگر کتب میں وارد

اور مضمون یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا۔ اسکے جواب میں ہم احناف کا کہنا ہے کہ اگر ترجیح قرابت ہی پر شہرتی ہے تو ابن عباس کا پلہ پھر بھی مجاری ہے کیونکہ اگر آپؐ ایک طرف حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں تو دوسری طرف خود آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی بھی تو ہیں۔ یہ مبارک رشتہ اور بابرکت قرابت یزید کو کہاں نصیب۔ پھر ہم محض قرابت کو نبائے ترجیح کب قرار دیتے ہیں بلکہ قرابت مع آپؐ کی متنازعہ علمی قابلیت سے۔ یوں بھی کہاں یزید کہاں حضرت ابن عباسؓ چچا پختہ عمرو بن دنیار سے نقل ہے کہ انہوں نے نہ ہری کو یہ کہہ کر ساکت کر دیا کہ ابن الاصم ایک پشیاب کرنے والا اعرابی کیا جانے کیا تم اس کو ابن عباس کے برابر کرتے ہو۔ اس کے علاوہ یزید کے مقابلہ میں صرف ابن عباس ہی نہیں بلکہ جیسا کہ بھی بیان ہوا حضرت عائشہؓ اور ابی ہریرہؓ بھی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک یزید سے زائد قابل ترجیح ہے۔ لہذا اب یہ ہی صورت رہ جاتی ہے کہ حدیث یزید اور حدیث میمونہؓ میں تاویل کر کے ان کو حدیث ابن عباس کے موافق کر لیا جائے۔ اس طرح کہ تزوج سے مراد زفاف ہونہ عقد۔ کیونکہ تزوج زفاف کے لئے سبب حاوی ہے اور یہ بے شک حلال ہونے کی حالت میں ہوا۔

یہ تاویل قرین قیاس ہے۔ نہ یہ کہ حدیث ابن عباسؓ میں احرام کو دخول فی الحرم یا دخول فی شہر الحرم کے معنی میں نہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت کھلا ہے اور ظاہر ہوا ہے۔ جبکہ آپؐ محرم تھے کیونکہ بعینہ یہ تاویل حنیفہ کی طرف سے یزید کی حدیث میں بھی کی جاتی ہے اور یہ قرین قیاس ہے۔ بشیر روایات کہ تزوج میمونہؓ دھو حلال کے یہ معنی ہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا ہے کہ آپؐ حلال تھے۔ اکثر روایات اسی پر مشابہ ہیں کہ یہ حل طاری کا واقعہ ہے گویا نکاح احرام میں ہو چکا تھا۔ واقعہ کی اشاعت حلال ہونے کی صورت میں ہوئی ہے۔ شافعیہ کی حدیث کا کہ اس کا بھی ان کے دلائل میں شمار ہے کیونکہ یہ نکاح کے انعقاد میں سفارت و رسالت کا کام انجام دے رہے تھے۔ اور رسول و سفیر معاملہ کو بہت قریب سے دیکھتا ہے اس کے جواب میں اول تو ہم وہ ہی کہتے ہیں جو حضرت میمونہؓ کی حدیث کے جواب میں کہا تھا۔ کہ ان کی رسالت و سفارت نکاح کے معاملہ میں ان کی بات کو وزن دار کرتی ہے نہ آنحضرتؐ کے محرم یا غیر محرم ہونے کے معاملہ میں جس میں دراصل نزاع ہے۔ اور اس میں یہ اور دوسرے صحابہ یکساں ہیں۔ بلکہ دوسرے صحابہ کو خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو بہر صورت ان پر ترجیح ہے۔ پھر سنا دی پہلو سے بھی یہ حدیث تقسیم ہے کہ اول تو صحیحین میں یہ حدیث نہیں اور نہ مذنی اس کو لائے ہیں تو انہوں نے اس کو صرف حسن کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صحت کے درجہ تک یہ نہ پہنچ سکی۔ دوسرے اس کے انقال پر ابن عبد البر کو اعتراض ہے کیونکہ ابورافع کی وفات سلیمان بن یسار کی ولادت کے تین ہی سال بعد ہوئی ہے۔ تو اب سلیمان کا ابورافع سے کس طرح سماع ثابت ہو سکتا ہے۔ تیسرے مطہر راقی جو اس کی سند میں ہے۔ ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سعید اور امام احمد دونوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ فعلی حدیث

کی تفصیل تو گزری ہے یہی قولی حدیث حضرت عثمان کی تو بے شک یہ اصول اپنی جگہ قائم ہے کہ قولی حدیث فعلی پر مقدم ہے مگر یہ جب ہے کہ قولی حدیث فعلی سے لحاظ سند قوی تر ہو اور یہاں یہ صورت نہیں۔ کیونکہ ابن عباس سے روایت کرنے والے اصحاب فقہاء ہیں اور اہل حفظ و ضبط کہ جن کی فکر کا حدیث عثمان ہیں ایک بھی نہیں۔ مثلاً سعید بن جبیر۔ عطاء۔ طاؤس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ جابر بن زید وغیرہ۔ اور حدیث عثمان کی روایت نبیہ بن وہب سے ہے جو نہ عمرو بن دینار کا محکم مرتبہ ہے نہ جابر بن زید کا محکم پلہ۔ نہ ہی مسروق کے مقابلہ کا جو عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ قسطلانی نے ارشاد ساری ہیں کہا ہے کہ بخاری نے حدیث عثمان کو ضعیف بتایا ہے کیونکہ اس میں نبیہ بن وہب سے روایت ہے دونوں حدیث فعلی و قولی میں تطبیق باسانی ہو سکتی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔ جس طرح خطبہ (منگنی) میں نہی تحریری۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ احرام میں حاجی کی شان کے خلاف ہے کہ اس قسم کے مشاغل میں مصروف ہو جو اس کی عبادت میں خلل اندازی کا کام کریں۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ میں منگنی کے کبھیڑوں میں الجھے گا۔ پیام رسانی جواب و سوال ضیافت مہمانوں کے جھگڑوں سے دوچار ہوگا۔ جو رقت قلبی اس کی ساری عبادت کو دھول میں ملا دیں گے البتہ چونکہ آنحضرت کو اپنے تمام قوی پر پورا اقتدار و قبضہ حاصل تھا اس لئے آپ کے لئے یہ سب کچھ روا تھا بھر شاخ کا توڑ کاٹنا اس تاویل کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے دلائل خطبہ میں نہی تنزیہی مانی ہے تو لایکلیج جو اس کے برابر ہیں نہی تنزیہی کیوں مرویہ ہیں۔ لہذا اس پوری بحث کے اختتام پر یہ ماننا پڑے گا۔ کہ مذہب حنفیہ ہی اندر سے قرآن سنت اور بقا ضائع قیاس اور درایت درست ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بَابُ حِجَامَةِ الْحُرْمِ

بَابُ مُحْرَمٍ كَاطِحِنَةٍ

لِغَوَانَا

ابو حنیفہ عن حماد بن سعید بن

جبیر عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وهو محرم:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھنے لگا جبکہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے:

تشریح :- اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام میں کچھنے لگانا جائز ہے اور اس مسئلہ کی بنا قرآن کی یہ آیت کریمہ ہے۔ فَن كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ بَدَا ذِي مَن رَّاسِهٖ فَعَدَّ يَتَاٰهُ غَدْرًا كِي بِنَا يَرْهِيْهُ اَوْ اس پر بھی مذہب ہے:

بَابُ اسْتِلاَمِ الرُّكْنِ الْحَرَامِ

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر رضى

الله عنه قال ما تركت استلام الحجر منذ رأيت

بَابُ رُكْنٍ اَوْ حَجْرٍ سَوْدٍ كَوْبُورٍ دُنْيَا

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوڑا

بوسہ حجر اسود کا جب دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستلمہ :

تشریح :- حجر اسود کو بوسہ دینا ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔
ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن علقمة عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انتہیت الی الرکن الیمانی الا لقیبت عندا جبرئیل وعن عطاء بن ابی رباح قال قبل ید رسول اللہ تکر من استلام الرکن الیمانی قال ما اتیت علیہ قط الا وجبرئیل قال عندا لا یستغفر لمن یتلمہ :

تشریح :- اس کی تائید اس حدیث

ہیں اس معنوں کے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رکن یمانی پر جب بھی گذرا اس کے پاس میں نے ایک فرستہ پایا جو پکار پکار کر آہن کہتا ہے ۔ لہذا تم جب اس کے پاس سے گذرو تو یہ دعا پڑھو ربنا اتنا فی الدنیا حنة و فی الآخرۃ حنة و تناعنا اب النار :

ابو حنیفہ عن عبد اللہ عن ابن

عمران بنی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بین الرکن الیمانی والیحی الاسود اللهم انی اعوذ بک من الکفر والفقر والذل وموقف الخزی فی الدنیا والآخرۃ :

تشریح :- اس قسم کی دعاؤں کے ذیل میں جو احادیث آئی ہیں ۔ ان میں گو بعض با اعتبار سند ضعیف ہیں مگر ایک دوسرے سے مل کر یہ قوی ہو جاتی ہیں ۔ پھر بعض صحیح و حسن بھی ہیں ۔ اس کے علاوہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثیں بھی قابل عمل ہوتی ہیں :

ابو حنیفہ عن حماد عن سعید بن

جبیر عن ابن عباس قال طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بال بیت و هو شاک علی راحلہ یتلم الارکان ہرججہ :

وفی روایۃ قال طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصفو والمروة و هو شاک علی راحلہ :

علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے :

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب بھی رکن یمانی

کے قریب گیا میں نے اس کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کو پایا ۔ عطاء بن ابی رباح سے (درمل) مروی ہے

کہ آنحضرت سے عرض کیا گیا کہ آپ رکن یمانی کو چھوتے

ہیں یا بوسہ دیتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی اس

کے پاس نہیں آیا مگر یہ کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو اس

کے پاس کھڑے ہوئے اور بوسہ دینے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے

ہیں مگر اس کے بعد ابو الشیخ ابن عباس سے روایت کرتے

ہیں اس معنوں کے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رکن یمانی پر جب بھی گذرا اس کے پاس میں نے ایک فرستہ

پایا جو پکار پکار کر آہن کہتا ہے ۔ لہذا تم جب اس کے پاس سے گذرو تو یہ دعا پڑھو ربنا اتنا فی الدنیا حنة و فی الآخرۃ حنة و تناعنا اب النار :

تشریح :- اس قسم کی دعاؤں کے ذیل میں جو احادیث آئی ہیں ۔ ان میں گو بعض با اعتبار سند ضعیف ہیں مگر ایک دوسرے سے مل کر یہ قوی ہو جاتی ہیں ۔ پھر بعض صحیح و حسن بھی ہیں ۔ اس کے علاوہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثیں بھی قابل عمل ہوتی ہیں :

ابو حنیفہ عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بال بیت و هو شاک علی راحلہ یتلم الارکان ہرججہ :

وفی روایۃ قال طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصفو والمروة و هو شاک علی راحلہ :

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا بیت اللہ کا بحالت بیماری اپنی

سواری پر ۔ بوسہ دیتے ہوئے آپ رکن یمانی اور حجر اسود کو اپنی خمیدہ کمری سے :

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ سعی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان بحالت بیماری اپنی سواری پر :

تشریح :- یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بسبب بیماری سواری پرستی جائز ہے۔ ارکان سے رکنین بیانیں مراد ہیں۔ کیونکہ رکنین شامیین کو بوسہ نہیں دیا جاتا۔ گو بعض سلف نے اس کو مستحب کہا ہے۔ مگر اتفاق اسی پر ہے۔ قاضی ابوالطیب اور نووی نے کہا ہے کہ اس پر ائمہ کا اجماع ہے :

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عباس

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رمل من الحج الى الحج

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا حجر اسود سے حجر اسود تک دو گویا پورے شوط میں :

تشریح :- رمل کہتے ہیں سینہ تاں کر شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چلنا۔ جس طرح فوجی جوان چلتا ہے۔ انحضرت نے تین دوروں میں رمل ہی کیا۔ اور چار میں حسب عادت رفتار میں چلے۔ حضرت جابر سے بھی اسی طرح مروی ہے اب صحیحین میں ابن عباس سے ہر دو رکنوں کے درمیان جو صرف مٹی کی روایت ہے وہ حدیث جابر سے منسوخ ہے۔ نووی اور قسطلانی نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ حدیث ابن عباس میں عمرۃ القضا کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو شہر میں قبل فتح مکہ وقوع پذیر ہوا پھر جب آپ کے حجتہ الوداع ادا فرمایا تو رمل کیا۔ لہذا چونکہ جابر کی حدیث متاخر واقعہ کو بیان کرتی ہے اس لئے یہ ہی قابل عمل ہے :

باب الحكم بعرفة

باب عرفہ میں دو نمازوں کو ایک

ساتھ پڑھنا !

ابو حنیفہ عن یحییٰ بن ابی حنیۃ

ابی جناب عن ہانی بن یزید عن ابن عمر قال افصنا معه من عرفات فلما نزلنا جمعا اقام فصلينا المغرب معه ثم تقدم ففعلی رکعتین ثم دعا بماء فصب علیہ ثم اوی الی فراشه ففقدنا منتظرا لصلوة طویلا ثم قلنا یا ابا عبد الرحمن الصلوة فقال ای الصلوة فقلنا العشاء الآخرة فقال اما کما صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقد صلیت :

وفی رواية عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم جمع بین المغرب والعشاء :

ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر کے ہمراہ عرفات سے واپس ہوئے تو مزدلفہ میں اترے پھر اقامت کہی و رسم نے آپ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھی پھر آپ کے بڑے اور (نماز عشا کی) دو رکعات ادا فرمائی اس کے بعد ہانی منگا کر غسل کیا اور بستر استراحت پر جا کر لیٹ گئے ہم نماز کے انتظار میں بہت دیر تک بیٹھے رہے آخر ہم نے کہا ایے ابا عبد الرحمن نماز یعنی نماز کیسے تشریف لائیے آپ نے کہا کوئی نماز ہم نے کہا عشا کی نماز آپ نے کہا کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ ہم نے بھی پڑھی۔ (یعنی ہر دو نمازوں کو جمع کر کے، ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے مغرب اور عشا کو جمع کیا :

تشریح :- یہاں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے کہ دونوں نمازیں ایک اذان و اقامت سے ادا کی جائیں یا ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اذان و اقامت کہی جائے۔ حنفیہ پہلے خیال کے پیرو ہیں اور شافعیہ خیال کے حامی کہ اذان ایک ہے اور اقامت علیحدہ علیحدہ۔ مذہب حنفیہ کے ثبوت پر حضرت ابن عمر کی اکثر و بیشتر احادیث جو صحاح میں مروی ہیں وال ہیں اور بعض روایات حضرت جابر بھی۔ بلکہ ابن عباس اور ابویوب کی روایات بھی اسی خیال کی موید ہیں۔ چنانچہ ابن عباس کی حدیث میں جس کو ابوالشیخ امبہانی نے نقل کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں صاف الفاظ ہیں صلی المغرب والعشاء باقامة واحد لا کر آپ نے نماز مغرب و عشاء ایک ہی اقامت سے ادا فرمائی۔ اور السیاحی مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حضرت ابی ایوب کی روایت سے اور حدیث ذیل بھی اسی نقطہ خیال کو قوی کرتی ہے۔ شافعیہ کے حجت اسامہ بن زید کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے جس کے صاف الفاظ ہیں فضلی بھا المغرب والعشاء باذان واحد واقامین کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ بہر حال روایات میں سخت تعارض ہے جس سے معاملہ زیر بحث میں تروید پیدا ہو گیا۔ تو اصولاً اقل تلمیقین (ایک اقامت) پر عمل کرنا قرین قیاس ہے :

الْبُحَيْفَةُ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

بن يزيد عن أبي أيوب قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم المغرب والعشاء في حجة الوداع بالمدلفة.

حضرت ابویوب کی روایت سے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجة الوداع میں ہتھام مزدلفہ مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھیں :

تشریح :- بخاری - مسلم - نسائی - ابن ماجہ اور امام محمد کی مؤطا میں یہ ہی حدیث اسی سند سے لائے ہیں۔ طبرانی میں جابر جعفی اور محمد بن ابی یعلیٰ کے واسطے سے یہ ہی حدیث اسی سند سے منقول ہے مگر اس میں باقائمت واحدہ کا لفظ بھی ہے جو مذہب حنفیہ کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ جابر الجعفی میں اگرچہ ضعف ہے مگر محمد کے ساتھ مل کر اس کا ضعف دور ہو گیا :

الْبُحَيْفَةُ عَنْ أَبِي اسْتِخْقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

بن يزيد الخطمي عن أبي أيوب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعشاء مجمع باذان واقامة واحد.

حضرت ابی ایوب کی روایت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک تکبیر سے نماز مغرب و عشاء ادا فرمائی :

تشریح :- یہ حدیث اسی کی ترجمانی کرتی ہے جس کی تائید میں ہم طبرانی کی حدیث پیش کر چکے ہیں :

بَابُ رَحِي الْجَمَارِ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ الْحَسَنِ

عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه عجل فُجْعَةً أهله وهال لهم ولا

بَابُ كُنْكَرِي مَحْبُكِنِي كَيْ بَيَانِ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمزور گھروالوں کو دعوتوں - بچوں - بوڑھوں اور بیماروں کو جلد روانہ فرمادیا اور ان سے

فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ نہ کریں جب تک آفتاب
طلوع نہ ہو۔

ثم مواجماً العقبة حتى تطلع
الشمس

تشریح: اس عمل میں مصلحت یہ تھی کہ اژدحام سے پہلے پہلے یہ رمی سے فارغ ہو لیں۔ ارشاد
الٹاری میں یہی ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن سعید بن
جبیر عن ابن عمر قال بعث رسول الله صلعم
منعته اهله وقال لم لا ترموا جمرۃ العقبة
حتى تطلع الشمس

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروالوں کے صغینوں کو
بھیجا اور فرمایا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہوئے
رمی جمرہ عقبہ نہ کرو۔

تشریح: اسلاف رمی جمرہ رات کو جائز نہیں کرتے تھے جس طرح طواف افاضہ صبح سے پہلے جائز نہیں
ہے مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے شافعیہ اور حنبلیہ نصف رات کے بعد رمی جائز قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ و مالکیہ کے
مسلک پر یہ دونوں احادیث دلالت کرتی ہیں۔

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عباس
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبی حتی س منی
جمرة العقبة و فی رواية عن ابن عباس ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم اردف الفضل
بن عباس و کان غلاماً حسناً فجعل
یلاحظ النساء والنبی صلی اللہ علیہ
وسلم یصرف وجهه فلبی حتی وھی
جمرة العقبة

و فی رواية عن ابن عباس عن الفضل
اخیه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث یلبی حتی
رمی جمرة العقبة

اور ایک اور روایت میں ابن عباس اپنے بھائی
فضل سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہے۔

تشریح: یہاں اگر اس امر میں مختلف ہیں کہ حاجی تلبیہ کب تک کہے۔ امام ابو حنیفہ۔ شافعی۔
سفیان ثوری۔ بہرہ و صحابہ و تابعین اور فقہائے ائمہ کا مسلک ہے کہ یوم نحر کی کبھی رمی جمرہ کے شروع کرنے
سے پہلے پہلے تک کہے۔ رمی شروع کرتے ہی بند کر دے۔ سن بصری کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن نماز صبح تک
پھر بند کر دے۔ حضرت علی بن عمر عائشہ مالک اور فقہائے مدینہ کا مذہب ہے کہ عرفہ کے دن نہ وال آفتاب
تک تلبیہ کہے و قوف کے شروع ہونے کے بعد نہ کہے۔ احمد۔ اسحاق۔ اور بعض سلف کا خیال ہے
کہ رمی جمرہ عقبہ سے فراغت تک کہے۔ امام ابو حنیفہ شافعی و جمہور علماء کی حجت حدیث ذیل سے اور دیگر
احادیث صحیحہ گھر نما لبین کے پاس کوئی معقول حجت نہیں ہے۔ حدیث ذیل کی آخری روایت کے لفظ کم

ویرل سے شک ہوتا ہے کہ اس سے مذہب امام احمد و اسحاق کا ثبوت ہوا۔ مگر نہیں اس شک کو نالی کی روایت فاذا رمی قطع النبلیۃ رفع کرتی ہے۔ گویا اور صریح شروع ہوئی۔ اور پہلی کنکری ماری اور دوسری تیسری ختم

بَابُ الرُّكُوبِ عَلَى

بَدَانَتِهِ !

ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن ابی
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راى رجلاً
یسوق بدانة فقال ادکبها

روایت کی عبد اللہ بن ابی نے حضرت انس سے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قربانی
کے جانور کو ہانک رہا ہے۔ تو اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہونا

تشریح :- یہاں اس بار سے میں ائمہ مختلف ہیں کہ قربانی کے جانور پر حاجی سواری ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بعض اس کے مطلق وجوب کے قائل ہیں بعض مطلق منع کے اور بعض مطلق جواز کے۔ ملا علی قاری اور قسطلانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ و حنفیہ اس بار سے میں متفق ہیں، مگر ترمذی حنبلی۔ کرمانی۔ نووی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اختلاف ہے کہ شافعیہ معمولی ضرورت کے وقت بھی سواری کو جائز رکھتے ہیں۔ اور حلیفہ صرف ایسی ضرورت کے وقت اس کو جائز جانتے ہیں جو سخت مجبوری اور ناگزیر حالت تک پہنچ گئی ہو۔ گویا پیدل چلنا سخت دشوار ہو اور بغیر سواری چارہ کار نہ ہو۔ چنانچہ حضرت جابر۔ ابی ہریرہ۔ انس کی احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے۔ بخاری نے اس حضرت کی طرف سے سواری کے لئے تین بار اصرار کرنے کی روایت بیان کی ہے۔ ابی ہریرہ کی حدیث میں دوسری یا تیسری بار ویک کا لفظ بھی ہے۔ مسلم میں حضرت جابر کی حدیث میں اِذَا الْخَبْتُ إِلَيْهَا کا لفظ ہے کہ جب تو اس کے لئے مجبور ہو جائے کہیں۔ ویک کا جگہ ویک کا لفظ بھی ہے۔ لہذا یہ تمام حالات شہادت دیتے ہیں کہ سواری بصورت شد بد مجبوری جائز ہے۔ نہ معمولی ضرورت و حاجت پر

بَابُ التَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهیم
عن الصَّبَّيْ بن معبد قال اقبلت من
الجزيرة حاجاً فمررت بسلطان ابن ربيعة
وزيد بن موحان وهما شيخان بالعدانية
قال فماني اقول لبيك بعمر ورجلة

بَابُ - تَمَتُّعٍ اَوْ قِرَانٍ !

حضرت صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں جزیرہ سے
حج کی نیت سے آیا اور سلطان بن ربیعہ و زید بن موحان
عربیہ کے دو بڑے شیخوں کے پاس سے میرا گذر ہوا جب
انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا لیبیک بعمر ورجل
تو ان میں سے ایک بڑے کو یہ شخص (میں) اپنے اونٹ

فَقَالَ أَحَدُهُمَا هَذَا الشَّخْصُ أَضَلُّ مِنْ غَيْرِهِ
وَقَالَ الْآخَرُ هَذَا أَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا
قَالَ مُضَيِّتٌ -

حَتَّى إِذَا قَضَيْتَ نُسْكَى مَكْرُمَاتٍ
يَا مِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَمَّا فَاخْبِرْتَهُ
كُنْتُ رَجُلًا بَعِيدًا الشَّقَّةَ قَامِيَ الدَّامِ
إِذْنُ اللَّهِ لِي فِي هَذَا الْوَحْبَةِ فَأَجَبْتُ
أَنْ أَجْمَعَ عَمْرَةً إِلَى حُجَّةٍ فَاهْلَيْتُ بَهْمَا
جَمِيعًا وَلَدَا نَسْ فَمَرَّتْ بِلَهْمَانِ بْنِ
رَبِيعَةَ وَزَيْدِ ابْنِ صَوْحَانَ فَمَعَا فِي
أَقُولُ لَبِيتُ بَعْرَةً وَحُجَّةً مَعَا فَتَقَالَ
الْآخَرُ هَذَا أَضَلُّ مِنْ كَذَا فَكَذًا
فَقَالَ فَضْنَعْتُ مَاذَا قَالَ مُضَيِّتٌ
فَطَعَنْتُ طَوَافًا لَعَمْرُكَ وَسَعَيْتُ
سَعْيًا لَعَمْرُكَ فَمَرَّ عِدَاتُ فَفَعَلْتُ
مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ بَقِيتُ حَرَامًا مَا اصْنَعُ
كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ حَتَّى إِذَا
قَضَيْتَ الْآخِرَ نُسْكَى قَالَ هَذَا بَيْتٌ
لِسَنَةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

وَفِي رَوَايَةٍ عَنْ الصَّبِيِّ بْنِ مَعْبُدٍ
قَالَ كُنْتُ حَدِيثًا عَمْدَ بَعْضِ الْأَنْبِيَاءِ
فَقَدِمْتُ الْكُوفَةَ أَرِيدُ الْحَجَّ فِي زَمَانِ
عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاهْلَيْتُ سَلْمَانَ وَزَيْدَ
بْنَ صَوْحَانَ بِالْحَجِّ وَحَدَا وَأَهْلًا
الصَّبِيَّ بِالْحَجِّ وَالْعَمْرَةَ فَقَالَ وَيْحَكَ

سے بھی زیادہ گمراہ و مناسک حج سے جاہل ہے اور
دوسرے بولے یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ بہکا ہوا
دنا آشنا اور نا بلدا ہے۔ مگر میں اپنے کام میں لگا رہا
یعنی ان کے کہنے پر توجہ نہیں کی (یہاں تک کہ جب
ہیں ارکان حج سے فارغ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر
کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ میں دور
دراز اطراف ملک کا سینے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے
میرے لئے قرآن کی یہ شکل مقرر فرمائی تو مجھ کو یہ بات
پسند آئی کہ میں حج وغیرہ کو ایک آنکھ کر لوں لہذا میں نے
دونوں کی نیت سے احرام باندھا۔ اور میں نے قیصر
کیا۔ پھر جب سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان میری پاس
سے گزرے۔ تو انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا
لبیت بعمرة وجهه (گو یا قرآن کیلئے) تو ان میں سے
ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے زیادہ درساں حج
سے) ناواقف ہے۔ اور دوسرے نے کہا کہ یہ فلاں فلاں
سے زیادہ دارکان حج سے) ناواقف ہے اسی پر حضرت
عمر نے فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ میں نے کہا کہ میں بہر طور
مناسک انجام دیتا رہا میں نے طواف کیا عمر کے لئے
اور سعی کی عمرہ کے لئے پھر دوبارہ البیاء کیا پھر میں حج
کے لئے محرم رہا کہ میں وہی کروں جو ایک حاجی کرتا ہے
یہاں تک کہ جب میں نے تمام ارکان حج آخر تک پورے
کروئے تو اپنے فرمایا کہ تم نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے سنت کے بالکل مطابق کیا -

اور ایک روایت میں ہے کہ صبی بن معبد نے
کہا کہ مجھ کو دین عیسوی چھوٹے سے بڑے چند ہی دن
ہوئے تھے کہ میں دور عمر بن الخطاب میں جمع کرارہ
سے کوفہ آیا سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج
کی نیت سے احرام باندھا۔ (یعنی قرآن کی شکل میں)
تو اس پر وہ دونوں بولے اے غاۃ خراب تم تجھے

تَمَتَّعَتْ وَقَدْ نَبِيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْمُتْعَةِ قَالَا لَهُ وَاللَّهِ لَا نَتَأَمَّلُ مِنْ بَعِيرِكَ قَالَتْ لَقَدْ قَدِمَ عَلَى عَمْرٍو وَتَقْدَامُونَ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَسْبِيُّ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحُجَّتِهِ ثُمَّ أَتَى مَرَّ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ مِنْهُ حَتَّى أَقَى عَرَفَاتٍ وَفَرَغَ مِنْ حُجَّتِهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ حَلَّ نَاهِرًا قَدْ دُمِيَ الْمُتْعَةَ فَلَمَّا مَدَّ رَأْسَهُ مِنْ جِهَتِهِ مَرَّ بِعَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ زَيْدُ بْنُ صُوحَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُتْعَةِ وَإِنَّ الْقَسْبِيَّ بْنَ مَعْبُدٍ قَدْ تَمَتَّعَ قَالَ مَنَعْتُ مَا ذَا يَا مَسْبِي قَالَتْ أَهْلَيْتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمَّا تَدَامَتْ مَكَّةَ طَفَفْتُ بِالْبَيْتِ وَطَفَفْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِي ثُمَّ رَجَعْتُ حَرَامًا وَلَمْ أَهْلُ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طَفَفْتُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحُجَّتِي ثُمَّ أَقَمْتُ حَرَامًا يَوْمَ النَّحْرِ نَاهِرًا قَدْ دُمِيَ الْمُتْعَةَ ثُمَّ أَهْلَيْتُ قَالَتْ فَضَرَبَ عَمْرٍو عَلَى ظَهْرِهِ وَقَالَ هِدَايَتٌ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْقَسْبِيِّ قَالَ خُزَيْمُ بْنُ هُوْدٍ سَلَّمَ بَنَ دُبَيْعَةَ وَزَيْدُ بْنُ

کی نیت کرتا ہے تو حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع سے منع فرمایا ہے۔ ان دونوں نے اس سے دہشتی ہے) کہا۔ قسم اللہ کی تو اپنے دنٹ سے بھی پاؤ گراہے۔ یہی نے جواب دیا کہ تم ہم حضرت عمرؓ کے پاس چلے گئے ہیں۔ پھر جب آئے صبی مکہ میں تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان عمرہ کیلئے سعی کی۔ اس کے بعد محرم ہی سے۔ حلال نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ بیت اللہ کا کیا اور صفا و مروہ کے درمیان جمع کیلئے سعی کی اور پھر محرم سے۔ حلال نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ آئے عرفات میں اور ارکان جمع سے فراغت حاصل کی پھر جب سحر کا دن آیا۔ تو متعہ کے لئے (قرآن کے لئے) قربانی کی چنانچہ جب لوگ اپنے جمع سے لوٹے تو درمیان میں حضرت عمرؓ کے پاس انہوں نے حاضری دی اور ان سے زید بن صوحان نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ نے تو متعہ یعنی قرآن و تمتع سرود کو شامل ہے سرود کا ہے اور صبی بن معبد نے تمتع سرود کیا۔ حضرت عمرؓ نے صبی سے پوچھا۔ صبی تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا اے امیر المؤمنین میں نے احرام باندھا جمع و عمرہ دونوں کی نیت سے۔ پھر جب میں مکہ میں آیا۔ تو عمرہ کے لئے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان عمرہ کیلئے سعی کی۔ اس کے بعد محرم ہی رہا۔ حلال نہ ہوا۔ پھر بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا اور صفا و مروہ کے درمیان جمع کے لئے سعی کی پھر محرم رہا یہاں تک کہ سحر کے دن متعہ کیلئے قربانی کر کے میں (سرود اور عمرہ سے) حلال ہو گیا تو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میری پیٹھ پٹوئی اور کہا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو

اور ایک اور روایت میں صبی سے یوں روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ سلمان بن ربیعہ و زید بن صوحان

صو حان یریدون الحج قال فاما الصبی
فَقَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ جَمِيعًا وَاَمَّا سَلْمَانُ
وَزَيْدٌ فَافْرَدَا الْحَجَّ ثُمَّ اقْبَلَا عَلَى الصَّبِيِّ
يَلُوْ مَا نَهْنِمَا صَنَعْتَ حَقًّا لَّاهِ اَنْتَ اَفْضَلُ
مَنْ بَعِيْرُكَ تَقَرَّنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَقَدْ
نَهَى اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ قَالَ
تَقْدَمُوْنَ عَلَى عَمْرٍَا وَقَدْ قَالَتْ فَمَضَوْا حَتَّى
دَخَلُوا مَكَّةَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ لَعْمَرَةٍ ثُمَّ
رَسَعَى بَيْنَ الصِّفَاوِ الْمَرْوَةِ لَعْمَرَتِهِ تَقْوَادَ
نَظَافَ بِالْبَيْتِ لِحِجَّتِهِ ثُمَّ رَسَعَى بَيْنَ
الصِّفَاوِ الْمَرْوَةِ ثُمَّ اَقَامَ حَرَامًا مَّا كَمَا
هُوَ لَمْ يَحِلُّ لَهٗ شَيْءٌ حَرَّمَ عَلَيْهِ حَتَّى
اِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَ مَا اسْتَيْسَرَ مِنْ
الْهَدْيِ شَاةً فَلَمَّا قَضَوْا نُسُكَهُمْ حَرُّ
مَرَّوًا بِالْمَدِيْنَةِ فَدْخَلُوا عَلَى عَمْرٍَا
فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ وَزَيْدٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اِنَّ الصَّبِيَّ قَرَنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ قَالَ
صَنَعْتَ مَاذَا قَالَ لَمَّا قَدْ مَكَةَ
طَفَعْتُ طَوَافًا لَعْمَرَةٍ ثُمَّ رَسَعَيْتُ بَيْنَ
الصِّفَاوِ الْمَرْوَةِ لَعْمَرَتِي ثُمَّ عَدَّاتُ
نُطَفْتُ بِالْبَيْتِ لِحِجَّتِي ثُمَّ رَسَعَيْتُ
بَيْنَ الصِّفَاوِ الْمَرْوَةِ لِحِجَّتِي قَالَ ثُمَّ
صَنَعْتَ مَاذَا قَالَ اَقَمْتُ حَرَامًا
لَمْ يَحِلُّ لِي شَيْءٌ حَرَّمَ عَلَيَّ حَتَّى اِذَا كَانَ
يَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحْتُ مَا اسْتَيْسَرَ مِنْ
الْهَدْيِ شَاةً قَالَ فَضَرَبَ عَمْرٍَا عَلَى
كَتِفِهِ ثُمَّ قَالَ هَدِيْتُ لِسَنَةِ نَبِيِّكَ
مَلِيْ اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تینوں حج کے ارادہ سے نکلے۔ صبی نے توفران کی۔
(احرام میں) نیت کی اور سلمان اور زید نے تہجد
کی۔ تو وہ دونوں تفران کرنے پر صبی کو برا بھلا کہنے لگے
اور کہا تو اپنے اونٹ سے زیادہ جاہل ہے کہ توج حج و عمرہ
اور حج کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ صبی
نے کہا تم تو حضرت عمرؓ کے پاس جلتے ہیں۔ تاکہ ان سے
دریافت کریں پس وہ چلے گئے۔ یہاں تک کہ داخل مکہ
مکہ میں تو صبی نے عمرہ کے لئے طواف بیت اللہ کیا
اور عمرہ کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔
پھر دوبارہ حج کیلئے طواف کیا اور سعی کی پھر
بحال خود محرم سے حلال نہیں ہوئے۔ کہ کوئی حرام
کی ہوئی حیزان کے لئے حلال ہوئی۔ پھر جب قربانی
کا دل آیا تو جو میرا سکا قربانی کے جانور سے
ایک بکری ذبح کی آپ مناسک حج سے فارغ ہو گئے
تو مدینہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
اور ان سے سلمان اور زید نے کہا اے امیر المؤمنین صبی
نے جمع کیا حج و عمرہ کو دگوا آپ نے تو اس سے منع
فرمایا ہے تو عمر نے صبی سے کہا کہ تم نے کیا کیا انہوں
نے کہا کہ میں مکہ میں آیا اور عمرہ کیلئے طواف کیا اور عمرہ
کے لئے سعی صفا و مروہ کے درمیان کی پھر دوبارہ میں
نے حج کے لئے بیت اللہ کا طواف کیا اور حج کیلئے صفا
اور مروہ کے درمیان سعی کی پھر آپ سے دریافت فرمایا
کہ پھر تم نے کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسکے
بعد محرم ہی رہا۔ میں نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی چیز کو
حلال نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جب قربانی کا جانور جو
مجھے مل سکا ایک بکری ذبح کی۔ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے
میرے شانے پر ہاتھ مار کر مجھ پر افرین کہی پھر فرمایا کہ
تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پا
لی

تشریح ۱۔ اس حدیث میں دو مسئلے قابل تشریح ہیں جن پر ائمہ کی کا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ تینوں اقسام جمع افراد۔ قرآن۔ تشیع ہیں کون سی قسم افضل ہے دوسرے یہ کہ قارئین دو طواف دو سعی کرے یا ایک ایک۔ پہلے میں نوعیت اختلاف ہے کہ ابو حنیفہ قرآن کو افضل مانتے ہیں پھر تشیع کو اور پھر افراد کو۔ امام شافعی و احمد افراد کو افضل خیال کرتے ہیں اور امام مالک تشیع کو۔ ثوری۔ اسحاق اور بہت سے اہل علم حدیث امام صاحب کے ساتھ متحد الخیال ہیں۔ اور عمر۔ علی۔ عائشہ۔ ابی طلحہ۔ عمران بن حصین۔ سراقہ بن مالک۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ براء بن عازب۔ حضرت حفصہ ام المومنین سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ اصل مرکز اختلاف یا وجہ نزاع حجة الوداع کا واقعہ ٹھہرتا ہے کہ اس میں آنحضرت کا عمل کیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے مذہب کی دلیل اسی واقعہ کو بنایا ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا حج تھا اور آخری بھی یہی تھا۔ لہذا جو اس میں آپ کا عمل ہوگا وہ ہی افضل ہوگا۔ شافعیہ اپنے مسلک کی تائید میں روایات اور قیاس دونوں سے دلیل لاتے ہیں روایات میں سے حضرت جابر بن عمر۔ ابن عباس عائشہ سے روایات نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ نووی نے بہت شد و تد کے ساتھ اس پر ثبوت پیش کیا ہے اور ان میں سے ہر صحابی کی افضلیت ثابت کی ہے۔ مزید براں کہتے ہیں کہ خلفاء میں ابو بکر عمر و عثمان نے اس پر پیشگی کسی سے۔ گویا افراد ہی کہتے ہیں۔ پھر اس کو اس قیاس آرائی سے مضبوط کیا ہے۔ کہ افراد میں دم نہیں اور قرآن و تشیع میں دم جبر ہے۔ جو ان کے نقص کی علامت ہے۔ یہ ہے ان کے دلائل جو انہوں نے پیش کئے ہیں۔

احناف کے نزدیک اول تو یہی حدیث ہے۔ کہ حضرت عمر صبی بن معبد کو قرآن پر شاباش دے رہے ہیں اور اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔ دوسری مضبوط حجت عمران بن حصین کی روایت ہے جس کو مسلم لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کو جمع کیا پھر وفات تک اس سے نہیں روکا۔ نہ اس کی حرمت پر قرآن نازل ہوا۔ تیسرے ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ تشیع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجة الوداع میں یعنی عمرہ کے لئے بھی احرام باندھا اور حج کے لئے بھی۔ چوتھے عائشہ سے بھی ایسی روایت لائے ہیں۔ پانچویں طحاوی میں مسلم سے ترمذی ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ایک عمرہ حدیبیہ دوسرا عمرہ القضاء فی فعدہ میں آنے والے سال۔ تیسرا جعرانہ سے۔ چوتھا عمرہ حجة الوداع کے ساتھ۔ لہذا یہ سمجھنا قابل تردید و دلائل ہیں جو احناف کے مسلک کی سنت نبوی کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں۔ ساتویں حجت قرآن پاک کی یہ آیت ہے و اتوا الحج والعمرة لله کہ حاکم اپنی مستدرک میں بہ شرط شیخین یہ روایت لائے ہیں کہ علی سے کسی نے اس آیت کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمام کی شکل یہ ہے کہ توجع و عمرہ کے لئے اپنے گھر سے احرام باندھے۔ یعنی قرآن کرے۔ ابن مسعود سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ چنانچہ یہ ہی افضل ہے اگر انسان اس پر قادر ہو۔ کیونکہ اس میں شغف بھی زیادہ ہے۔ اور تعظیم بیت اللہ بھی۔ تو جب قرآن پاک میں قرآن کا ذکر آئے تو یہ باقی انواع پر افضل کیوں نہ ہو۔ پھر قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کی صورت میں

عبادتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں جو ہر حال ایک عبادت سے اچھی ہیں اور افضل مثلاً کوئی روزہ وار بھی اور معتکف بھی یا کوئی حرامت فی سبیل اللہ میں بھی مصروف ہو اور متحد گزارے میں بھی۔ اب مذہب شافعیہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے دیکھا کہ جن صحابہ سے یہ روایات لاتے ہیں کہ اپنے مذہب کی تائید کریں۔ انہی سے خواہ نہیں کی کتابوں میں اس کے خلاف بھی یعنی مذہب حنفیہ کی تائید میں روایات ثابت ہیں۔ مثلاً عائشہ ابن عمر یا ابن عباس جن کی حدیث ابھی آ رہی ہے۔ البتہ یہ اس چیز کو اپنے مذہب کے بچاؤ میں ناقابل فسخ مورچہ سمجھتے ہیں وہ حضرت عمر و عثمان کی سختی سے ممانعت سے کہ لوگ تمتع نہ کریں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ خود مسلم ابی موسیٰ سے روایت لائے ہیں کہ وہ متعہ کے لئے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان کو حضرت عمر کا حوالہ دیا اور ٹوکا کہ آپ اس فتویٰ سے باز آئیے۔ چنانچہ انہوں نے جب خود حضرت عمر سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں خود جانتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا۔ اور آپ کے اصحاب بھی مگر میں اس کو برا سمجھتا ہوں کہ لوگ حلال ہو جائیں اور عرفات کی طرف نکلنے تک عورتوں سے وطی کریں اور یہی حالت میں نکلیں کہ قطر سے ٹپکتے ہوں۔ لیجئے وجہ ممانعت کھل گئی۔ اور ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا بھی پتہ چلا۔ ان کو سنت عمر کا انکار تو دیکھا۔ مگر یہ نہیں دیکھا کہ یہ علمت سے اقرار کس بات کا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ترمذی محمد بن عبد اللہ بن عمارت سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن وقاص اور ضحاک بن قیس میں تمتع کے بارہ میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ ضحاک بوسے یہ کوئی جاہل کرتا ہو گا۔ سعد نے کہا بھائی یہ کیا کہتے ہو ضحاک نے کہا کہ حضرت عمر نے اس سے منع کیا ہے۔ سعد نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ اور ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ البتہ یہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے تمتع کے متعلق پوچھا تو آپ نے کہا کہ وہ حلال ہے۔ تو اس نے کہا کہ آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے تو آپ نے کہا کہ اگر میرے والد نے اس سے روک دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے تو میرے والد کی بات تابعی اتباع ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس شخص نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے حضرت عثمان کے بارہ میں بھی مسلم روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کو یاد کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا ہے اور حضرت عثمان نے اس سے انکار نہیں کیا۔ پھر حضرت ابو بکر کے متعلق یہ ہے کہ ترمذی طاؤس سے روایت لائے ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں۔ ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ اور ابو بکر اور عمر و عثمان نے اور سب کے پہلے جس نے اس سے روکا وہ معاویہ ہیں۔ اب ان کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ تمتع و قرآن کا دم۔ دم جبر نہیں کہ ان کے نقصان کا نشانی ہو۔ دوسرا یہ کہ اس کا تو شافعیہ کو بھی اقرار ہے کہ آنحضرتؐ نے پہلے افراد کیا۔ پھر عمرہ کا احرام باندھا۔ تو پھر آنحضرتؐ قارن نہیں ہوئے تو کیا ہوئے۔ اور اسی سے روایات کے اختلاف کا حال بھی کھلا کہ جنہوں نے افراد کی انہوں نے آنحضرتؐ کے اول امر کی ترجمانی کی۔ اور جنہوں نے قرآن کی روایت کی انہوں نے انجناب کے آخری امر کی جس پر بات نے قرار کیا۔ کیونکہ اعتبار اور آخر امور کا ثابت ہوتا ہے کہ اور یہ ہو بھی تو نہیں سکتا۔ کیونکہ جس نوعیت کا افراد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جو تمتع و قرآن کا مقابل ہے وہ یہ کب ہوا جو آنحضرتؐ نے کہا۔ البتہ یہ قرآن ہو گیا کہ جو حج کا احرام باندھنا اور اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھنا

قبل ادائیگی اس کے افعال کے یا اس کا عکس کرنا یہ ہر دو شکلیں قرآن کی ہیں۔ اور بہر صورت عقل قرآن ہی کی افضلیت کی تقاضی ہے۔ کیونکہ تمتع کی شکل میں حج کی ہوتا ہے اور افراد کی صورت میں عمرہ کی اور قرآن کی صورت میں حج و عمرہ اپنے شہر سے۔ لہذا ہی ہر دو سے افضل ہوا۔ مزید برآں کسی روایت میں آنحضرت سے افرؤت یا تمتع کے الفاظ مروی نہیں التبع قرئت کی روایت سے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ آیت قرآنی قرآن کی افضلیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور سنت نبی اقوال صحابہ اس کی تائید میں ہے۔ پس معلوم ہوا مسلک احناف درست ہے۔

دوسرا نزاع کا یہ ہے کہ مسلک شافعی کی رو سے قرآن میں طواف دسوی دونوں ایک ہیں اور مذہب حنفیہ کی رو سے دو طواف اور ہی سہی ہیں۔ ابن سیرین حسن۔ طاؤس۔ زہری۔ مالک احمد سے مذہب شافعیہ کی موافقت میں روایات ہیں۔ اور مجاہد۔ جابر بن زید۔ شریح۔ علی بن حسین۔ زین العابدین۔ ابراہیم۔ نخعی ثوری سے مذہب حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ مذہب شافعیہ کی حجت مسلم کی روایت ہے جو جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے صفا و مروہ کے درمیان ایک ہی سہی کی۔ یا ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عمر سے مرفوع منقول ہے کہ جو حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے اس کیلئے ایک طواف اور ایک سہی کافی ہے۔ جب تک دونوں سے حلال ہو۔ مذہب حنفیہ کی دلیل اول یہ ہی حدیث ہے۔ کہ جنتی بن معبد کے عمل سے دو طواف اور دسوی کا ثبوت ملتا ہے اور پھر حضرت عمرؓ کی اس پر شہادت کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عینی سنت ہے۔ دوسرے نسائی سنن کبریٰ میں ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ سے روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کے ساتھ طواف کیا۔ جب کہ اپنے حج و عمرہ کو جمع کیا تھا۔ انہوں نے دو طواف اور دسوی کہے۔ اور مجھ سے حدیث بیان کی کہ حضرت علیؓ نے بھی البیہا کہا کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف کئے اور دسوی۔ ابی بکر ابن شبیبہ زیادہ بن مالک سے روایت لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف کئے اور دسوی حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ قرآن میں دو طواف ہیں اور دسوی۔ لہذا جب ایسے جلیل القدر صحابہ حضرت عمر۔ علی۔ ابن مسعود۔ عمران بن حصین سے مذہب حنفیہ کی موافقت میں روایات مروی کی صراحت کی ہے اور اس میں دراوروی کی طرف خطا کی نسبت کی ہے۔

باب فضیلة العمرة في

باب ۱۱۴۔ رمضان میں عمرہ کی فضیلت

رمضان!

ابو حنيفة عن عطاء عن ابن عباس
رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم
قال عمرة في رمضان تعدل حجة

حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے
روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرمایا رمضان میں عمرہ کرنا
حج کے برابر ہے۔ (یعنی بہ اعتبار ثواب)

تشریح :- عمرہ کی فضیلت میں کئی احادیث مروی ہیں۔ کہیں یوں آیا ہے العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینما کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے عرصہ میں جو گناہ ہوئے ان کے لئے عمرہ کفارہ ہے۔ ابو بکر بن عبد الرحمن سے موطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں حج کے لئے پوری تیاری کر چکی تھی۔ مگر مجھ کو ایک عارضہ پیش آگیا کہ اداسی جمع سے عاجز رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کر لے کیونکہ رمضان میں عمرہ ایک حج کے برابر ہے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ عمرہ کو حج سے کمتر سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ ایک بابرکت اور باعث سعادت عمل ہے اگر ماہ رمضان میں اس کو ادا کیا جائے جو خود ایک مبارک مہینہ ہے تو عمرہ کی فضیلت اس مبارک ماہ کی فضیلت سے مل کر الگ سے حج کے برابر شمار ہوتی ہے۔ گویا اس حدیث میں عمرہ کی ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے :

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاکستری مائل اونٹنی پر سوار تھے جو ناقۃ القصوی سے مشہور ہے درخواب کے گھلے میں کمان پڑی ہوئی اور اون کا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے :

ابو حنیفہ عن عبد اللہ عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکة علی بعیدۃ اذرق الی سواد و هو الناقۃ القصوۃ متقلدا بقوس متعابعا مہ سوداء من وجر :

تشریح :- مکہ میں آنحضرتؐ کا بغیر حرام کے داخل ہونا خالص نبوت میں سے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر

کی زیارت کا بیان !

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر قبلہ کی طرف سے آئے۔ قبلہ کو پیچھو۔ اور قبر کی طرف چہرہ ہو پھر کہے تو السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر قال من السنۃ ان تأتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلة ویجعل ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجہک ثم تقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

تشریح :- موطا امام محمد میں عبد اللہ بن دینار سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ جب سفر پر جانے کا ارادہ رکھتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آتے۔ آپ پر دو رو میچتے اور دعا فرماتے پھر واپس ہوتے :

کتاب النکاح

نکاح کا بیان !

باب خطبة النکاح

باب خطبة نکاح !

ابو حنیفہ عن القاسم عن ابیہ
عن عبد اللہ قال علمنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم خطبة الحاجة یعنی النکاح
ان الحمد لله نحمداً و
نستعينه ونستغفره
نشهد ان لا اله الا الله
و نشهد ان محمداً عبداً
ورسوله -

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله حق
تقائه ولا تموتن الا وانتم مسلمون
واتقوا الله الذي تساءلون به و
الامر حامر ان الله كان عليكم
مرقيباً يا ايها الذين امنوا اتقوا
الله وقولوا قولا سديداً يصلح لكم
اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع
الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے
کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ
حاجت یعنی خطبہ نکاح اس طرح سکھایا یعنی سب تعریف
اللہ کے لئے ہے۔ اس کی ہم تعریف کرتے ہیں اور اس کے
ہم واپسے کاموں میں مدد چاہتے ہیں اس سے ہم اپنے
گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اس سے ہم ہدایت
طلب کار ہیں جس کو اللہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنے
والا کوئی نہیں۔ اور جس کو گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے
والا کوئی نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا
کے کوئی معبود نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد کے
نذرے ہیں اور اس کے رسول و پھر یہ آیات قرآن
پاکی (مؤمنین فرمائیے) یا ایہا الذین امنوا اتقوا
اللہ حق تقاہ و لا تموتن الا وانتم مسلمون
واتقوا اللہ الذین تسالون بہ والامر حامر ان
اللہ کان علیکم رقیباً۔ یا ایہا الذین امنوا اتقوا
اللہ وقولوا قولا سديداً۔ يصلح لكم اعمالكم
ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله
فقد فاز فوزاً عظيماً

تشریح :- حاجت سے مراد نکاح ہے۔ کیوں کہ نکاح انسان کے لئے ایک ضرورت و حاجت ہے
خصوصاً نوجوان کے لئے۔ اس کے بغیر تمدنی و معاشرتی زندگی بے مزہ ہے۔ قواسم شہوانی کے تقاضوں
کو پورا کرنے کے لئے اس کے بغیر اور کوئی معقول و مناسب طریقہ نہیں۔ اور خانگی چلانے کے لئے اور
خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے نکاح کی طرف انسان سخت محتاج ہے۔ پھر نسل کے باقی رکھنے کے
لئے انسانیت کے دائرہ میں اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔ لہذا نکاح انسان کی سب سے بڑی حاجت
ہے

یہ تشہد حاجت (نکاح) ہے ایک تشہد صلوٰۃ ہے جو نماز میں التہیات کی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔

سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک نکاح بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ ابو داؤد کی ایک حدیث ان کے خیال پر مبنی ہے۔ لیکن یہ مستحب اور مسنون طریقہ ہے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ کل خطبۃ لیسینینہا تشہد فقہی کا لیلید الجذ ماء کہ جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ اس ہاتھ کے مانند ہے جس کو جذام کی بیماری لگی ہوئی ہو یا وہ کٹا ہوا ہو۔ گویا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ خطبہ دراصل یوں رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان ہو سکے۔ کیونکہ نکاح کے اعلان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکید منقول ہے اے اعلیٰوا النکاح کا لفظ ارشاد فرمایا اور دوسری جگہ اظہر والنکاح فرمایا۔ ثانی کے نزدیک تمام لین وین کے معاملات میں مثلاً خرید و فروخت نکاح وغیرہ میں خطبہ سنت ہے۔

بَابُ الْأَمْرِ بِالنِّكَاحِ

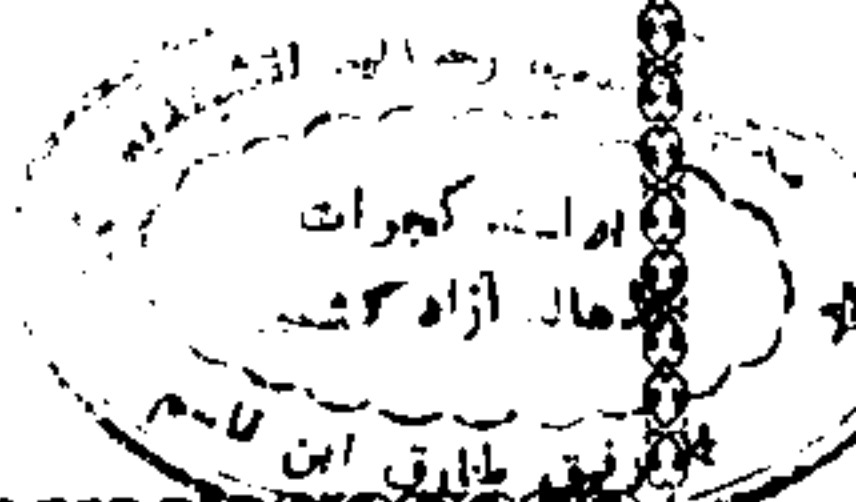
باب۔ نکاح کا حکم !

ابو حنیفہ عن زیاد عن عبد اللہ

بن الحارث عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ علیہ وسلم تزوجوا فانی مکاتربکم الامم

حضرت ابو موسیٰ اشجری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرو کیونکہ میں (بروز قیامت) تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کر دوں گا۔

تشریح۔ دوسری جگہ بہ اختلاف روایات یہ بات بیان کی گئی ہے۔ ابو داؤد میں تزوجوا سے الولود والودود کے الفاظ بھی ہیں۔ جو حقیقت میں پوری حدیث کی تفسیر کرتے ہیں اور تزوجوا کے حکم کو ذاتی مکاتربکم الامم کی علت سے ملاتے ہیں کہ فرمایا تزوجوا الولود والودود یعنی بچے جننے والی اور محبت مزاج عورتوں سے نکاح کرو۔ ولود کا لفظ اس راز کو کھولتا ہے کہ جب عورتیں زیادہ کثرت سے بچے جنیں گی۔ تو لامحالہ امت محمدیہ کی تعداد بڑھے گی۔ تو انحضرتؐ کو قیامت کے روز فخر حاصل ہوگا۔ کیونکہ انحضرتؐ اپنی امت کے لئے راہ خیر کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں اور طریق تشریعت و سنت کو رواج دینے والے۔ اور بطریق احادیث الدال علی الخیر کفاعلمہ کہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والے کا وہی ثواب ہے جو بھلائی پر چلنے والے کا ہے یا مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْئًا۔ کہ جس نے کسی کو کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والوں کا اجر ان حضورؐ کو ملے گا۔ اور آپؐ کثرت ثواب و اجر پر فخر فرمائیں گے لہذا حکم ہوا کہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو۔ کہ امت کے افراد بڑھیں۔ دوسرے اس میں یہ حکمت بھی کار فرما ہے کہ نکاح کا مقصد جذبہ شہوت نفسانی کی تسکین نہیں بلکہ تولد و تناسل ہے۔



باب الحث علی نکاح

باب کنواری لڑکیوں سے نکاح کی

الایکار

ترغیب لانا !

ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن دینار عن ابن

عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انکحوا الجواری الثوبات فانھن انتم ارجاؤا

والطب انواھا واعن اخلاقا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرو کنواری لڑکیوں سے کیونکہ ان کے رحم جلد بچہ دینے کی قابلیت رکھتے ہیں اور وہ پاکیزہ دہن اور خوش اخلاق ہوتی ہیں۔

تشریح :- پہلی صفت سے یہ مقصد ہے کہ سبب جوانی ان کے رحم میں حرارت ہوتی ہے۔

جس کے سبب نطفہ جلد قرار پکڑتا ہے اور بغیر کسی ترشہ یا وقت کے مدت حمل کے تمام مراحل بوجہ قوت

جوانی آسانی سے کر لیتی ہیں اور یوں نسل کی فراوانی و کثرت کا سبب بنتی ہیں۔ دوسری صفت سے یا تو اس

طرح اشارہ ہے کہ سبب محنت و تندرستی اور اعتدال مزاجی کے باعث ان کا معاب و من میٹھا و شیرا ہوتا

ہے۔ یا یہ کہ وہ شیرا کلام ہوتی ہیں اور تہذیب و شرم و حیا لیاظ و ادب کا ان پر غالب ہوتا ہے۔ نہ بانہ سے

میٹھی بات نکالتی ہیں کیونکہ بوجہ عورت ایک حد تک بے حجاب ہوتی ہے۔ تیسری صفت سے یہ غرض

ہے کہ ان کے اخلاق پسندیدہ۔ برتاؤ خوشگوار۔ میل جول دل پسند ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ازواجی زندگی خوشگوار

اور پائیدار ہوتی ہے۔ اس بارے میں جو احادیث ہیں۔ ان کے الفاظ ایک دوسرے سے متشابہ ہیں کہیں کہیں

حقیقہ سا اختلاف ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت میں ارضی بالیسیر کا لفظ ہے کہ وہ تھوڑی سی

چیز پر راضی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی نظر میں پھلی کوئی مثال نہیں ہوتی کہ اس سے مقابلہ کر کے تھوڑی چیز پر

بے مبری طاہر کریں۔ ایک روایت میں اقل خبیثاً کا لفظ ہے یعنی ان میں دھوکے بازی کم ہوتی ہے۔

مصنف عبد الرزق میں یہی الفاظ ہیں۔ اور ان کے بعد یہ عبارت زائد ہے۔ الحمد للہ علما فی مکاتیر بکھ کیا تم

اس کو نہیں جانتے کہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہا ذرا بتلائیے۔ اگر آپ ایسے درخت پر گزریں جو چیرا یا جاچکا ہے اور ایسے پر جس کو کسی نے نہیں چیرا ہے تو

آپ اپنے اونٹ کو کونسا درخت چرائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ درخت جس کو کسی نے نہیں چیرا ہے مقصد

یہ تھا کہ ان کے علاوہ کسی درکنواری کو نکاح میں نہیں لائیں گے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حوروں کی مدح سرائی

کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے۔ لعلیٰ طہن الن قبلہم ولا جان کہ ان سے پہلے نہ کوئی انسان ان کے

نزدیک بیٹھ سکا نہ کوئی جن۔ تو گویا ان کا اچھوتا ہونا یہی ان کی سب سے بڑی تعریف اور مدح ہے :

بَابُ تَنْزِيهِ نِكَاحِ الْعَجَائِزِ وَالشَّيْبِ ذَاتِ الْوَلَدِ !

بوڑھی، بیوہ اور بچے والی مطلقہ
عورت سے نکاح کرنے سے پرہیز
کرنا !

الْبُحَيْفَةُ عَنْ حَمَادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ
قَالَ اخْبَرَنِي شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدَائِنَةِ عَنْ
زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنْهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ هَلْ تَزَوِّجُ قَالَ لَا
قَالَ تَزَوِّجُ تَسْتَعْفُفُ مَعَ عِفَّتِكَ وَلَا
تَزَوِّجُ خَمْسًا قَالَ مَا هُنَّ قَالَ لَا
تَزَوِّجُ شَهْبَرَةً وَلَا نَحْبَرَةً وَلَا الْبَرْثَةَ
وَلَا هَبْدَرَةً وَلَا لَعْوَةً قَالَ زَيْدُ بْنُ اَبِي رَسُولٍ
اللَّهُ لَا اعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا قُلْتَ قَالَ بَلَى
أَمَّا الشَّهْبَرَةُ فَالزَّرْقَاءُ الْكَبْدِيَّةُ
وَأَمَّا النَّهْبَرَةُ فَالطَّوِيلَةُ الْمَهْزُولَةُ وَأَمَّا
الْبَرْثَةُ فَالْعُجُوزُ الْمَدْبُورَةُ وَأَمَّا الْهَبْدَرَةُ
فَالْقَصِيرَةُ الذَّمِيمَةُ وَأَمَّا اللَّعْوَةُ فَذَاتُ
الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِكَ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ فَصَحَّحَ الْبُحَيْفَةُ
مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ طَوِيلًا :

حضرت زید بن ثابتؓ ثابتؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کنجد مت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے ارشاد
فرمایا کہ تم نے نکاح کیا۔ انہوں نے کہا نہیں آپؐ نے
ارشاد فرمایا کہ اپنی جیسی عقیفہ (پاکہ اسن) عورت
تلاش کرو۔ اور پانچ (قسم کی) عورتوں سے نکاح نہ
کرنا۔ حضرت زید نے پوچھا وہ کون کون سی ہیں۔ آپؐ
فرمایا نہ نکاح کرو شہبرہ سے نہ نہبرہ سے نہ لہبرہ
سے نہ ہبدرہ سے۔ اور نہ لغوت ہے۔ اس پر حضرت
زید بولے یا رسول اللہ جو الفاظ آپؐ نے ارشاد فرمائے
ان میں سے ایک کے معنی بھی میں نہیں جانتا۔ آپؐ نے
فرمایا تو اچھا شہبرہ گربہ چشم موٹی بدن کی۔ نہبرہ لمبی
بہت دلی۔ لہبرہ بوڑھی جذبات شہوانی سے خالی
مبدرہ بونی بد شکل اور لغوت وہ جو دوسرے
خاندان سے بچہ لائے۔ شیبانی کہتے ہیں کہ امام
البحیفہ اس حدیث سے دیر تک ملتے رہے۔

تشریح :- یہ نہی تنزیہی ہے اور استجابی بطرح کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کا امر استجابی
ہے۔ کیونکہ خود آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہؓ کے تمام ازواج ثقیبہ تھیں۔
حضرت سودہؓ فریبہ لیسہ قد والی تھیں اور حضرت خدیجہ بوڑھی تھیں۔ چالیس برس کی عمر میں آنحضرتؐ کے
نکاح میں آئیں اور ساٹھ برس سے زائد مدت تک بقید حیات رہیں اور آنحضرتؐ کے نکاح میں ہیں
پھر حضرت خدیجہ اور حضرت ام سلمہؓ ہر دو اپنے کھیلے خاندانوں سے اولادیں لائی تھیں :-



بَابُ اجْتِنَابِ عَنِ نِكَاحِ

العَقِيلِ

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن رجل
شأى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال اتاه رجل فقال يا رسول الله ازوج
فلانة فنهاه عنها ثم اتاه ايضا فنهاه
عنها ثم اتاه فنهاه عنها ثم قال
سوداء ولودا أحب الي من حسناء
عاقرا

بَابُ بَايَجْهُ عَوْرَتِ نِكَاحِ كَرْنِ

سے بچنا

ایک رجل شامی سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کبیر مت میں ایک شخص آیا۔ اور
اُس کے در بابت کیا یا رسول اللہ کیا میں فلاں عورت
سے نکاح کر لوں۔ آپ نے اس کو اس سے روکا۔ پھر
اُس کے پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ پھر وہ آپ کے
پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ پھر وہ آپ کے پاس
آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ اور فرمایا کالی بچے دینے
والی مجھ کو زیادہ پسند ہے خوبصورت بائجھ سے

تشریح :- آنحضرت کو معلوم تھا کہ جس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔ اگرچہ وہ خوبصورت سے
مگر بائجھ ہونے کا عیب رکھتی ہے۔ پھر تیسری بار آنجناب نے اس حکم امتناعی کی وجہ کھولی اور فرمایا کہ میں
کالی پسند کرنے والی کو حسین بائجھ پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور یہ ترجیح اس فلسفہ پر مبنی ہے کہ نکاح کا مقصد اصل
در حقیقت بقائے نسل ہے۔ نہ محض ثنوت رانی اور اس مقصد کے حصول کے لئے بچہ جننے کی صفت
سب سے پہلے درکار ہے نہ حسن و جمال اگر صرف قصائے خواہش نفسانی مد نظر ہوتی تو حسن و جمال کو ترجیح
دی جاتی۔

بَابُ شَوْمِ الْمَرْأَةِ

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن

بریدۃ قال تذاکر الشؤم ذات یوم
عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال
الشؤم فی الدار والفرس والمرأة فتوهم الدار
ان تكون ضیقة لها جیران سوء وشؤم الفرس
ان تكون موحا وشؤم المرأة ان تكون عاقرا
زاد الحسن بن سفیان ستیة الخلق
عاقرا

وفی رواية ان یکن الشؤم فی شیء

بَابُ عَوْرَتِ كَامَنْحُوسِ هُونَا

حضرت ابن بریدہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نحوست کا ذکر
پھرا تو آپ نے فرمایا کہ نحوست گھر گھوڑے اور عورت
میں ہے۔ گھر کی نحوست یہ کہ تنگ ہو اور بڑی
بر سے ہوں۔ گھوڑے کی نحوست یہ کہ سرکش ہو۔ اور
عورت کی نحوست یہ کہ بائجھ ہو۔ حسن بن سفیان
دراپنی مسند میں اس میں زیادتی کی اور کہا کہ بد اخلاق
اور بائجھ ہو۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی

ففي الدار والمرأة والفرس فاقا الدار
نشوءها ضيقها وآسا المرأة نشوء مهنها
سوء خلقها وعقد رحمها وآسا شوم الفرس
فان تكون جموحا

چیزیں نحوست سے تو گھر۔ عورت اور گھوڑے
میں سے۔ گھر کی نحوست اس کی تنگی سے۔ عورت
کی نحوست اس کی بد خلقی اور بانجھ پن سے۔ گھوڑے
کی نحوست اس کی سرکشی اور منہ زور ہونا سے۔

تشریح، اس حدیث کی ہر دو روایات صحاح میں مختلف جگہ وار ہیں۔ اس سے مسئلہ نحوست
قابل تشریح ہے۔ کیونکہ اس کے بارہ میں روایات مختلف الفاظ سے وار ہیں اور علماء کی آراء بھی
مختلف ہیں۔ بعض روایات میں صاف ہے کہ نحوست گھر۔ گھوڑے۔ عورت تینوں اشیاء میں ہے جس
طرح امام صاحب کی پہلی روایت میں ہے اور بعض میں تعلیق و شرط کے ساتھ جس طرح دوسری روایت میں
ہے۔ اس کی تشریح میں علماء مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک ان الفاظ سے نحوست کا ثبوت ہے کہ نحوست
کسی چیز میں نہیں مگر ان تین میں اور بعض کے نزدیک اس سے نحوست کا ثبوت نہیں گویا ان کے نزدیک فرض
و تقدیر کی صورت ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی۔ لیکن چونکہ اس کا وجود نہیں تو ان میں بھی نہیں
یہ بالکل ایسا ہے کہ کہا گیا ہو کہ ان شئی سابق القدما سبقہ العین کہ اگر کوئی شے قضا و قدر سے سبقت
کرتی تو ان چیزوں کی سبقت کرتی۔ حضرت ابن عربی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نحوست
کو کسی چیز میں پیدا فرماتا تو ان چیزوں میں پیدا کرتا۔ امام مازنی نے اس کی یوں تشریح کی ہے کہ اگر نحوست
حق ہوتی تو یہ اشیاء اور اشیاء کے لحاظ سے اس کی زیادہ مقدار ہوتی۔ کہ ان میں نفس کو منحوس ہونے
کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس ذو معنی روایت کی تشریح اس روایت سے ہوتی ہے۔
جس میں نحوست کا ثبوت ہے۔ مثلاً یہاں روایت اول میں یا سلم میں انما الشوم فی الثلاثة کے الفاظ
سے۔ یا بخاری میں کتاب النکاح میں ابن عمر سے الشوم فی الدار والمرأة والفرس کے الفاظ سے۔ پھر
اس میں بھی اختلاف ہے کہ نحوست سے کیا مراد ہے اس کے حقیقی اور ظاہری معنی کہ یہ ہر سہ نا
مبارک ہیں اور ہلاکی و تباہی کا باعث۔ یا یہ کہ تینوں چیزیں تکلیف دہریشانی اور عاقبت میں نتیجہ بد کا
سبب بنتی ہیں۔ پہلے خیال کی روایت مالک سے ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ابن قاسم سے روایت کرتے
ہیں اور وہ مالک سے کہ انہوں نے اس کی تفسیر میں کہا کہ گھر ایسے ہیں کہ لوگ اس میں آباد ہو سکتے۔ اور
ہلاک ہو گئے پھر دوسرے آئے وہ بھی ہلاک ہو گئے پھر کہا کہ ہمارے نزدیک اس کی یہ ہی تفسیر ہے۔
مگر یہ کہتے ہیں کہ یہ نحوست قضا و قدر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے خلاف ہو۔ جو اصحاب
دوسرے خیال کے قائل ہیں ان کے سامنے دوسری روایات ہیں۔ جو نحوست کی تفسیر کرتی ہیں۔ اس
تفسیر میں بھی روایات مختلف الفاظ ہیں۔ اس حدیث میں شوم کی جو تفسیر ہے۔ بعض سے یوں نقل
ہے کہ گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے۔ اور عورت کی نحوست یہ کہ اس کا مہر بہت
زیادہ ہو۔ طبرانی میں حضرت اسماء کی حدیث میں یوں ہے۔ ان من شقاء المراء فی الدینا سوء الدار
والمرأة والدابة کہ انسان کی بد بختی دنیا میں گھر۔ عورت اور سواری کا برا ہونا ہے اس سے شوم کی

مزید وضاحت ہوئی۔ امام احمد حضرت سعد بن وقاص سے مرفوع روایت لائے ہیں۔ من سادات ابن آدم المرأة الصالحة والمسلم الصالح والمرأة السوء والمسلم السوء والمرکب السوء کہ انسان کی نیک بختی تین چیزوں سے ظاہر ہے۔ پارسا عورت۔ آسائش کا گھر اور آرام وہ سواری۔ اور اس کی بد بختی تین چیزوں سے ہے بری عورت۔ برا مکان اور بری سواری۔ گویا انسان کی خوشحالی اور بد حالی کا راز ان ہی اشیاء کی اچھائی برائی میں مضمر ہے۔ اگر یہ چیزیں اچھی ہیں۔ تو اس کا نصیب ٹھیک ہے۔ سواری سے ہر وقت کام لینا ہوا اگر وہ منہ زور سے تو یہ سواری نہیں ہے۔ بلکہ مصیبت سے غرض اور تمام تفاسیر کی رو سے ثلوم کا اطلاق اسی شے پر ہوا۔ جس کو انسان ناپسند کرے۔ وہ اس کی طبیعت کے ناموافق ہو اور آگے چل کر اس کے لئے خلیجان کا سبب ہو۔ ارشاد ساری میں شیخ تقی الدین السبکی کا یہ کلام نقل ہے کہ ان اشیاء کے ساتھ نحوست یوں مخصوص فرمائی کہ ان کی طرف سے عداوت و فتنہ کا احتمال ہے۔ نہ یہ جیسا کہ بعض سمجھ گئے ہیں کہ ان میں کچھ تاثیر ہے۔ یا ان کو قضا و قدر میں دخل ہے کوئی عالم اس کا قائل نہیں۔ بلکہ ایسا قول محض جہالت ہے کیونکہ شریعت نے ایسے شخص کو جو بچترے پانی برسنے کا قائل ہو کافر ٹھہرایا ہے تو جو برائی کی نسبت عورت کی طرف کرے۔ وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہوا۔ البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ قضا و قدر سے موافق ہو جاتا ہے اور یوں آدمی کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے تو انسان اس کو چھوڑ دے۔ نہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ برائی اس سے سرزد ہوتی ہے۔

باب ۱۲۲ استیذان بکرہ باب ۱۲۱ کنواری اور شیبہ عورت سے

شیبہ!

ابو حنیفہ عن مطاع عن ابن عباس
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر
لفاطمة ان علیا یذکرک

اس کی شادی میں اجازت لینا!

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا
کہ علی تمہارا ذکر کرتے ہیں یعنی تمہارے لئے پیغام
نکاح بھیجا ہے۔

تشریح: یہ اجازت حاصل کرنے کا نہایت مودب طریقہ ہے۔ جو پیغام کے وقت ضروری ہے
صاف اور کھلے الفاظ میں پوچھنا حجاب و حیل کے خلاف ہے۔

ابو حنیفہ عن شیبان عن یحیی
عن اللہما جوعن ابی ہریرۃ عن فلان کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اذا اراد ان یرزوج احدی منکاتہ
یقول ان فلانا یذکر فلانة ثم

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جب ارادہ فرماتے کہ انہی کس صاحبزادی کا
دکھی سے نکاح کریں تو فرماتے کہ فلان شخص اس
کا نام لیکر فلان کا یعنی اپنی صاحبزادی کا ذکر کرتا ہے
پھر صاحبزادی کی طرف سے اس پر سکوت پانے پر

میر و جہا :

و فی روایت عن ابی ہریرۃ قال
 كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدًا بِنَاتِهِ أَتَى
 حَذْرَهَا فَيَقُولُ إِنَّ فُلَانًا
 يَذْكُرُ فُلَانَةً تَحَرَّ
 مِير و جہا :

و فی روایت قال کان رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب
 الیہ ابنۃ من بناتہ اقی حذرہا
 فقال ان فلانا یذکر فلانۃ
 تحرّ ذہب فانکح :

ان کا نکاح اس شخص سے کر دیتے :
 اور ایک روایت میں ابو ہریرہ سے
 ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی صاحبزادی کو کسی
 کے نکاح میں دینا چاہتے تو ان کے پردہ کے
 پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا
 (یعنی اپنی صاحبزادی کا نام لیتے) ذکر کرتا ہے پھر
 ان کا نکاح ان صاحب کے پردہ یا کرتے :

ایک اور روایت سے کہ آپ کی کسی صاحبزادی
 کا پیغام آپ کے پاس آتا تو آپ ان کے پردہ کے
 پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں
 کا ذکر کرتا ہے۔ پھر (غائبانہ) اپنی صاحبزادی کا
 نکاح پردہ یا کرتے :

تشریح :- آپ اپنی صاحبزادیوں کا اسی طرح سے نکاح فرماتے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے
 کہ عائشہؓ نے نکاح کیا ایک یتیم بھی کا جو آپ کے
 پاس تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
 کو اپنے پاس سے بھیج دیا :

تشریح :- آپ اپنی صاحبزادیوں کا اسی طرح سے نکاح فرماتے۔
 البوحیفة عن محمد بن المنکدر
 عن جابر بن عبد اللہ ان عائشۃ زوجت
 یتیمۃ کانت عندها فجہزہا رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عندہا :

تشریح :- یہ آنجناب کا جذبہ رحم و شفقت تھا کہ یتیم کا بھی ہیز خود بنفس نفیس مہیا فرما دیا :
 باب ۱۲۳ - باکرہ کی رضا حاصل کی جائے

باب استیمار الکبرو

اور یتیمہ سے اجازت لی جائے

استیذان الثیب

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باکرہ کا نکاح نہ کیا
 جائے جب تک اسکی رضا مندی نہ حاصل کر لی جائے
 اور اس کا چپ رہنا ہی اسکی رضا مندی ہے۔ اور
 نہ نکاح کیجئے یہود کا جب تک اس سے اجازت
 نہ لے جائے۔

البوحیفة عن شیبان بن عبد الرحمن
 عن یحییٰ بن ابی کثیر عن المهاجر بن عکرمۃ
 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم لا تنکح البکر حتی تستأمر
 رضاها سکنها ولا تنکح الثیب حتی تستأذن :

و فی روایت لا تزوج البکر

ایک روایت میں ہے نہ نکاح کیا جائے باکرہ کا

حَتَّى تَسْتَأْمَرَ وَرِضَاهَا سَكُونَهَا
وَلَا تَنْكَحُ الثَّيْبَ حَتَّى
تَسْتَأْذِنَ

وَفِي رِوَايَةٍ لَا تَنْكَحُ الْبَكَرَ
حَتَّى تَسْتَأْذِنَ
وَإِذَا سَكَتَ فَهُوَ إِذْ نَهَى
وَلَا تَنْكَحُ الثَّيْبَ حَتَّى
تَسْتَأْذِنَ

جب تک کہ اس کی مرضی نہ حاصل کر لی جائے اور اس کا
چپ رہنا ہی اس کی مرضی ہے اور نہ نکاح کیا ہو وہ کاٹا گیا
اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔

ایک اور روایت میں اس طرح سے کہ نہ نکاح
کیا جائے باکرہ کا جب تک اس سے اجازت نہ لی
جائے اور جب وہ چپ ہو گئی تو یہ اس کی اجازت
ہے۔ اور نہ نکاح کیا جائے جوہ کا جب تک اس سے
اجازت نہ حاصل ہو۔

تشریح :- صحاح میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس سلسلہ میں ایک نقطہ پر ائمہ کا اختلاف ہے جس
کی تفصیل آئندہ حدیث میں انشاء اللہ بیان کی جائے گی۔

بَابُ عَدَمِ جَوَازِ النِّكَاحِ بِغَيْرِ رِضَا الْمَرْأَةِ

الْبُخَارِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ
يَا هَدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً
قَوِيَ عَنْهَا زَوْجُهَا ثُمَّ جَاءَ عَمُّهُ
وَلَدَهَا فَخَطَبَهَا فَنَافَى الْأَبَ أَنَّ
يَزَوِّجُهَا وَزَوْجَهَا مِنَ الْآخِرِ
فَنَافَتِ الْمَرْأَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهَا فَبَعَثَ إِلَى
أَبِيهَا فَخَفَرَ فَقَالَ مَا تَقُولُ هَذَا
قَالَ مَدَانَتْ وَلِئِنْ زَوَّجْتَهَا
مِنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ

مَغْرَقَ بَيْنَهُمَا وَزَوْجَهَا عَمُّهُ
وَلَدَهَا

وَفِي نَوَافِيهِ مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ
أَسْمَاءَ خَطَبَهَا عَمُّهُ وَلَدَهَا وَرَجُلٌ
أَخْرَجَ إِلَى أَبِيهَا فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ

بَابُ بَغْيِ رِضَا مَنْدِي عَوْرَتِ كَانْكَاحِ جَائِزٌ مِنْهُنَّ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک
عورت کا شوہر مر گیا۔ اس کے دیور نے اس کیلئے پیغام
بھیجا مگر عورت کا باپ اس سے نکاح کرنے پر
راضی نہ ہوا۔ (چنانچہ) اس نے اس کا کسی دوسرے
نکاح کر دیا۔ تو عورت بنی علیہ السلام کی خدمت میں
آئی۔ اور آپ پر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کے
باپ کو بلوایا۔ وہ آیا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ عورت
کیا کہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سچ کہتی ہے۔ مگر
نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے جو اس کے دیور کے
بہتر ہے۔ اس پر آنحضرت نے شوہر و دیور میں تفریق
کرا دی۔ اور اس کا نکاح اس کے دیور سے جس کے
نکاح پر وہ راضی تھی کر دیا۔

ایک روایت میں ابن عباس سے یوں آیا ہے
کہ اسامہ کو نکاح اس کے دیور اور ایک اور شخص نے
اس کے باپ۔ اس کے باپ نے دیور کے

فَاتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاشْتَرَتْ ذَلِكَ الْمِجَهَ فَنَزَعَهَا
مِنْ الرَّجُلِ وَتَرَقَّجَهَا عَمَّ
وَلَدَهَا:

وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّ امْرَأَةً تَوَفَّى عَنْهَا
زَوْجُهَا فَخَطَبَهَا عَمَّ وَلَدَهَا
فَنَزَّجَهَا أَبُو هَابِغٍ رَضَاهَا مِنْ
رَجُلٍ اخْرَفَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ
فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ ارْزُقِيهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا قَالَ
زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ
فَفَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَزَوَّجَهَا مِنْ
عَمِّ وَلَدِهَا:

وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّ امْرَأَةً تَوَفَّى
عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَهَا مِنْهُ وَلَدٌ
فَخَطَبَهَا عَمَّ وَلَدُهَا إِلَى أَبِيهَا
فَقَالَتْ زَوَّجْنِيهِ فَإِنِّي وَزَوْجُهَا
مِنْ غَيْرِهِ بِغَيْرِ رِضَايَ مِنْهَا
فَاتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَدَعَا ذَلِكَ لَهُ فَسَأَلَهُ عَنْ
ذَلِكَ:

فَقَالَ نَعَمْ زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ
خَيْرٌ مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا:

فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا مِنْ
عَمِّ وَلَدِهَا:

علاوہ) دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا وہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ شکایت
کی۔ پس آپ نے اس شخص سے چھڑا کر اس کے دیور
اس کا نکاح کر دیا:

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک
عورت کا خاوند انتقال ہو گیا تو اس کے دیور نے نکاح
کا پیغام بھیجا۔ اور باپ نے عورت کی مرضی کے بغیر
دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ لہذا وہ عورت نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ فقہ بیان کیا
آپ کے باپ کو طلب فرمایا۔ اور اس کے فرمایا کہ
تو نے اس کا دانی لڑکی کا نکاح اس کی بغیر رضامندی
دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کا نکاح طے سے
کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے۔ پس نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ثور و بیوی کے درمیان جدائی کر
دی۔ اور اس کا نکاح اس کے دیور سے کر دیا:

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ایک
عورت کا خاوند فوت ہو گیا۔ اور اس سے اس کا ایک
لڑکا تھا۔ تو دیور نے اس کے باپ کے پاس اس کیلئے سہا
منگنی بھیجا۔ اس عورت نے اپنے باپ سے کہا میرا
نکاح اس سے کر دو۔ اس کے باپ نے اس سے انکار کیا اور
اس کے مرضی کے خلاف کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور آپ کو پورا غصہ
کہہ سنایا۔ آپ نے اس کے باپ کی بات کی تصدیق فرمائی
اس نے کہا۔ جی بے شک میں نے اس کا نکاح اس کے
دیور سے اچھے آدمی کے ساتھ کر دیا ہے۔ لہذا انجنا ب
نے ثور و بیوی میں تفریق کر دی۔ اور اس عورت کا
نکاح اس کے دیور سے کر دیا:

تشریح :- اس حدیث میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی تشریح ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اگر عورت بالغہ عاقلہ
ہو تو یہ خود اگر اپنا نکاح کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں و امام ابو حنیفہ جواز کے

مگر ان کے نزدیک ولی کو غیر کفو میں دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ تینوں ائمہ قرآن و حدیث سے دلیل لاتے ہیں۔ اور عقل و روایت سے بھی اس کو ثابت کرتے ہیں۔ قرآن سے اس طرح کہا ویسا کہ حکم ہوا فلا تفضلوهن ان ینکحن اذواجھن کہ عورتوں کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو معلوم ہوا کہ ولیوں کو نکاح کرانے کا حق کلی حاصل ہے۔ جب ہی تو ان کو حکم ہوا کہ وہ ان کو نکاح کرنے سے نہ روکیں۔ ورنہ اگر وہ مختار نہ ہوتے تو ان کو منع کرنے کے کیا معنی ہتھے۔ اس حدیث کی دلیل بھی لاتے ہیں جن میں چیدہ دو ہیں ایک ابی موسیٰ کی مرفوع حدیث جس کو ابو داؤد و نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی لائے ہیں اس کا معنی ہے کہ جس عورت نے بغیر اجازت ولی اپنا نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تین مرتبہ آنحضرت نے اس کو دہرایا۔ عقل و روایت کی رو سے یوں کہ نکاح کسی مقاصد کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ نسل باقی رہے۔ اور عورت جو بے ناقص العقل شہری اور عاقبت اندیشی اور ویرانہ نشی سے عام طور پر عاجز۔ اس لئے انتخاب زوج کا بار اس پر ڈالنا کہ وہ ایسے شوہر کو چنے جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں قرین قیاس نہیں۔ یہ ہے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے دلائل :

امام ابو حنیفہ کے مسلک پر بھی قرآن۔ حدیث و قیاس سے دلیل لائی جاتی ہے۔ قرآن سے اس طرح کہ نہ فرمایا حتی تنکح زوجاً غیرہ کہ اس میں نکاح کی نسبت صاف کھلے الفاظ میں عورت کی طرف ہوں گویا وہ مختار ہے۔ جب ہی تو فعل نکاح کی فاعل شہرانی گئی یا فرمایا وان ینکحن اذواجھن کہ نکاح کریں اپنے خاوندوں سے۔ یا ارشاد فرمایا : فلا جناح علیھن فیما فعلن فی انفسھن کہ ان پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں جو وہ اپنے بارہ میں کریں۔ کہ ان آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہوئی۔ جو اس بارہ میں ان کے اختیار کی ظاہر کرتی ہے۔ روایت کے ذیل میں یہی حدیث ایک دلیل ہے کہ آنحضرت نے نکاح رد کر دیا۔ اور تصریح کرادی۔ ملا علی قاری اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ابن قسطلان نے کہا ہے کہ ابن عباس کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ عورت خنسا رنبت خدام نہیں۔ جس کی حدیث بخاری لائے ہیں کہ اس کا نکاح آنحضرت نے رد فرمایا۔ کیونکہ وہ خنسا رنبت تھی۔ اور یہ باکرہ۔ بلکہ بعض نے خنسا کو بھی باکرہ بتایا ہے۔ چنانچہ نسائی سے اسی کا پتہ چلتا ہے۔ پھر ممکن ہے بخاری کی حدیث اپنی جگہ صحیح ہو۔ اور واقعہ متعدد ہو۔ چنانچہ وارقلنی ابن عباس سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باکرہ اور یتیمہ کا نکاح رد فرمایا۔ غرض ان روایات سے پتہ چلا کہ عورت عاقلہ بالغہ کے ہاتھ میں نکاح کی زمام اختیار ہے۔ دوسری سنیین دلیل مذہب احناف پر ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے جس کی روایت مسلم وغیرہ میں بدین الفاظ وارد ہے الا یمزجھن بنفسھما من ولیمتا والمکرت تاذن فی نفسھما کہ بے شوہر والی عورت اپنے نفس کی زباؤں حقار ہے۔ اس میں اہم کاللفظ بروئے لغت ہر اس عورت پر حقیقت ولالت کہتی ہے جس کا خاوند نہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو یا یتیمہ خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ جب اس کے معنی حقیقی مراد لینے میں کوئی قیاسیت نہیں تو بکرہ کے مقابلہ میں اس کے معنی مجاز یتیمہ کیوں مراد لیا جائے۔ جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ گویا ولی کو نکاح پڑ جانے اور نکاح باندھنے کا

جو حق حاصل ہے۔ اس میں یہ بھی شریک ہے۔ ایک ناقابل تردید دلیل خود آنحضرت کے عمل کی ہے کہ بوقت نکاح ام سلمہ حبیب حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ حضور میرا کوئی ولی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ حاضر یا غائب تمہارا کوئی ایسا ولی نہیں جو اس امر کو ناپسند کرے۔ یہ کہہ کر عمر بن ابی سلمہ کو حکم دیا جو باتفاق چھوٹے منہ اور ولایت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ کہ وہ نکاح پڑھا میں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم کی اگر ولی کی موجودگی انعقاد نکاح کے لئے لازمی ہوتی تو ام سلمہ کا نکاح کیسے صحیح ہوتا۔ لہذا ان معقول دلائل کے تحت احناف کا مسلک قابل ترجیح ہے۔ اب مذہب مخالف کا جواب دیکھیں۔ قرآن میں ان کو سراسر غلطی لگتی ہے کیونکہ وہاں اولیاء کو حکم نہیں۔ بلکہ خاوند کو حکم ہے۔ کلام خود بتاتا ہے کہ اس سے پہلے فرمایا اذ طلقتم النساء فلیعن اجلھن لہذا یہاں اولیاء مراد لینا نص قرآنی کے خلاف ہے احادیث کے سلسلہ میں یوں سمجھئے کہ دونوں احادیث باعتبار سند محدوش اور محل نظر نہیں۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے ضعف کی طرف خود ترمذی نے کہا کہ زہری کے حوالہ سے اشارہ کیا ہے۔ اس میں سلیمان بن موسیٰ ہے۔ جسکو بخاری نے ضعیف بتایا ہے۔ نسائی نے کہا کہ اس حدیث میں سقم ہے۔ اسی طرح حدیث ابی موسیٰ میں اہل علم نے کلام کیا ہے بخلاف ان احادیث کے جو مذہب حنفیہ کے بوث میں پیش ہوئیں کہ یہ صحیح ہیں۔ اب ان کی قیاس آرائی کا جواب تو وہ یہ ہے کہ تصرفات و معاملات میں اختیار کا مدار بلوغ پر ہے کیونکہ بلوغ کے بعد انسان اپنے تمام مصالح و مفاد کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ البتہ غیر کفو میں عورت کی سو و تدبیری کا شبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں ولی کا حق باقی رکھا ہے۔

باب ۱۲۵ - ایک عورت اور اس کی

باب امتناع الجمع بین

بھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح

المراۃ و عمتہا و خالتہا

میں ملاسنے کی ممانعت

حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت سے اس کی بھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے۔

ابو حنیفہ من عطیۃ العوفی عن ابی سعید الخدرائی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تزوج المرأۃ علی عمتہا و خالتہا۔

تشریح :- اس حکم انتہائی میں پیراز اور مصلحت پوشیہ کا اسلام میں قطع رحمی سے رحمت نجات وار ہے اور اس پر شدید وعیدیں ہیں اور اگر ایک عورت کو اس بھوپھی یا خالہ پر نکاح میں لایا جائے تو گویا ان کے رشتہ قرابت و خویشی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے کاٹ دیا گیا۔ اور ایک امی و شمنی کا بیچ بوسیا کیونکہ سکنوں میں جو رشتہ ناتنے کی جڑ کاٹ دینی ہیں چنانچہ طبری کی روایت میں اس حدیث کے

ساتھ یہ ٹکڑا بھی زائد ہے۔ جو اس حکم کی وجہ کھولنے کے لیے فرمایا نہ تھا۔ اذ انفعلم ذاک فقد قطعتم
ارحامکم یعنی اس لئے کہ جب تم نے ایسا کیا تو گوہر باہم نے اپنے رحم کے رشتہ کو کاٹ دیا۔
واو اور پرداوا کی بہنیں اور زانی اور پرزانی کی بہنیں بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ علمائے اس کے لئے
یہ ضابطہ نکالے کہ ہر دو ایسی عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ کہ اگر ان میں سے کسی کو مرد فرض کیا
جائے تو ان میں آپس میں نکاح حرام ہو۔

رضاعی رشتہ کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں؛

ابو حنیفہ عن الشعبي عن جابر
بن عبد الله وابی هريرة قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم لا تنكح المرأة على عمتها
ولا على خالتها ولا تنكح الكبرى على الصغرى
ولا الصغرى على الكبرى؛

حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابی ہریرہ کہتے ہیں۔
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت
سے اس کی پھوپھی اور خالہ پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ
نکاح کیا جائے بڑی عمر والی پر لڑکھن چھوٹی عمر والی
سے بڑی عمر والی پر؛

تشریح؛ یہ حدیث صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ جلیل
القدر صحابہ سے بطریق صحیحہ مروی ہے۔ لہذا اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ گویا آیت و احل لکم
ما وراء ذلکم کے عموم میں اس سے تخصیص کی جاسکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ آیت کا عموم بہر حال مشرکہ
مجبورہ وغیرہ سے مخصوص ہے تو ظنی ہوا لہذا یہ اگر خیر واحد ہوئی تو بھی اس سے تخصیص کی جاسکتی تھی نہ جب
کہ یہ حدیث مشہور ہو؛

باب حرمة المتعة

ابو حنیفہ عن الزهري عن انس
ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعة؛

باب ۱۲۹۔ متعہ حرام ہے!
حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے؛

تشریح؛ متعہ کے معنی ہیں خاص مدت کیلئے کسی قدر معاوضہ پر کسی عورت سے نکاح کیا جائے
متعہ اس کو یوں کہا گیا کہ اس میں محض تمتع اور وقتی نفع اندوزی کی غرض ہوتی ہے اور نکاح کے دوسرے
اعراض مثلاً توالد و ناسل یا خانگی نظام کی درستی وغیرہ مد نظر نہیں ہوتے۔ جو ایک مروجہ نکاح حلال
میں ہوتے ہیں۔

ابو حنیفہ عن ابن عمر قال
نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم
خير عن المتعة؛

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے دن متعہ سے منع فرما
دیا؛

تشریح؛ حضرت علی کی حدیث میں بھی ایسا ہی ہے جس کو اصحاب صحاح ستہ ماسوا ابو داؤد نے
فرمایا ہے کہ اس میں گدیوں کے گوشت کی حرمت بھی ہے؛

ابو حنیفہ عن محارب عن ابن عمر ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعة
النساء

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ نساء سے منع فرمایا:

تشریح :- متعہ کے بارہ میں کہ وہ کب حلال ہوا اور کب حرام مختلف روایات ہیں۔ اس کی مختصر
تحقیق آئندہ حدیث میں آرہی ہے:

ابو حنیفہ عن الزہری عن رجل
من آل سکر ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم نہی عن متعة النساء
یوم فکتم مکه وفي رواية عام
الفکم

آل سبرہ کے ایک شخص سے دجو غالباً ربیع بن بکر
ہیں جیسا کہ ابو داؤد کی روایت سے پتہ چلتا ہے (روایت
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے
فتح مکہ کے دن۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ
فتح مکہ کے سال)

تشریح :- متعہ نساء کہہ کر متعہ حج سے تفریق پیدا کر دی۔ کیونکہ اس پر بھی لفظ متعہ کا اطلاق ہوتا ہے
ابو حنیفہ عن یونس بن عبد اللہ عن
ابیہ عن ربیع بن مہرۃ الجہنی عن ابیہ قال
نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن متعة النساء یوم فکتم
مکه

حضرت سبرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ نساء سے فتح مکہ کے
دن منع فرمایا ہے:

وفي رواية نهى عن المتعة عام
الحج

اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے حج کے
سال متعہ نساء سے منع فرما دیا
اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے
دن

وفي رواية نهى رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن متعة النساء يوم
الفکم

تشریح :- مسئلہ متعہ کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ بعض جنگوں میں لوگوں نے آنحضرتؐ سے خصی ہونے
کی اجازت چاہی تو آپؐ نے ان کو اس سے روکا اور ان کو متعہ کی اجازت دی۔ پھر آگے چل کر متعہ سے ہمیشہ کے
لئے ممانعت فرمادی۔ اور اب امت مسلمہ کا اسی پر اتفاق ہے۔ بعض شیعہ کو اس میں اختلاف ہے اور وہ
اس کو اب بھی جائز جانتے ہیں۔ صحابہ میں کچھ عرصہ اس مسئلہ میں اختلاف رہا۔ مگر اکثریت حرمت ہی کی قائل
رہی پھر حضرت عمرؓ کی خلافت میں سب کا اس کی حرمت پر اجماع ہو گیا۔ اس کے بعد کسی اہل سنت و جماعت
کو اس میں بجا کی گفتگو نہ رہی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اس کی حرمت و حلت کے بارہ میں روایات وارد ہیں
بعض کے نزدیک یہ دوسرے زائد مرتبہ حلال و حرام ہوا۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ صرف دو ہی مرتبہ حلال ہوا۔ اور
دو ہی مرتبہ یہ حرام ہوا۔ اور پھر جب آخری مرتبہ یہ حرام ہوا تو ہمیشہ ہمیش کے لئے۔ یعنی یوم خیبر سے پہلے

یہ حلال تھا۔ اور یوم خیبر میں یہ حرام ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ حلال ہوا اور تین دن کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام ہو گیا۔ اور حجۃ الوداع میں یہ پچھلی ثابت شدہ حرمت پر محض تاکید تھی۔ اور اس کا ایک عام قطعی اعلان نہ یہ کہ اس کو اس روز حرام ٹھہرایا گیا۔ صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ اور جابرؓ یا چند اور کو اس میں کچھ دن اختلاف رہا۔ مگر حضرت ابن عباسؓ نے اپنے خیال سے رجوع فرمایا چنانچہ ترمذی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ منہ آغا ز اسلام میں نہ پر عمل تھا۔ ایک شخص اجنبی شہر میں آنا۔ جہاں اس کی کوئی شناخت نہ ہوتی تو وہ وہاں کسی عورت سے کچھ مدت کے لئے نکاح کر لیتا۔ یعنی جب تک قیام کا ارادہ ہوتا۔ وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی چیزیں ٹھیک کرتی۔ یہاں تک کہ آیت الا علی اذا جہم دما ملک ایمان پھراتری۔ پھر ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تو اب ان کے علاوہ ہر فرج حرام ہے۔ اور جابر بن زبید ابوالشعاع نے روایت کی ہے۔ کہ ابن عباسؓ دینا سے نہیں گئے۔ مگر کلاموں نے دو چیزوں سے رجوع فرمایا۔ ایک صرف دوسرے متعہ سے۔ حضرت جابر کا واقعہ ہے کہ ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے کہ جابر نے کہا کہ عمرؓ کی نصف خلافت تک ہم متعہ کرتے رہے۔ پھر آپؐ لوگوں کو منع فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کو حرمت کی حدیث نہ پہنچے پر اب بھی کچھ شک باقی رہا ہو گا۔ مگر حضرت عمرؓ کے اعلان عام کے بعد کسی کو اس کی حرمت میں شک نہ رہا۔ یہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اس کو اپنی رائے سے حرام کیا اور احادیث صحیحہ جو تو اتر کی حد تک پہنچتی ہیں۔ اس کی حرمت ہی پر وال ہیں اور اس کے نسخ کو ثابت کرتی ہیں مثلاً احادیث ذیل جو مختلف صحابہ سے مختلف طرق سے مروی ہیں۔ یا سیرۃ بن معبد الجہنیؒ کی حدیث جو مسلم اور دیگر سنن میں بایں الفاظ وارد ہے عنی عن المتعہ وقال الا انھا حرام من یوم مکہ هذا الی یوم القیامۃ کہ آپؐ نے متعہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ خبردار یہ آج کے دن سے قیامت تک حرام ہے۔ یہ گوئیافتح مکہ کے دن کی آخری حرمت ہے یا حضرت علیؓ کی یہ حدیث جو ترمذی میں ہے کہ آنحضرتؐ نے منع فرمایا متعہ نسائے اور گدہوں کے گوشت سے خیبر کے زمانہ میں۔ لہذا ثابت ہوا کہ متعہ کی حرمت قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ خاص مجبوریوں اور خصوصی غذاات کی بنا پر حلال کیا گیا تھا۔ کہ ادھر مجاہدین اسلام کا تجر و کا عالم اور فطری تقاضے اور ادھر سفر کی بے سروسامانی اور جہاد کی پیش از پیش مشغولیتیں کہ ان الجھنوں میں سوائے اس رعایت و مہلت کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان حالات کے ماتحت وقتی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ نہیں کہ اب بھی اپنے وطنوں میں رہتے رہتے اس حکم کو باقی جان کر جذبات شہوانی کے پورا کرنے کا ایک ناجائز راستہ کھولا جائے۔ اور شریعت کی آڑ میں زنا کاری کی آزادی دی جائے۔ چنانچہ حازمی نے بعینہ اسی بات کو لایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی اپنے گھروں وطنوں میں رہتے رہتے اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ خاص ضرورت کے ماتحت ایسی اجازت دی تھی پھر وہ بھی حجۃ الوداع میں موقع پر ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہو گئی اور اب سوائے شیعہ کے کسی کو متعہ کی حرمت میں شک نہیں ہے۔ لیکن اب متعہ بالکل حرام ہے اور اس کا حلال ہونے والا خدا اور رسول کا نافرمان ہے۔

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر قال

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام غزوہ خیبر
عن لحوم الحمل لاهلیۃ وعن متعة النساء

تشریح :- اس حدیث کی تشریح گزر چکی ہے

باب العزل!

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن علقمة والاسود ان عبد اللہ بن مسعود

سئل عن العزل قال ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال لو ان شیئا اخذ اللہ

میثاقہ استودع صحفۃ لخرج

تشریح :- امام احمد حضرت انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس پانی کو جس

سے بچہ پیدا ہوتا ہے کسی چٹان پر ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بچہ پیدا کر دے گا۔ عزل اس کو کہتے

کہ عورت سے محبت کے قریب جب انزال قریب ہو تو آلہ ناسل شرمگاہ سے نکال کر منی باہر خارج

کی جائے۔

مسئلہ عزل میں خفیہ و مالکیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ خفیہ و مالکیہ آزاد عورت سے

عزل بغیر اس کی اجازت کے مکروہ جانتے ہیں اور منکوحہ لونڈی میں بغیر اس کے اتا کی اجازت کے اور

اپنی لونڈی میں بغیر کراہت کے عزل جائز خیال کرتے ہیں۔ شافعیہ بغیر کسی کراہت کے سبب میں بلا امتیاز

جائزہ قرار دیتے ہیں مگر یہ کہ اولاد سے بچنے کی غرض سے ہو تو اس وقت یہ ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

شافعیہ کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے۔ جو بخاری میں مروی ہے یاں الفاظ لکھا فعل والقران یذول

کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا۔ خفیہ و مالکیہ کئی احادیث سے محبت لیتے ہیں۔ مثلاً

ابن ابی شیبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا قستاہ الحرة

وتعزل من الامة کہ آزاد عورت سے اجازت چاہی جاتی ہے۔ اور لونڈی سے عزل کیا جاتا ہے

عبدالرزاق اور بیہقی ابن عباس سے روایت لائے ہیں اور بھی عن عزل المحرۃ الا باذنها کہ انہوں

نے آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل سے منع کیا۔ بیہقی ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ

وہ اپنی لونڈی سے عزل کیا کرتے تھے۔ اور آزاد سے اجازت چاہتے تھے۔ ابن ماجہ حضرت عمر

سے روایت نقل کرتے ہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن المحرۃ الا باذنها۔ کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے اس سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل

کیا جائے۔ مذہب خفیہ کی بنا اس وجہ عقلی پر ہے کہ جماع دراصل عورت کا حق ہے اور بظاہر جماع

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا غزوہ خیبر کے سال
شہری گدیوں کے گوشت سے اور متعة النساء سے

باب ۱۲۶۔ عزل کا بیان!

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے عزل کے بارہ

میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے ظہور کا

عہد کیا جو پھر میں بھی چھپائی سے۔ تو اللہ وہ نکل کر

سے گی دو تو بای عزل سے کوئی فائدہ نہیں ہے

تشریح :- امام احمد حضرت انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس پانی کو جس

سے بچہ پیدا ہوتا ہے کسی چٹان پر ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بچہ پیدا کر دے گا۔ عزل اس کو کہتے

کہ عورت سے محبت کے قریب جب انزال قریب ہو تو آلہ ناسل شرمگاہ سے نکال کر منی باہر خارج

کی جائے۔

مسئلہ عزل میں خفیہ و مالکیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ خفیہ و مالکیہ آزاد عورت سے

عزل بغیر اس کی اجازت کے مکروہ جانتے ہیں اور منکوحہ لونڈی میں بغیر اس کے اتا کی اجازت کے اور

اپنی لونڈی میں بغیر کراہت کے عزل جائز خیال کرتے ہیں۔ شافعیہ بغیر کسی کراہت کے سبب میں بلا امتیاز

جائزہ قرار دیتے ہیں مگر یہ کہ اولاد سے بچنے کی غرض سے ہو تو اس وقت یہ ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

شافعیہ کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے۔ جو بخاری میں مروی ہے یاں الفاظ لکھا فعل والقران یذول

کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا۔ خفیہ و مالکیہ کئی احادیث سے محبت لیتے ہیں۔ مثلاً

ابن ابی شیبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا قستاہ الحرة

وتعزل من الامة کہ آزاد عورت سے اجازت چاہی جاتی ہے۔ اور لونڈی سے عزل کیا جاتا ہے

عبدالرزاق اور بیہقی ابن عباس سے روایت لائے ہیں اور بھی عن عزل المحرۃ الا باذنها کہ انہوں

نے آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل سے منع کیا۔ بیہقی ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ

وہ اپنی لونڈی سے عزل کیا کرتے تھے۔ اور آزاد سے اجازت چاہتے تھے۔ ابن ماجہ حضرت عمر

سے روایت نقل کرتے ہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن المحرۃ الا باذنها۔ کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے اس سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل

کیا جائے۔ مذہب خفیہ کی بنا اس وجہ عقلی پر ہے کہ جماع دراصل عورت کا حق ہے اور بظاہر جماع

وہ ہی مانا جاتا ہے۔ جس میں عزل نہ ہو۔ لہذا اگر اس کے خلاف یعنی عزل کی صورت مطلوب ہو تو صاحب حق یعنی عورت سے اجازت طلب کرنی ضرور ہے۔ اب مسلم میں حدیث جزامہ میں جو یوں نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزل واؤ خفی ہے۔ یعنی یہ ایک چھوٹی قسم کا زندہ درگور کرنا ہے تو یہ عزل حرہ کے بارہ میں ہے کہ جماع کا زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوتا ہے۔

بَابُ اثْبَانِ النَّسَاءِ

بِأَيِّ جِهَةٍ كَانَ

ابو حنیفہ عن ابی حنیفہ عن ابی الیثم

عن یوسف ابن مالک عن حفصہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امرأۃ اتھا فقالت ان زوجی یأتینی فجنبتہ مستقبلۃ فکرمھتہ فبلغ ذلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا بأس اذا کان فی صماۃ واحدۃ

تشریح :- یہ عورت سے ہر بہت سے وطی کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ موقع وطی فرج ہو نہ دبر طہرائی میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں اقامت پذیر ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ عورتوں سے ان کی پشت کی جانب سے ان کی فرجوں میں وطی کریں۔ وہ اس پر راضی نہیں ہوئی اور ام سلمہ کے پاس آکر مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ انہوں نے اسحضرت سے دریافت کیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی نسا لکم حرث لکم فالتواحرثوا فی اثنتم کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس جدھر سے چاہو اپنی کھیتی کے پاس آؤ۔ بخاری میں ہے کہ یہ ہو و کہا کرتے تھے کہ جو اپنی عورت سے اس کی پشت کی جانب سے وطی کرے تو اس کا بچہ احوال پیدا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نسا لکم حرث لکم فالتواحرثوا

بَابُ حُرْمَةِ وَطِیِّ الْمَرْأَةِ

فِی دُبُرِهَا

حماد عن ابیہ عن حمید الاعرج عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اثبان النساء نحو الحاش حرام

تشریح :- عورت کی دبر میں وطی کرنا اس حدیث سے حرام ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس مسئلہ کی

بَابُ - عورتوں کے پاس جس طرف

سے چاہیں آنا !

حضرت حفصہ ام المومنین نکستی ہیں کہ ایک عورت نے ان کے پاس آکر کہا کہ میرا خاوند میرے پاس آتا ہے و مجھ سے وطی کرتا ہے (پہلو سے اور سامنے سے اور میں اس کو برا سمجھتی ہوں۔ یہ بات اسحضرت کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں اگر ایک جگہ میں ہے ؟

تشریح :- یہ عورت سے ہر بہت سے وطی کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ موقع وطی فرج ہو نہ دبر طہرائی میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں اقامت پذیر ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ عورتوں سے ان کی پشت کی جانب سے ان کی فرجوں میں وطی کریں۔ وہ اس پر راضی نہیں ہوئی اور ام سلمہ کے پاس آکر مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ انہوں نے اسحضرت سے دریافت کیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی نسا لکم حرث لکم فالتواحرثوا فی اثنتم کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس جدھر سے چاہو اپنی کھیتی کے پاس آؤ۔ بخاری میں ہے کہ یہ ہو و کہا کرتے تھے کہ جو اپنی عورت سے اس کی پشت کی جانب سے وطی کرے تو اس کا بچہ احوال پیدا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نسا لکم حرث لکم فالتواحرثوا

بَابُ - دبر میں عورتوں سے وطی

کرنا حرام ہے !

حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دبر کی جانب سے عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے (یعنی دبر میں)

تشریح :- عورت کی دبر میں وطی کرنا اس حدیث سے حرام ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس مسئلہ کی

جو تحقیق سے وہ متصل حدیث میں آ رہی ہے۔ درایت و عقل کی رو سے بھی یہ فعل نہایت کمزور و ناپسندیدہ ہے کہ ہر مزاج سلیم اور طبع مستقیم اس سے خود بخود گھٹن کھاتی ہے۔ اور اس کو ایک کرمیہ بد مزہ کام جانتی ہے۔ ابن قیم نے اس کے نقصانات پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہاں بغرض فائدہ بیان کئے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا یہ فعل کسی قدر قبیح ہے۔

اول تو یہ غلاطت و گندگی کے خارج ہونے کا مقام ہے۔ وطی کی لذت و لطف اندوزی کو اس غلاطت و گندگی سے کی بد مزگی سے کیا علاقہ بلکہ ایسے موقع پر تو انسان لطافت و پاکیزگی کا متلاشی ہوتا ہے قطع نظر حکم شریعت کے ہر پاکیزہ طبع انسان اس سے فطرۃً متنفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیض کی حالت میں عورت سے نزدیکی حرام ہوئی۔ کیونکہ گندگی کے اخراج کے دوران میں اس کو کون پسندیدہ رکھے گا۔ دوسرے وطی عورت کا مرد پر ایک حق ہے۔ جو واجب الادا ہے۔ اور وہ حق اس شکل میں نباہ ہوتا ہے۔ تیسرے قدرت کی طرف سے یہ مقام اس فعل کے لئے نہیں بنا تو گو با اس فعل کا ارتکاب قدرت کی غرض تخلیق سے نا انصافی ہے۔ چوتھے اطباء کا فیصلہ ہے کہ مرد کے لئے یہ شکل وطی کی نہایت مضر صحت ہے کیونکہ فرج میں ایک جاذبیت کا مادہ منصوبہ کو ذکر سے پورا جذب کر لیتی ہے۔ جو بلالوح کے لئے راحت و آرام کا سبب ہے۔ بخلاف اس کے کہ دبر میں یہ خامیت نہیں۔ اس میں اخراج کی طاقت ہے جذب کی نہیں۔ لہذا منی کا کچھ حصہ مرو کی منی کے راستہ میں رہ جاتا ہے۔ جو کئی بیماریوں کا باعث ہوتا ہے۔ اور لمبیت میں نقصان کا باعث بنتا ہے۔ پانچویں اس صورت میں رگوں پر خلاف فطری زور پڑتا ہے۔ جو رگوں کے لئے مضر ہے اور اسی طرح دیگر ہزاروں معائب ہیں۔ لہذا انہیں تفالض کے پیش نظر شریعت نے سخت امتناعی احکام سے اس فعل بد کا انسداد کیا ہے۔

ابو حنیفۃ عن معن قال وجدنا

مخط ابی اعرفۃ عن عبد اللہ بن مسعود قال
تھینا ان نأقی النساء فی محاشہن ۛ

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم کو منع کیا گیا کہ ہم عورتوں کے پاس آئیں دانسے جماع کریں ان کی دبر میں ۛ

تشریح ۱۔ دبر میں وطی کرنا زہرے روایات صحیحہ حرام ہے۔ اور اس پر شریعت میں شدید تنہید و عیدیں آئی ہیں۔ کہیں اس کو چھوٹی قسم کی لواطت کہا ہے۔ چنانچہ احمد و طحاوی و عروبن شعیب کے واسطے سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ سے ایسے شخص کے بارہ میں پوچھا گیا۔ جو عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ چھوٹی قسم کا غلام ہے۔ احمد ابو داؤد اور نسائی وغیرہ حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا۔ کہ وہ شخص حیض والی عورت کے پاس آیا۔ یا اس نے عورت کی دبر میں وطی کی یا کاسن کے پاس آیا۔ اور اس کی تصدیق کی تو وہ اس چیز کے ساتھ کافر ہوا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔ اور صحاح میں یہ بھی ہے۔ لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی رجل اتی امراۃ فی دبرھا۔ کہ اللہ قیامت کے دن ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھے گا۔ جس نے اپنی عورت کی دبر میں وطی کی۔ انہیں امادیش کے پیش نظر تصریحاً تمام صحابہ اس کی حرمت کے قائل تھے۔ صحابہ

میں حضرت ابن عمرؓ کا خلاف منقول ہے۔ چنانچہ بخاری میں آیت فَاَتُوا حُلَّكُمْ کی تفسیر میں ابن عمرؓ کی یہ تفسیر مروی ہے یا تنہا فی دبرھا۔ طبرانی میں بھی اسی کی تصریح ہے۔ امہ میں امام مالک کا مذہب بھی یہی مشہور ہے کہ وہ اس کو جائز جانتے تھے۔ چنانچہ ابو بکر حباص نے اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ ابن عمرؓ بھی اس کو حرام ہی جانتے تھے چنانچہ بخاری سے تاریخ میں اور حاکم سے کنی میں اور ایسے ہی امام صاحب سے آیت نساء کو حدیث لکھ کر تفسیر میں ابن عمرؓ کا یہ قول مروی ہے۔ قُبْلَادُ وَبِرَّانِی الْمَاتِی وَحَدَا لَا غَیْلَ یعنی آگے پیچھے جہاں سے چاہو مگر وہی صرف اُسے کی جگہ میں نہ کسی اور میں معلوم ہوا کہ ان کا صحیح مذہب یہی تھا کہ دبر میں وطی حرام ہے۔ اور امام مالک کے بارہ میں بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حرمت ہی کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ خطیب نے اسرائیل بن روح کے طریق سے روایت نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ میں نے مالک سے اس کے بارہ میں پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ حرمت، رکھتی، کاشت کی جگہ ہی تو ہے۔ لہذا فرج سے آگے نہ بڑھو کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ یا ابا عبد اللہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں (یعنی وطی فی الدبر)۔ انہوں نے دو مرتبہ کہا کہ وہ مجھ پر چھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے سچے شاگردوں نے ان کا مسلک حرمت ہی قرار دیا۔ اسی لئے ابن قیم نے نہایت وثوق سے کہا ہے کہ وطی فی الدبر کی حرمت کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور جس نے سلف سے اس کی روایت کی ہے اس کو دھوکہ لگا ہے۔

اسی ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ عورت کو اپنے مرد کا ستر اور مرد کو اپنی عورت کا ستر دیکھنا جائز ہے یا نہیں۔ تو تحقیق اس میں یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ حرام نہیں۔ کیونکہ ابن سعد طبقات میں اور طبرانی کبیر میں سعد بن مسعود سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ اَکْبَا فَرَمَا یَا اَنْ اَللّٰہُ تَعَالٰی جَعَلَهَا لَکَ لِبَاسًا وَجَعَلَ لَهَا لِبَاسًا۔ وَاَهْلٰی بَرْدٍ عَوْرَتِیْ وَافَا رِیْ ذٰلِکَ مِنْہُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے تیری بیوی تیرے لئے لباس بنایا۔ اور سجتہ کو اس کے لئے اور میرے اہل میرے ستر کو دیکھتے ہیں اور میں ان کے ستر کو اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے ہن لباس لکھو وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لِّہُمْ کہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس۔ اسی طرح سنن اربعہ میں بہز بن حکیم کے واسطے سے روایت ہے کہ معاویہ بن حیدر نے نبی صلعم نے ارشاد فرمایا اَحْفَظْ عَوْرَتَکَ الْاَمِنْ ذَوِجَنَکَ اَوْ مَا مَلَکَتْ یَمَیْنُکَ کہ اپنے ستر کی حفاظت کر دکنے سے مگر اپنی عورت یا مملوکہ لونڈی سے۔ البتہ صحاح میں حضرت عائشہؓ سے الکاثر ثابت ہے کہ انہوں نے انحضرتؐ کا ستر نہیں دیکھا۔ اس لئے بوقت جماع عورت کی فرج دیکھنے کو آداب جماع کے خلاف لکھا ہے۔ ابن عدی ابن عباس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپؐ فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی عورت یا لونڈی سے جماع کرے تو اس کی فرج کو نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ عمل بنیائی کو کھوتا ہے۔ بہر حال شریعت سے اس امر کی اجازت مطلقاً ثابت ہے اور نص قرآنی سے بھی اسی اجازت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر آداب وہی ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

حماد عن ابيه عن ابي المنهال عن

ابي القعقاع الخثعمي عن ابن مسعود انه قال

حرام ان توقي النساء في المحاش

تشریح :- اس مسئلہ کی مناسب تشریح لکھ دی گئی ہے۔ وہیں کے دیکھ لی جائے :-

بَابُ النَّسَبِ لِصَاحِبِ

بَابُ نَسَبِ صَاحِبِ

فَرَّاشِ كَاهِبِ !

الْفَرَّاشِ !

الْبُحَيْفَةِ عَنْ حَمَادِ بْنِ أَبِي سَلِيمَانَ

عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْفَخَّارِ

الْحَبَشِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ

وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرَةِ

حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ صاحب فراش
کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے :-

تشریح :- فراش منکوجہ بوی ہوئی۔ یا مملوکہ لونڈی۔ ان کو فراش اس لئے کہا کہ وہ طہی کے لئے ان کو لٹا یا جاتا ہے اور یہاں فراش سے مراد یہ دونوں نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ صاحب فراش یعنی خاوند یا مالک۔ اور یہ جو فرما با کہ زانی کے لئے پتھر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے سنگساری ہے جس پر ظاہری الفاظ والی ہیں۔ کیونکہ خالی سنگساری نسب سے محروم نہیں کرتی۔ یہاں پتھر سے مراد ناہکی اور محرومی ہے۔ عرب محاورہ میں ناکامی کو پتھر اور دھول سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ خود ہماری اردو زبان میں محاورہ ہے کہ اس کے نصیب میں خاک ہے۔ یا بھائے یعنی اس کے نصیب میں سراسر ناکامی ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نسب کے سارے حصے مثلاً ورثہ وغیرہ و خاوند اور مالک ہی کو ملیں گے زانی ان سے محروم ہے گا :-

یہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ و شافعیؒ کے درمیان قدرے اختلاف ہے وہ نہ کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس ثبوت نسب میں امکان و طہی کی شرط نہیں۔ صرف نکاح ہو جانا ثبوت نسب کے لئے کافی ہے۔ نکاح کے چھ ماہ بعد جو بچہ ہو گا۔ وہ اسی شوہر کا ہو گا۔ اور نسب کے سارے حقوق کا یہ ہی حقدار و ناسی ہے گا۔ نہ زانی خواہ اس بچہ میں طہی کا امکان ہو یا نہ ہو۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کہتے ہیں کہ عقد کا بعد و طہی کا امکان بھی شرط ہے ورنہ اس سے نسب ثابت نہیں ہو گا۔ عقل و قیاس و قرینہ امام صاحب کے خیال کو حق ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ عقد چونکہ طہی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا داعی ہے اس لئے وہ گویا و طہی کا قائم مقام ٹھہرا جو حکم و طہی کا ہے وہ ہی اس کا مثلاً سفر مشقت کا سبب ہے تو گویا وہ مشقت کا رعایا و شرعیہ بن قائم مقام سمجھا گیا۔ اور اس کا نامب خواہ اس میں مشقت ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح یہاں دوسرے حدیث کے الفاظ مطلق ہیں اس میں امکان و طہی کی قید کہاں۔ تبصرے شریعت میں اس کی ایک

مثال نہیں بلکہ کئی ایک ہیں۔ مثلاً ایک منکوحہ عورت جس کا خاوند عرصہ سے سفر میں ہے۔ اور اس بیچ میں کئی مرتبہ اس کو حیض آچکا ہے۔ جس سے معلوم ہے کہ اس کا رحم نطفہ سے خالی ہے۔ مگر پھر بھی اگر یہ خاوند طلاق دے گا تو وہ عدت کرے گی۔ عدت رحم کی جانچ کے لئے کی جاتی ہے کہ اس کے رحم میں نطفہ تو نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی صورت میں عدت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ مگر شریعت نے عدت لازم قرار دی کیونکہ محض نکاح وطی کے قائم مقام ہے۔

کتاب الاستبراء

باب الاستبراء

رحم کو صاف اور بری کرنے کا بیان

رحم کو صاف اور بری کرنا

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان توطأ الحبالی حتی یضعن ما فی بطونہن

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ حاملہ عورتوں سے وطی کی جائے جب تک کہ وہ جن نہ لیں اپنے پیٹوں کے نیچے۔

تشریح :- ان حاملہ عورتوں سے مروقید کی ہوئی کینوں ہیں۔ کیونکہ امام صاحب دوسرے طریق سے روایت ہے جس میں حبالی کے ساتھ من السبی کی قید بھی ہے۔ یعنی قید کی ہوئی حاملہ عورتوں کے لئے یہ حکم ہے امام احمد و ابو داؤد و ابی سعید خدری سے حدیث لائے ہیں۔ اوطاس کے قیدیوں کے بارہ ہیں کہ نہ وطی کی جائے حاملہ سے جب تک وضع حمل نہ ہو جائے۔ اور نہ غیر حاملہ سے جب تک اس کو ایک حیض نہ آجائے گو یا یہ رحم کی صفائی کا حکم یا تو اس حاملہ کو شامل ہے جس کو خریدا جائے یا وہ جس کا حمل زنا سے ہو یا وہ عورتیں جن کا نکاح ان کے خرابی خاوندوں سے بوجہ اسلام یا ہجرت ختم ہو گیا ہو۔ اور ہماری ملک میں آچکی ہوں۔ یہ حکم اپنی منکوحہ حاملہ کو شامل نہیں نہ اس زنا کی حاملہ کو جس کا شوہر خود زانی ہو۔ اور اس نے اس سے قبل نکاح زنا کیا۔ جس سے وہ حاملہ ہو گئی ہو۔ نہ ہی یہ حکم اس عورت کو شامل ہے جو مہاجر مسلمہ ہو اور حاملہ بھی ہو۔ کہ اس سے نکاح ہی جائز نہیں تو وطی کیا جائز ہوگی۔ کیونکہ اس کی عدت وضع حمل سے ہے اور قبل انقضائے عدت نکاح کس طرح جائز ہوگا۔

کتاب الرضاع

کتاب دودھ پلانے کا

بیان!

باب مساواة الرضاع

والنسب في التحريم

ابو حنیفہ عن الحكم عن القاسم

عن شریح عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

قلیلة وکثیرة

حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے خواہ دودھ کم یا بڑیا زیادہ

تشریح :- اس حدیث میں رضاعت کا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بچہ کا ایک مرتبہ بھی دودھ پی لینا اور اس کے پیٹ میں اتر جانا حرمت کے لئے کافی ہے۔ یہی مذہب ہے۔ حضرات علی و ابن مسعود۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ حسن بصری۔ سعید بن مسیب طاؤس۔ عطاء۔ کحول۔ زہری۔ قتادہ وغیرہم کا۔ ابن المنذر نے کہا کہ اکثر فقہاء اسی پر متفق الرائے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک ایک پادریا پانچ مرتبہ سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ مذہب شافعیہ پر حدیث عائشہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا لا تحرم المصنة ولا المصتان کہ ایک پادری مرتبہ دودھ چوس لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ سے قول کیا بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن میں دس دفعہ چوسنے کا حکم تھا۔ تو اس میں پانچ دفعہ کا منسوخ ہوا۔ اور پانچ دفعہ کا باقی رہا۔ جو آخر وفات آنحضرت تک باقی رہا۔ حنفیہ کے مذہب پر قرآن بھی حجت ہے۔ اور احادیث صحیحہ بھی۔ قرآن میں یوں آیات دیکھیں کہ تمہاری مائیں ہیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ اس میں مطلق دودھ پلانے کو حرمت کا سبب مٹھرایا ہے۔ اس میں ایک پادری مرتبہ پینے کی قید کہاں۔ اور خبر واحد یا قول واحد سے قید کس طرح لگائی جاسکتی ہے۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی قوی دلیل ہے۔ کہ اس میں حرمت کے لئے کسی زیادتی کا حوالہ اٹھا دیا۔ موطا امام محمد میں سعید بن مسیب عروہ بن زہر اور ابن عباس سے آثار بھی لائے ہیں۔ جو ایک مرتبہ بھی دودھ پی لینے کو حرمت کا سبب قرار دیتے ہیں اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ بھی دودھ پی لیا۔ تو گویا اس نے دودھ پی لیا۔ ابو جبرائیل نے کہا ہے کہ دودھ منظور ہو یا بہت حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ جس طرح حقوڑا یا بہت کھا لینا افطار روزہ کا باعث ہے۔ اور حدیث عائشہ جس سے شافعیہ دلیل لاتے ہیں۔ مضطرب ہیں احناف کا مسلک درست ہے

ابو حنیفہ عن الحكم عن عمارك
ابن مالك عن عروة بن الزبير عن عائشة
قالت جاء افلم بن ابى القعيس ليستأذن
على عائشة فاحتجبت منه فقال تحتجبين
منى وانا عمك فقالت فكيف ذالك
قال ارضعتك امرأة اخي بلين اخي
قالت فذاكرت ذاك لرسول الله
صلى الله عليه وسلم فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم تريت
يكادك اما تعلمين انك يحرم
من الرضاع ما يحرم من النسب

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ افلم بن ابی القعیس
نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی (آیت مجاہدہ
کے نزول کے بعد) تو آپ نے ان سے پردہ کیا اس پر
وہ (افلم) بولے کہ کیا تم مجھ سے پردہ کرتی ہو حالانکہ
میں تمہارا (رضاعی) چچا ہوں حضرت عائشہ نے کہا یہ
کیسے! انہوں نے کہا کہ میری بھانجی نے مجھ سے بھائی
کا دودھ تم کو پلایا ہے۔ (حضرت عائشہ) کہتی ہیں کہ
میں نے اس (بات) کا بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا
اس نے فرمایا خاک آلود ہوں تمہارے ہاتھ کیا تم اتنا نہیں
جانتی کہ دودھ سے دوسری رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب
سے ہوتے ہیں یعنی وہ تمہارے چچا ہی تو ہوئے۔
اگر نسب سے نہیں تو رضاعت سے) :

تشریح :- اس حدیث میں بھی مطلق رضاعت ثابت ہوتی ہے :

طلاق کا بیان !

طلاق میں مزاح کرنا کا بیان

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق - نکاح - اور
رجعت یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی اور مزاح
دونوں کا شمار سنجیدگی میں ہے :

کتاب الطلاق !

باب المزل فی الطلاق

ابو حنیفہ عن عطاء عن یوسف
بن ماک عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال قلت لہذا
حدیثا وھذا لھن حدیثا - الطلاق والنکاح
والرجعة :

تشریح :- یعنی جس شخص نے مثلاً مزاح و دل لگی میں طلاق دی یا نکاح کیا یا عورت سے رجوع کر لیا
تو تینوں اثرات مرتب ہوئے۔ گویا طلاق واقع ہو گئی۔ اور شوہر و زوجہ میں جدائی ثابت ہو گئی۔ نکاح بند
گیا۔ اور رجعت شرعاً مان لی گئی۔ خواہ شوہر کس قدر عذر کرے کہ میں نے یہ سب کچھ مزاح کے طور پر کیا
تھا۔ میری نظر ان الفاظ کے معانی یا ان کے نتائج پر گزرتی تھی۔ شریعت میں اس کا یہ عذر نہ سنا جائے۔
عقود و تصرفات کا یہ ہی حکم ہے۔ مثلاً بیع ہبہ وغیرہ۔ ان میں مذکورہ بالا اسباب کو اس لئے بیان کے
ساتھ مخصوص فرمایا کہ ان کی اہمیت دیگر تصرفات سے زائد ہے۔ ان معاملات میں مزاح ہرگز نہ کرنا چاہیے :

بَابُ الْعِدَّةِ

بَابُ ۱۳۲ - عِدَّتِ كَابِيَانِ

ابو حنيفة عن ابى الزبير عن جابر

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لسودة حين طلقها اعتدائي

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ کو طلاق دینی چاہی تو فرمایا عِدَّتِ گذارو۔

تشریح :- یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت سودہ کو طلاق دے دی تھی۔ اور پھر حضرت سودہ کے التماس سے آپ کے رجعت فرمائی۔ یا طلاق نہیں دی تھی۔ بلکہ محض ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت سودہ نے التجا کی۔ کہ آپ کے نکاح میں رہیں تو آنجناب نے طلاق کا ارادہ ترک فرمایا۔ آخری بات صحیح تر ہے۔ کیونکہ کتب صحاح و سنن میں لہذا ارادہ طلاق ہوا دھبت یومہا لعائشہ کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے طلاق کا ارادہ ہی فرمایا تھا۔ کہ حضرت سودہ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو بخش دیا۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت سودہ طلاق سے خوف زدہ ہوئیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو بخش دی۔ طہرائی میں بھی ارادہ ان یفارقہا کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے ہنوز مفارقت کا ارادہ ہی فرمایا تھا۔ لہذا اس سے پتہ چلا کہ آنجناب نے طلاق نہیں دی تھی۔ بلکہ حضرت سودہ نے ارادہ کا پتہ چلا کر اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی۔ اور ارادہ طلاق کو ترک کر دیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری نے حدیث میں طلقہا کے معنی ارادہ طلاق کے لئے اور ہم نے بھی ترجمہ حدیث میں اسی خیال کو پیش نظر رکھا ہے۔ دوسرے طرف بیہقی عروہ سے مرسل حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت سودہ کو طلاق دی۔ پھر جب آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سودہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ مجھ کو مردوں کی حاجت نہیں۔ یعنی فطری تقاضوں سے خالی ہوں۔ مگر میرا ارمان ہے کہ شہر میں آپ کی ازواج میں اسٹوں۔ اس لئے آنحضرت نے رجعت فرمائی۔ ابن سعد بھی اسی کے ہم معنی الفاظ سے حدیث لائے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت سودہ نے اپنی باری کا دن اور رات حضرت عائشہ کو بخش دیا۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم

عن الاسود عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لسودة حين طلقها اعتدائي

تشریح :- اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ موطوۃ مطلقہ کے لئے عِدَّتِ لازمی ہے۔ نہ غیر موطوۃ کے لئے جس کو حضرت عزالسمہ نے بھی ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے۔ فمالکوعلیہن من عداۃ بائی خصوصی وانفہ کی وضاحت و تشریح حدیث بالا میں گذری ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ کو طلاق

دینے کا ارادہ فرمایا تو کہا کہ حدت میں بیٹھیو۔

دینے کا ارادہ فرمایا تو کہا کہ حدت میں بیٹھیو۔

بَابُ الطَّلَاقِ فِي الْحَيْضِ

ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم

عن رجل عن ابن عمر انہ طلق امرأته وهي حائض فعیب ذالك عليه فراجعها فاکتا طهرت من حیضها طلقها واحتسب بالتطبيقه التي كان اوقع علیها وهي حائض

بَابُ حَيْضٍ فِي طَّلَاقٍ دَيْنًا

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے

اپنی عورت دامنہ بنت عقیار کو طلاق دی اور وہ حائضہ تھیں۔ اس بنا پر ان پر عیب الزام لگایا تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ پھر جب انکی بوی (حیض) سے پاک ہوئیں تو انہوں نے ان کو دامنہ کو طلاق دی اور وہ طلاق شمار میں لائی گئی۔ جو وہ ان کو بحالت حیض دے چکے تھے۔

تشریح :- حدیث سے وضاحت ہوئی کہ حیض کے وقت کی دی ہوئی طلاق لغو نہیں گئی۔ بلکہ شمار میں اگر طلاق مانی گئی۔ اس میں ظاہر یہ خارجی اور باطنی اختلاف کرتے ہیں۔ روایت سے بھی دلیل لاتے ہیں اور قیاس سے بھی کام لیتے ہیں۔ روایت کے سلسلہ میں ابی الزہری کی روایت کو جو وہ ابن عمر سے کرتے ہیں اور جو ابو داؤد میں نقل سے پیش نظر رکھتے ہیں کہ اس میں لعیدہا شیئا کے الفاظ نہ اند ہیں گویا اس کو کچھ نہیں جانا۔ اور اس طلاق کو شمار میں نہیں لیا۔ اور قیاس آرائی یہ کرتے ہیں کہ حیض کے وقت کی طلاق حرام و ناجائز ہے اور جب حرام و ناجائز ہوئی تو کیوں مانی جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روایت ابی الزہری میں لعیدہا شیئا کے لفظ کے غیر محفوظ ہونے پر تمام ناقدین حدیث و حاکمین روایات کا اتفاق ہے۔ کیونکہ ابن عمر کے دوسروں شمار دول سے جو ابی الزہری سے کہیں زیادہ ثقہ ہیں اور قابل اعتبار یہ ہرگز نقل نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف نقل ہے۔ مثلاً حدیث ذیل ہی میں۔ پھر یہ کس قدر موٹی بات ہے کہ تمام روایات میں حتیٰ کہ ابی الزہری کی روایت میں رجوع کرنے کا حکم ہے اور رجعت طلاق کے بعد ہوتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ تو رجوع کرنا کیسا۔ یا ممکن ہے۔ لعیدہا شیئا کے یہ معنی ہوں کہ اس طلاق کو ٹھیک عمل اور ایک مناسب فعل نہیں جانا نہ یہ کہ یہ طلاق ہی نہیں ہوئی۔ دوسرے ان کی قیاس آرائی بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ کیا ضرور ہے۔ کہ جو چیز حرام و ناجائز ہو وہ صحیح بھی نہ ہو اور اس پر احکام مرتب نہ ہوں۔ مثلاً غضب کہہ ہوئی نہ میں پیمانہ ناجائز ہے۔ مگر پھر بھی صحیح ہے۔

بَابُ حُرْمَةِ اللَّعَبِ

بِالطَّلَاقِ

ابو حنیفہ عن ابی اسحق عن ابی ہریرہ

من ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بَابُ طَّلَاقٍ كَوْتَمَاشَا بَنَانَا

حرام ہے!

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو کیا پرہیز کہ اللہ کے حرم

و سلم ما بال قوم يلعبون بحدود الله ،
 يقولون قد اطلقتك قد اراجعتك ،
 تشریح :- عورتوں کے تنگ کرنے کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ طلاق دیتے اور عدت میں رجوع کر لیتے۔ پھر طلاق دیتے۔ رجوع کر لیتے۔ اور بولیں بے چاری عورتوں پر عرصہ حیات کو تنگ کرنے۔ لہذا شرع نے اس سلسلہ میں اتنا ہی احکام صادر فرمایا۔ کہیں الطلاق مرتنان کا اصول قائم کر کے اس بد حرکت سے روکا کہیں یوں فرمایا۔ تلك حدود الله کہ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں فلا تعتدوها تو ان کے آگے نہ بڑھو۔ حدیث ذیل بھی اسی سلسلہ احکام کی ایک کڑی ہے :-

باب عدم وقوع طلاق

باب ۱۳۴۔ دیوانہ کی طلاق طلاق

نہیں

المعتولا!

ابو حنیفہ عن منصور عن الشعبی

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه
 وسلم لا يجوز للمعتول طلاق ولا بيع ولا

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ فرمایا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجنون کی نہ طلاق
 جائز ہے۔ نہ خرید و فروخت :-

تشریح :- نسائی اور ابن ماجہ اسی سلسلہ میں حضرت عائشہ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے
 ہیں کہ آپ نے فرمایا میں سے قلم اٹھایا گیا یعنی احکام شرعیہ کی ذمہ داری سے بری ہو گئے ایک سونے والا
 جب وہ جاگے دوسرا بچہ جب تک وہ بڑا ہو۔ تیسرا مجنون تا آنکہ وہ آفاقہ پائے۔ اور باہوش ہو۔
 حضرت علی سے بھی اسی مضمون کی حدیث نقل ہے جس کو ترمذی لائے ہیں۔ لہذا ان ہی احادیث
 کے تحت طلاق مجنون کی غیر نافذ ہے۔ البتہ اس کی بیع و فتر موقوف رہتی ہے۔ اور مست اور مجبور
 کی طلاق احناف کے نزدیک واقع ہوتی ہے اس میں حدیث دفع من امتی الخطل والنیان وما
 استکرھوا علیہ خارج نہیں۔ کیونکہ اول تو وہ ضعیف ہے چنانچہ ابن حجر نے بوط المرام میں اس
 پر تصریح کی ہے۔ یہ مراد ہو کہ اخروی ذمہ داری اٹھالی گئی۔ یہ نہیں کہ فعل مع اپنے احکام
 کے لغو ثابت ہوا۔ مثلاً اگر جماع پر مجبور کیا گیا تو گو آخرت کی ذمہ داری اس سے چھٹ جائے گی۔
 مگر غسل اس پر واجب ہوگا۔ اس کا بیع و فتر نافذ ہوگا۔ اور اسی طرح کی مثالیں شریعت میں بہت
 سی موجود ہیں :-

بَابُ عَدَمِ الطَّلَاقِ

بِمَجْزُورِ الْخَيْرِ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
عن الاسود عن عائشة خیرنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فاذا ترنا فلا فله یعد ذلک
طلاقا

تشریح :- اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لینے کا اختیار
دے اور وہ اپنے نفس کو طلاق دے تو طلاق ہوئی ورنہ اگر وہ بجائے طلاق لینے کے شوہر کو پسند کر لے تو
کچھ بھی نہیں۔ شوہر کی طرف سے محض البیہ اختیار مل جاتا طلاق کے حکم میں نہیں ہے

بَابُ

خِيَارِ الْعَتَقِ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
عن الاسود عن عائشة انها اعتقت
برینة ولها زوج مؤل لابی احمد
فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فاختارت نفسها ففرق بینهما
وكان زوجہا حراً

تشریح :- یہ حدیث ایک اختلافی امر میں شافعیہ اور مالکیہ کے خلاف مجتہد سے اختلاف کی یہ
ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مذکورہ لونڈی کو خیار عتق حاصل ہے۔ خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام
امام شافعی و مالک کے نزدیک یہ خیار محض اس وقت ہے کہ باندی کا خاوند غلام ہو۔ یہاں یہ سوال ہے

بَابُ - صَرْفِ اخْتِيَارِ فَيْسَ

عَوْرَتِ كَوَطْلَاقِ مَنِيْهِ هُوَتِيْ !

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے تم کو اختیار دیا کہ طلاق لینے کا
تو تم نے آپ کو اختیار کر لیا۔ (گو یا طلاق نہ ملی)
تو یہ صورت طلاق میں شمار نہیں ہوئی ہے

تشریح :- اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لینے کا اختیار
دے اور وہ اپنے نفس کو طلاق دے تو طلاق ہوئی ورنہ اگر وہ بجائے طلاق لینے کے شوہر کو پسند کر لے تو
کچھ بھی نہیں۔ شوہر کی طرف سے محض البیہ اختیار مل جاتا طلاق کے حکم میں نہیں ہے

بَابُ - مَنْكُوحَهُ لَوْنْدِي كَوَازَادِ

هُوَ نِي كَبْعَا خِيَارِ

چاہے وہ خاوند کے ساتھ

رہے یا علیحدہ ہو جائے !

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے
بریرہ لونڈی کو آزاد کیا جس کا خاوند آل ابی احمد کا آزاد
کردہ غلام تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اسے اختیار دیا کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے
یا اس سے علیحدگی اختیار کر لے (چنانچہ اس نے علیحدگی
چاہی تو آپ نے ان کے درمیان تفریق کرادی۔ حالانکہ
اس کا شوہر آزاد تھا)

تشریح :- یہ حدیث ایک اختلافی امر میں شافعیہ اور مالکیہ کے خلاف مجتہد سے اختلاف کی یہ
ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مذکورہ لونڈی کو خیار عتق حاصل ہے۔ خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام
امام شافعی و مالک کے نزدیک یہ خیار محض اس وقت ہے کہ باندی کا خاوند غلام ہو۔ یہاں یہ سوال ہے

کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا۔ یا آزاد حدیث ذیل چونکہ آزادی پر دلالت کرتی ہے اس لئے یہ ان کے خلاف حجت سے دراصل ابن عباس سے تو یہی مروی ہے کہ یہ آزاد تھا۔ اور حضرت عائشہؓ سے دو طرق سے اس کی روایت ہے ایک اسود سے۔ دوسری عروۃ القاسم سے۔ اسود کی روایت اس کے آزاد ہونے کو ثابت کرتی ہے اور عروہ سے بھی دو روایات ہیں ایک اس کا آزاد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ دوسری سے اس میں شک کا شبہ پڑتا ہے۔ لہذا ان حالات میں اس کی آزادی کا وثوق ہوا اور یہ حنفیہ سا شک جو عروہ کی ایک روایت ظاہر کرتی ہے وہ کالعدم ہے :

بَابُ طَلَاَقِ الْاِمَةِ

ابو حنیفہ عن عطیۃ عن ابن عمرؓ

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلاق الامۃ اثنتان وعدۃنھا حیضتان :

باب۔ لونڈی کی طلاق کا بیان !

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاق دو ہیں۔ اور اس کی عدت دو حیض ہیں :

تشریح :- یہ حدیث دو امور میں شافیہ و مالکیہ کے خلاف حنفیہ کے لئے حجت ہے اور اول یہ کہ تعدد طلاق کا وار و مدار عورتوں پر ہے یا مردوں پر۔ دوسرے یہ کہ عدت حیض سے ہے یا طہر سے حنفیہ ہر دو امور میں پہلی صورت کے قائل ہیں۔ اور شافیہ و مالکیہ دوسری صورت کے۔ یعنی امر طلاق میں اگر شوہر غلام ہو اور عورت آزاد تو حنفیہ کے نزدیک وہ عورت تین طلاقوں میں اس پر حرام ہوگی۔ اور شافیہ کے نزدیک دو ہی ہیں۔ اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو اور عورت لونڈی تو اس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک دو ہی طلاقوں میں وہ عورت شوہر پر حرام ہو جائے گی۔ اور شافیہ و مالکیہ کے نزدیک تین ہیں۔ امر طلاق میں شافیہ کی حجت یہ ہے جس کے الفاظ ہیں الطلاق بالرجال والعدۃ بالنساء کہ طلاق مردوں کے لحاظ سے ہے اور عدت عورتوں کے لحاظ سے۔ احناف کی قوی دلیل یہی مرفوع حدیث ہے۔ جو صاف ہے کہ طلاق تعدد میں عورتوں پر مدار رکھتی ہے نہ مردوں پر اب ذرا ہر دو فرق کا استدلال دیکھئے ان کی حدیث کسی صحیح یا حسن طریق و سند سے مرفوع مروی نہیں بلکہ موقوف ہے۔ حافظ ابوالفرج ابن جوزی کے قول کے مطابق یہ ابن عباس پر موقوف ہے بعض کے نزدیک یہ زید بن ثابت کا قول ہے حنفیہ کے پاس حدیث ذیل مرفوع موجود ہے۔ جس کو ابو داؤد۔ ترمذی واری ابن ماجہ ابن جریر سج کے طریق سے لائے ہیں اور مظاہر ابن اسلم سے روایت کرتے ہیں وہ قاسم سے وہ عائشہ سے۔ لہذا محض صحابی کے طریق سے قول کے مقابلہ میں حدیث صحیح مرفوع ہی قابل ترجیح ہے۔ اگر کہیں احناف کے پاس قول صحابی ہوتا۔ اور ان کے پاس مرفوع حدیث تو اس قدر زور باندھتے کہ مخالفین بے حقیقت نظر آتا۔ مگر خیر ان کو ایک ترکیب کامیابی کی اور یہ ہے اور فتیابی کا ایک اور حربہ یہ کہ یہ سب سے ہیں۔ کہ اگر کسی کے پاس مرفوع حدیث ہو تو اس کے کسی راوی کو جرح و قدح کا نشانہ نہ بنائے اور یوں مخالف کو اپنے سامنے بے حقیقت کیجئے۔ یہ خا پنچہ پہلا بھی مظاہر پر ہم مشرب لپٹا پڑے۔ جو دوا ہو نہ کیا

کہ یہ حدیث مجہول سے ترمذی ایک طرف سے بولے کہ علم میں مظاہر سے یہ ہی حدیث معروف ہے ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابی عاصم النبیل یحییٰ بن معین۔ ابی حاتم الرازی اور بخاری نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔ مگر سائنس دانوں نے کہا کہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے جواب میں اخاف کہتے ہیں کہ ابن حبان کی توثیق تو خود ذہبی سے نقل کی ہے اور حاکم ابن عباس سے یہ حدیث لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے۔ مگر شیعین نہیں لائے۔ پھر حدیث عائشہ نقل کر کے کہتے ہیں کہ مظاہر ابن اسلم بصرہ کے ایک شیخ ہیں۔ ہمارے پیش رو مشائخ میں سے کسی نے ان پر جرح نہیں کی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی نے مظاہر کو وضاع کذاب نہیں کہا۔ نہ حفظ و ضبط یا ان کی عدالت میں کوئی تعرض کیا۔ جہالت کا سوال جو ابوداؤد نے اٹھایا ہے۔ اور جس کی طرف کلام ترمذی بھی مشیر ہے تو یہ سوال یوں دور ہوتا ہے کہ جہالت راوی یہ ہے کہ ایک سے زائد اس سے کوئی روایت کرنے والا نہ ہو۔ یہاں ایسا نہیں۔ مظاہر سے ابن جزیر۔ ثوری ابو عاصم نے روایت کی ہیں۔ ابن عدی اس کے واسطے سے ابی ہریرہ سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت ہر شب آل عمران کی آخری دو آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ثواب جہالت کب رہی۔ اور یوں بلا وجہ مذہب کو کمزور دکھانے کے لئے مبہم جرح سمجھا نہیں ہے۔ پھر بعض صورت میں شافعیہ کا مذہب بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن ابان نے خود امام شافعی کو ایک لطیف پیرایہ میں ایسا قائل کیا کہ ان سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ عیسیٰ نے ان سے پوچھا کہ اگر شوہر آزاد ہو اور اس کی عورت لونڈی مدخول بہا اور شوہر طلاق سنت دینی چاہے تو کیا کرے۔ امام موصوف نے فرمایا کہ طہر میں طلاق دے پھر حیض سے پاک ہو کر دوسرے طہر میں اور کہنا ہی چاہتے تھے کہ حیض سے پاک ہو کر پھر تیسرے طہر میں کہ عیسیٰ نے کہا کہ بس حضرت رک جیئے اب طلاق کیسی کہ عدت تو ختم ہوئی۔ کیونکہ عدت تو ان کے نزدیک بھی عورت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ امام محمد یہاں آیت قرآنی سے ایک لطیف استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں نطلقوہن لعدتھن ہے کہ ان کو طلاق دو ان کی عدت کے لئے گویا طلاق عدت کی دوسے دو۔ مثلاً اگر شوہر غلام ہے اور اس کی بوی آزاد تو لمحات اجماع اس کی عدت تین قمر سے ہے تو اس کی دوسے طلاقیں بھی تین ہوں یا مثلاً شوہر آزاد ہے اور اس کی زوجہ باندی تو اس کی عدت تین قمر ہیں تو لا محالہ اس کی طلاق بھی لمحات عدت وہی ہونگی۔ یہ ساری بحث مسئلہ طلاق پر تھی۔ اب کا مسئلہ تو اس میں شافعیہ و مالکیہ حضرت عائشہ۔ زید بن ثابت اور ابن عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ مگر وہ حقیقت بعد تحقیق ان کے پاس حضرت عائشہ کا ہی قول رہ جاتا ہے۔ کیونکہ زید بن ثابت اور ابن عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ مگر وہ حقیقت نزدیک اس کے خلاف روایت ثابت ہے۔ اور اخاف کہ بطرف خلفائے اربعہ۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل، ابی الدردوار۔ عبادہ بن صامت۔ ابی موسیٰ اشعری وغیرہ ہیں۔ پھر طاؤس۔ عطا۔ ابن السیب۔ سعید بن جبیر۔ مجاہد۔ حسن بصری۔ ثوری۔ اوذاعی وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام احمد نے بھی اسی طرف رجوع کر لیا۔ مذہب اخاف پر قرآن و حدیث شاہد ہیں اور عقل روایت

بھی۔ قرآن میں اس طرح کہ فرمایا واللّٰہ یسن من الحیض کہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں۔ اس سے من اشارہ فرمایا کہ قرو سے مراد حیض ہے۔ پھر عدت کے لئے ثلاثہ قرو کا لفظ استعمال فرمایا جو جامع کی شکل میں یعنی کم از کم تین طہر اور جمع کی یہ صورت ممکن نہیں جبکہ طلاق طہر میں دی جائے۔ جبکہ وہ سنت ہے کیونکہ باقی کے دو طہروں میں عدت ختم ہو گئی تو پہلا طہر تو ناقص ہی رہا پورا طہر کب شمار ہوا۔ اور حقیقت میں دو طہر مکمل شمار میں آئے۔ اور قرو سے حیض مراد لینے کی صورت میں یہ خلش نہیں کہ اس صورت میں مکمل تین حیض ہو سکتے ہیں۔ احادیث میں یہ ہی حدیث قوی حجت ہے۔ عقل و وراثت سے یوں کہ برات رحم کا پتہ درحقیقت حیض ہی سے تو چلتا ہے نہ طہر سے تو عدت اسی سے قرار پانا قرین قیاس ہے۔

بَابُ النِّفْقَةِ وَالسَّكَنِ

لِلْمَدْبُوتَةِ

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
عن الاسود قال قال عمر بن الخطاب لا نکاح
کتاب ربنا وسنة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم
بقول امرأ لا نداری صدقاً أم کذبت
المطلقة ثلاثاً لہا السکنی والنفقة

باب ۱۲۱۔ طلاق مبتوتہ میں عورت

کیلئے مکان اور نفقہ ہے!

حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے کہ ہم نہیں جانتے کہ بیچ کہتی ہے۔ یا جمعوں تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے جائے رہائش بھی ہے اور نفقہ بھی ہے

تشریح :- عورت سے مراد فاطمہ بنت قیس بن خالد الفہری ہے جو صمناک کی بہن ہیں اور مہاجرہ بنت یس سے ہیں۔ حدیث میں یہ بحث ہے کہ تین طلاقیں دی ہوئی عورت کے لئے جائے سکونت اور نفقہ ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ سکنی اور نفقہ دونوں اس کے لئے مانتے ہیں۔ امام احمد اس کے لئے نہ سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ امام شافعی و مالک اس کے لئے سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ مذہب حنبلیہ کی دلیل حدیث فاطمہ ہے جو کتب صحاح میں نقل ہے اور جس کی رو سے مطلقہ ثلاثہ کے لئے نہ سکنی ہے نہ نفقہ۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ مجھ کو میرے خاوند نے طلاق دی۔ تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے میرے لئے سکنی اور نفقہ ہر دو بخوریز نہیں فرمائے۔ شافعیہ و مالکیہ اس کے لئے سکنی ہو تو اس آیت قرآنی کے ماتحت مانتے ہیں کہ فرمایا اسکوھن من حیث سکنتم کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور حدیث فاطمہ مذکورہ کے پیش نظر اس کے لئے نفقہ کے قائل نہیں ہیں۔ مذہب حنبلیہ کے ثبوت پر اول قرآن کی صریح آیات ولالت کرہی ہیں کہ دوبارہ سکنی فرمایا ولا تخر جوھن من بیوھن کہ ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ یا ارشاد ہوا اسکوھن من حیث سکنتم کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور بسلسلہ نفقہ ارشاد ہوا وللمطلقات مناع بالمعروف کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ دینا ہے اچھی طرح۔ یا فرمایا

لیفق ذو سعة من سعته کہ کثائش والے کو چاہئے کہ اپنی کثائش سے خرچ کرے۔ یا کہا وعلی المولود لہ
 رزقہن دکو تخن اور اس پر جس کا لڑکا ہے ان کا کھانا اور کپڑا ہے۔ روایت کے میدان میں مذہب
 حنفیہ کی قوی دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث ذیل ہے۔ جو دیگر کتب صحاح بھی میں مذکور ہے اور جس
 میں آپؐ سخت پیرایہ میں حدیث فاطمہؓ کی تردید کرتے ہیں۔ کہ ایک وہ عورت جس کی سچائی اور جھوٹ
 کا کچھ علم نہیں سم اس کے قول سے فرمان خداوندی اور سنت نبویؐ کو کس طرح چھوڑ دین حقیقت میں
 حضرت عمرؓ کی شانِ عظمت و جابریت علمی کو دیکھ کر حدیث فاطمہؓ کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے یہی حدیث
 مکرانی ہے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ رفع حدیث کے مترادف ہیں کہ گویا وہ اس حدیث کی مرفوع روایت کرتے ہیں
 کیونکہ اہل حدیث میں یہ سلسلہ ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے نبی کی سنت ہے۔ اس حدیث کا عین رفع
 ہے۔ پھر ان سے ابراہیمؓ کے واسطے سے یہ مرفوع بھی ثابت ہے طحاوی اور دارقطنی سے یہ زیادتی بھی ثابت
 ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے سنا کہ مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی اور نفقہ ہے۔ اسی طرح ابن
 مسعودؓ۔ اسامہؓ اور عائشہؓ سے بھی حدیث فاطمہؓ کی تردید ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ سے خود مسلمؓ میں نہایت
 صاف الفاظ میں مروی ہے کہ آپؐ فرمایا کہ فاطمہؓ کی تردید ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ ایسے الفاظ نقل کرتی
 ہے۔ بخاری میں یوں ہے کہ آپؐ فرماتی ہیں کہ فاطمہؓ خدا سے نہیں ڈرتی کہ ایسی بات کہتی ہے۔ سعید بن مسیب
 کہتے ہیں کہ اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا۔ یہ وہ تابعی ہیں جو عائشہؓ کے معاصر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ
 انہوں نے اس کے خلاف صحابہ کا اتفاق پایا۔ مسلمؓ میں ہے کہ مروان نے کہا کہ ہم اس عورت کے کہنے سے
 اس قوی قوا کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ پس یہ اجماع صحابہ ہے۔ دوسری روایت
 بھی اس سے ملتی ہے۔ مطلقہ کے لئے سکنی و نفقہ ہے طبرانی میں ابراہیمؓ کے واسطے سے ابن مسعودؓ سے روایت
 ہے کہ ہر دو اصحاب نے مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی و نفقہ تسلیم کیا۔ دارقطنی میں حضرت جابرؓ سے ایسی ہی روایت
 ہے۔ مسلمؓ والو داؤد میں حجة الوداع کے سلسلہ میں حضرت جابرؓ سے طویل حدیث ہے۔ جس میں ہے وان لہن
 علیکم نفقہن دکو تخن کہ ان کے لئے تم پر نفقہ اور کپڑا ہے۔ تو گویا حدیث فاطمہؓ سے اور روایات صحیحہ
 بھی متعارض ہوئیں۔

حدیث فاطمہؓ میں اضطراب بھی ہے۔ جو اس کو کمزور بناتا ہے کیونکہ اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے
 کی نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے شوہر نے اس کو غائبانہ طلاق دی تھی۔ بعض کے نزدیک وہ طلاق ہے
 کہ سفر کو گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ وہ خود آنحضرتؐ سے پوچھا گئی تھی۔ دوسرا قول ہے کہ چند لوگ گئے تھے
 ایک خیال ہے کہ اس کا شوہر ابو عمر بن حفص تھا۔ دوسرا خیال ہے کہ اس کا خاوند ابو حفص بن میسرہ تھا۔
 علاوہ ازیں اگر محوڑی دیکھ کے لئے اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کا یہ حکم کسی خاص عذر کی
 بنا پر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زبانِ دراز تھی۔ اس لئے اس کو جائزے رہائش سے محروم کیا گیا کیونکہ اس
 کا یہ غیب شارع کے نزدیک اس کے نکالنے سے زیادہ سخت تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی بے تعلقی کی
 وجہ سے ایسا کیا گیا۔ نفقہ کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا شوہر غائب تھا۔ اس نے شوہر کے متعلقین سے

نفقہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم پر تیرا کوئی نفقہ نہیں۔ یہی فیصلہ آنحضرتؐ نے بیان فرمایا کہ چونکہ اس کے شوہر نے کوئی مال نہیں چھوڑا اس لئے اس کا نفقہ دسکنی اس کے شوہر کے متعلقین پر واجب نہیں۔ فاطمہ نے اس خصوصی حال پر غور نہیں کیا اور اس لئے اس کا نفقہ دسکنی اس کے شوہر کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ کو نفقہ دسکنی نہیں دلایا۔ لوگ اسی مطلقہ انکار پر چلی پڑے۔ لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ حدیث فاطمہ بغير ان تاویلات کے قابل قبول نہیں۔ قرآن کی ترمیم کر رہا ہے۔ کبار صحابہ اس کو ایسے ثابت کر رہے ہیں۔ روایات صحیحہ اس کے معارض میں ہیں۔ اضطراب اس میں موجود ہے۔ اب خود ہی سمجھ لیجئے کہ ان مذاہب کی کیا حیثیت ہوگی۔ جو اپنے مذہب کی بنانا طمہ کی حدیث پر رکھتے ہیں۔

باب ۱۲۲ عداۃ المتوفی عنہا

باب ۱۲۳ اس عورت کی عدت

زوجہا!

کا بیان جس کا خاوند فوت ہو

گیا ہو!

اسود سے روایت ہے کہ سبیۃ سلمیہ عمارت کی بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا اور وہ حاملہ تھی۔ پس پچیس گز نے پرزہ چلی ہوئی اتفاق سے ابوالسنا بل بن بعلک اس کے پاس آیا اور اس کو دیکھ کر کہا کیا تو نے بن سحر کے نکاح کا ارادہ کیا ہے ہرگز نہیں قسم اللہ کی تیری عدت لمبی مدت سے ہے یعنی اگر حاملہ کا خاوند مرد ہو اور چار مہینے دس دن سے پہلے وضع حمل ہو تو اس کی عدت چار مہینے دس دن سے ہوگی۔ اور اگر یہ مدت گزر جائے تو اور وضع حمل نہ ہو تو عدت وضع حمل سے ہوگی۔ سبیۃ یسن کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ اس نے غلط کہا جب وہ آئے تو مجھ کو خبر کرنا کہ اس کو صحیح بات کی فحاشی کون

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن الاسود ان سبیۃ بنت الحارث الا سلمیۃ مات عنها زوجها وھی حامل فمکثت خمساً وعشرین لیلة ثم وضعت فمر بها ابوالسنا بل بن بعلک فقال تشونت تریدین الباءة کلا والله انه لا بعد الاجلین۔

فانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فذا عکرت ذلك لایفقال کذاب

اذا حضر فاذا ضلی

تشریح :- اس مسئلہ میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔ کہ جس حاملہ عورت کا خاوند مرد ہو اس کی عدت وضع حمل سے ہے۔ اس میں خلاف صرف حضرت علیؑ سے ایک منقطع طریق سے مروی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے صحیح طریق سے لیکن آپؓ اپنے خیال سے جو فرمایا ہے جیسا کہ عہد الہیہ پر صلحت کی ہے۔ البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ عورت نفاس ختم ہونے سے پہلے نکاح کر سکتی ہے

یا نہیں۔ مسلم و نسائی کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مجبور علمائے پہلی شق کے قائل ہیں۔ القبتہ ثوبہ کو چاہئے کہ خون نفاس کے رکنے سے پہلے قربت نہ کرے۔

باب ۱۴۳۔ سورۃ بقرہ میں وفات کی

باب نسخ عدۃ الوفاۃ

فی البقرۃ

الو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم
عن علقمۃ عن عبد اللہ قال من شاء باہلئہ
ان سورۃ النساء الفقی مے نزلت بعد العلو
و فی روایۃ عن عبد اللہ بن مسعود
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
نسخت سورۃ النساء الفقی مے کل عدا
اولات اجمال اجلھن ان یضعن
حملھن

مذکورہ مدت عدت منسوخ ہے

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ جو چاہے میں اس
مباہلہ کرتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ نساء (سورۃ طلاق)
بسی سورت (سورۃ بقرہ) کے بعد اترتی ہے۔
ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود
سے یوں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ چھوٹی سورۃ نساء نے حاملہ کی سب کھڑتوں
کو منسوخ کر دیا۔ (یعنی) حمل والیوں کی عدت یہ ہے
کہ وہ بچہ جنیں۔

تشریح :- مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے۔ والذین یتوفون منکم
دین ردن الادا جاتلین بانفسھن اور بختا شھد عشر ا کہ تم میں جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو
(بیویاں) انتظار کریں اپنے نفسوں کے ساتھ چار ماہ دس دن تک۔ اس آیت کے عموم کے تحت ہر
اس عورت کی عدت چار ماہ دس دن کی قرار پاتی ہے۔ جس کا خاوند فوت ہو جائے خواہ وہ حاملہ ہو
یا غیر حاملہ۔ پھر سورۃ طلاق میں یوں وارد ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن کہ حمل والیوں
کی مدت (عدت) یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کو جن لیں۔ تو اس آیت کی رو سے عدت حاملہ کی خواہ اس کا
خاوند مر گیا ہو وضع حمل سے ثابت ہوتی ہے۔ چاہے کم سے کم مدت میں وضع حمل ہوا ہو۔ لہذا حضرت
علی سے ہر دو آیات کو جمع کرنے کے لئے احتیاط کی صورت مروی ہے۔ یعنی العدا اجلین پر عمل کرنا چاہیے
کہ اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہو تو وضع حمل سے عدت ختم ہوگی۔ اور اگر پہلے تو چار ماہ دس
دن کے بعد۔ شافعیہ بھی اس میں گڑبڑائے ہیں کہ آیت بقرہ کو حدیث سبعیہ سے مخصوص مانیں یا منسوخ
مگر احناف کے نزدیک سبعیہ کی حدیث سے یہ آیت بقرہ نہ مخصوص ہو سکتی ہے نہ منسوخ۔ کیونکہ خبر واحد
آیت کی مخصوص نہیں نہ اس کی ناسخ القبتہ سورۃ طلاق کی آیت ادلات الاحمال سے آیت بقرہ کا منسوخ
ہے۔ کیونکہ حدیث ذیل عبداللہ بن مسعود اس پر صراحتہً وال ہے اور ثابت کرتی ہے کہ سورۃ طلاق کی آیت
آیت نزول میں متاخر ہے تو اس کی ناسخ ہونی گویا تاریخ کا پتہ خبر واحد سے چلتا ہے مگر آیت بقرہ کا
نسخ آیت طلاق سے ہے۔ نہ خبر واحد سے۔ معجم طبرانی میں حضرت ابی سے روایت ہے کہ انہوں

نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ "اولات الاحمال" کی آیت تین طلاقوں والی عورت کے لئے ہے۔ یا اس کے لئے جس کا شوہر مر چکا ہو آپ نے فرمایا کہ ہر دو کے لئے۔ علامہ یہ کہ حاملہ کی عدت آیت طلاق سے وضع حمل متعین ہو گئی۔ چاہے شوہر کی وفات کے ایک ساعیت بعد ہی وضع حمل ہوا ہو۔ مؤطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل ہے کہ اگر حاملہ عورت نے بچہ ایسے وقت جنا کہ اس کے شوہر کی لاش ابھی تختہ پر ہے۔ وہ فن نہیں ہوئی۔ تب بھی اس کی عدت ختم ہو گئی۔

بَابُ فِي الْمَرْأَةِ تَوَفِي عَنْهَا
زَوْجَهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَقَةً
وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا

باب۔ وہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہو نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو۔ اور نہ اس کے شوہر نے اس کے

ساتھ خلوت صحیحہ کی ہو!

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اس عورت کے لئے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور نہ اس کا مہر مقرر ہوا۔ نہ اس کے ساتھ اس کے خاوند نے خلوت صحیحہ کی ہو۔ مہر مثل ہے اور اس کیلئے میراث ہے اور اس پر عدت وفات بھی واجب ہے۔ اس پر معتقل بن سنان اشجعی لے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروح بیٹی و اشقی کے بارہ میں تمہارے فیصلہ کے مانند فیصلہ صادر فرمایا۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهيم
عن علقمة عن عبد الله بن مسعود عن
المرأة توفى عنها زوجها ولم يفرض
لها صداقاً ولم يكن دخل بها صداقة
نسائها ولها الميراث وعليها العدة فقال
معتل بن سنان الاشجعي اشهد ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم قضى في بروح بنت
واشقي مثل ما قضيت به

تشریح :- حضرت علی کا اس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے کہ وہ ایسی عورت کے لئے مہر نہیں مانتے۔ کیونکہ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ مگر ان کا یہ مذہب بروایت صحیحہ منقول نہیں۔ ادھر عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث صحیح طریق سے مروی ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ پھر معتقل حضرت عبداللہ کی رائے پر حدیث مرفوعہ سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اشجعی کے گہرے سے لوگ بھی یہی شہادت دیتے ہیں۔ جن میں جراح اور ابوسنان بھی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت سے جو بطریق قنادہ مروی ہے صاف ظاہر ہے۔ لہذا حضرت عبداللہؓ کی رائے بلا شک و شبہ درجہ ثبوت کو پہنچی۔ بلکہ ابوداؤد۔ ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے جب یہ شہادت سنی تو بہت ہی خوش ہوئے۔ کہ آپ کی رائے آنحضرتؐ کے فیصلہ سے مل گئی تو آپ اس کی

صحت میں کوئی شبہ ہی باقی نہ رہا۔ امام شافعیؒ سے اس بارہ میں دو روایات نقل ہیں۔ ایک حضرت علیؓ کی موافقت میں۔ دوسری حضرت عبداللہؓ کی پیروی میں۔ بلکہ یوں منقول ہے کہ مصر میں امام شافعیؒ نے حدیث عبداللہؓ بن مسعودؓ کی موافقت میں اپنی رائے ظاہر کی:

بَابُ فِي الْاِيْلَاءِ بِالْكَلَامِ بَابُ ۱۲۵۔ اِيْلَاءُ بِالْكَلَامِ كَابِيَانِ !

حماد عن ابی حنیفۃ من حماد
عن ابراهیم عن علقمۃ قال
في المولی فیئہ الجماع الا ان
یکون له عذر ففیئہ
باللسان :

علقمہ سے روایت ہے کہ مولیٰ دایلا کرنے والے، کار جوع جماع کرنا ہے مگر یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو جو اس کو جماع سے باز رکھے۔ مثلاً یہ کہ مرد یا عورت کو بیماری لاحق ہو۔ عورت کا مقام مرد کو معلوم نہ ہو۔ ان کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہو۔ مرد غنیم یا مقطوع الذکر ہو یا عورت کسی اور جسمانی نقص سے ناقابل جماع ہو وغیرہ وغیرہ) تو ایسی صورت ہیں اس کار جوع زبان سے ہے :

تشریح :- ایللاء کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی کے پاس چار ماہ یا اس سے زائد نہیں جاؤں گا۔ تو یہ مولیٰ ہوا۔ اور اس کا یہ فعل ایللاء۔ اس کے بارہ میں قرآن کی یہ آیت وارد ہے۔
لَّذِینَ یُولُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ الْاِیْلَاءَ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے اس مدت میں وطی کر لی تو یہ جانتا ہوا اور اس پر کفارہ پکین واجب ہوا۔ اور ایللاء جاتا رہا۔ اگر مدت مہینہ میں وہ بیوی کے پاس نہیں گیا۔ یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو اب اس صورت میں شافعیہ۔ مالکیہ حنبلہ اور حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ مذکور الصلہ مذاہب کی رو سے مدت گزر جانے پر اس کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور مجبور کیا جائے گا یا وہ طلاق دے یا رجوع کرے۔ گو یا مدت گزر جانے پر بھی مولیٰ کو ان کے نزدیک رجوع کا حق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مدت گزر جانے پر خود بخود ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ اور پھر اس کو رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ مدت کے دوران میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ نہ بعد میں مجبور صحابہ کا یہی مسلک ہے جو حنفیہ کا ہے۔ جن میں سے عمر۔ عثمان۔ علی۔ ابن عمر۔ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ زید بن ثابت وغیرہ حضرات ہیں۔ اکابر تابعین مثلاً۔ عطاء۔ عکرمہ۔ سعید بن مسیب۔ ابی بکر بن عبد الرحمن کھول۔ ابن۔ الحنفیہ۔ شعبی۔ یحییٰ۔ مسروق۔ وغیرہ بزرگ بھی احناف کے سامنے متفق ہیں۔ یہ بات بجا رہے اصل ہے کہ مجبور صحابہ حنفیہ کے خلاف ہیں۔ بلکہ صحیح تر روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ عبدالرزاق مصنف میں روایت لائے ہیں کہ عثمان و زید بن ثابت ایللاء میں کہا کرتے تھے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو ایک طلاق ہے اور عورت اپنے نفس کی زیادہ مٹا رہے ہیں وہ مطلقہ کی

سی عدت گزارے۔ پھر قتادہ کے واسطے حضرت علی و ابن مسعود و ابن عباس سے روایت لائے ہیں کہ مدت گذر جانے پر ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ ان روایات کے رجال شیخین کے رجال ہیں۔ بیان کی شرط پر۔ اسی طرح قرآن کی ایک آیت بھی اپنا الفاظ سے مذہب حنفیہ کی تائید کرتی ہے۔ جس کو علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں بہت وضاحت اور صراحت سے بیان کیا ہے!

بَابُ الْخَلْعِ ۱۲۹

ابو حنیفہ عن ابیہ عن ایوب

السختیانی ان امرأۃ ثابت بن قیس
اُتت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فَقَالَتْ لَا اَنَا وَلَا ثَابِتٌ
فَقَالَ اتَّخِلَعِیْنِ مَذَہِیْ
فَقَالَتْ نَعَمْ وَازِیدُ قَالَ اِمَّا
الزَّیَادَةُ فَلَا

۲۹۹

بَابُ ۱۲۹۔ خلع کا بیان!

حضرت ایوب سختیانی سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ نہ میں ثابت کے پاس رہ سکتی ہوں۔ نہ ثابت میرا معتقد زندگی گزار سکتے ہیں۔ گویا ناہ شکل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو خلع چاہتی ہے ثابت کو اس کا باغیچہ والی دے دو۔ اس نے کہا ہاں اور زائد دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں زائد نہیں

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلع میں مہر سے زیادتی نہیں۔ احناف اسی کے قائل ہیں۔ عطا سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرو خلع کی خواست نکاح عورت سے اس مہر سے زیادہ نہ لے۔ جو وہ دے چکا ہے۔ عبدالرزاق حضرت علی سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ لَا تَأْخُذْ مِنْهُ فَوْقَ مَا أُعْطِيَہَا کہ تو اپنے دیئے ہوئے مہر سے زیادہ عورت سے نہ لے۔ طاؤس سے بھی ایسی روایت منقول ہے

کِتَابُ النِّفَاقَاتِ ۱۳۰

ابو حنیفہ عن حماد عن سعید

بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بات احدکم
مغموماً مغموماً من سبب العیال
کان افضل عند اللہ تعالیٰ من الف
ضربة بالسيف فی سبیل اللہ

۳۰۰

کِتَابُ ۱۳۰۔ خراج اجناس کا بیان!

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات گزارے اہل و عیال کے سبب غمزدہ اور رنجیدہ رہ کر تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ کے راستہ میں تلوار کی ہزار ضربوں سے افضل ہے

تشریح :- اس بارے میں اور بھی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ مسلمان کا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا باعث ثواب و اجر ہے۔ بخاری میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے اہل پر کچھ صرف کرے اور محض خدا کی خوشنودی

مد نظر ہو تو یہ خرچ اس کے حق میں صدقہ شمار ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تو جو بھی خرچ کرے اور اس میں محض اللہ کی خوشنودی مد نظر ہو تو وہ تیرے لئے باعث ثواب ہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے۔ متصل روایت بھی اسی مضمون کو ظاہر کرتی ہے:

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابیہ عن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک لن تنفق نفقة تزدیکھا وجہ اللہ الا اخرجت علیھا حتی اللقمة ترفعھا الی فی امرأتک :

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نہیں خرچ کرے گا۔ کوئی خرچ بھی جس سے تو اللہ تعالیٰ رضا مندی و خوشنودی کا خواستگار ہو مگر کہ تجھ کو اس پر اجر و پاجا ملے گا۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تو اپنی عورت کے منہ میں دیتا ہے:

تشریح :- یہ اللہ رب العزت کی بندہ پروری ہے۔ کہ جو امور ہمارے حظ نفس سکے ہیں۔ نیت کی درستگی سے ان میں ثواب و اجر ہے۔ مثلاً بال بچوں کی پرورش اور ان کی خاطر کسب معاش میں تکلیف برداشت کرنا ہمارے فطری جذبات کے تحت ہے اور اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر اجر دیتا ہے۔ ذرا سی نیت درست کر لینے سے دنیا و آخرت کی راحتیں حاصل کر لیتا ہے۔ اس میں اللہ کی مہربانی اور رحمت ہے جو وہ اپنے نیک بندوں پر کرتا ہے:

کتاب التذکیر

باب بیع المدبر

مدبر کرنے کا بیان !
باب ۱۲۸۔ مدبر کی بیع کا بیان !

ابو حنیفہ عن عطاء عن جابر بن عبد اللہ ان عبداً کان لابراہیم بن نعیم النخاع مدبراً لثغر احتاج الی ثمنہ فباعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بثمان مائۃ درہم :

و فی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم باع المدبر :

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ابراہیم بن نعیم النخاع کا ایک غلام تھا جس کو انہوں نے مدبر کر دیا۔ پھر اس کی قیمت کی ان کو ضرورت ہوئی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم میں اسے فروخت کر دیا:

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مدبر غلام کو فروخت کر دیا:

تشریح :- مدبر وہ غلام ہے جس کا آقا اے کہہ دے گا اگر میں مر جاؤں تو تو آنا دے۔ اس حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ محتاج بیان ہے۔ جس کے اختلاف یہ ہے کہ مدبر غلام کو فروخت کرنا جائز

ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے ان کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے۔ جو صحیحین میں ان الفاظ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام کو مدبر کیا اور اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور مال نہ تھا اس کی خبر آنحضرت کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کون مجھ سے خریدتا ہے۔ نعیم بن عبداللہ نے اٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ اور آپ نے اس کی قیمت نعیم کو دے دی۔ لسانی میں یوں ہے کہ وہ شخص قرض وار تھا۔ اور محتاج آپ نے اس غلام کو بیچا اور فرمایا کہ اس کی رقم سے قرض چھوڑا دے۔ پھر یہ حدیث ذیل بھی بظاہر اسی خیال کی تائید کرتی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں۔ ان کی حجت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے جو دارقطنی ان الفاظ سے لائے ہیں المدبر لا یباع ولا یوهب وهو حر من ثلث المال۔

کہ مدبر غلام نہ بیچا جائے نہ ہب کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے۔ اس کی رفع کی صحت میں بعض کلام کرتے ہیں۔ بہر حال موقوف تو بلا شک صحیح ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کو موقوف صحیح مانا ہے۔ تو گویا یہ قول صحابی ہوا اور صحابی کا قول ایسے امر میں جس میں قیاس کو کوئی دخل نہ ہو۔ مرفوع کے مرتبہ میں مانا گیا ہے۔ لہذا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا۔ رہا حدیث جابر کا معاملہ تو وہ اس حدیث موقوف سے نہیں ٹکراتی۔ کیونکہ حضرت جابر کی حدیث ایک خاص واقعہ بیان کرتی ہے۔ جو حدیث ابن عمرؓ کے عموم کی قاطع منہی ہے۔ ہاں تعارض اس وقت ہوتا جب ان الفاظ کی کوئی اور حدیث نہ ہوتی۔ بیاع المدبر کہ مدبر غلام بیچا جائے۔ پھر وہ حدیث جو حضرت ابی جعفر سے دارقطنی اور بیہقی لائے ہیں۔ دارقطنی عبداللہ بن ابی سلیمان کے واسطے سے۔ اور بیہقی حکم کے واسطے سے حدیث جابر کی اس فعلی حدیث کی ترجمان ہے۔ اور اس تعارض ظاہری کو رفع کر دیتی ہے۔ کہ اس میں یوں ہے۔ لا باس ببيع خدامہ تلمذہ مدبر کہ مدبر غلام کی خدمت کے نیچے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن قحطان نے اس کو دمسلا اور ار سالہ و طریقی سے صحیح بتایا ہے گویا اس حدیث کی روشنی میں حدیث جابر کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ بیع خدمت مدبر کی تھی جو جائز ہے۔ نہ مدبر کی بیع۔ مدبر بدستور معہود آقا کے مرنے پر آزاد ہو گا۔

باب ۱۲۹۔ ولا کا بیان !

باب ۱۲۹ الولاء !

اسود سے روایت سے کہ عائشہؓ نے بریرہؓ کو خرید کر آزاد کرنا چاہا۔ تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم نہیں بیچیں گے۔ مگر اس شرط پر کہ اس کا حق ولا ہم کو ملے۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ولا کا حق اس کا ہے جو اس کو آزاد کرے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ انھا اراک ان تشتري بريرة لتعتقها فقالت موالیها لا یبیعها الا ان نشترط الولاء لنا فذاکرت ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الولاء لمن اعتقہ

تشریح :- آزاد شدہ غلام کے مرنے پر اگر اس کے ذمی الفروض و مصبات میں سے کوئی نہ ہو

تو حق وارث آزاد کرنے والے آقا کو ملے گا۔ اور اسی حق والا کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ شریعت نے آزاد کرنے والے کو بھی عصبہ مانا ہے۔ مگر نبی عصبہ سے درجہ میں کمتر ہوگا۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ

بَابُ ۱۵۱۔ وَلَا كُونِيْچُنْے اور مہربانے کی

الْوَلَاءِ وَهَيْتِهٖ !

ممانعت کا بیان !

ابو حنیفہ عن عطاء بن یسار عن

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و لاکہ بیع و ہبہ سے منع فرمایا

ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن بیع الولاء

وہیتہ

تشریح :- یہ حکم سابق کے تحت کہ جب آزاد کرنے والے کے لئے متعین ہو گیا۔ تو اسکی بیع یا اسکا ہبہ کس طرح جائز ہو اور یہ اپنے حق کو کیونکر منتقل کرے نہ وہ بدلہ لے کر ایسا کر سکتا ہے۔ نہ مفت۔ اس پر سلف و خلف سب کا اتفاق ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا کہ جہنوں نے کہا اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے ان کو غالباً یہ ممانعت کی حدیث نہیں پہنچی۔

کتاب الايمان

قسموں کا بیان !

بَابُ النَّهْيِ عَنْ يَمِيْنِ الْفَاجِرَةِ

بَابُ ۱۵۲۔ جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت

ابو حنیفہ عن نافع بن عبد اللہ

حضرت ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بغاوت سے زیادہ جلدتر عذاب کی مستحق بنادے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعار یوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو صلہ رحمی سے تیزتر لائق ثواب و اجر ٹھیرا دے۔ اور جھوٹی قسم شہروں کو فنا کر دیتی ہے۔

وَيَقَالُ ابْنُ عَبَّادٍ يَحْيَى بْنُ يَعْلَى وَاسْمُ بَنِي السَّلَاحِ بْنِ السَّلَاحِ وَالْبُوعْبُودِ اللَّهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ نَعِيلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَعْصِي اللَّهَ تَعَالَى بِشَيْءٍ هُوَ أَجَلُ عِقَابًا مِنَ الْبَغْيِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَطْيَعُ اللَّهَ تَعَالَى بِهِ أَسَى عَثْوًا مِنَ الصَّلَةِ وَالْيَمِيْنِ الْفَاجِرَةِ فَتَدَاعَى الدِّيَارُ بِلَا قَعْمٍ

وہی روایت ہے کہ کوئی چیز صلہ رحمی سے جلدتر ثواب کا حق دار نہیں کرتی۔ اور کوئی چیز

اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی چیز صلہ رحمی سے جلدتر ثواب کا حق دار نہیں کرتی۔ اور کوئی چیز

قطیعة الرحم والیمن الفاجرة تداع الذیلا
بلاقع :

و فی رواية ما من عمل اطیع الله
تعالیٰ فیہ باعجل ثوابا من صلة الرحم
وما من عمل عصی الله تعالیٰ به
باعجل عقوبة من البغی والیمن
الفاجرة تداع الذیلا بلاقع :

و فی رواية ما من عقوق بة
مما یعصی الله تعالیٰ فیہ باعجل
من البغی :

بغاوت و قطع رحمی سے تیز تر مستحق عقاب نہیں
بھیرائی اور محبوبی قسم شہروں کو تباہ کر دالتی ہے
اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی عمل جو
اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے صلہ رحمی سے
بڑھ کر جلد لائق ثواب بنائے والا نہیں اور کوئی عمل
جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جائے بغاوت سے
بڑھ کر جلد مستحق عقاب بنائے والا نہیں اور محبوبی
قسم شہروں کو فنا کر دیتی ہے :

اور ایک اور روایت میں ہے کہ نہیں ہے
کوئی نافرمانی جو اللہ تعالیٰ کی شان میں کی جاوے
بغاوت سے جلد تر عذاب کا سبب بننے والی :

تشریح :- یہ قسم غموس کا اثر ہے۔ جو گذشتہ بات پر قصداً کھائی جاتی ہے۔ اس کو غموس اس لئے
کہا گیا کہ یہ گوشت یا قسم کھانے والے کو دنیا میں گناہ اور آخرت میں تادم و ذرخ میں ڈبو دیتی ہے۔ امام ابو حنیفہ
مالک۔ احمد۔ اوزاعی۔ ثوری۔ اسحق کے نزدیک اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ ابن مسعود کا مسلک بھی یہی
ہے۔ اور اسی پر قرآن کریم اور سنت نبوی شاہد ہیں۔ شافعی کا مسلک ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ مگر ان
کی محبت کا پتہ نہیں کہ وہ کس حدیث سے محبت لاتے ہیں :

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محبوبی بات۔ امام حق کے ساتھ بغاوت اور قطع رحمی یہ سب گناہ کبیرہ
ہیں۔ بغاوت کے بارہ میں سخت وعیدیں احادیث میں موجود ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ طبرانی
کبیر میں بخاری تاریخ میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور والدین کی نافرمانی
دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ بندہ کو جلد از جلد دنیا میں پکڑ لیتا ہے۔ احمد اپنی مسند میں بخاری اور ابی یوسف
میں۔ ابن حبان اور حاکم اپنی صحیح میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور
قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں جلد از جلد پکڑے علاوہ اس عذاب
کے جو اس کے لئے آخرت میں رکھا جاتا ہے۔ بہر حال کتاب و سنت سے اس کا سنگین گناہ ہونا ثابت
ہے اور علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ محض صدراول کی بغاوت کے بارے میں علماء کے
مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً جنگ صفین میں بعض اس طرف گئے کہ یہ بغاوت نہ مہنی۔ مگر چونکہ وہ بزرگ
جو مصروف بہ کار تھے اہل اجتہاد تھے اس لئے وہ اپنے اجتہاد پر بھروسے اس کے کہ لغو ذبا اللہ گناہگار
ہوں عند اللہ ماجور ہوں گے۔ جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے۔ ایک فریق اس طرف بھی گیا ہے کہ گویا حقیقت
جنگ صفین مگر ان بزرگوں کو یہ احادیث اس وقت تک عدم شہرت کی بنا پر نہ پہنچ سکی تھیں تو وہ معذور تھے
مگر یہ قول قابل پذیرائی نہیں۔ کہ ایسی مشہور متواتر احادیث کیسے ان بزرگوں پر پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ اسی لئے

اکثر نے اس کو بغاوت مانا ہے مگر یہ اجتہادی امر ہے جو موجب اجر و ثواب ہے نہ سبب گناہ چہ جائیکہ نذر و نذیر نہ ہو۔ پھر ایسے خیال کا کیسے تصور ہو جبکہ خود حضرت علیؓ سے ابن عدی اپنی کامل میں مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ ڈر و بغاوت سے کیونکہ بغاوت کے علاوہ کسی چیز کی سزا تیز تر پہنچنے والی نہیں۔ رہا جنگ جمل کا واقعہ تو وہ نہ قصود و عمدے واقع ہوا نہ اس میں انکار خلافت تھا کہ بغاوت میں اس کا شمار ہوتا۔ تو وہ محل اختلاف نہیں بن سکتا۔ پھر جبکہ خود حضرت عائشہؓ سے ترمذی و ابن ماجہ اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ وہ بھلائی جو ثواب کو تیز تر لے جائے خیرسانی اور صلہ رحمی ہے اور وہ بدی جو سزا کو جلد تر پہنچائے بغاوت اور قطع رحمی ہے ۛ

باب ۱۵۲ گناہ کی منت ماننا اور اس

میں کفارہ ہے اور اس کے پورا نہ

کرنے کا بیان!

باب ۱۵۲ نَذْرٌ مَعْصِيَةٍ وَفِيهِ

الْكَفَارَةُ وَعَدَمُ الْوَفَاءِ

ابو حنیفہ عن محمد بن الزبیر
عن الحسن بن عمران قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
من نذر ان يطيع الله فليطعه
ومن نذر ان يعصيه فكل

ولا نكفرا في غضبه ۛ

حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے یعنی کسی جائز و نیک کام کو انجام دے (تو اس کو چاہئے کہ اطاعت کرے اور جو منت مانے کہ اللہ کی نافرمانی کرے۔ تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور غصہ کی حالت میں نذر معتبر نہیں ہے ۛ

تشریح:۔ حدیث ذیل میں آخری جملہ کی ترجمانی یہ ہے کہ بحالت غصہ نذر کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ جوش غضب میں انسان کی عقل باقی رہتی ہے۔ اور اس کیفیت غضبی میں اس کا فعل اضطراری ہوتا ہے نہ اختیاری کہ اس پر نذر کا حکم مرتب ہو۔ یا یہ کہ ایسے امور میں نذر نہیں جو موجب غضب خدا ہو۔ اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ پہلی صورت گویا حضرت علیؓ کے مسلک کی ترجمان ہے اور قسم لغو کی ایک شکل کہ آپؐ کا یہ قول منقول ہے۔ اللغو هو اليمين في الغضب کہ بحالت غضب قسم کھانا قسم لغو ہے طاؤس بھی اسی خیال کے قائل ہیں ۛ

ابو حنیفہ عن محمد بن الزبیر الخطی
عن الحسن بن عمران بن حصین قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نذر في

حضرت عمران بن حصینؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بات میں نذر کا پوری کرنا نہیں ہے اور اس کا کفارہ ۛ

معصیت اللہ تعالیٰ و کفارتہ کفارۃ یمین :
 تشریح :- حدیث ذیل میں آخری مسئلہ ائمہ درمیان اختلافی ہے۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک گناہ کے کام کی منت میں کوئی کفارہ نہیں۔ کیونکہ نذر معصیت لغو و عبث ہے۔ تو اب اس میں کفارہ کا کیا کام اور احادیث کے باب میں یہ ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہیں جن میں کفارہ کا ذکر نہیں اور یا محض یہ الفاظ ہیں کہ لا و فاعل لندار فی معصیۃ کہ گناہ کی بات میں نذر کا پورا کرنا نہیں یا لندار فی معصیۃ اللہ کہ معصیت اللہ میں نذر کا پورا کرنا نہیں۔ امام ابو حنیفہ و امام احمد و اسحاق کا مسلک ہے کہ نذر معصیت میں کفارہ یمین ہے۔ روایت کی رو سے ان کی حجت ایک تو حضرت عمران کی حدیث یہی ہے جو صاف گویا ہے کہ اس میں کفارہ یمین جیسا کفارہ ہے۔ اور مسلم کی حدیث میں کون کلام کر سکتا ہے۔ نیز ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہ سے بھی مرفوع حدیث ہے اور یہی الفاظ مروی ہیں کہ نذر کا کفارہ یمین کا سا کفارہ ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں قائلین کفارہ کی تردید میں بڑے پرنہ و الفاظ سے کہا ہے۔ اما حدیث کفارۃ یمین فضعیف باتفاق المحدثین کہ کفارۃ کفارۃ الیمین کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ حافظ سے نہ رہا گیا آخر کہا کہ اس حدیث کو طحاوی اور ابن المسکین نے صحیح کہا ہے۔ تو اب اس کے ضعف پر اتفاق کب رہا۔ پھر قیاس بھی اسی مذہب کی تائید کرتا ہے کیونکہ یمین لازم نذر سے ہے بدین صورت کہ نذر تام ہے ایجاب مباح کا یعنی ایک مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا اور یہ مستلزم ہے تحریم حلال کو جو یمین یمین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی یمین کی ترجمانی فرماتے ہوئے فرمایا لیسوا لہم ما أحلّ اللہ لک کہ آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس کو جو آپ کے لئے حلال ہے۔ لہذا بلحاظ روایت و درایت احناف کا مسلک حق پر ہے :

باب ۱۵۳ یمین لغو کا بیان !

باب ۱۵۳ یمین اللغو !

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس بات کی تفسیر میں لایا جو اخذ کد اللہ باللغو فی ایمانکم کہ اللہ تمہاری لغو قسموں کے بارہ میں تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے کہ مثلاً لا داء للہ و بلی و اللہ یعنی نہیں قسم اللہ کی۔ اور بلی قسم اللہ کی :

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ قالت سمعت فی قول اللہ عز وجل لا یؤخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم و هو قول الرجل لا داء للہ و بلی و اللہ :

تشریح :- یہ حدیث دراصل قسم لغو کا مسئلہ بیان کرتی ہے۔ پہلے قسم کی تین قسمیں ہیں ایک یمین مومن ہے وہ یہ کہ گزشتہ بات پر قصد اچھوٹی قسم کھائی جائے اس سے انسان گناہگار ہوتا ہے اور شریعت میں اس پر بڑی وعید ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا جس نے جھوٹی قسم کھائی۔ اللہ اس کو نار و دوزخ میں داخل

کرے گا۔ یہ آبادی اجاڑ دیتی ہے۔ جیسا کہ آگے گذرا۔ اس کا تدارک توبہ واستغفار سے اس میں حنیفہ کے نزدیک کفارہ نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک کفارہ ہے۔ دوسری منعقدہ یہ کہ کسی بات پر انسان قسم کھا کر وہ مستقبل میں اس کو کرے گا۔ یا نہیں کرے گا۔ اس میں عانت ہونے پر کفارہ ہے۔ کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان تمہیری قسم لغوا اس کی تفسیر میں صحابہ اور بعد کے لوگ مختلف القول ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان بے سوچے سمجھے قسم کے الفاظ منہ سے نکالے جیسا کہ بعضوں کی عادات سے اور اس کو وہ اپنا تکیہ کلام کر لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان کسی گزشتہ بات پر قسم کھالی۔ گویا اس کو غلط فہمی ہوئی قسم بہر حال اس نے اپنے علم کے لحاظ سے صحیح کھائی۔ مثلاً ایک کام کے بارہ ہیں اس کو یقین ہے کہ میں نے کہا ہے اور اس نے اس کے کہنے پر قسم کھالی۔ بعد میں سوچا کہ میں نے اس کو نہیں کیا تھا۔ یا اس صورت کا اظہار کیا۔ یا مثلاً دوسے ایک آدمی دیکھا اور کہا کہ اللہ کی قسم یہ نہ دیکھتا تھا۔ بلکہ عمر نہ تھا۔ اس میں کوئی کفارہ نہیں حضرت ابن عباس۔ مجاہد حسن۔ سختی۔ قتادہ۔ محول وغیرہ کی لغو کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو غصہ میں کہی جائے۔ سعید بن جبیر کے نزدیک وہ قسم ہے جو مصیبت میں کھائی جائے۔ یہ مسئلہ کی ایک امام سی وضاحت تھی۔ اب حدیث ذیل کے بارہ ہیں یہ امر قابل عمل ہے کہ یہ حدیث بطور مذہب شافعیہ کی ترجمانی کرتی ہے۔ نہ مذہب حنیفہ کی۔ امام محمد نے اپنی موٹا میں اس الجھن کو حدیث بطور مذہب کے کہ انسان یہ الفاظ منہ سے نکالے اور اس کو یقین ہو کہ میں صحیح سمجھ رہا ہوں۔ پھر بعد میں واقعہ اس کے خلاف ثابت ہو اور اس کا یقین غلط نکلے۔ کیونکہ حنیفہ کے نزدیک قصد کو یقین لغو میں داخل ہے۔ شافعیہ کے نزدیک نہیں۔ پھر یہ بھی کہ یہ امام صاحب کے ضعیف طریق سے مروی ہے۔ بہر حال امام صاحب کا مشہور مذہب اپنی جگہ صحیح مانا جائے گا۔

حماد عن ابيه عن ابراهيم عن
الاسود عن عائشة في قول الله عز وجل
لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم
قالت هو قول الرجل لا والله وبلى
والله متايمل به علامه مينا
لا يعقد عليه قلبه حدیثاً

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وجل کے قول لا يؤاخذكم
الله باللغو في ايمانكم کی تفسیر میں فرماتی ہیں
لغو یہ ہے کہ آدمی کہے لا والله وبلى والله اسکا الیسا
کلام جس میں اس کا دل کسی بات پر (قسم) کا قصد نہ ہو
دگویا تکیہ کلام کے طور پر اور ایک عادت کی بنا پر
جس میں سوچ بچار کو چنداں دخل نہ ہو۔

بَابُ الاستثناء في اليمين

يَبْطُلُهَا

ابو حنيفة عن القاسم عن

ابيه عن عبد الله قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم مَنْ حَلَفَ عَلَى
يَمِينٍ وَاسْتَثْنَى فَلَهُ ثَنِيَا ۖ

بَابُ - قسم میں استثناء لانے

سے قسم باطل ہے !

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی
کسی بات پر اور استثناء کیا اس میں تو اس کے لئے
اس کی استثناء ہے یعنی استثناء رمانی جائیگی۔ اور
قسم منعقد نہ ہوگی ۖتشریح :- استثناء سے مراد انشاء اللہ کہنا ہے۔ اگر یہ قسم کے متصل ہی بولا گیا تو قسم کو لغو اور
بے معنی کر دے گا ابو داؤد۔ نسائی رحمہما بن عمرؓ سے بطریق صحیح یوں روایت لائے ہیں من حلف علی
یمین فقال انشاء الله فقد استثنى۔ یعنی جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا انشاء اللہ تو اس کا استثناء
صحیح مانا گیا اور یمین منعقد نہ ہوگی ۖ

حماد عن ابيه عن القاسم بن

عبد الرحمن عن ابيه عن ابن مسعود
قال من حلف على يمين وقال ان شاء
الله فقد استثنى ۖحضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت
ہے کہ انہوں نے کہا جس نے قسم کھائی کسی چیز پر
اور کہا ان شاء اللہ تو اس کی یہ استثناء صحیح ہو
گئی۔ یعنی قسم واجب نہ ہوگی ۖتشریح :- گویا استثناء صحیح مانا جائے گا اور لغو قرار دی جائیگی۔ اسی لئے عام طور پر لوگ
انشاء اللہ ضرور استعمال کرتے ہیں کھانت نہ ہوں ۖ

كِتَابُ الْحُدُودِ

شرعی حدود کا

بیان !

بَابُ حُرْمَةِ الْخَمْرِ وَالْقَمَارِ

وغيرهما

ابو حنيفة عن مسلم عن سعيد بن

جبیر عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم

بَابُ - شراب، جوار، اور اس طرح

کی دوسری حرام چیزوں کا بیان

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب

جواز آلہ طرب اور طبلہ حرام کیا :

قال ان الله كره لكم الخمر والميسر

والنمراد والکوبۃ :

تشریح :- حدیث میں لفظ کوبۃ کی تفسیر بعض نے زرد و شطرنج سے کی ہے اور بعض نے چھوٹے طبل اور بربط سے بہر حال یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اسی طرح منہاراں آلات کو شامل ہے جو گانے بجانے کے کام میں آتے ہیں۔ مثلاً عود و طنبورہ وغیرہ۔ شراب و آلات طرب و غنا کی حرمت پر بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ مسلم میں حضرت بریدہ سے یوں روایت ہے کہ جس نے زرد شیر کھیلنا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے آلودہ کیا۔ امام احمد حنبلت ابی امامہ سے مرفوع پیش لائے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو عالم والوں کے لئے موجب رحمت اور سبب ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں دینا سے آلات طرب و عیش۔ بت پرستی۔ صلیب پرستی اور جاہلیت کو مٹا دوں۔ اور یہ کہ میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرا جو بندہ بھی شراب کا ایک گھونٹ لے گا۔ میں اس کو ایسی مقدار میں پیپ پلاؤں گا۔ اور جو میرے ڈر سے اس کو چھوڑ دے گا تو میں اس کو پاکیزہ نہروں سے میراب کروں گا۔ فقہاء کرام اس پر طویل بحثیں لائے ہیں کہ جو گانا آلات طرب سے بھی خالی ہو اور دیگر حرام چیزوں سے بھی پاک مثلاً عورت یا مرد کی آواز کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اور کسی مسلم کی ہجو یا دین و مذہب کی توہین سے وہ بری ہو تو ایسا گانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور اکثر اس کی کراہت کے۔ شراب و جوئے کی حرمت اور ان کی برائی پر کئی آیات قرآنیہ ہیں مثلاً یسئلونک عن الخمر والمیسر آخر آیت تک یا انما الخمر والمیسر والاذیاء

۱۵۶ باب۔ شراب نوشی اور چوری

۱۵۶ باب حد الشرب وحد السر

کی سزا کا بیان !

یحییٰ سے روایت ہے کہ ابن مسعود کے پاس ایک شخص اپنے بھتیجے کو لایا جو ست تھا۔ اور نشہ کی وجہ سے اس کا عقل گم تھی۔ ایک حکم سے اس کو قید کر دیا گیا یہاں تک کہ جب اس کا نشہ اتر اور سرستی سے آفاقہ ہوا۔ تو حضرت ابن مسعود نے کورٹا منگوایا اور اس کا پیچہ نکالتے ہوئے اس کو نرم کیا۔ اور جلا دیکر بلایا۔ اس کو حکم دیا کہ اس کی جلد پر چابک مار دینی اسکو ننگا کر کے اور مارنے وقت اپنا ہاتھ اٹھا۔

ابو حنیفہ عن یحییٰ عن ابن مسعود قال اتاک رجل با بن اخ له ثوان قد ذهب عقله فامر به فحس حتی اذا محوا وانا عن السكر دعا بالسوط فقطع شمرته ثم دقه ودعا جلاداً فقال احلدا علی جلدہ وارفع یدک فی جلدہ ولا تبدأ من جلیک۔

قال وانشأ عبد الله كَعْدًا حَتَّى
اَكْمَلَ ثَمَانِينَ جِلْدَةً خَلَى سَبِيلَهُ
فَقَالَ الشَّيْخُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَاللهِ
اِنَّهُ لَا بَنَ اخِي وَمَالِي وَلَدٌ غَيْرُهُ
فَقَالَ شَرُّ الْعَمِّ وَالِى الْيَتِيمِ اَنْتَ كُنْتَ
وَاللهِ مَا احْسَنْتَ اَدَبَهُ صَغِيرًا
وَلَا سَتَرْتَهُ كَبِيرًا.

قال ثم انشأ محمد بن شافع قال ان
اول حادثة في الاسلام لسارق
اَتَى بِهِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَلَمَّا قَامَتْ عَلَيْهِ الْبَيْتَةُ قَالَ اَنْطَلِقُوا
بِهِ فَاَقْطَعُوهُ فَلَمَّا اَلْطَلِقَ بِهِ فَظَرَ اِلَى
وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَمَا
سَقَفَ عَلَيْهِ وَاللهُ الرَّمَادُ فَقَالَ
بَعْضُ جُلَسَاءِهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَكَ اَنْ
هَذَا اَقْدَمُ الشُّتَدِّ عَلَيْكَ فَقَالَ وَمَا يَمْنَعُنِي
اَنْ يَشْتَدَّ عَلَيَّ اِنْ تَكُونُوا اَعْوَانُ
الشَّيَاطِينِ عَلَى اخِيكُمْ قَالُوا فُلُوْا
خَلَيْتَ سَبِيلَهُ قَالَ اَفَلَا كُنَّا
هَذَا قَبْلُ اِنْ تَأْتُوْنِي بِهِ فَاَنْ اَلَا مَا
اِذَا اَنْتَهَى اِلَيْهِ حَدَفْلَيْسَ يَنْبَغِي
لَهُ اَنْ يَعْطَلَهُ قَالَ ثُمَّ تَكَلَّاهُ
وَلِيَعْفُوْا وَلِيَصْفَحُوْا ۝

وَفِي رَاوِيَةٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ
اَنْ دَجَلَا اَتَى بِنَ اَخٍ لَهُ سَكْرَانٌ
فَقَالَ تَرْتَرُوْكَ وَمَرْمَزُوْكَ
وَأَسْتَنْكَهُوْا فَوَجَدَا مِنْهُ رَائِحَةَ
شَرَابٍ فَأَمَرَ بِحَبْسِهِ فَلَمَّا
مَحَادَّ عَابَهُ وَدَعَا بِسَوْطٍ فَأَمَرَ

مگر نہ اتنا کہ تیری بغلیں دکھیں۔ یہی نے کہا کہ خود علیہ
دجا بکوں کو گھسنے بیٹھے) یہاں تک کہ جب اسی کو سر
پر گئے تو اس کو چھوڑ دیا۔ تو اس بوڑھے نے ڈرب
خود کے چپے کہا اے ابوعبدالرحمن قسم اللہ کی یہ میرا
مقتضی ہے اور اس کے سوا میری کوئی اولاد نہیں آپ
نے کہا کہ تو برا چپے کہ تو یتیم کا والی ہوا اور قسم اللہ کی
تو نے بچپن میں اس کو ادب دیا اور نہ بڑے پن میں
اس کی عیب پوشی کی۔ یہی نے کہا کہ پھر ابن مسعود
ہم سے حدیث بیان کرنے لگے اور کہا کہ پھر اول حد
جو اسلام میں لگائی گئی وہ ایک چور پر تھی جو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس لایا گیا۔ جب اس پر گواہی گزر گئی۔ تو
آنحضرت نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ
کاٹو جب اس کو لے جانے لگے تو آپ کے چہرہ مبارک
کا رنگ بدل گیا۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول
اللہ گو یا یہ بات آپ پر سخت شاق گذری۔ آپ نے فرمایا
کہ یہ مجھ پر شاق کیوں نہ ہو کہ تم شیطان کے مددگار بن
جاؤ۔ اپنے بھائی کے معاملہ میں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ
کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا پہلے سے تم اس کو میرے
پاس نہ لاتے۔ اللہ امام کے سامنے جب جرم قابل حد
ثابت ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس کو
چھوڑ دے۔ پھر آپ یہ آیت تلاوت فرمائی
فَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا یعنی تم کو چاہئے کہ معاف کر
دو اور منہ پھیر لو ۝

اور ایک روایت میں ابن مسعود سے یوں
منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنے مدبوش پیچھے کوش کیا
حضرت ابن مسعود نے حکم دیا کہ اس کو ذرا حرکت دو اور پیچھو
دو اور اس کی بو سنو تو اس سے شراب کی بو آئی
بولی پائی گئی۔ آپ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جب
اس کا نشہ اترا تو آپ نے اس کو بلایا۔ اور ایک چابک

بِه نَقَطَتْ ثَمَرَةً وَذَكَرَ
الْحَدِيثُ ۝

وَفِي سَرَايَةٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ
إِنَّ أَدَلَ حَدِيثِي فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
آتَى بَسَارِقٍ فَا مَرَّ بِهِ فَقَطَعَتْ يَدَا
فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهِ تَطَرَّأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا يَفِي وَجْهَهُ
الرَّمَادُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّهُ شَقَّ
عَلَيْكَ فَقَالَ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا
أَعْوَانًا لِلشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ قَالُوا
فَلَا خَدَعَهُ قَالَ أَفَلَا كَانَ هَذَا
قَبْلَ أَنْ يُوَفِّيَ بِهِ وَإِنَّ الْأَمَامَ إِذَا رَفَعَ
الْيَدَ إِلَى الْحَدِّ فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَدَاعَهُ
حَتَّى يَمْضِيَهُ ثُمَّ تَلَا وَلْيَعْفُوا
وَلْيَصْفَحُوا - الْآيَةُ ۝

بھی منگوایا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کی چوٹی کاٹی گئی۔
باقی حدیث سابق حدیث کیطرح ہے ۝

اور ایک اور روایت میں ابن مسعود کیوں مروی
ہے کہ اول حد جو اسلام میں لگائی گئی یہ تھی کہ ایک چور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور
اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ جب اس کو لے کر چلے تو صحابہ کی نظر
آنحضرت کے چہرہ مبارک پر پڑی۔ گویا اس پر اکھ پڑی
ہے یعنی چہرہ مبارک بالکل متغیر تھا۔ کسی نے کہا یا رسول
اللہ کیا یہ حکم آپ پر شاق ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا مجھ پر یہ
شاق نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار
بن جاؤ۔ سب نے عرض کیا تو کیا اس پر ہم نہ چھوڑ دیں۔
آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے کیا تم یہ نہیں
کہہ سکتے تھے۔ البتہ امام کے سامنے جب کوئی معاملہ
منزوار حد ثابت ہو جائے تو اس کو نہ چاہئے کہ اس کو
چھوڑے تاوقتیکہ اس کو جاری نہ کرے۔ پھر آپ نے یہ آیت
تلاوت کی وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا آخر آیت تک ۝

تشریح ۱۔ حدیث ذیل میں حضرت ابن مسعود اور آنحضرت کے عمل میں مختلف مسائل علمیہ اور
فوائد دینیہ پوشیدہ ہیں۔ مثلاً ابن مسعود کی حدیث سے یہ مسئلہ شرعی معلوم ہوا کہ حد بحالت مرستی اور
نشہ نہیں لگائی جاتی۔ تاوقتیکہ وہ ہوش میں نہ آجائے۔ گویا اس کو قید رکھ کر انتظار کیا جائے کہ اس کا
نشہ پورا اتر جائے۔ کیونکہ نشہ میں حد لگانے سے محرم کو درد نہیں ہوگا۔ جب درد نہیں تو عبرت
کیسے ہو۔ اور حد کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ کے لئے رک جائے اور پھر از نکاب جرم سے باز رہے۔
دوسرے یہ کہ نشہ کی اس مقدار و معیار کا بھی اس سے پتہ چلا جس پر پہنچ کر حد واجب ہوتی ہے وہ یہ کہ
مسکرا اس حد کو پہنچے کہ اس میں عقل گم ہوگئی ہو اور پوری منتحل۔ تیز و شعور سے وہ عاری ہو گیا ہو۔ تیسرے
یہ کہ مسکر کو حد کوڑے یا چابک سے لگائی جاتی ہے اور اس کا سر کاٹ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بارہک
ہو جائے۔ اور درہ کی شکل میں آجائے نہ کچھور کی ٹہنی یا جو تلوں سے کہ ابتداء سے حرمت شرب میں اسی
پر عمل تھا۔ یہ عمل بعد میں متروک ہوا اور حد کے لئے درہ کا استعمال یا نسخ ہوا۔ اسی طرح ابتداء سے حرمت
میں چالیس ضربوں کا عمل تھا۔ بعد میں وہ بھی منسوخ ہوا۔ اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اسی ضربوں
پر عمل قرار پایا۔ چوتھے یہ کہ حد کھلے بدن پر لگائی جائے نہ کپڑوں پر۔ پانچویں یہ کہ جلاو بوقت ضرب
ہاتھ اوپماٹھا کر مارے ہاتھ کو دبا کر نہ مارے کہ اس میں ضرب ملتی ہے چھٹے یہ کہ ہاتھ اس قدر بھی

نہ اٹھائے کہ اس کی بغلیں نظر آئیں۔ ساتویں یہ کہ ولی اور سرپرست پر چھوٹے کی تربیت اور اس کی اخلاقی و دینی و بکھر بھال اور غور و پرواہ سخت لازمی ہے اور اگر وہ اپنا یہ فرض نہ بجالا یا تو عند اللہ وہ قابل ملامت و سزا ہے۔ آٹھویں یہ کہ اگر شرابی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو تو حد لگانے کے لئے یہ ثبوت کافی و دوانی ہے۔ نویں یہ کہ اگر شرابی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو۔ دسویں یہ کہ امام وقت کا مجرم کی سزا سے دکھ پانا اور درد محسوس کرنا ایک مستحسن فعل ہے نہ حد کے جاری کرنے میں کوئی بے جا نرمی و رعایت۔ گیارہویں یہ کہ امام کی پیشی میں مجرم کو پیش کرنے سے پہلے لوگوں کو چاہئے کہ حتی الوسع درگزر اور چشم پوشی سے کام لیں۔ بارہویں یہ کہ معاملہ جب امام کی پیشی میں پیش ہو کر یا یہ ثبوت کو پہنچ جائے اور براءت کی کوئی شکل باقی نہ ہے تو پھر امام کے لئے کسی طرح روا نہیں کہ درگزر سے کام لے اور حد کے جاری کرنے میں ٹال مٹول کرے۔

بَابُ فِيمَا يَقْطَعُ فِيهِ الْيَدُ!

باب ۱۵۴۔ وہ مقدار مالیت جس میں

ہاتھ کاٹا جاتا ہے!

ابو حنیفہ من القاسم عن أبيه
عن عبد الله قال كان يقطع اليد على عهد
رسول الله صلى الله عليه وسلم في عشرة دراهم
وفي رواية إنما كان القطع في
عشرة دراهم

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دس درہم
کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔
ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ کاٹنا دس
درہم کی مالیت کی چوری پر ہوتا تھا۔

تشریح :- اس میں ائمہ اختلاف سے کہ کم از کم کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔ امام شافعی
کے نزدیک کم از کم پانچ درہم کی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ خواہ وہ تین درہم کی قیمت کا ہو یا اس سے
کم یا اس سے زائد۔ امام مالک و احمد کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم کی مالیت پر نہ اس سے کم میں ہاتھ
کاٹا جائے گا۔ ان ائمہ کے پیش نظر یا ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو شیخین بدی الفاظ لائے ہیں ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قطع سارقاً بجن قيمة ثلاثة دراهم کہ آنحضرت نے ایک چور کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال
کی چوری پر جو تین درہم کی قیمت کی تھی۔ یا عائشہ کی حدیث کہ وہ بھی صحیحین میں بدی الفاظ مروی ہے۔
لا يقطع يد السارق الا في ربع دينار فصاعداً کہ نہ کاٹا جائے چور کا ہاتھ مگر چوتھائی دینار یا اس سے زائد
ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دینار بارہ درہم کا تھا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک
کم از کم دس درہم کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے کم میں نہیں۔ ان کے مسلک کی دلیل میں
کئی صحیح احادیث مرفوعہ اور موقوف موجود ہیں۔ احادیث میں یہی حدیث ہی ثبوت اور حجت کہ دس
درہم کی قیمتی چیز میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ مصنف عبدالرزاقی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔ لا يقطع

البدایہ فی دینار و عشیۃ دراهم کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ایک دینار یا دس درم ہیں۔ پھر سب ائمہ کے نزدیک آنحضرت سے ثابت ہے کہ آپ کے متبن (وہ حال) کی چوری میں ہاتھ کاٹنا ہے۔ اختلاف محض اس میں ہے کہ متبن کی قیمت آنجناب کے عہد میں کیا تھی۔ دس درہم سے کم اس کی قیمت مانتے و اسے حدیث ابن عمر یا اس کے مثل حدیث پیش کرتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور حنفیہ کے سامنے وہ روایات ہیں جو کتب صحاح میں بطریق متعددہ وارد ہیں۔ مثلاً ابن عباس کی حدیث جو ابو داؤد میں بطریق عظامردی ہے۔ قطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید رجل فی مجن قیمۃ دینار او عشیۃ دراهم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ایک دینار یا دس درم تھی۔ حاکم مستدرک میں اس حدیث کو لا کر کہتے ہیں کہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔ طحاوی بھی اس کو لائے ہیں اور ابن عبد البر بھی تمہید میں اس کی روایت کرتے ہیں۔ غرض یہ حدیث بکثرت طرق صحیح ہے۔ پھر حضرت امین سے عطا اور مجاہد ہر دو کے طریق سے لسانی ہیں روایتیں ہیں۔ جن کے الفاظ یہ ہیں۔ لم یقطع البنی صلی اللہ علیہ وسلم الساق الا فی ثمن المجن یومئذ دینار کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا مگر ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔ امین کی حدیث میں یہ سقم نکالتے ہیں۔ کہ امین کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ کون ہیں صحابی تھے یا تابعی۔ صحابی ہونے کی صورت میں یہ جنگ خنین میں شہید ہو سکے یا آنحضرت کے وصال کے بعد بھی بقید حیات ہے۔ اس وقت ہم اس کی مزید تفتیح میں نہیں لگنا چاہتے۔ صرف اس قدر کہتے ہیں کہ اگر ان کو صحابی مانا جائے۔ تو یہ حدیث مرفوع حدیث ثابت ہوئی۔ اور اگر تابعی کہا جائے تو حدیث مرسل مٹھری جو احناف و جمہور علماء کے نزدیک بلا شک قابل قبول اور معتبر ہے کیونکہ یہ ثقہ تو ضرور ہیں حبیب کا بوزرعہ جیسے جلیل القدر امام ابن حبان وغیرہ نے اس پر تصریح کی ہے۔ مزید براں حدیث امین کی تائید حضرت ابن عباس کی حدیث سے ملتی ہے جو اس حدیث کی صحت پر چار چاند لگاتی ہے۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت لائے ہیں کان ثمن المجن عشیۃ دراهم کہ وہ حال کی قیمت دس درم تھی۔ لہذا ان روایات کے پیش نظر ماننا پڑے گا۔ کہ ربع دینار کی احادیث جو صحیحین میں وارد ہیں وہ فسوخ ہیں۔

اصول شرعیہ کے روسے مذہب حنفیہ کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بہر حال حدود کا ہے۔ اگر کوئی تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر ان تمام روایات کی صحت میں کلام کرے تو کم از کم یہ روایات اس کے نزدیک معاملہ حد میں شک قومی یا ضعیف تو ضرور پیدا کر دیں گی۔ کہ کم سے کم نصاب سرقہ دس درم میں تا تین درم اور ربع دینار۔ اور آثار و اخبار سے یہ اصول ثابت ہے کہ حدود و شہات سے رد ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں احتیاطی پہلو ملحوظ رہتا ہے۔ یہاں بھی شبہ پڑا اور اس جگہ احتیاطی پہلو زیادتی یعنی دس درم میں ہے۔ نہ ربع دینار یا تین درم ہیں۔ لہذا دس دینار ہی کا مذہب درست ہے تاہم ربع دینار بھی یہاں قیاس ارا کی کرتے ہیں اور ایک عام اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کا اطلاق

یہاں کوئی موقع نہیں طرح کہ ان کے مذہب کا زیادہ تر مدار ثمن محسن (دو حال) ہے۔ کہ اس کی قیمت آنحضرت کے زمانہ مبارک میں کیا تھی۔ تین درم جیسا کہ ان کا مذہب ہے۔ یا دس درم جو احناف کا مسلک ہے کہتے ہیں۔ کہ اختلاف کے وقت اقل تعداد پر عمل کرنا لازمی ہے۔ جو یقینی آتا ہے۔ اور اقل تعداد یہاں تین درم ہیں تو ایسا ہی مگر حدود میں یہ اصول زیر عمل نہیں۔ اگر حدود میں یہ اصول عمل میں لائیں گے تو حدود کا شکنجہ کس جائے گا۔ مجرم کی خلاصی۔ رہائی۔ و سبجات کے راستے بند ہو جائیں گے۔ جو حکم شرع کے بالکل برخلاف ہے۔ چنانچہ متصل حدیث میں اس کا بیان آرہا ہے۔ بلکہ حدود میں معاملہ برعکس ہے کہ اس میں درگزر۔ معافی۔ چشم پوشی اور حتی الوسع اعراض برتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شبہ سے حد ختم ہو جاتا ہے۔ تین سے بیکر دس درم تک شبہ ہی ہے اور درگزر و اعراض کا سبب دس درم پر حد ہے۔ اور اس کے بعد شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

بَابُ دَرِّ الْحُدُودِ! باب ۱۵۱ حدود کے دور کے جانے

کا بیان!

الْبُخَارِيُّ عَنْ مَقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكْتُ الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہات سے حدود کو دور کرو۔

تشریح :- یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ عبارات سے کتب صحاح میں موجود ہے۔ بہر حال یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ شبہات سے حدود مل جایا کرتی ہیں۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی۔ حاکم۔ بیہقی حضرت سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے۔ مسلمانوں سے حد کو ٹالو۔ اگر مسلمان کے لئے عذاب کا کوئی پہلو دیکھو تو اس کو چھٹکارا دو۔ اس لئے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ دارقطنی۔ بیہقی حضرت علی سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ حدود ٹالو۔ مگر بعد نبوت امام کے لئے حدود کا ترک جائز نہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے کہ سزاؤں کو ٹالو۔ جہاں تک ملنے کا موقع مل سکے۔ اس مسئلہ کی قدر سے تشریح گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے۔

بَابُ الرَّجْمِ لِلزَّانِي الْمُحْصَنِ

بَابُ شَادِي شَدَّ زَنَّاكَارِ كَيْ

سنگسار کرنے کا بیان !

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن
بريدة عن ابيه ان ماعن ابن مالك
اثنى النبي صلى الله عليه وسلم فقال
ان الاخر قد زنى ناقص عليه الحد
فردك رسول الله صلى الله عليه وسلم
ثم اتاه الثانية فقال له مثل ذلك
ثم اتاه الثالثة فقال له مثل ذلك
ثم اتاه الرابعة فقال ان الاخر قد زنى
ناقص عليه الحد فاسأله عند اصحابه
هل تنكرون من عقله -

قالوا لا -

قال انطلقوا به فارجموه -
قال فانطلق به فخرج بالجماعة
فلما ابطأ عليه القتل انصرف
الى مكان كثير الحجارة فقام فيه
فأتاه المسلمون فوجوه بالحجارة
حتى قتلوه فبلغ ذلك النبي صلى
الله عليه وسلم فقال هلا خليتكم
سبيله فاختلف الناس فيه
فقال قائل هذا ما عزا اهلك نفسه
وقال قائل انا راجو ان يكون توبة
فقال لقد تاب توبة لو تابها قتام
من الناس لقبيل منهم -

فلما بلغ ذلك قومًا طمعوا
فيه فسألوه ما يمنع مجسده

۳۱

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز بن
مالک بنی النضر علیہ السلام کنیت میں آیا اور کہا کہ اس
بھلائی سے دور افتادہ نے زنا کیا ہے۔ آپ اس
پر حد قائم کیجئے۔ آنجناب نے اس کو رد فرمایا۔ پھر
دوبارہ آیا اور اپنی پہلی بات دہرائی۔ آپ نے پھر اس
کو رد فرمایا۔ پھر تیسری بار اگر اپنے اسی اقرار جرم
کا اعادہ کیا۔ آنحضرت نے اس کو پھر رد فرمادیا۔ پھر
چوتھی بار اگر کہا کہ بھلائی سے دور افتادہ نے زنا کیا
ہے آپ اس پر حد قائم کیجئے۔ اس پر آپ نے اپنے اصحاب
سے اس کی حالت دریافت فرمائی کہ یہ تو باطل نہیں ہے
سب نے کہا جی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کو
لے جا کر سنگسار کر دو کیونکہ وہ شادی شدہ تھا،
بریدہ کہتے ہیں کہ پھر اس کے مرنے میں دیر ہوئی تو
وہ اس مقام کو چھوڑ کر زیادہ پتھر ملی زمین میں جا
کھڑا ہوا کہ دم جلد نکل جائے (مسلمانوں نے اس کا پیچھا
کیا اور پتھروں سے اس کو رجم کر کے مار ڈالا یہ خبر نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا پیچھا
کیوں نہیں چھوڑا جب وہ اپنی جگہ سے بھاگ نکلا لوگ
ماعز کے بارہ میں مختلف اقوال سے کسی کہنے والے نے
کہا کہ ماعز نے اپنی جان خود ہلاک کی بعض بولے ہم کو
امید ہے کہ یہ اس کے لئے توبہ ہوگی یہ باتیں آپ کے ٹک
پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ ماعز نے جو توبہ کی
ہے کہ اگر لوگوں کی جماعتیں بھی یہ توبہ کریں تو قبول
ہو۔ لوگوں تک جب آنجناب کا یہ فرمان پہنچا تو ماعز
کے حق میں امید تو اب کھٹے لگے۔ پھر آپ سے دریافت

قَالَ اصْنَعُوا بِهِ مَا تَصْنَعُونَ
بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ
وَالدَّفْنِ قَالَ فَاَنْطَلَقَ بِهِ اصْحَابُهُ
فَعَمِلُوا ۝

وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ ابْنُ مَاعِزٍ بَنَ مَالِكُ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَافَقَ
بِالزَّنا فَرَدَّ ثُمَّ عَادَ فَاقْتَرَبَ الزَّنا
فَرَدَّ ثُمَّ عَادَ فَاقْتَرَبَ الزَّنا فَرَدَّ
ثُمَّ عَادَ فَاقْتَرَبَ الزَّنا الرَّابِعَةَ فَسَأَلَ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَكُونُ
مِنْ عَقْلِهِ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَأَمَرَ
بِهِ أَنْ يَرْجَمَ فِي مَوْضِعٍ قَلِيلٍ الْحِجَارَةِ
قَالَ فَاَبْطَأَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ فَاَنْطَلَقَ يَسْعَى
إِلَى مَوْضِعٍ كَثِيرٍ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ
فَرَجَمُوهُ حَتَّى قَتَلُوهُ ثُمَّ ذَكَّرُوا
شَأْنَهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَوْلَا خَلِيتُمْ سَبِيلَهُ قَالَ فَاسْتَاذَنِي
قَوْمُهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي دَفْنِهِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ السَّلَامِ لَقَدْ
تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَ بِهَا قَوْمٌ مِنَ النَّاسِ قَبْلَ مِنْهُمْ
وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا
يَعْنِي بَنَ مَالِكُ أَنْ يَرْجَمَ قَامَ فِي
مَوْضِعٍ قَلِيلٍ الْحِجَارَةِ فَاَبْطَأَ عَلَيْهِ
الْمَوْتُ فَذَهَبَ بِهِ مَكَانًا
كَثِيرَ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ حَتَّى
رَجَمُوهُ فَكَبَّلَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لَا خَلِيتُمْ
سَبِيلَهُ ۝

کیا کہ اس کی میت کو کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا
کہ جو اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو اس کے ساتھ
کرو اس کا کفن دفن کرو اور اس کی نماز پڑھو برہ
کہتے ہیں کہ پھر لوگ اس کو لے گئے اور اس کی نماز پڑھی
اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ماعز بن مالک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت میں آیا اور نماز کا اقرار
کیا۔ آپ نے اس کو رو کر دیا پھر اس نے دوبارہ اگر نماز
کا اقرار کیا۔ آپ نے پھر رو کر دیا پھر اگر اس نے نماز کا اقرار
کیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کی
عقل میں کوئی فتور ہے؟ لوگوں نے کہا جی نہیں برہ
کہتے ہیں کہ تب آپ نے حکم دیا کہ کم پتھری زمین میں وہ رجم
کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ جب اس کے مرنے میں دیر لگی تو
وہ زیادہ پتھری زمین میں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور لوگوں
نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو وہاں رجم کر کے مار ڈالا پھر
اسی واقعہ کا ذکر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے کیا آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا پیچھا کیوں نہ چھوڑا
برہ کہتے ہیں کہ ان کی قوم نے آنحضرت سے اس کے
دفن اور نماز کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے ان کو اس
کی اجازت دی اور فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر
لوگوں کی جماعتیں وہ توبہ کرتیں تو قبول ہوتی ۝
ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ برہ
کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک
کے بارہ میں رجم کئے جانے کا حکم دیا تو وہ کم پتھر
کی زمین میں جا کھڑا ہوا۔ پھر جب اس کی موت میں
دیر ہوئی۔ تو زیادہ پتھروں والی زمین میں چلا گیا اور
لوگ اس کے پیچھے ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کو رجم
کر ڈالا۔ یہ قصہ آنحضرت کے گوش مبارک میں پہنچا
تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑا
یعنی اس کو جانے دیا ہوتا ۝

و فی راویۃ لما هلك ما عزن بن
مالك بالرجم اختلف الناس
فيه۔

فقال قائل ما عزا هلك نفسه
وقال قائل تاب۔

فبلغ ذلك رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال لقد تاب قوبة
لوتا بها صاحب مكس لقبيل منه
اوتابها فنام من الناس لقبيل
منهم۔

و فی راویۃ جاء لعن بن مالك
الى رسول الله صلى الله عليه و سلم
وهو جالس فقال يا رسول الله اني زلت
ناقرا الحد على فاعرض عنه النبي
صلى الله عليه وسلم قال ففعدا
ذلك اربع مرات كل ذلك يرد
النبي صلى الله عليه وسلم ويعرض
عنه فقال في الرابعة انكرتو
من عقل هذا شيئا قالوا ما حكم
الا عاقلا وما تعلموا الا خيرا
قال فاذهبوا به فامر جسدو
قال فاذهبوا به في مكان قليل الحجارة
فلما اصابت به الحجارة جزع قال فخرج
يشتد حتى اتي الحرة فثبت لهم قال
فروا بجلا ميدا حتى سكنت
قال فقالوا يا رسول الله ما عزا حين
اصابته الحجارة جزع فخرج يشتد
فقال النبي صلى الله عليه وسلم لو اخليتهم ببيلة قال
فاختلف الناس في امره فقال

اور ایک روایت ان الفاظ میں ہے کہ ما عزن
جب رجیم سے ہلاک ہوا تو لوگ اس کے بارہ میں مختلف
باتیں کرنے لگے۔ کسی کہنے والے نے کہا کہ ما عزن نے
اپنی جان خود ہلاک کی۔ اور کوئی کہنے لگا کہ ما عزن
نے اس طرح توبہ کی۔ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و سلم تک پہنچیں۔ آپ نے فرمایا کہ ما عزن نے ایسی توبہ
کی کہ اگر وہ توبہ کوئی جنگی لینے والا کیے تو قبول
ہو۔ یا لوگوں کی جماعتیں ایسی توبہ کریں تو قبول ہو
جائے۔

ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ ما عزن
مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب
کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے
زنا کیلئے مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ
و سلم نے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ برید مکتے میں کہ پھر اس نے
چار مرتبہ ایسا ہی کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اس کو
واپس دیتے۔ اور نہ پھیر لیتے۔ چوتھی بار آپ نے
لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم اس کی عقل میں کوئی
فتور پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت تم تو اس
کو عقلمند اور اچھے ہی کردار والا سمجھتے ہیں آپ نے
فرمایا کہ اس کو لے جاؤ۔ اور رجیم کرو۔ بریدہ کہنے
پہن کر اس کو کم پھری زمین میں لے گئے۔ جب
اس کو پھرنے لگا تو بہت گھبرا یا اور بھاگ کھڑا ہوا۔
زیادہ پھرتی زمین کی طرف دروہاں جسم کے نظار میں جم گیا۔
لوگوں نے اس پر سلیں پھینک دیں۔ یہاں تک کہ وہ
وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر لوگوں نے آنحضرت سے بیان کیا
کہ یا رسول اللہ جب ما عزن کے پھرنے لگا تو گھبرا یا اور نکل
کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یوں نہیں جانے دیتے ہیں کہ پھر
لوگوں نے اس کے بارہ میں مختلف باتیں بنائیں یا ایک

طائفة هلك ما عدا واهلك نفسه و
وقالت طائفة بل تاب الى الله توبة
لو تابها فنام من الناس لقتل منهم
قالوا يا رسول الله فما نصنع به قال
اصنعوا به كما تصنعون بموتاكم
من الغسل والكفن والحنوط
والصلوة عليه والدفن وقد مروى
الحديث بروايات مختلفة نحو ما
تقدم :

جماعت نے کہا کہ ما عدا ہلاک ہوا اور اس نے خود
اپنے پیسے ہلاک کیا۔ ایک گروہ بولا کہ اس نے اللہ کے حضور
میں مقبول توبہ کی۔ کہ اگر وہ توبہ لوگوں کی جماعتیں بھی
کرتیں تو درجہ قبولیت کو پہنچتی۔ اس کی قوم نے
دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اسکی لاش کو کیا کریں۔ آپ
فرمایا کہ جو تم اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو۔ وہ ہی
اس کے ساتھ کرو۔ مثلاً غسل۔ کفن۔ خوشبو۔ نماز۔
اور دفن میں۔ اور یہ حدیث مختلف طرق سے
حسب سابق مروی ہے :

تشریح :- اس حدیث میں چند نہایت اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آیت قرآنی الذانیۃ
والذانی فاجلدا کل واحد منهما مائة جلدة۔ کہ زانی عورت و مرد ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ گو محسن
(شادی شدہ) وغیر محسن سب کے لئے کوڑے ثابت کرتی ہے۔ مگر آیت الشیخ والشیخۃ اذا زینا خا
جموہما البتۃ کہ محسن مرد اور محسنہ عورت جب زنا کریں تو سنگسار کرو ان کو ضرور جو اجماع امت سے
منسوخ التلاوت ہے۔ اور حکم میں باقی اور محسن کے لئے رجم ثابت کرتی ہے گویا آیت منسوخہ یا
کے لئے ہے اور آیت جلد کنوارے کے لئے۔ پھر احادیث متواترہ و مشہورہ آیت منسوخہ کی زبردست
تائید کرتی ہیں۔ بلکہ خود احادیث رجم بوجہ تواتر و شہرت اس کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ آیت قطعی الدلائل
پر نہ یادتی کر سکیں۔ مثلاً حدیث ذیل ہی شہرت کی حد کو پہنچ چکی ہے اور یہ حضرات عبادہ بن صامت
ابن عباس۔ ابی ہریرہ۔ ابی سعید بریدہ ابن الخصبی۔ الاسلمی۔ جابر بن عبد اللہ حبیب جلیل القدر و
عظیم الشان صحابہ سے مروی ہے اور اس سے کتاب التذکرہ زیادتی جابر سے۔ کتب صحاح میں حضرت
عمرؓ کا خطبہ نقل ہے کہ آپ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے یہ کہنے کا خطرہ نہ ہوتا کہ عمرؓ نے قرآن پر
زیادتی کی تو البتہ میں اس آیت الشیخ والشیخۃ اذا زینا کو قرآن میں لکھ دیتا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ یہ امر بحث طلب ہے کہ زانی کا چار بار اقرار زنا حد کے لگائے جانے کیلئے
ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ کا اقرار کافی ہے۔ امام مالک و شافعی ایک ہی مرتبہ اقرار کو حد لگانے کے
لئے کافی جانتے ہیں۔ وہ ان کے مذہب کی بنیاد و احادیث ہیں۔ جن سے اقرار میں بظاہر کسی تعدد
کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک غامدیہ کی حدیث کہ وہ بھی ما عدا بن مالک کی طرح آنحضرت کے سامنے زنا کا
اقرار کر چکی تھی۔ غامدیہ کے ایک ہی اقرار پر اس کو آنجناب کے حکم سے رجم کیا گیا۔ دوسری
وہ حدیث جو حدیث عبید کے نام سے مشہور ہے کہ اس میں کنوارے زانی پر آپ نے سو کوڑوں
اور سال کی جلا وطنی کی سزا جاری فرمائی۔ اور عورت کے لئے حضرت امیس کو حکم دیا کہ اس سے اقرار
اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو رجم کر دو۔ چنانچہ اس میں آنحضرت نے چار بار اقرار لینے کی شرط نہیں لگائی۔

معلوم ہوا کہ چار بار اقرار کی ضرورت نہیں۔ ورنہ آپ ضرور تشریح فرماتے۔ امام ابو حنیفہ و امام احمد اور اہل کوفہ تمام اس کے قائل ہیں کہ حد لگائے جانے کے لئے زانی کا چار بار اقرار ضروری ہے۔ ان کی قوی دلیل معز بن مالک والی حدیث ہے۔ جو کتب صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آنحضرت نے مجرم سے چار بار اقرار لیا۔ پھر حد جاری کی گئی جانے کا حکم صادر فرمایا۔ پس اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ آخر کیا آنحضرت کے لئے یہ ممکن ہے کہ آپ جرم ثابت ہو جانے پر حد کے جاری کرنے میں تاخیر فرمائیں۔ وہ حد جو ثبوت جرم پر فوری صیغہ میں واجب ہوتی ہے اور اس کے اجراء میں تاخیر کی کسی طرح گنجائش نہیں۔ لامحالہ یہی گناہ پڑے گا کہ ایک یا دو یا تین بار اقرار سے آنحضرت کے نزدیک جرم ثابت نہیں ہوا تھا۔ جب چوتھی بار اقرار سے جرم ثابت ہوا تو آپ نے فوراً اس پر سزائے جرم جاری فرمائی۔ اور یہی نہیں بلکہ اس حدیث کی بعض روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب نے ایک ہی مجلس میں چار اقرار کو آنجناب سے رو فرمایا۔ پھر دوسرے دن آیا اور اقرار کیا۔ آپ نے اس کی قوم سے تصدیق فرمائی کہ یہ یا گل تو نہیں ہے قوم نے کہا کہ یہ تو اچھا بھلا ہے۔ پھر تیسری بار آیا اور ایسا ہی ہوا۔ پھر چوتھی بار جب آیا۔ تو اس کو رجم کیا گیا۔ احمد و اسحق اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابی بکر سے یہی حدیث لائے ہیں۔ جس میں ہر بار جاء کا لفظ ہے۔ جس طرح حدیث ذیل میں آتی کا۔ تو محیسیہ و اتیان بھی تعدد مجلس پرہ وال ہیں کہ وہ جا کر پھر آیا۔ ابن الہمام نے اس کی تصریح کی ہے۔ اسی لئے احناف اس کے قائل ہیں کہ چار بار اقرار بھی چار مجلسوں میں ہونا چاہئے۔ لہذا جب حقیقت ہے تو کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت مختلف چار مجلسوں تک اجرائے حد کو ٹالتے رہتے۔ اور اس میں اس قدر ڈھیل دی۔ اب رہا حدیث عیسیٰ کا قصہ تو وہ ابتداء سے اسلام کا ہے جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ حد مجرم کے لئے توبہ شمار ہوتی ہے اور اس کیلئے کفارہ گناہ ہو جاتی ہے۔ اور پلوخذہ اخروی سے اس کو سبکدوش کرتی ہے یا یہ کہ مواخذہ اخروی کا بار ایسر باقی رہتا ہے اور حد اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوتی۔ احناف ان میں سے دوسری شے کے حامی ہیں۔ ان کے نقطہ خیال کے تحت حد کا مقصد مجرم کو دھمکی دینا اور دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ اور اس کے واسطے نظام عالم میں درستی و اصلاح پیدا کرنی ہے۔ کہ حدود کے خوف سے بنی نوع انسان ایک دوسرے کی ایذا رسانی عصمت دہی سے دست کش رہیں اور امن و امان و چین و مسرت کی زندگی بسر کریں۔ مواخذہ اخروی اور عالم آخرت کی باز پرس اس کے ذمہ بدستور باقی رہی۔ جس سے سبکدوشی اس کو سچی توبہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور ان کے اس خیال کی بنیاد نعیم قرآن پر ہے۔ جو صاف گویا ہیں کہ حد و گناہ کا کفارہ نہیں۔ مثلاً محدود فی القذف جس پر نہمت لگانے پر حد لگائی جائے۔ کے بارہ میں فرمایا اولئک ہم الفاسقون الا الذین تابوا کہ وہ پچھتاؤں ہیں۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کی۔ یا قاطع الطریق درانہوں کے متعلق ارشاد ہوا اولئک لہم خزئی فی الدین اولئک فی الاخری مذاہب عظیم الا الذین تابوا کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بڑا عذاب مگر وہ جنہوں نے توبہ کی کہ یہاں مار تو توبہ پھر لکھا ہے۔ لہذا جب منشاء کلام

آہی بہ ہوا۔ تو وہ حدیث قابل تاویل ہوگی جو حد کو توبہ کا مرادف قرار دیتی ہے اور اس کو کفارہ گناہ ٹھہراتی ہے تاکہ آیات قطعی الدلائل اپنے معنی پر بہ قرار رہیں۔ مثلاً حدیث ذیل میں اس کا شبہ ہوتا ہے کہ حد زنا عین توبہ ہے تو ہم اس کو اس پر محمول کریں گے کہ بوقت منہاجر مہنے توبہ کی تھی۔ اور بطاہر الیہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مجرم یہاں ایک پکیر ذامت بنا ہوا ہے۔ جس کے ہر رگ و پے سے توبہ آشکارا ہے۔ کیا عجب ہے۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ بوقت حد اس نے توبہ کی ہو۔ جس توبہ کی تشریح آنجناب نے نہایت پر اثر طریقہ سے فرمائی۔ چنانچہ مسلم کی حدیث سے اس مسلک کا پختہ ثبوت ملتا ہے جو وہ حضرت بریدہ سے لائے ہیں۔ جسکا مضمون اس طرح ہے کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت تشریف لائے۔ اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ ما عزن مالک کے لئے گناہ کی معافی چاہو۔ جب حد کے بعد استغفار کی گنجائش رہی تو حد معافی گناہ کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔ پھر چور می کے بارہ ہیں البوداؤد ہیں ہے کہ چور کے قطعید کے بعد آپ چور کو بلوایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ توبہ واستغفار کر اس نے توبہ کی۔ پھر آپ نے بھی اس کی توبہ منظور ہونے کی دعا فرمائی۔ اسی طرح صحیحین میں طریق عائشہؓ سے مروی ہے کہ فاطمہ المنخرومیتہ نے جو چور تھی توبہ کی ساگر حد عین توبہ ہوئی تو پھر جدید توبہ کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں ایک بات احتراق سمجھ میں آئی ہے۔ وہ یہ کہ جو قابل حد مجرم خود اقرار اپنے جرم کا کر لے اور سزا کا طلب گار ہو تو یہ اس کے لئے بمنزلہ توبہ کے ہے اور جس کو جرم میں مایوس ذکر کے اس پر جرم ثابت کیا جائے تو اس کے لئے توبہ ضروری ہے۔

باب ۱۶۱ قتل المسلم بالذمی

باب ۱۶۲ ذمی کے قتل پر مسلمان سے

قصاصاً

قصاص لیا جائیگا!

الوحشیۃ من ربیعۃ عن ابن
البیہانی قال قتل النبی صلی اللہ علیہ
و سلم مسلماً بمعاهد فقال انا احق
من ادنی بذمته :

ابن البیہانی سے روایت ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک معاہدہ کافر دیکھا
کے بدلہ میں قتل کیا اور فرمایا کہ اپنی ذمہ داری کو
پورا کرنے والوں میں میں ذمہ داری کو پورا کرنے
کا زیادہ حقدار ہوں :

تشریح :- اہل ذمہ کی جانوں اور مالوں کی حفاظت و بچہ بچاں مسلمانوں پر لازم ہے بشرط
کا یہ ایک صاف مسئلہ ہے۔ چنانچہ اسی مسئلہ کی رو سے ان کے مالوں کے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ان کی
عورتوں سے زنا کرنے والے پر حد زنا لگائی جاتی ہے۔ ان پر جھوٹی تہمت لگانے پر حد قذف
لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ قصاص بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور احناف کا مسلک یہی ہے۔

کتاب الجہاد

بَابُ حُرْمَةِ خِيَانَةِ
الْقَاعِدِينَ عَلَى نِسَاءِ
الْمُجَاهِدِينَ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بَرِيَّةَ

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى حُرْمَةَ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ
عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أَهْلِهِمْ وَمَنْ لَحِلَّ
مِنْ الْقَاعِدِينَ يَغُونُ أَحَدًا مِنَ الْمُجَاهِدِينَ
فِي أَهْلِهِ الْأَقْبِلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَتَقْنَنُ
فَمَا ظَنُّكُمْ؟

تشریح :- یہ حدیث مجاہدین کے درجہ و مرتبہ کو واضح و آشکار کرتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مجاہدین کی کس قدر پاسداری اور کتنا لحاظ منظور ہے کہ ان کی عورتوں کو احترام و عزت و حفاظت تک و ناموس میں جہاد میں نہ جانے والوں کے لئے ان کی ماؤں کے برابر ٹھہرایا۔ اور اگر کوئی خیانت کر بیٹھے تو آخرت میں مجاہد کو قصاص لینے کا پورا اختیار دیا جائے گا۔ اور یہ خیانت معاشرہ کا سب سے بڑا جرم ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْبَعِثِ

بِالْمَهْمَاتِ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ

بَرِيَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا

جہاد کا بیان

بَابُ - مجاہدین کی عورتوں سے
بیچھے رہ جانے والوں کا خیانت
کرنا حرام ہے!

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت مجاہدین کی عورتوں کی ان لوگوں پر جو جہاد میں نہیں جاتے مثل حرمت ان کی ماؤں کے۔ اور جو بھی شخص جہاد میں نہ جائے اور کسی مجاہد کے عیال میں خیانت کرے تو بروز قیامت مجاہد سے کہا جائیگا کہ اس سے تو اپنا قصاص لے لے۔ پھر اب کیا گمان ہے تمہارا؟

تشریح :- یہ حدیث مجاہدین کے درجہ و مرتبہ کو واضح و آشکار کرتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مجاہدین کی کس قدر پاسداری اور کتنا لحاظ منظور ہے کہ ان کی عورتوں کو احترام و عزت و حفاظت تک و ناموس میں جہاد میں نہ جانے والوں کے لئے ان کی ماؤں کے برابر ٹھہرایا۔ اور اگر کوئی خیانت کر بیٹھے تو آخرت میں مجاہد کو قصاص لینے کا پورا اختیار دیا جائے گا۔ اور یہ خیانت معاشرہ کا سب سے بڑا جرم ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

بَابُ - اس وصیت کا بیان

جو لشکر وغیرہ بھیجتے وقت کی جاتی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بڑا لشکر یا کوئی چھوٹا دستہ بھیجتے تو اس کے امیر کو وصیت فرماتے خاص کر

اوسریۃ اوصی امیرہم فی خاصۃ نفسہ
بتقوی اللہ و اوطی فیمن معہ من المسلمین
خیر اثم قال اغزو باسم اللہ فی سبیل اللہ
فاقتلوا من کفر باللہ لا تقتلوا ولا
تغدروا ولا تمشلوا ولا تقتلوا
ولیباً او لا شیئاً کبیراً فاذا
لفیتہم عدوکم فادعواہم الی الاسلام
فان ابوا فادعواہم الی اعطاء الجزیۃ
فان ابوا فقاتلوہم فاذا احصرتم
اہل حصن فارادوکم ان تنزلوا
علی حکم اللہ تعالی فلا تفعلوا فانکم
لا تدرون ما حکم اللہ و لکن انزلوہم
لا تدرون ما حکم اللہ بما بدکم
فان ارادوکم ان تعطوہم ذمۃ اللہ
فاعطوہم ذمکم و ذمہم اباکم
فانکم ان تخفروا بہ مکواہون
من ان تخفروا بذمۃ اللہ فی
رفبتکم

و فی روایۃ فان ارادوکم ان تعطوہم
ذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ فلا تعطوہم
ذمۃ اللہ ولا ذمۃ رسولہ و لکن
اعطوہم ذمکم و ذمہم اباکم فاکوون
تخفروا ذمکم و ذمہم اباکم ایسر

تشریح :- یہ حدیث جنگی قانون و اصول کا منبع ہے اور نہایت اعلیٰ اصول و قواعد کا خزانہ۔ اس میں
سب سے پہلے امیر لشکر کو ہدایت ہے کہ اگر لڑکر طحوظ خاطر ہے۔ کہ سارے معاملات کی جڑ اسی سے مضبوط
ہوتی ہیں اور تمام معاملات اسی سے درست ہوتے ہیں۔ خوف خدا ہی انسان کو برائی سے بچاتا ہے اور
ہر غلط راستہ پر چلنے سے باز رکھتا ہے۔ دوسرے اہل لشکر سے حسن سلوک و نیک برتاؤ کی ہدایت فرمائی۔
اور ان کی طرف خیر و احسان کا ہاتھ بڑھانے کی رغبت دلائی۔ کیونکہ امیر کی خوش معاملگی سے لشکر ہی
ایک جان و یک دل ہو کر اس کی حکم برداری کو اپنے لئے سرمایہ فخر جانتے ہیں۔ تیسرے ہدایت فرمائی کہ

اس کے حق کے بازہ میں اللہ سے ڈرنے کی۔ اور
اہل لشکر کے حق میں مہلاتی و احسان کرنے کی۔ پھر فرماتا
کہ اللہ کے نام سے مدد لیتے ہوئے اور اس کی رضامندی
کو طلب کرتے ہوئے جہاد کرو۔ جو اللہ کے ساتھ کفر
کرسے ان سے قتال کرو۔ مال غنیمت میں خیانت نہ
کرو۔ کسی مقتول کی ناک کان نہ کاٹو کسی بچہ یا بوڑھے کو
قتل نہ کرو جب تم اپنے دشمن کے مقابلے میں آؤ تو اس
کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ انکار کریں تو انکو جزیہ
دینے پر آمادہ کرو مگر اس سے بھی انکار کریں تو ان سے
جنگ کرو جب تم کسی اہل قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ
تم سے چاہیں کہ تم اتارو اللہ کے حکم پر تو ایسا نہ کرنا۔
کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا حکم کسے نیکین اتاروان کو
تمہارے حکم پر پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے تم ان کے
بارہ میں فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم ان
کو اللہ کی امان سے دو اور اس کے عہد و ذمہ میں لے لو
تو تم ان کو اپنے آباء کے ذمہ میں لے۔ کیونکہ تمہارا تمہارے
اپنے ذمہ کو توڑ دینا تمہاری گردن پر بہت زیادہ ہلکا
ہے۔ اس سے کہ تم اللہ کے ذمہ کو توڑ دو

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر وہ چاہیں
کہ تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دو تو تم انکو
اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ نہ دو کیونکہ تمہارا اپنی اور
اپنے آباء کی ذمہ داری کو توڑنا زیادہ آسان ہے

تشریح :- یہ حدیث جنگی قانون و اصول کا منبع ہے اور نہایت اعلیٰ اصول و قواعد کا خزانہ۔ اس میں
سب سے پہلے امیر لشکر کو ہدایت ہے کہ اگر لڑکر طحوظ خاطر ہے۔ کہ سارے معاملات کی جڑ اسی سے مضبوط
ہوتی ہیں اور تمام معاملات اسی سے درست ہوتے ہیں۔ خوف خدا ہی انسان کو برائی سے بچاتا ہے اور
ہر غلط راستہ پر چلنے سے باز رکھتا ہے۔ دوسرے اہل لشکر سے حسن سلوک و نیک برتاؤ کی ہدایت فرمائی۔
اور ان کی طرف خیر و احسان کا ہاتھ بڑھانے کی رغبت دلائی۔ کیونکہ امیر کی خوش معاملگی سے لشکر ہی
ایک جان و یک دل ہو کر اس کی حکم برداری کو اپنے لئے سرمایہ فخر جانتے ہیں۔ تیسرے ہدایت فرمائی کہ

کہ لڑائی اللہ کے نام سے شروع کرو اور اس میں صرف اسی کی خوشنودی و رضا کو پیش نظر رکھو۔ اور دیکھو کہ کھاد نام و تلو کو ہرگز ہرگز قریب نہ آئے دو۔ کیونکہ اللہ کے دربار میں کوئی عمل کس قدر بھی با وقعت کیوں نہ ہو۔ بغیر خلوص نیت کے بیکار ہے۔ بلکہ موجب سزا اور سزائش۔ چوتھے عین لڑائی کے بارہ ہیں۔ نصیحت فرمائی کہ مال غنیمت میں چوری نہ کرو کہ یہ بہت بڑا گناہ اور اللہ اور رسول کے خیانت ہے اور نازیبا عمل وعدہ میں بے وفائی نہ کرو کہ رذالت کی نشانی ہے۔ اور بد اخلاقی کی علامت مقتول کی ناک کاٹو کیونکہ یہ نہایت درندگی ہے۔ اور بربریت اور بچہ دلوڑھے کو قتل نہ کرو۔ کیونکہ یہ عمل انصاف و خدا ترسی سے بعید ہے اور سخت ظالمانہ عمل۔ پانچویں وصیت فرمائی کہ جب دشمن کے مقابلہ میں آؤ۔ تو پہلے دشمن کو اسلام کی طرف دعوت دو اگر وہ اس کو قبول نہ ہو تو اس کو جزیہ پر آمادہ کرو۔ کہ وہ اسلام کی ماستحتی میں ذمی بن کر رہے۔ اگر اس پر بھی وہ راضی نہ ہو تو مقاتلہ کے لئے اس کو لٹکاؤ چھٹے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر دشمن کمزور پڑے اور تم سے امان چاہے تو اپنی ذمہ داری میں اس کو لو۔ نہ خدا و رسول کی ذمہ داری میں ۛ

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمَثَلَةِ

باب ۱۴۳۔ مثلہ سے ممانعت کا بیان !

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن سیرین عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المثلۃ ۛ

حضرت بریدہ رضی عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے ۛ

تشریح :- مثلہ کے معنی ہیں مقتول کے ہاتھ پیر۔ ناک۔ کان۔ زبان وغیرہ کاٹنے دنیا اسلام میں اس کی سخت ممانعت ہے اور آنحضرت نے اس عمل سے سختی سے روکا ہے کہ یہ دزدگی و حشیانہ عمل اسلام کی شان کے خلاف ہے۔ اسلام امن و امان کا دین ہے ۛ

ابو حنیفہ عن اسماعیل بن حماد و ابیہ والقاسم بن معن و عبد الملك عن عطیة القرظی قال عرضنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم قرظیۃ فقام فامر بقتل کبارہم و سببی مغارہم فمن (انت) قتل ومن لم ینبت استحبی ۛ و فی روایۃ قال عرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انظروا

عطیہ قرظی رضی عنہ سے روایت ہے کہ قرظی کی لڑائی میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی میں پیش ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر حکم دیا کہ بڑے ترخیج کے جائیں اور چھوٹے غلام نہ لے جائیں تو جبکہ مرنے لگے نہ لگے وہ نہرہ چھوڑ دیا گیا ۛ

اور ایک روایت میں ہے کہ عطیہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا

فَاِنْ كَانَ اِنْشِئَتْ فَاَصْلُهَا عَقْدُهُ
فَوَجَدُوهُ لَوْ اَنْشِئَتْ فَحَسْبِي
سَبِيلِي :

وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مِنْ سَبِي
تَرْبِطَةٍ تَعْرِضَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَطَرَدَا فِي عَانَتِي
فَوَجَدَاؤُنِي لَوْ اَنْشِئْتُ فَاِلْحَقُوْنِي
بِالسَّبِي :

تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اگر اس کے موئے زہر نہ
ہوں تو اس کی گردن مارو۔ لہذا انہوں نے مجھ کو
چھوڑ دیا :

اور ایک اور روایت میں اس طرح سے کہ قریظ
کی لڑائی کے قیدیوں میں میں بھی تھا جب نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا تو لوگوں نے
میرے زہر ناف بال نہ پائے۔ لہذا مجھ کو قیدیوں
میں چھوڑ دیا گیا :

تشریح :- اس حدیث میں بالغ و نابالغ کی شناخت کا ایک صحیح طریقہ بتایا گیا ہے۔ کیونکہ نابالغ
مقاتلہ و لڑائی کی قابلیت نہیں رکھتے تو ان کو قتل کرنا ظلم کے مترادف ہے۔ لہذا ان کو زندہ رکھ کر
قیدی بنالیا گیا :

ابو حنیفۃ دا بن ابی لیلی عن الحكم
عن مقسم عن ابن عباس ان رجلا من
المشركين يوم الخندق قتل في الخندق
فباعه المشركون بيمينته فالا فهاهم رسول
الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك :

تشریح :- یہ نہایت معیوب بات ہے کہ مردہ لاش فروخت کی جائے۔ اور اس کے بدلے
مال لیا جائے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے باز رکھا۔ اور اس کو گوارا نہ فرمایا :

بَابُ النَّهْيِ عَنْ اَنْ يُبَاعَ

الْخَمْسُ حَتَّى يُقْسَمَ :

ابو حنیفہ عن ذافع عن ابن عمر
قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم
يوم خيبر ان يباع الخمس حتى
يقسم :

کی ممانعت !

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ
یوم خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کو
مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے بیچنے سے منع
فرمایا :

تشریح :- مال غنیمت کی تقسیم سے قبل حصص کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ کیونکہ تقسیم کے
پہلے ملک نہیں ہوتی۔ اور جب ملک ثابت نہ ہو تو بیع جائز نہیں :

الْبُحَيْفَةُ عَنْ مَقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَسَمَ شَيْئًا مِنْ غَنَائِكَ بِدَارِ الْكَاهِلَةِ مَقْدَمُهُ بِالْمَدِينَةِ ۖ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی غنیمت سے کوئی شے تقسیم نہیں فرمائی مگر مدینہ تشریف لانے کے بعد ۖ

تشریح :- امام اعظم کے نزدیک مال غنیمت کی تقسیم دار الحرب میں بلا ضرورت جائز نہیں۔ اور امام شافعی و مالک کے نزدیک جائز ہے۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ امام اعظم کے نزدیک غنائین کی ملک مال غنیمت میں ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دارالاسلام میں محفوظ نہ کر لیا جائے اور ان دونوں اماموں کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے اور اسی اصول کی وجہ سے ان حضرات میں بہت سے مسائل کا اختلاف پیدا ہو گیا ۖ

کتاب البیوع

بَابُ التَّقْوَىٰ عَنِ الْمُسْتَبْهَاتِ

الْبُحَيْفَةُ عَنْ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّعْمَانَ يَقُولُ عَلَى الْمَنْبَرِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذَلِكَ مُسْتَبْهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمُسْتَبْهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ ۖ

خرید و فروخت کے احکام

باب ۱۴۵ - مشتبہ چیزوں سے پرہیز

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے نعمان کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے پس جنہیں نے شبہ کی چیزوں سے پرہیز کیا۔ اس نے اپنا دین و اُبر و سچائی ۖ

تشریح :- یہ حدیث پورے دین اسلام کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ اور تقویٰ کا ایک بلند معیار قائم کرتی ہے۔ یعنی حلال ظاہر اثبات چیزیں ہیں جن کا حلال ہونا صاف اور کھلے الفاظ میں دین اسلام میں بیان ہو چکا ہے۔ مثلاً کھانے پینے پہننے و بچنے وال کی وہ اشیاء جو عام طور پر مسلمان بلا شک و شبہ استعمال میں لاتے ہیں۔ اسی طرح وہ چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت پر آیات قرآنیہ تصریح وارد ہیں۔ مثلاً شراب۔ سود۔ مردار وغیرہ۔ اب رہیں مشتبہات تو وہ گویا حلال و احرام اشیاء کی درمیانی چیزیں ہیں۔ جن میں حرمت کی بھی گنجائش ہے اور حلت کا بھی احتمال۔ یعنی یہ حلت و حرمت کے درمیان گھری ہوئی ہیں اور ہر دو کی محتمل۔ مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر کسی نے یہ شک ڈلوادیا کہ یہ عورت اس شخص کی رضاعی بہن ہے۔ تو یہ مشکوہ عورت اس کے حق میں مشتبہ ہو گئی۔ تو ان کے بارہ میں تقویٰ تو یہی ہے جو حدیث میں ذکر کیا گیا کہ مسلمان ان

مشتبہات سے بھی پرہیز کریں۔ کہ گناہ سے آلودگی کا احتمال تک نہ رہے اور دین و عزت کا دامن یقیناً الزام طعن و تشنیع سے پاک ہو۔ لیکن حقیقت میں علماء کا اس لہار میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشتبہات کا شمار حرام اشیا میں ہے ان سے انسان الیسا ہی بچے۔ جیسا کہ حرام قطعی سے بچتا ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ یہ مباح ہیں کیونکہ اصل اشیا میں اباحت ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً چنانچہ جمہور علمائے حنفیہ وشافعیہ کا یہی مسلک ہے اور اسی مسلک کے بہت سے مسائل نکلتے ہیں۔ بعض اس خیال کے حامی ہیں کہ ان کے بارہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آیا یہ چیزیں حرام ہیں یا مباح :

بَابُ اللَّعْنِ عَلَى الْخَمْرِ وَمُتَعَلِّقِهَا شَرَابِ پر اور اس کے متعلقات پر لعنت ہے

ابو حنیفہ عن حماد عن سعید

بن جبیر عن ابن عمر قال لعنت الخمر عامرہا و ساقبہا و شاربہا و بائعہا و مشترکہا :

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ لعنت کی گئی شراب پر اس کے پھوڑنے والے اس کے پلانے والے اس کے پینے والے اس کے خریدنے والے اور اس کے خریدنے والے پر :

تشریح : ترمذی میں حضرت انسؓ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت کی۔ شراب کے پھوڑنے والے۔ اس کا پھڑوانے والا۔ اس کا پینے والا۔ اس کا پلانے والا۔ وہ جسکی طرف وہ اٹھا کر لے جانی جائے۔ اس کا بیچنے والا۔ اسکی قیمت کھانے والا۔ فقہین کے لئے وہ خریدی جائے۔ اور اس کا خریدنے والا۔ غرض شراب چونکہ قطعی حرام ہے۔ اس لئے اس سے کسی طرح کا بھی تعلق رکھنے والا قابل گرفت ہے۔ اور اللہ و رسول کی طرف سے لعنت کا سزاوار ہے :

حماد عن اسیہ عن محمد بن قیس

قال سألت ابن عمر اذ سألہ ابو کثیر عن بیع الخمر فقال قاتل اللہ الیہود حرمت علیہم الشحوم فحرموا اکلہا واستحلوا بیعہا واکلوا اثماً نہا وان الذی حرم الخمر حرم بیعہا واکل ثمنہا :

محمد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا۔ یا ابو کثیر نے ان سے شراب کے بیچنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے کہا کہ قاتل کرے اللہ یہود کو کہ جب حرام کی گئی چیز بی ان کے لئے تو انہوں نے اس کا کھانا تو حرام رکھا۔ مگر اس کے بیچنے کو حلال قرار دیا۔ اور اس کی قیمت کھا گئے۔ حالانکہ جس نے شراب کو حرام کیا تو اس نے بیچنے کو بھی حرام کیا اور اس کی قیمت کو بھی :

تشریح :- بخاری میں اس طرح ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ اللہ یہود پر لعنت بھیجے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو گھٹایا۔ پھر اس کو بیجا اور اس کی قیمت نکھالی۔ گویا یہ ایک حیلہ کیا۔ کہ چربی کو گھٹلا کر اس کی صورت و شکل بدل ڈالی اور یہ سوچا کہ اب اس کا حکم بھی بدل گیا نفوذ باللہ یہ کیسی بددیانتی و فریب، اور اللہ کے احکام کی بے حرمتی ہے۔ ابو داؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم پر کسی چیز کو حرام فرمایا تو اس کی قیمت بھی اس پر حرم فرمائی۔ گویا حرمت کا یہ اصول ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ لہذا ایسے لغو حیلہ کی آٹھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی عدول حکمی کرنا کھلی گمراہی ہے۔

بَابُ اللَّعْنِ عَلَى أَكْلِ الرِّبَا ۱۴۷

باب ۱۴۷۔ سود خوار پر لعنت کے

الْبُحَافَةُ عَنْ أَبِي اسْحَقَ عَنْ
الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْلَ الرِّبَا
وَمُؤْكَلَهُ ۚ

حضرت علی رضی سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی سود کھانے
والے دینے والے اور کھلانے والے دینے والے

تشریح :- امام احمد۔ دارقطنی اور طبرانی اوسط اور کبیر میں عبد اللہ بن غطلہ سے مرفوع روایت
اس مضمون کی لائے ہیں کہ ایک درم کے برابر سود کھانا جبکہ معلوم ہو۔ کہ یہ سود سے چھتیس زناؤں سے
زیادہ سخت ہے۔ بہیقی رحمہ اللہ شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے جو روایت لائے ہیں اس میں اس معنی
کے الفاظ زائد ہیں کہ جس شخص کا گوشت حرام کے مال سے بنا ہو تو وہ اسی کا منرا وار ہے کہ اس کو آگ لکھا
مسلم وغیرہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ سود کے کھانے کھلانے پر بھی آپؐ نے لعنت بھیجی ہے۔ اور اس
کے کھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر بھی۔ گویا اللہ و رسول کے نزدیک سود اس قدر سخت گناہ ہے
کہ اس کے سلسلہ میں ذرا سا حصہ لینے والا بھی لعنت خداوندی کا مستحق ہے اور آنحضرت کی زبان مبارک کے
اس پر لعنت کی گئی ہے۔

بَابُ الرِّبَا فِي

باب ۱۴۸۔ سود ادھار ہی

النَّسِيئة

الْبُحَافَةُ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ بَنِي عَبَّاسٍ
عَنْ اسْلَمَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَأَلَ الرِّبَا فِي
النَّسِيئةِ وَمَا كَانَ يَدًا أَبَدًا فَلَا بَأْسَ ۚ

حضرت امامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ
انہوں نے کہا کہ النبیؐ سود ادھار میں ہے۔ اور جو
ہاتھ در ہاتھ ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح ۱۔ سوو کے مسئلہ کی مناسب تفصیل آگے آ رہی ہے :

بَابُ الرَّجَاءِ فِي الْأَشْيَاءِ

باب ۱۴۹ - چھ چیزوں میں زیادتی

الستّة بالفصل!

سودھے!

الْبُحَيْفَةُ عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ أَبِي

سعيد بن الخداسي عن النبي صلى الله عليه

وَسَلَّمَ قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مَثَلًا

بِمَثَلِ وَالْفَضْلِ رَبُّوْا وَالْفَضَّةَ بِالْفَضَّةِ

وَدُّنَا بَوِّزِينَ وَالْفُغْصَلِ رَبُّوَاوَالْتَمَّا بِالْمَدِّ

والفضل ربوا والشعير بالشعير مثلاً

بمثل والفضل ربوا :

وَفِي سِرَاوِيَّةِ الزَّهَبِ بِالزَّهَبِ

وَرَنَا بَوْدَنِيْدًا بَيْدًا وَالْفَضْلُ

رَبُّوْا وَالْحَنَظَةَ بِالْخَطَةِ كَيْلًا

بِكُلِّ يَدٍ أَسِيدٍ وَالْفَضْلُ رِبُّوْا
لَا تَقْتُلُوا الْقَتْلَ الْمَكْرُومَ

وَالْتَمَّا بِالْحَمْدِ وَالْمَحَبَّةِ بِالْمَعْلُومِ لِيُذِيلَ
بِالْفَقْصِ رَدًّا

تشیہ کے برسرِ احسن کے عرف عام میں سو دو کو

نشر صحیح :- ریلو اجنس کو عرف عام میں سود کہا جاتا ہے۔ لغت میں زیادتی کے معنی میں ہے۔ لیکن

اصطلاح شرعی میں خاص اس پر زیادتی کا نام ہے۔ جو دو مالوں کے تبادلہ میں بغیر کسی عوض یا بدلے کی دمی

جائزے۔ ربوب کی دراصل دو قسم ہے۔ ایک یہ بوائیہ کہ نقد کو ادھار یا قرض پر بچیں دوسرا ربو الفضل کو ہاتھ

درہا متھ نقد التقالید دین ہوز یاداتی کے ساتھ حرمت ربلو اسکے بارہ ایی قرآنی حکم یہ فرمان خداوندی،

واحل الله البيع وحرم الربوا کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام اس آیت کریمہ نے ربا کے

معنی لغوی مطلق زیادتی تو بالالفاظ مراد نہیں تو گویا بعض قرآنی مجمل ہوں اور محتاج لشریح چنانچہ احادیث

میں اس کی تشریح ہے۔ احادیث میں اصل حدیث وہ ہے۔ جس میں اس محضرت کے کچھ اشتیاء ہو۔

چاندی - بیہوں - جو - سر - سبک - کو لیا یا ہے ۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت سے الفاظ
میں مروی ہے ۔ الذّٰھب بالذّٰھب والفضّة بالفضة والبر بالبر والشعر بالشعر والنمل بالنمل

[illegible]

اذا کان پیدا پیدا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا سونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے عوض گہیوں گہیوں

کے عوض۔ جو جو کے عوض۔ کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض۔ برابر برابر دست بدست پس اگر یہ اشیاء آپس میں مختلف ہوں تو جیسا چاہوں کو فروخت کرو۔ جبکہ نقد در نقد سودا ہوا اس حدیث کو سوائے بخاری کے سب اصحاب صحاح لائے ہیں۔ حضرت ابی سعید کی یہ حدیث بھی اسی مضمون کو قدرے اجمال سے بیان کرتی ہے۔ غرض یہ حدیث سولہ اصحاب کے مروی ہے۔ اصحاب اطاہر چونکہ قیاس کا انکار کرتے ہیں۔ اس حدیث کے حکم کو ان ہی چھ اشیاء پر محدود رکھتے ہیں۔ مگر ائمہ مجتہدین اس میں قیاس کو دخل دیتے ہوئے اس میں علت حکم کو ٹوٹاتے ہیں اور علت کے ساتھ حکم حرمت کو دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ تلاش علت میں ائمہ کے درمیان اختلاف رونما ہوتا ہے۔ بہر حال سب ائمہ میں نقطہ اختلافی یہی حدیث ہے۔ جلد ابدال علت حکم حرمت دریافت کرنے سے مختلف ممالک عالم وجود میں آئے ہیں۔ اور ان پر مختلف مسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ نے تمام حدیث کے پیش نظر علت و چیزیں قرار دی ہیں ایک جنس دوسری قدر قدر سے مراد وزنی اشیاء کا وزن ہے اور کیلی اشیاء (ناپی جانے والی چیزوں میں) کیل و ناپ ہے۔ کیونکہ حدیث میں مثلاً بمثل سے مماثلت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حرمت زیادتی سے ہے کہ ان میں مماثلت ہو تو گویا ناپ سے حرمت مماثلت ہے اور جنسیت سے باطنی۔ لہذا اس علت جنس و قدر کے ساتھ حکم حرمت فضل و در کرے گا۔ جہاں ہر دو چیز علت موجود ہوں گے وہاں دست بدست زیادتی بھی ناجائز ہے اور ادوار بھی ناجائز۔ مثلاً اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں کہ سونا سونے کے عوض نقد در نقد برابر برابر چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر دست بدست وغیرہ وغیرہ۔ اگر علت کے ہر دو جزو نہ پائے جائیں کہ نہ جنس ایک ہو نہ قدر ایک تو نقد در نقد بھی زیادتی جائز ہے۔ اور ادوار بھی جائز۔ گویا فضل بھی جائز ہے اور نسیہ بھی۔ مثلاً گہیوں کو چاندی کے عوض بیچیں تو دونوں صورتوں میں جائز ہیں۔ کیونکہ یہاں نہ جنس ہی ہے۔ نہ اتحاد قدر کہ گہیوں کی کیلی ٹھیری۔ اور چاندی وزنی۔ اور اگر علت ایک جزو میں متفق ہو۔ دوسرے میں اختلاف تو زیادتی جائز ہے۔ یعنی ہاتھ در ہاتھ زیادتی سے بیچ سکتے ہیں۔ مگر اس میں ادوار جائز نہیں۔ مثلاً گہیوں کو چنوں کے عوض میں بیچا تو زیادتی حلال ہے۔ و نسیہ حرام۔ یعنی نقد نقد زیادتی سے دے سکتے ہیں۔ ادوار پر سودا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہاں جنس مختلف ہے اور قدر ایک کہ گہیوں اور چنے ہر دو کیلی ہیں۔ یا مثلاً گھوڑے کو گھوڑے کے بدلے بیچنا چاہیں تو بھی زیادتی جائز ہے کہ ایک گھوڑے کے بدلے دو دیں یا لیں۔ مگر نسیہ حرام کہ اس میں اگرچہ جنس ایک ہے، مگر قدر نہیں۔ کیونکہ گھوڑا نہ کیلی سے نہ وزنی۔ امام احمد ایک روایت میں امام صاحب کے ساتھ متفق ہیں۔ امام شافعی اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں سے چار چیزوں گہیوں۔ جو۔ کھجور۔ نمک سے علت فہم سمجھتے ہیں کہ وہ کھانے پینے کے کام میں آتے اور ہونے چاندی سے ثنیت کہ وہ قیمت بن سکے۔ ایک روایت میں امام احمد انہیں کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی مزید محبت کے لئے ایک اور حدیث سے دلیل لاتے ہیں وہ حضرت معمر بن عبد اللہ کی حدیث ہے جو سلم وغیرہ میں بدین الفاظ مروی ہے۔ کنت اسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول

۱۔ طعام مثل بمثل و كان طعامنا يومئذ الشعير۔ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا۔ کہ کھانا کھانے کے بدلے میں ہے برابر برابر اور ان دنوں میں ہمارا کھانا جو تھا۔ کہ یہاں طعام کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ترکیبی میوے اور ادویات میں تفضل و زیادتی ربا ہوگا۔ کیونکہ ان میں طعام و قوت سے مگر لوہے تانبے پتیل چوڑے وغیرہ میں نہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو اس کے ہم جنس سے زیادتی سے بچا جاسکتا ہے۔ امام مالک ان چار اشیا مذکورہ فی الحدیث سے علت ربا قوت اور بد ختم ہونا سمجھتے ہیں۔ یعنی جن چیزوں کا ذخیرہ ہو سکے۔ ان چار میں ربا احرام ہے۔ اور اور جن کا ذخیرہ نہ ہو سکے ان میں نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے حرمت فضل میں ان چیزوں کو بیان فرمایا جو قوت بننے اور ذخیرہ ہونے کے قابل ہیں۔ لہذا یہی علت قرار پائی۔ اسی بنا پر ترکیب میوہ جات اور وہ کھانے پینے کی چیزیں جو نہیں رکھی جاسکتیں۔ ان میں ان کے نزدیک ربا نہیں ان میں سے ایک کو دو کی جگہ لے دے سکتے ہیں۔ اور سونے چاندی میں ان کے نزدیک بھی ثمنیت سے گویا امام شافعی کے ساتھ یہ اس شعبہ خیال میں متفق ہوئے۔ امام صاحب کی سمجھی ہوئی علت اول تو حدیث ذیل یا حدیث عبادہ بن صامت کے الفاظ مثلاً بمثل سے بطریق مذکورہ صاحب کی سمجھی ہوئی علت اول تو حدیث ذیل یا حدیث عبادہ بن صامت کے الفاظ مثلاً بمثل سے بطریق مذکورہ صاحب آشکارا ہے۔ پھر امام صاحب کا یہ صرف قیاس ہی نہیں۔ بلکہ ان کا یہ قیاس ایک صریح نص سے بھی مل جاتا ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

بزار حضرت عبادہ اور انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جو اس حدیث ربا کی گویا کھلی ترجمان ہے۔ اور امام صاحب کے قیاس کی صحت کی صاف دلیل۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل ما یوزن مثل بمثل اذا کان من نوع واحد وما یکال مثله و اذا اختلفا النوعان فلا بأس به۔ کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر تولی جانے والی چیزیں برابر برابر ہیں جبکہ ایک ہی نوع سے ہوں ایسے ہی وہ چیزیں جو ناپی جاتی ہیں اور جب نوعوں میں اختلاف ہو تو کوئی پروا نہیں۔ اب امام شافعی کی حجت حضرت معمر کی حدیث کے مقابلہ میں ہمارے اصناف کے پاس آنحضرت کا یہ عام فرمان ہے۔ لا تتبعوا الدرهم بالدرهمین ولا الصاع بالصاعین کہ ایک درم کے بدلے دو درم اور ایک صاع کے بدلے دو صاع نہ پیچو کہ جو معلوم وغیر معلوم سب کو شامل ہے۔ لہذا امام صاحب کا قیاس اقرب الی الصواب ہے۔

بَابُ اشْتِرَاءِ الْعَبْدِ بِنِ بَابُ - دو غلاموں کو ایک غلام

کے بدلے میں خریدنا!

بَعْدُ!

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابرؓ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتری
عَبْدًا بَيْنَ بَعْدٍ ۝

تشریح :- یعنی یہ خریداری دست بدست ہوئی نہ او بار اور وعدہ پر اور یہ بنا بر تفصیل سابق جائز ہے۔ کیونکہ یہاں ہر دو عوض ہم جنس ہیں اور ان میں قدر نہیں کہ علام نہ کیلی ہے نہ وزنی گویا یہ وہ صورت ہے کہ یہ بوا فضل اس میں جائز ہے اور یہ حرام ۝

ابو حنیفہ عن عمرو بن دینار
عن طاؤس عن ابن عباس عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال من اشتری
طعامًا فلا یبعہ حتی یتوفیہ ۝

حضرت ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غلہ خریدو وہ اس کو
نہ بیچو تا وقتیکہ اس کو پورا نہ لے لے ۝

تشریح :- بخاری میں ہے کہ وہ چیز جس سے آنحضرت نے منع فرمایا۔ وہ غلہ ہے جو قبضہ سے پہلے
بیچا جائے۔ مسلم میں بعینہ یہی حدیث امام نے صرف اشتری کی جگہ اتباع سے۔ یہ حدیث بھی ائمہ اربعہ
کے مابین ایک لحاظ سے اختلافی ہے امام مالک اس حکم کو مورد نص یعنی طعام (غلہ) ہی کے ساتھ مخصوص
رکھتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک غلہ کے علاوہ چیزوں کا قبل استیفاء کے بیچنا جائز ہے۔ امام احمد اس حکم کو
ہر روزنی اور کھلی چیز پر بخاری و ناقد جانتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ منقول چیز کو اس حکم کے ماتحت لاتے ہیں۔
اور زمین کی بیع جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حکم ہر چیز کی بیع بغیر قبضہ کرنے کے جائز نہیں اور
زمین پر گریا امام مالک کے نزدیک دائرہ نفاذ حکم حدیث بالکل محدود و مقصور ہے۔ امام احمد کے
دیکھنا اس سے وسیع تر امام صاحب کے نزدیک اس سے بھی وسیع تر اور امام شافعی کے نزدیک اس
سے زیادہ وسیع۔ امام صاحب اپنے مسلک خیال پر آنحضرت کے قول عنی یتوفیہ سے دلیل لاتے
ہیں کہ استیفاء کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے نہ غیر منقولہ سے یا حضرت ابن عمر کی حدیث سے جو بخاری
لائے ہیں۔ بدین الفاظ تھا قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعہ فی مکانہ حتی یتقلوا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع فرمایا غلہ کے بیچنے سے اسی جگہ۔ یہاں تک کہ اس کو منتقل کر لیں۔
یعنی اس کی جگہ بدل لیں ۝

بَابُ النَّهْيِ عَنِ بَيْعِ الْغَرَبِ ۝
بَابُ فَرِيبِ الْبَيْعِ كِي مَمَانَعَتِ ۝

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر
قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عن بیع الغرام ۝

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریب والی بیع
سے منع فرمایا ہے ۝

تشریح :- نووی کہتے ہیں کہ کتاب البیوع میں یہ حدیث ایک اصول اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے

اسی لئے مسلم اس کو شروع میں لائے ہیں۔ اور اس پر پیش از پیش مسائل کا دار و مدار ہے۔ یہ حدیث حلت و حرمت کا ایک جامع اصول و قاعدہ ہے اور جائز و ناجائز خرید و فروخت کے مابین ایک خط اتنیہ ہے کہ جن اقسام بیع میں دھوکہ دھڑی ہو وہ قطعی حرام ہیں اور جن میں ایسا نہ ہو وہ بلاشبہ حلال ہیں یا یوں کہئے کہ یہ حدیث ایک کسوٹی ہے یا ایک معیار ہے جس سے ہر معاملہ بیع کے جواز و عدم جواز کو جانچا اور اور پرکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً مچلے ہوئے غلام کی بیع۔ معدوم و غیر موجود کی بیع۔ ایک مجہول چیز کی بیع۔ یا اس چیز کا بیچنا جس کی سپردگی قابض سے باہر ہو۔ یا جس پر بالتح کا پورا پورا قبضہ نہ ہو۔ یا پانی کی پھلیوں پر سودا کرنا۔ یا جانور کے تھن کے دودھ پر خرید و فروخت کرنا۔ یا جانور کے پیٹ کے بچہ کو بیچنا۔ یا یوں کہہ کر بیچنا کہ ان بکریوں میں سے کوئی بکری بیچتا ہوں۔ یا کپڑوں میں سے کوئی کپڑا بیچتا ہوں۔ کہ یہ سب صورتیں اسی اصول کی روشنی میں ناجائز ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْمَزَابِنَةِ وَالْمَحَاقِلَةِ

باب ۱۱۱۔ بیع مزابنہ و محاقلہ سے

ممانعت!

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔

تشریح :- مزابنہ کی یہ ہے کہ کسی قدر کیل و ناپ کے درخت پر زرخیز کھجور کو خشک کھجور کے بدلے میں بیچا جائے۔ یا اگر انگور ہیں۔ تو بیل پر لگے ہوئے تراگوروں کو خشک انگوروں کے عوض بیچا جائے۔ محاقلہ کی یہ ہے کہ بایوں میں جو گیہوں ہیں ان کی بیع کی جائے چند کیل خشک گیہوں کے عوض بیچا جائے ہر دو صورتیں اصول مذکور کے تحت ناجائز ہیں۔ کیونکہ یہاں بیع مجہول سے ہے اور اس میں دھوکے کا احتمال ہے۔ بیع کی یہ شکلیں چونکہ ایام جاہلیت میں رائج تھیں اس لئے ان کو علیحدہ بالتخصیص بیان فرمایا۔ اور ان کی حرمت پر صاف الفاظ میں تصریح فرمائی تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے اور ہر عالم اور جاہل سمجھ لے۔



بَابُ النَّهْيِ عَنِ اشْتِرَاءِ الثَّمَرَةِ حَتَّى يُشَقَّقَ!

بَابُ ۱۴۳ - میوہ کو سرخ یا زرد
ہونے سے پہلے خریدنا ناجائز

منع ہے!

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن
ان يشتري ثمرة حتى يشقق

حضرت جابر رضی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے میوہ کو زرد یا سرخ ہونے سے
پہلے خریدنے سے منع فرمایا ہے:

تشریح :- یعنی جب تک پھل اپنی طبعی عمر کو نہ پہنچیں ان کی خریدنا منع ہے:

ابو حنیفہ عن جبلة عن ابن

عمر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن السلم فی النخل حتی یبدأ صلاحہ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے پھل
بیچنے سے یہاں تک کہ وہ صلاحیت کو پہنچ جائیں

تشریح :- یعنی اگر درخت پر لگی ہوئی کھجور کو فروخت کیا جائے تو جائز نہیں۔ جب تک وہ
اپنی مراد کو نہ پہنچ جائے۔ اگر اس کو درخت سے کاٹ کر بیچیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر پھل مکمل

اور پکنے سے پہلے خریدنے سے ایک فریق کا نقصان ہے:

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابی

ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال اذا طلع النجم رفعت العاهات
یعنی الثریا

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ستارہ طلوع
ہو جائے تو پھلوں پر سے آفتیں اٹھ جائیں۔ یعنی
ثریا:

تشریح :- بلا وجہ میں موسم گرما کے شروع میں ثریا فجر کے ساتھ ساتھ نکلتا ہے۔ تو گویا

یہ پھلوں پر آفات کے ٹل جانے کا ایک پیغام ہوتا ہے۔ اور ان کے مراد پر پہنچ جانے کی وجہ سے
بڑی نشانی:

بَابُ الْأَشْتِرَاطِ مِنَ الْمَشْتَرِي!

بَابُ ۱۴۴ - مشتری کی طرف سے شرط

کر لینے کا بیان!

المشتري!

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن

جابر بن عبد اللہ الانصاری عن النبی

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بیچا

صلى الله عليه وسلم قال من باع نخلاً
موتراً أو عبداً أو له مال فالثمرة والمال
للبائع إلا أن يشترط المشتري:

وفي رواية من باع عبداً أو له مال
فالمال للبائع إلا أن يشترط
المبتاع ومن باع نخلاً موتراً
فثمرته للبائع إلا أن يشترط
المبتاع:

قلم لگایا ہو کھجور کا درخت یا اس غلام کو جس کا
مال ہے۔ تو پھل اور مال بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری
شرط کرے:

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے غلام
بیچا جس کا مال ہے تو مال بائع کا ہے۔ مگر یہ
کہ مشتری شرط کرے۔ اور جس نے بیچا کھجور کا درخت
لگایا ہو۔ تو اس کے پھل بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری
شرط کرے:

تشریح:۔ موتّر کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جس میں قلم لگایا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ تھی کہ عرب کے
لوگ درخت کھجور میں نر و مادہ دو قسمیں مانتے تھے۔ اور ایسا کرنے تھے کہ مادہ کو چیر کر اس میں نر کا کڑا یا کباب
پیوست کر دیتے تھے۔ اس ترکیب کے درخت پھل بہت دیتا تھا۔ اس طریقہ کو عربی میں تابیر اور اردو میں
قلم لگانا کہتے ہیں:

اسی حدیث کی رد سے امام شافعی، امام مالک و امام احمد رحمہم السلام یہ ہے کہ اگر درخت کھجور موتّر
ہو تو یہ ہی حکم ہے کہ بغیر شرط کے پھل بائع کے ہیں اور مع شرط مشتری کے اور اگر موتّر نہ ہو تو بہر حال مشتری
کے ہیں۔ امام اعظم جو یہ اس دوسرے مفہوم کے قائل نہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک فحل موتّر ہو یا بغیر موتّر
دونوں صورتوں میں پھل شرط سے مشتری کے ہوں گے۔ اور بغیر شرط بائع کے۔ گویا ان کے نزدیک حکم حدیث
کے لئے تابیر کی شرط نہیں۔ ان کے نزدیک یہ قید بطور عادت اور لحاظ اکثر حالات کے لگادی گئی۔ مزید
برال امام محمد رحمہم السلام حضرت سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ جس کا ذکر ہدایہ میں بھی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا من
اشتری أو ضايفها فحل فالثمرة للبائع إلا أن يشترط المبتاع کہ جس نے کوئی ایسی زمین خریدی کہ جس میں پھل
لگے ہوئے کھجور کے درخت ہیں تو پھل بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کرے۔ تو یہاں موتّر و غیر موتّر
کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حکم دراصل تابیر کی قید سے مفید نہیں:

باب ۱۵۰۔ نرخ پر نرخ کرنے کی نعت

باب النہی عن السوم

عَلَى السَّوْمِ!

ہے!

حضرات ابی سعید خدریؓ اور ابی ہریرہؓ
روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ
نرخ لگائے کوئی آدمی اپنے بھائی کے نرخ پر۔ اور نہ
بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجے اور نہ نکاح کیا

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
عن لا اثم عن ابی سعید الخدریؓ
وابی ہریرہؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انہ قال لا یستام الرجل علی سوم اخیه

وَلَا يَنْكُحُ عَلَى خُطْبَةِ اخِيهِ وَلَا تَنْكُحُ
الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا تَسْأَلُ
لِلرَّأَةِ طَلَاقَ اخْتِهَا لِتَكْفِيَ مَا فِي مُحَقَّتِهَا
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ رَاقِبُهَا وَلَا تَبَايَعُوا بِالْقَاءِ الْحَجَرِ
إِذَا اسْتَأْجَرْتُمْ أَجِيرًا فَاعْلَمْكُمْ أَجْرَهُ

جائے اس عورت سے جسکی بھوپھی یا خالہ نکاح میں ہو اور
نہ جائے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کو تاکہ اس کے
برتن یا پیالہ کی چیز اپنے میں الٹ لے کیونکہ اسکا رازق
اللہ ہے۔ اور پھر ذال کر بیع نہ کرو۔ اور جب کسی
کو مزدور رکھو تو اس کو اسکی اجرت بتلا دو:

تشریح :- اس حدیث میں بعض مسائل کے جزئیات بیان کئے گئے ہیں۔ جو معاشرتی زندگی میں ہر روز
پیش آتے ہیں۔

پہلی بات حدیث میں نرخ پر نرخ لگانے کی ممانعت ہے وہ یہ کہ دو آدمیوں کے درمیان کسی چیز پر پول
تول کر کے بعد معاملہ ٹھہر گیا ہو۔ یعنی بالغ بچے پر راضی ہو گیا۔ اور خریدنے پر اور قیمت بھی مقرر ہو گئی۔ مگر
ابھی لین دین عمل میں نہ آیا۔ تو ایسے وقت کسی کے لئے جائز نہیں کہ بھاؤ تاؤ کر کے اپنے بھائی کے معاملہ
کو خراب کرنے کی کوشش کرے۔ ورنہ اگر معاملہ حد تک نہ پہنچا ہو تو ایک چیز پر چند آدمیوں کا بھاؤ کرنا
حرام نہیں۔ چنانچہ نیلام کی شکل جائز ہے۔ دوسرا پیغام یہ پیغام بھیجنا اس صورت میں ناجائز ہے۔ کہ جانبی
سے رضامندی ہو گئی ہو۔ اور ابھی عقد ہونا باقی ہو۔ کہ ایسی صورت میں بیچ میں دخل دینا منع ہے۔ لیکن اگر
رضامندی نہ ہو تو اس صورت میں مختلف پیام بیک وقت بھیجے جاسکتے ہیں۔ اس میں کوئی قباحت
نہیں۔ چنانچہ فاطمہ بنت قیس کے لئے معاویہ اور ابی جہم کبیرف سے بیک وقت پیام آئے۔ اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا نہ بتایا۔ پھر آخر حضرت سامہ سے نکاح قرار پایا۔

تیسرے اپنی بہن کی طلاق چاہنے کی صورت یہ ہے کہ خلیا ایک اجنبی عورت کسی عورت کی مرضی الحال پر
رشتہ کر کے اس کے خاوند سے مطالبہ کرے کہ اس کو طلاق دے کہ اس کو نکاح میں لاوے تاکہ نان و نفقہ
اور دیگر اسباب معیشت جو مطلقہ کو نصیب تھے وہ اس کو مہر آئیں۔ اسی کو آنحضرت نے بطور تشبیہ
مثال دوسرے کے برتن کی چیز اپنے برتن میں انڈیلنا کہا ہے۔ تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رازق اللہ
ہی ہے۔ ایسا نہ رزق کے اندیشے کے نہ غربت کی فکر میں:

الْبُحَيْفَةُ عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَشَارُوا
عَلَى اللَّهِ قَابِلُوا ذَالِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
تَقُولُونَ بَعْنَا إِلَى مِثْقَالِ مِثْقَالٍ وَمِثْقَالِ مِثْقَالٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریدو اللہ کے بھروسہ
پر صحابہ نے عرض کیا۔ یہ کیسے یا رسول اللہ آپ کے دریا
دیہیوں کہ تم کہتے ہو خریدو ہم نے ہمارے مذقوں کی
تقسیم یا مال غنیمت ملنے تک:

تشریح :- ارشاد نبوی کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر چیزوں کی خریداری کرو۔ جسکی غیر یقینی حالات
و واقعات پر معلق نہ رکھو۔ مثلاً کہیں گرجش شش یا عطایا تقسیم ہونے پر یا اموال غنیمت کی وصول یا
پر کیونکہ یہ اجل مجہول پر بیع کرنے کی شکل ہوئی۔ جو ثمر بیعت میں ناجائز ہے:

بَابُ الرَّخْصَةِ فِي ثَمَنِ

بَابُ شِكَارِی كَتَّةٍ كِي قِيمَتِ وَصُولِ

كَلْبِ الصَّيْدِ

کرنے میں رخصت ہے !

ابو حنیفہ عن المہتم عن مکرمہ عن

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی قیمت کی رخصت دی :

ابن عباس قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید :

تشریح : حدیث میں بیع کلب کا مسئلہ اس میں امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اختلاف ہے۔ لہذا ان ائمہ کا اختلاف اور مسئلہ کی صحیح صورت بتائی جاتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کتا خواہ شکاری ہو یا غیر شکاری اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ وہ حدیث و قیاس سے دلیل لاتے ہیں۔ احادیث میں ان کی دلیل حدیث ہے۔ جو صحیحین میں ابن مسعود سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کتے کی قیمت۔ فاحشہ عورت کی ابھرت اور کاہن کی مزدوری سے قیاس کے تحت یوں کہتے ہیں کہ کتا نجس العین ہے اور نجاست حقارت و ناقذہ کی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور بیع عزت و قدر کو ظاہر کرتی ہے تو مردوں کیسے جمع ہوں گے۔ اس لئے یہ بیع جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس عام امتناعی حکم سے شکاری کتا اور وہ جس سے جانوروں کی نگہبانی کھیتی کی حفاظت گھر کی پاسبانی کا کام لیا جائے مستثنیٰ ہیں۔ تابعین میں سے بہت سوں کا یہی مسلک ہے مثلاً عطاء زہری وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ امام صاحب کے مسلک پر محکم و پختہ دلیل یہی حدیث ہے۔ جو ثمن کے لحاظ سے بھی واضح ہے اور اسناد کی رو سے بھی درست، یحییٰ بن حبیب الصیرفی کے فقرہ ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ عکرمہ اور ابن عباس کی ثقاہت بھی معروف ہے۔ لامحالہ اس مسلک کی بنیاد کو قوی کرتی ہے۔ مثلاً ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بدین الفاظ وارد ہے۔ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کتے کے داموں سے مگر شکاری کتے کے۔ گو ترمذی نے اس کو صحیح نہیں بتایا۔ مگر دوسری روایات اس کی تائید میں موجود ہیں سب سے پہلے یہی حدیث ذیل تو ان سے مل کر یہ استثناء کی حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن تو ضرور ٹھہرتی ہے اور یہی بھی قابل حجت ہے۔ یہی ہی اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حماد کی روایت نہیں سے صحیح نہیں جو اس حدیث میں ہے یہ دونوں مسلم کے رجال ہیں۔ جن میں کسی کو کلام نہیں۔ پھر یہی خود ایک سلسلہ سے حضرت جابر سے ان الفاظ کی حدیث لائے ہیں۔ تھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب الصید کہ آپ نے منع فرمایا کتے بلی کے داموں سے مگر شکاری کتے کے۔ اس میں یہ غلط پیدا کرنے ہیں کہ حماد نے جو اس کے سلسلہ میں ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں گویا اس کو مرفوع نہیں کیا۔ حالانکہ اہل جرح والتبذیل کے نزدیک یہ کعلی مرفوع حدیث ہے کہتے ہیں۔ کہ

عبداللہ بن موسیٰ نے حماد سے مرفوع روایت کہنے میں شک کیا ہے حالانکہ شک اس کے رفع میں خارج نہیں اگر رفع حقیقی نہیں تو حکمی ہے۔ واقفنی روایت کو حضرت جابر سے لائے ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں لا اعلمہ الا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس کو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جانتا ہوں تو اب تو یہ بلا شک مرفوع ہوئی مزید برآں یہ بھی خود لکھتے ہیں کہ پیغمبر بن جہل نے حماد سے اس کی یوں روایت کی ہے۔ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب رفع میں کیا شک ہا اور پیغمبر ثقہ ہیں اور زیادتی ثقہ کی بے شک مقبول ہے۔ اسی طرح نسائی جابر سے روایت لائے ہیں کہ نبی صلعم نے بی کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ مگر شکاری کتے کی۔ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ بہر حال ان استثناء کی حدیث میں سے کسی کی اسناد میں ضعف پایا بھی جائے تو وہ متابعات سے قوت پکڑ لیتی ہے اور حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے جو حجت ہے۔ اب رہا ان احادیث کا جواب جن سے شافعی صحت لائے ہیں تو ان کا جواب یا تو وہی ہے جو دیالیا کہ یہ عام ہیں سرکتے کی بیع کو روکتی ہیں اور یہ احادیث صحیحان کی تخصیص کرتی ہیں اور شکاری یا کھیتی گھر جانوروں کی رکھوالی کرنے والے کتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یا یہ کہ مطلق ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں کہ ابتداء میں ایسا ہی تھا کہ آنحضرت نے کتے سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا حرام فرمادیا تھا۔ مگر بعد میں اجازت دی چنانچہ مروی ہے کہ آنجناب نے شکاری کتے کے مار ڈالنے پر مانے والے کو چالیس درم ادا کرنے کا حکم دیا اور کھیتی کی جوگی کرنے والے کے مارنے پر ایک کبش کا ابن الملک نے اس کا ذکر کیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت کی احادیث میں شکھنا کتا اور وہ جو سد ہایا ہوا نہ ہو مراد ہوا اور ان میں وہ کتا جو سد ہایا ہو اور نفع حاصل کرنے کے قابل۔ امام صاحب قیاس سے بھی اپنے مذہب کی دلیل لاتے ہیں وہ یہ کہ کتا اندر دے شریعت بہر حال مال ہے کیونکہ اس کے پالنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کی اجازت ہے چنانچہ بخاری میں ابی ہریرہ سے مرفوع روایت موجود ہے کہ جس نے کتا پالا اس کے عمل میں سے ہر روڈ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔ مگر کھیتی اور جانوروں کا رکھوالا کتا۔ پھر ابن سیرین اور ابوصالح کے واسطے سے جو روایت لائے ہیں اس میں شکاری کتے کا استثناء ہے جب کتا مال ٹھیرا اور نفع حاصل کرنے کے بھی قابل اور ملک میں اس کا شمار ہوا تو اس پر خرید و فروخت بھی جائز ہے جس طرح اور تمام املاک پر پھر اس کی ذاتی بکال بیع میں خارج نہیں جس طرح امام شافعی نے سمجھا ہے کیونکہ مثلاً ہاتھی نجس ہے مگر اس میں خرید و فروخت جائز ہے اور ملک بھی قرار پاتا ہے اسی طرح کتا بھی نیز قرآن میں سد ہائے کتے کا شکار حلال ہے تو یہ سد ہایا ہوا کتا بغیر قیمت دیئے کہاں سے آئے گا بغیر قیمت ادا کئے تو آنے سے رہا۔

الو حلیفۃ عن ابی یعقوب عن محمد بن

عبداللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث عتّاب بن اسید الی اهل مکة فقال انهم ممن شرطین فی بیع وعن بیع وسلط وعن ربح مالم یضمن وعن بیع مالم یقبض

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتّاب بن اسید کو اہل مکہ کی طرف یہ کہہ کر منع کروان کو بیع میں دو شرطوں کے کرنے سے بیع اور قرض سے غیر مضمون چیز سے نفع اٹھانے سے اور قبضہ نہ کی ہوئی چیز کو بیچنے سے

تشریح: حدیث میں دو شرطوں کی قید ہے کیونکہ بیع میں یہ دو شرطیں کرنا ناجائز ہے اور تفصیل یہ ہے۔

بیع میں دو شرطوں کے کرنے کی صورتیں چند ہیں جو سب کی سب ناجائز ہیں ایک یہ کہ ایک شخص کسی کو اپنا غلام اس شرط سے بیچتا ہے کہ وہ اپنا گھر بھی اس کے ہاتھ بیچ دے۔ دوسری یہ کہ کہے کہ میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد تو دیں گے یہ بیچتا ہوں اور ادا ہمارے بیس میں تیسری یہ صورت جیسا کہ بعض نے لکھا ہے کہ کہے کہ مثلاً یہ کپڑا میں تیرے ہاتھ فروخت کرنا ہوں اس شرط پر کہ اس کو دھلا

دوں گا اور لوادوں کا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایسا ہی لکھا ہے بیع اور قرض کی یہ شکل ہے کہ کہے کہ یہ چیزیں تیرے ہاتھ بیچنا ہوں اس شرط پر کہ تو مجھے اتنا روپیہ قرض دے دے۔

غیر مضمونہ چیز سے نفع حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے کوئی چیز خرید لی اور خریدار نے اس پر بھی قبضہ نہیں کیا اور قبضہ اس چیز سے کرایہ لینے کا حقدار بننے لگا تو یہ اس کے واسطے جائز نہیں۔ بلکہ اس کے کرایہ کا حق بائع کو ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اگر چیز کھو جائے تو چیز بائع کی ضائع ہوئی نہ خریدار کی تو اس سے نفع اٹھانے کا حقدار بھی بائع ہو گا نہ خریدار۔

بیع غیر مضمونہ چیز کی شکل یہ ہے کہ جو چیز ملک قبضہ میں ہو اس کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر ایسا کیا تو یہ بیع حرام ہے۔

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن قرة

عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یبتاع احدا کوعیدا او لا امة فیہ شیطانا نہ عقد فی الرق :

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ خریدے تم میں سے کوئی کسی غلام یا لونڈی کو جس میں کوئی علامت ہو۔ کیونکہ یہ گویا اس میں غلامی کی ایک گرہ ہے جو کھل نہیں سکتی۔

تشریح :- حدیث کے الفاظ مجمل ہیں۔ بعض نے شہر طہین۔ رار کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ اور حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ جو غلام مثلاً مدبر ہو یا لونڈی ام ولد ہو تو اس کو نہ خریدو کیونکہ غلام کا مدبر ہونا اور لونڈی کا ام ولد ہونا ان میں نہ کھلنے والی گرہ ہے۔ بعض لفظ شہر طہین کو رار پڑھتے ہیں اور معنی معروف مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ گویا ایک بیع میں دو بیعوں کی شکل ہوئی جو حرام ہے۔

باب النظر عن المعسر

باب تنگ دست کو مہلت دینا

ابو حنیفہ عن ابيه عن ابی مالک

قال الاشجعي قال حدثني ربيعة بن حراش عن حذيفة قال يوتي بعبد الى الله تعالى يوم القيامة فيقول اى ربى ما عملت الا خيرا ما اردت به الا لقاءك فكنت اوسع على المولى فانظر عن المعسر فيقول الله تعالى انا احق بذلك منك فتجبا وزوا عن عبدی فقال ابو مسعود الانصاری واشهدك على رسول الله صلى الله عليه وسلم انه سمعه منه :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لایا جائے گا تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار میں نے کوئی کام نہیں کیا مگر نیک جس سے میں نے صرف تیرا رضا جوئی و خوشنودی کا چاہی پس میں ڈھیل و تباختہ خوشحال کو اور درگزر کرتا تھا تنگ دست سے اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں اس (معافی و درگزر کرنے) میں تجھ سے زیادہ حق رکھتا ہوں دیکھ فرشتوں کو حکم ہے (گا کہ) میرے اس بندے سے درگزر کرو۔ ابو مسعود انصاری کا نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ (یہ یہ مطلب کہ
میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنی ہے) :

تشریح :- اس حدیث میں ایک نصیحت ہے کہ معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی برتنی اور لین
دین میں ان کے ساتھ درگزر و معافی سے کام لینا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے کیونکہ وہ بھی اپنے
بندوں سے عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ بعض اوقات امیر آدمی اچانک دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اس
وقت اس پر رحم کرنا اور درگزر سے کام لینا اس کے قرض لئے ہوئے میں مہلت دینا ثواب کا باعث

۳۴۵

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری موت کے
تنگدست پر قضاے میں سختی برتنی تو اللہ تعالیٰ قبر
میں اس کے ساتھ سختی برتنے گا :

ابو حنیفہ عن اسماعیل عن ابی ہالم
عن ام ہانی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من شدد علی امتی بالتقاضی
اذا کان معسر اشدد اللہ تعالیٰ فی قبرہ :

تشریح :- اس حدیث میں قرضدار کو مہلت دینے کا ثواب بیان کیا ہے کہ جو قرضدار تنگدست
نادر مفلس ہو اور فی الوقت ادائیگی قرض پر قدرت نہ رکھتا ہے تو اس پر بے جا سختی برتنی اور طرح
طرح کے دباؤ ڈال کر اس کے عرصہ حیات کو تنگ کرنا اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے چنانچہ
اس کی پاداش میں قرض خواہ پر اس کی قبر میں سختی کی جائے گی :

باب النہی عن الغش فی
البیع والشراء

باب ۱۶۸ - خرید و فروخت میں دھوکے
بازی کی ممانعت !

البیع والشراء

۳۴۶

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خرید و فروخت
میں دھوکے بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے :

ابو حنیفہ عن عبد اللہ عن ابن
عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
لیس منا من غش فی البیع والشراء :

تشریح :- ہم میں سے نہ ہونے کا مطلب یہ کہ اس میں ہم مسلمانوں جیسے اخلاق و عادات نہیں اور نہ
وہ سنت اسلامی ہے۔ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہؓ سے اس مضمون کی روایت وارد ہے کہ آنحضرت
ایک مرتبہ غلہ کے ایک ڈھیر پر سے گزر رہے آپؐ کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا۔ تو آپ کی انگلیوں پر جو
گیہن آپ کے غلہ کے مالک سے فرمایا۔ یہ ترمذی کیسی اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اس پر بادشہ پڑی ہے۔ آپؐ
ارشاد فرمایا کہ پھر تو نے اس کو اوپر کیوں نہیں کر دیا کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ پھر آپؐ فرمایا جس نے دھوکہ
کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے :

حماد عن ابيه عن حماد بن ابی سلیمان
قال اؤل من ضرب الدينار تبع وهو سعد
ابو كرب واول من ضرب الدرهم تبع الامير
وادل من ضرب الفلوس وادارها في ابدى
الناس نمرد ودين كنان

حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ سب سے پہلے
شخص جس نے سونے پر سکہ لگایا تبع یعنی سعد ابو
کرب اور اول وہ آدمی جس نے چاندی پر سکہ لگایا۔
وہ تبع اصغر ہے اور پہلا وہ آدمی جس نے پیسے کا
سکہ نکالا اور اس کو لوگوں میں چلن دیا وہ مزد بن کنعان
ہے

تشریح :- یہ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہے۔ روپے پیسے کا زور سب کو معلوم ہے ظاہر
ہے کہ سب کا خیال اس کے ایجاد کرنے والے کی طرف جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں اسی شخص کی طرف اشارہ
کیا جس نے یہ ایجاد کیا

کتاب الرهن

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن الامام عن عائشة ان رسول الله صلى
الله عليه وسلم اشترى من يهودي طعاً ما
ورهنه دراعاً

رهن کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی
غلہ خریدا۔ اور اس کے پاس زرہ رهن رکھ دیا

تشریح :- آنحضرت کی یہ رهن کردہ زرہ لوہے کی تھی۔ اور آپ نے تیس صاع کی مقدار میں جو خربزہ
تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آنجناب کی زرہ تا وفات
گردی رہی۔ ابن الطلاع
نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کے وصال کے بعد چھڑایا۔ اس حدیث سے رهن کے کئی مفید و کارآمد
مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ اول یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی یا دیگر ذمیوں سے مسلمان لین دین و خرید و
فروخت کے معاملات کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہودی و سہیو اسے جس پر قرآن کریم شائد ہے۔ گویا شریعت
نے مسلمانوں کا ان کے ساتھ تجارتی لین دین رکھنا و رکھنا ہر حال میں جائز رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کسی کا اکثر مال حرام
ہو تو اس سے بھی کوئی چیز لی جاسکتی ہے۔ تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز جو اس سے لی گئی ہے۔
بطریق حرام حاصل کی گئی تھی۔ نمبر ۲ یہ کہ رهن حضرت یعنی شہر میں بھی جائز ہے گو قرآن کریم میں سفر
ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ وہاں سفر کی قید اتفاقی ہے۔ پھر یہاں اس مسئلہ کی وضاحت
بھی بے موقع نہیں ہوگی کہ گروی رکھی ہوئی چیز سے مرہن دگر وی لینے والا نفع حاصل کرنے کا حق
نہیں رکھتا کیونکہ شے کی قیمت اس کا ایک قرض ہے جو بذمہ راہن واجب الادا ہے۔ اگر وہ
شے مرہون سے بھی فائدہ اٹھائے تو قرض پر بلا بدل نفع ہوا جو کھلم کھلا دوسرے۔ اور حرام۔
شے مرہون محض مرہن کے اطمینان و بھروسے کے لئے رکھی جاتی ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ اس کے مستفید
کیونکہ شے مرہون راہن کی ملک سے نہیں لگتی اسی لئے اس کا نفع اسی کے لئے ہے اور اس کا نادان

اسی کے ذمہ نہ مرتبہ کے ذمہ پھر مرتبہ کس طرح شے مرہون سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہو۔ چنانچہ تیسری
سید بن سید کے مرسل حدیث لائے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا یعلق الرهن الرهن من صاحبه
الذی دھنہ ولہ غنمہ وعلیہ غرضہ کہ کسی شے مرہون کا رہن رکھنا اس کو اس شخص کی ملک سے نہیں
نکالنا۔ جس نے اس کو رہن رکھا ہے اس کے لئے اس کا نفع ہے اور اسی پر اس کا تاوان۔ اسی بنا پر
اکثر علماء کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے۔ جو ترمذی حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع لائے ہیں۔ اور
اس کے الفاظ یوں ہیں الظہر یرکب اذا کان موہونا دین الدار یشرب اذا کان موہونا وعلی الذی
یرکب دیشرب نفقته۔ کہ سواری کے جانور کی سواری لی جائے جب کہ وہ گروہی ہو اور دودھ دینے
والے جانور کا دودھ پیا جائے جبکہ وہ گروہی ہو۔ اور جو سواری لیتا ہے یا دودھ پیتا ہے۔ اسی کے
ذمہ اس کا خرچ یعنی چارہ وغیرہ ہے۔

کتاب الشفعة

ابو محمد کتب الی ابن سعید بن

جعفر عن سلیمان قال قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم الجار حق بشفعته

تشریح: مسئلہ شفیعہ کی تفصیل آئندہ حدیث میں آئی ہے

ابو حنیفہ عن عبد الكريم

عن المسور بن مخرمة قال اذا

سعد بجمع داره فقال لجاره خذها

بسماعة فاني قد اعطيت بها

ثمانمائة دراهم ولاكن

اعطيتها لاني سمعت رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم يقول الجار

احق بشفعته

وفی رواية عن المنور عن رافع

بن خديج قال قال عمر بن الخطاب

بیانا فقال له خذها اما انی قد

اعطيت به اكثر مما تعطينی

ولكنك احق به فانی سمعت

رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

شفعة کا بیان !

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے
آئندہ شفیعہ کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے

تشریح: مسئلہ شفیعہ کی تفصیل آئندہ حدیث میں آئی ہے

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضرت

سعد بن مالک نے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا۔ تو اپنے

پڑوسی حضرت ابو رافع سے کہا کہ تم اس کو سات

سویں لے لو۔ اور اللہ مجھ کو اس کے آٹھ سو درہم مل

سے ہے۔ لیکن میں تم کو دس قیمت صرف سات سو

میں اسلئے دینا چاہتا ہوں کہ میں نے سنا ہے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے کہ پڑوسی زیادہ

حق دار ہے اپنے شفیعہ کی وجہ سے

اور ایک روایت میں ہے کہ مسور رافع بن

خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ

حضرت سعد نے اپنے گھر کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا۔

اور مجھ سے کہا کہ اس گھر کو تم لے لو اور اللہ مجھ کو اس

سے زیادہ قیمت مل رہی ہے جو تم مجھ کو اس کی دیتے ہو۔

لیکن تم اس کے زیادہ حقدار ہو کیونکہ میں رسول اللہ صلی

يقول الجار احق بشفعته

وفي رواية عن السور عن رافع
مولى سعد انه قال لرجل يعني
سعدا اخذ هذا البيت باربعائة
فيقول اما اني اعطيت ثمانمائة
درهم ولكن اعطيتك لحد يث
سمعت من رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقول الجار احق
بشفعته

وفي رواية عن سعد بن مالك
انه عرض بيتا له على جارة
باربعائة ولكن سمعت رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول الجار
احق بشفعته

اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سن چکا ہوں کہ ہمسایہ
زیادہ حقدار ہے اپنے شفیعہ کے سبب

اور ایک روایت میں ہے کہ سور رافع سعد
کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ
انہوں نے یعنی سعد نے ایک شخص سے کہا کہ اس گھر کو
کو تو چار سو میں لے لے اور یہ کہنے لگے کہ بیشک مجھ کو
اس کے آٹھ سو درم ملتے ہیں لیکن میں تجھ کو اس حدیث
کی وجہ سے دیتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے سنی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ پڑوسی زیادہ
حق دار ہے اپنے شفیعہ کی وجہ سے

اور ایک روایت میں حضرت سعد بن مالک
روایت ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کو چار سو درم میں
اپنے پڑوسی کو دینا چاہا لیکن میں سن چکا ہوں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے کہ پڑوسی زیادہ
حقدار ہے اپنے شفیعہ کے سبب

تشریح :- بعض روایت میں رافع بن خدیج کی "مولى سعد" سے شناخت کرائی ہے کہ وہ گویا سعد
کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے نہ سعد کے جیسا کہ مشیر
روایات بتاتی ہیں۔ یا ممکن ہے سعد کی طرف منسوب کر کے لفظ مولى دوست آشنا اور مددگار مراد
لیا گیا ہو۔

شفیعہ کے بارے میں تینوں ائمہ امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے۔ صورت اختلاف
یہ ہے کہ ہر سہ ائمہ کے نزدیک شفیعہ شریک کے لئے ہے نہ پڑوسی اور ہمسایہ کے لئے۔ ان کی دلیل حضرت
جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے جس کو بخاری وغیرہ لائے ہیں کہ تغنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعة
فی کل مال یقسمنا اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہر اس چیز میں شفیعہ کا حکم صادر فرمایا جو ابھی بانٹی نہ گئی ہو۔ پس جب حدیں قائم ہوں یعنی ملک
میں تقسیم عمل میں نہ آوے اور راستے پھیر دیے جائیں تو پھر شفیعہ نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ کے مسلک
منعوا حدیث حجت ہیں۔ اول حدیث ذیل ہی با اس سے پیشتر والی حدیث کہ اس میں پڑوسی کو شفیعہ
نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ کے دوسرے حضرت ابو رافع کی حدیث جو بخاری بدین الفاظ لائے ہیں۔
انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجار احق بشفعته کہ پڑوسی اپنی نزدیکی کے باعث شفیعہ
کا زیادہ حقدار ہے۔ تیسرے حضرت جابر بن عبد اللہ بن ابی سلیمان اور علی

مروی ہے اور جس کو ترمذی اور دوسرے اصحاب صحاح لائے ہیں کہ الجراح حق بالشفعة یتظر بہ وان
کان غائباً اذا کان طریقہما واحداً۔ یعنی پڑوسی اپنے شفوع کے سبب زیادہ حقدار ہے اگر وہ غائب
ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا۔ یہ جب کہ ان کا راستہ ایک ہو۔ چوتھے حضرت سمرہؓ کی حدیث جو ترمذی
وغیرہ بدیں الفاظ لائے ہیں۔ جابر الداسا حق بالدار کہ گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ پانچویں
نسائی حضرت جابرؓ سے بطریق صحیح مرفوع لائے ہیں کہ تعنی بالشفعة بالجوار کہ آنحضرتؐ نے پڑوس
کے باعث شفوع کا حکم صادر فرمایا۔ احناف کے مسلک کے بطلان میں مخالفین نے دو پہلو اختیار کئے ہیں۔
اول تو یہ کہ احناف کے مذہب کی احادیث میں لفظ جابرؓ سے مراد پڑوسی نہیں جو اس کے معنی مشہور
ہیں۔ بلکہ شریک اور کسی مکان یا زمین میں حصہ دار۔ حالانکہ بالکل بے کار محض دلیل اور دوسرے۔ کیونکہ اول
تو یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اس کے حقیقی معنی وہ ہی معنی مشہور پڑوسی و ہمسایہ کے ہیں۔ لامحالہ
یہ معنی مجازی ہوں گے اور مجاز کے لئے قرینہ اور دلیل چاہئے۔ اور یہاں کوئی دلیل نہیں۔ دلیل اگر
ہے۔ تو یہی کہ کسی صورت سے بڑی دلیل یہ ہی جانتے ہیں۔ دوسرے دیگر روایات صحیحہ اس تاویل
کی سخت تردید کرتی ہیں۔ مثلاً نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ عمرو بن شریب سے روایت نقل کرتے
ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری زمین میں نہ کسی کا کوئی حصہ
نہ شرکت التبتہ پڑوس سے تو آپؐ فرمایا کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنی نزدیکی کی وجہ سے۔ تو یہ حدیث
اس بات پر دلیل ہے کہ حق شفوع شرکت و حصہ دار کے علاوہ پڑوس کے سبب بھی ہے اور یہ کہ
جابرؓ معنی شریک نہیں۔ اس کے زیادہ صاف حدیث چاہئے۔ چنانچہ امام حلوانی نہایت تعجب
وافسوس سے کہتے ہیں۔ تروک الشافعیۃ العمل بمثل هذا الحدیث مع شکرانہ وصحتہ و ہم سمو القسم
باصحاب الحدیث و کیف یراء بالجاس الشریک وقد اخرج ابن ابی شیبہ الخ کہ شافعیہ نے اس جیسی
حدیث پر عمل ترک کیا باوجود اس کے کہ وہ مشہور اور صحیح ہے۔ حالانکہ انہوں نے اپنا نام اصحاب حدیث
یا محدث رکھا ہے۔ اور جابرؓ شریک مراد لیا۔ جبکہ ابن ابی شیبہ یہ حدیث لائے ہیں پھر یہی مذکور حدیث
نقل کی ہے۔ پھر مزید یہاں نسائی۔ ابن ماجہ طحاوی انہیں شریک سے بدیں الفاظ روایت نقل کرتے
ہیں۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الجار والشریک بالشفعة ما کان یاخذھا ویترک کہ آپؐ
فرمایا پڑوسی اور شریک زیادہ حقدار ہے۔ شفوع کے باعث جو بھی ہو یا تو لے لے اس کو یا چھوڑ
دے۔ تو اس میں شریک کا عطف جار پر کیا ہے جو معائرت کو تینا ہے غرض اس قسم کی تمام روایات
ناطق ہیں کہ جابرؓ کی تفسیر شریک سے کرنی کوئی معنی نہیں رکھتی دوسرا پہلو انہوں نے تردید مذہب خفیہ
میں یہ اختیار کیا کہ حضرت جابرؓ کی صحیح احادیث جو عبد الملک بن ابی۔ لیمان کے واسطے سے اسکو
ضعیف ثابت کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا۔ مگر یہ کوشش پہلی کوشش سے زیادہ
مضحکہ خیز ہے۔ ان کی یہ عادت ہے کہ جب کسی مذہب کے راوی کو کمزور دکھانا چاہیں تو پھر کسی نہ کسی
جرح کرنے والے کو ٹول ہی لاتے ہیں۔ اور اس سے غرض نہیں کہ وہ کون ہے۔ ایک ہے

یا کسی۔ پھر اس کے قول کو اس قدر سمجھاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ان کو صرف شعبہ مل سکے جنہوں نے عبد اللہ میں کلام کیا ہے۔ تو ہم مشرعوں کا پورا جہنم کا جہنم اس غریب پر لپٹ پڑا۔ اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی۔ کہ یہ ضعیف ہے۔ صاحب تفتیح نے صاف کہا ہے کہ اس حدیث کے ذیل میں شعبہ کے طعن عبد اللہ میں کوئی قباحت نہیں پیدا کرتا کیونکہ وہ نفس ہے اور شعبہ ماہرین فقہ میں نہیں۔ اور شعبہ کے علاوہ جنہوں نے اس میں کلام کیا ہے۔ وہ محض شعبہ کی اتباع میں۔ واقعی ان کی یہ عادت بھی ہے کہ جب کسی ایک کے ساتھ آواز ملاتے ہیں تو پھر وہ ایک شخص ایک نہیں رہتا۔ بلکہ نا اس سے بدل جاتا ہے۔ اور کہتے گتے ہیں کہ تکلم فیہ الناس کہ لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے گویا نا اس سے خود اپنے کو مراد لیتے ہیں اور یوں لوگوں کو دراتے ہیں۔ اس لئے صاحب تفتیح نے اس کی صراحت کی ہے۔ پھر صاحب تفتیح کہتے ہیں کہ مسلم عبد اللہ سے حجت لاتے ہیں اور بخاری اس سے استناد کرتے ہیں۔ منذری نے بھی مختصر السنن میں اس بارے میں خوب کہا ہے۔ پھر ذرا ایک نظر بیہقی پر بھی ڈالئے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ شعبہ سے کسی نے کہا۔ کہ حضرت آپ عبد اللہ کی حدیث کو چھوڑتے ہیں۔ صاحب کمال نے بھی ابن معین کا کلام نقل کیا ہے۔ کہ عبد اللہ میں کلام کیا جاتا ہے۔ مگر عبد اللہ ثقہ ہے۔ صدوق ہے۔ اس جیسے شخص میں کوئی خرابی نہیں نکالی جاسکتی۔ ترمذی نے بھی اس کے حق میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر ان کا یہ اصول ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ راوی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ مخالف مذہب کی روایت رد کرے۔ لہذا ان کا یہ پہلو بھی کارگر نہ ہو۔ اور اب اس تمام بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ مذہب حنفیہ کی احادیث اپنے ظاہری معانی پر وال ہیں۔ اور کسی طرح قابل تاویل نہیں۔ البتہ حضرت جابر کی حدیث جو تینوں ائمہ کی حجت ہے اس کے کئی جوابات دے جاسکتے ہیں۔ جو قرین قیاس ہیں۔ اور موافق عقل۔ اول یہ کہ ایک چیز کے ذکر کرنے سے دوسری چیز کا انکار کب نکلتا ہے۔ دوسرے حدیث میں اتنا جیسا کوئی کلمہ حصہ نہیں کہ یہ حکم صرف شریک کے لئے ہو۔ تیسرے فلا شفعۃ کا لفظ جو اصل مغالطہ کا سبب ہے۔ اس سے یہ معنی مراد لینا کہ قدر بعد از عقل اور دوزان قیاس ہے۔ کہ جب حدود قائم کر دی جائیں۔ اور راستے پھر دیے جائیں تو پھر کسی قسم کے شفعہ کا وجود نہیں۔ یہ معنی کیوں مراد ہوں جو ہر سلیم العقل انسان سمجھتا ہے اور جو حقیقت میں مراد ہیں۔ کہ ایسی صورت میں پھر شرکت کا شفعہ نہیں۔ جس کا بیان چل رہا ہے۔ کیونکہ شفعہ شرکت کی طرح شفعہ حواری بھی تو اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے اعراض بھی جدا ہیں اور آثار بھی جدا۔ تو اس کے انکار سے اس کا انکار کیوں ہو؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی لکڑی اپنی یا اپنے ٹپوسی کی دیوار پر لکھنی چاہے تو ٹپوسی کو نہ چاہئے کہ اس کو اس سے روکے

ابو حنیفہ عن علی بن الانعم عن مسروق عن عائشہ قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدکم ان یضع خشبته فی حائطہ فلا یمنعه

تشریح :- اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کا یہ حکم وجوہی سے یا ہر یک کے طور پر۔ امام ابوحنیفہ
شافعی دوسری شق کے حامی ہیں اور امام مالک کے دور روایات ہیں ایک پہلی شق کے موافق دوسری دوسری
کے مطابق :

کتاب المزارعة

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن

جابر قال سمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن المناجرة :

مزارعت کا بیان !

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا
منابرہ سے :

تشریح :- مزارعہ و منابرہ یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ زمین کو راہ پر چینے کی دو صورتیں ہیں۔
مزارعہ یہ کہ پیداوار کے کسی حصہ کے بدلے میں مثلاً ایک تنہائی یا ایک چوتھائی کے عوض زمین کو کو راہ پر دیا
جائے اور بیج مالک زمین کا ہو۔ منابرہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ مگر اس میں بیج عامل کا ہوتا ہے۔ یہ
ہر دو صورتیں کو راہ چینے کی امام ابوحنیفہ و شافعی کے نزدیک اسی جیسی احادیث کی روشنی میں ناجائز ہیں :

ابو حنیفہ عن ابی حصین عن

رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم انه مکر بمائط فاعجبه فقال
لین هذا فقلت لی فقال من این
هولک قلت استاجرته۔

قال فلا تستاجرک بشئ

منہ۔

وفی رواية ان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم مکر بمائط فقال لیمن
هذا فقلت لی وقد استأجرته
قال فلا تستاجرک :

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے قریب گزرے
جو آبنما کو بہت پسند آیا۔ آپ نے فرمایا یہ کس کا
ہے۔ دیکھتے ہیں کہ میں نے کہا یہ میرا ہے۔ پھر آپ
نے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیا۔ میں نے کہا کہ میں
نے اس کو اجارہ پر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پیداوار
کے کسی حصہ کے عوض اجارہ پر نہ لینا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا ایک باغ پر گزر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا
کہ یہ کس کا ہے (حضرت رافع کہتے ہیں) میں نے
کہا یہ میرا ہے۔ اور میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے۔
آپ نے فرمایا کہ اس کو اجارہ پر نہ لے :

تشریح :- یہ زمین کو راہ پر لینے کی مذکورہ صورت جو اس حدیث میں بیان ہوئی۔ ناجائز ہے :



تشریح :- وارمی نے حضرت جابر رضی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی راستہ سے گزرتے اور آپ کے پیچھے کوئی اس راستہ سے گزرتا تو آپ کے جسم مبارک کی مہک سے پہچان جاتا کہ آپ کا گزر اس راستہ ہوا ہے۔ حضرت ثابت بن انس سے یوں بھی روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے غیر یا مشک یا اور کسی خوشبو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہکتا نہیں پایا۔ اور چھوٹے میں دیباچہ یا رشیم کو آپ سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۵۷

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب مسجد میں تشریف لاتے تو اپنی پاکیزہ خوشبو سے پہچان لئے جاتے :

عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعرف باللیل اذا اقبل الی المسجد بریح الطیب :

تشریح :- آنجناب کو خوشبو بہت پسند تھی۔ اور آپ خوشبو بہت استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ جب راستہ چلتے تو ہوا معطر ہو جاتی۔ اور قرب و جوار میں خوشبو پھیل جاتی :

۲۵۸

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی

ابو حنیفہ عن محارب عن ابن عمر

اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرضہ تھا۔ آپ نے وہ ادا فرمایا اور مجھ کو اور زیادہ دیا :

قال کان لی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرین فقضانی وزادنی :

۲۵۹

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے

ابو حنیفہ عن ابراہیم عن انس

نہیں چھپوا کسی خزانہ ایک اون اور رشیم ملا ہوا کپڑا یا رشیم کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقبلی سے زیادہ نرم ہو :

بن مالک قال ما مسست بیدای خرا ولا حریرا لئن من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے ہم جلس سے زانوئے مبارک آگے بڑھے ہوں :

وفی رواية ما رونی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اذا را کتیه بکین جلس لہ قط :

تشریح :- ترمذی میں حضرت انس سے یوں روایت ہے کہ جب آپ کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچتا۔ آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے نہ نکالتے۔ اسی طرح اس سے روگردانی نہ فرماتے۔ جب تک وہ خود منہ پھیر کر نہ چلا جاتا۔ اور زانوئے مبارک ہم جلس کے سامنے نہ پھیلاتے :

۲۶۰

حضرت مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے

ابو حنیفہ عن ابراہیم عن ابیہ

حضرت عائشہ رضی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں معلومات چاہی۔ تو انہوں نے

من مسروق انه سأل عائشة عن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت

اما نقل القرآن:

تشریح: گویا اس سوال سے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ قرآن پورا کا پورا آنحضرت کی عادات طیبہ و خصال محمودہ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اور آپ کی اخلاقی زندگی اور سیرت پاک کا نہایت واضح نقشہ سامنے رکھتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ خود آنحضرت اپنے اخلاق پاک عادات پسندیدہ و اعمال برگزیدہ سے قرآن کریم کی صحیح تفسیر و تشریح فرماتے تھے۔ لہذا جو آپ کے اخلاق سے ناواقف ہے تو وہ گویا قرآن مجید سے نا آشنا ہے۔ گویا ایک قرآن تو دقتیوں کے درمیان تھا اور دوسرا قرآن خود آنحضرت کی ذات اقدس تھی۔

ابو حنیفہ عن مسعود بن انس

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرماتے۔ بیمار کی مزاج پر سی کرتے اور حمار پر سوار ہوتے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب دعوت المملکت و یعود المریض و یربک الحمائم

تشریح: غلام سے مراد وہ غلام ہے جو آزاد کر دیا گیا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر غلام اپنے آقا کی طرف سے اگر دعوت پیش کرتا تو آپ قبول فرماتے۔ یعنی اگرچہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو دین و دنیا کی بادشاہت و سروری نصیب فرمائی تھی۔ لیکن کبر و نخوت و فخر و غرور و تمکنت و جھوٹی شان و بھناکے پاس نہ پھٹکی تھی۔ بلکہ اعمال و برتاؤ اور معاملات میں تواضع انسانی۔ فروتنی ظاہر فرماتے۔ مثلاً غریب سا غریب آدمی دعوت پیش کرتا۔ تو قبول فرما لیتے۔ کوئی معمولی سا معمولی مسلمان بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پر سی و عیادت کو تشریف لے جاتے اور اس کو تسلی دیتے ہو۔ سوار سی کے لئے کبھی حمار کو استعمال فرماتے۔ حالانکہ عرب میں امراء و اشراف و گھوڑے پر سوار ہوتے اور غریب حمار پر بٹکتے تھے۔

ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سفیدی کو اب بھی دیکھ رہی ہوں جب کہ آپ اپنی بیماری میں نمائش کے لئے تشریف لائے۔

عن الاسود عن عائشة قالت کانی انظر الی بياض قدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث اتی الصلوۃ فی مرضہ

تشریح: یعنی مجھ کو وہ منظر ابھی تک ایسا یاد ہے کہ گویا وہ اب بھی دیکھ رہی ہوں۔ اور وہ سارا نقشہ میری نظروں کے سامنے پھر رہا ہے کہ آقاؐ نے دو جہاں مرض الموت میں سجد میں تشریف لے جا رہے ہیں۔

ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے ازواج مطہرات سے پیر گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی جسے دیکر زبان

عن الاسود عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما مرض المرض الذی قبض فیہ استحل ان یکون فی بیتی فاحملن

لہ قال فلما سمعت ذلك ثمت مسرعة
فكنست بيتي وليس لي خادم وفرشت
لہ فراشا حشوم رفقة الا ذخرك
فاتي رسول الله صلى الله عليه وسلم
يهاذي بنين رجليين حتى وضع
كله افواشي:

ہو کر آپ کو اجازت دی کہتی ہیں کہ جب میں نے
یہ سنا تو لپک کر گھر میں بھاڑ دو دی۔ کیونکہ میرے پاس
کوئی خادم نہ تھا۔ اور آنجناب کے لئے وہ فرش بچھا یا
جسکے کہنی کے تکیوں میں اذخر گھانس بھری ہوئی تھی۔
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا
لئے تشریف آفر ہوئے۔ اور آپ کو میرے
فرش پر بٹھا دیا گیا:

تشریح:- آنحضور کے اس اجازت طلب کرنے کے بارے میں بخاری میں مفصل تذکرہ موجود

ابو حنیفة عن یزید عن انس
ان ابابکر رآی عن رسول الله صلى الله
عليه وسلم خفة فاستاذنه الى امراته
بنت خارجة وكانت في حوائط الانصار
وكان ذلك راحة الموت ولا يشعر فاذن
ثرت في رسول الله صلى الله عليه وسلم
تلك الليلة فاصبح فاجعل الناس
يترامون فامر ابو بكر غلاما
يسمعه ثم يخبره فقال استمعهم
يقولون مات محمد صلى الله عليه
وسلم فاشتد ابو بكر وهو يقول
واقطع ظهرا فمما بلغ ابو بكر المسجد
حتى نادوا انه لم يبلغ وارجع
النافقون فقالوا لو كان محمدا
نبيا لعريت.

فقال عمر لا اسمع رجلا
يقول مات محمد صلى الله عليه
وسلم الا ضررته بالسيف
فكفوا لذلك
فلما جاء ابو بكر والنبي صلى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت
ابو بکر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری
میں افاقہ دیکھا تو اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس
جانے کی اجازت چاہی۔ جو انصار کے باغوں میں
دافنت پذیر تھیں۔ حالانکہ یہ افاقہ بہت ہی معمولی
تھا۔ مگر اس کو نہ سمجھ سکے۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی
اور پھر اسی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال
ہوا جب صبح ہوئی تو لوگ آنجناب کی طرف گئے
حضرت ابو بکر نے غلام کو حکم دیا کہ حقیقت شکر ان
کو خبر پہنچائے۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو یہ کہنے
پر تیار ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی
پس شتابی کی حضرت ابو بکر نے اور وہ کہتے جاتے
ہائے انوس کمر ٹوٹ گئی۔ تو حضرت ابو بکرؓ مسجد میں
نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ کو
واقعہ کی خبر نہ ہوئی۔ اور منافق یہ باتیں بنانے لگے کہ
محمد اگر نبی ہوتے تو نہ انتقال نہ فرماتے اس پر حضرت
بول اٹھے کہ میں کسی شخص کو یہ کہتا تو نہ سنوں کہ رسول
اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے۔ ورنہ تم لو اسے اسکی گردن
اڑا دوں گا۔ چنانچہ آپ کے اس قول سے منافق اس
کو اس سے رک گئے۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ

اللہ علیہ وسلم مستحی کشف
الثوب عن وجهه ثم جعل يلمه
فقال ما كان الله ليذيقك
الموت مرتين انت اكرم على الله
من ذلك -

ثم خرج أبو بكر فقال
يا أيها الناس من كان يعبد
محمد ا فان محمد ا قدماء ومن كان
يعبد رب محمد فان رب محمد لا يموت
ثم قرأ وما محمد الا رسول قد خلت
من قبله الرسل ا فان مات او
قتل انقلبتم على اعقابكم ومن
ينقلب على عقبيه فلن يضر الله
شيئا وسيجزي الله الشاكرين
قال فقال عمر بن الخطاب لكانا لم نقرأها
قبلها قد قال اناس مثل مقالة
ابي بكر من كلامه وقراءته ومات
ليلة الاثنين فمكث ليكتين و
يومين ودفن يوم الثلاثاء وكان
اسامة بن زيد واوس بن خويلد
يमान وعلي والفضل يغسلونه
ملى الله عليه وسلم :

آئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑا پڑا ہوا
تھا۔ آپ نے آنحضرت کے چہرہ مبارک سے کپڑا
اٹھایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ
آپ کو دو موتوں کی تلخی نہ چکھائے گا۔ آپ اللہ
کے نزدیک اس سے زیادہ بزرگ ہیں اس کلام کے
حضرت عمر کے قول کی تردید مقصود ہے، پھر حضرت
ابوبکر باہر آئے۔ اور کہا کہ اے لوگو جو محمد کی عبادت
کرتا تھا تو محمد تو پر وہ فرما گئے اور جو محمد کے رب کی عبادت
کرتا تھا اللہ محمد کا رب نہیں سرگا۔ پھر آپ نے یہ آیت
تلاوت کی وما محمد الا رسول کہ محمد نہیں ہیں مگر ایک
رسول اللہ ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔
اگر وہ مر گئے یا قتل کئے گئے تو کیا تم پلٹ جاؤ
گے اپنی ایڑیوں کے بل اور جو پلٹ جائے اپنی ایڑی
کے بل تو وہ ہرگز نہیں نقصان
پہنچائے گا اللہ کو کچھ اور عنقریب اللہ
جزا دے گا شکر گزار بندوں کو عمر بن الخطاب نے کہا کہ گویا ہم
نے اس آیت کو اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا
پھر لوگ بھی حضرت ابوبکر کے کلام کی طرح کہنے
لگے اور وہ ہی آیت پڑھنے لگے۔ دو شنبہ کی
رات آنحضرت کی وفات ہوئی اور دو رات دو
دن کا وقفہ گزرنے کے بعد منگل کے روز آپ
کی تدفین عمل میں آئی اور بوقت غسل حضرت اسامہ
بن زید اور اوس بن خویلد پانی ڈالتے جاتے تھے۔
اور حضرت علی اور فضل بن عباس آنحضرت کو غسل
دیتے جاتے :

تشریح :- آنحضرت کی وفات پر حسرات اور استقال پر لال کا واقعہ جانکاہ اور ایک دہشتناک جگہ پر اس وقت
ہر شخص کی عقل کم تھی کہ ایک ایک چراغ نبوت کیوں چھپ گیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کی ذات پر صفات
بھی اس صبر آزمایہ دم کی تاب نہ لاسکی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت ابوبکر کو صبر و تحمل عطا فرمایا
اور آپ نے ہر سربزوہ نصیحت بخش۔ سبق آموز خطبہ دیا کہ لوگوں کے خیالات صحیح ہو گئے اور غفلتوں

پہلے ایک عالم بخودی زائل ہوا۔ عقلیں اپنے ٹھکانے آئیں۔ طبیعتوں کو ایک گونہ ڈبارس ملی۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بے خودی کے عالم میں جب ابو بکرؓ نے دنا محمدؐ اور رسولؐ کی تلامذت کی تو معلوم ہوا کہ یہ آیت پہلی ہی بار سنی ہے۔

بَابُ فَضَائِلِ شَيْخَيْنِ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

ابو حنیفہ عن سلمۃ عن ابی

الزعرار عن ابن مسعود قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من
بعدا ابو بکرؓ و عمرؓ

بَابُ - حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ

کے فضائل !

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیروی کرو میرے بعد
خلیفہ ہونے والے ابو بکرؓ و عمرؓ کی

۲۹۵

تشریح :- دوسری حدیث میں آنجنابؓ نے چاروں خلفاء کی اتباع پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ خلفاء
راشدین ہدین کی پیروی و اتباع کو لازم کیجئے۔ ایک جگہ یوں فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں
کے ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ لیکن یہاں ان دو بزرگوں کو اس خصوصی
فخر سے نوازا کہ انہیں کی اتباع پر زور دیا۔ کیونکہ ان ہر دو حضرات کی شخصیتیں پھر آخر سب کے بالا و برتر ہیں
ان کو جو خصوصیت آنحضرتؐ سے نصیب تھی اس میں یہی دو بزرگ ممتاز تھے۔

بَابُ فَضَائِلِ عَمَّارٍ

وَعَبْدِ اللَّهِ

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن

سبعی عن حذیفۃ بن الیمان قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من
بعدا ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما و اھتدوا
بھما عمارؓ و تمسکوا بعھدا ابن امر عبد

بن مسعود کے فضائل

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیروی کرو میرے بعد
ہونے والے ابو بکرؓ و عمرؓ کی اور اختیار کرو سیرت حضرت
عمارؓ کی اور مضبوط تمھارا موصیت حضرت عبد اللہؓ
بن مسعود کی

۲۹۶

تشریح :- حضرت شیخین کے فضائل و مناقب کے احادیث کی کتب بھری پڑی ہیں اور آنحضرتؐ
نے بڑی محبت سے ان ہر دو بزرگوں کی توصیف فرمائی ہے۔ کہیں ہے کہ نبیین و مریدین کو چھوڑ کر تمام
اسکے پیچھے اور پیڑ عمر اہل جنت کے یہ ہر دو بزرگ سرور ہیں۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ میرے
کان و آنکھ کی جگہ ہیں۔ ایک مقام میں اس طرح ارشاد ہوا کہ ابو بکرؓ مجھ سے ہیں اور میں ان سے اور وہ دنیا و آخرت

میں میرے بھائی ہیں کہیں اس طرح آیا ہے کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں انکے ساتھ اور میرے بعد حق انکے ساتھ ہے کہیں بھی ہو یہ حدیث ابن مسعود کی فضیلت برتری پر بھی قطعی حجت ہے اور کھلی دلیل جیسا کہ ملا علی قادی نے لکھا ہے اسی لئے حضرت امام اعظم نے بعد خلفائے اربعہ کے آپ کی رائے کو تمام صحابہ میں معیار بنانا اور اپنے مذہب کی زیادہ تر بنیاد انہی کے کلام پر رکھی۔ کیوں کہ فقہ ہر ت علم کے میدان میں آپ کا قدم مضبوط ہے۔ عالمانہ ورک میں آپ سربرآوردہ بلند ہیں۔ اور آنحضرت کا یہ کلام کہ ان کی وصیت سے تم تک کرو ان کی پیروی لازم ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ علامہ نور الدین سیوطی کے خیال میں اس حدیث میں عہد سے مراد امر خلاف ہے یعنی آنحضرت یہ فرماتے ہیں کہ وہ بارہ خلافت ابن مسعود کی رائے کو قابل قبول جانو۔ چنانچہ ان کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق کے انتخاب کے بارہ میں یہ حضرت ابن مسعود ہی کا کلام ہے کہ کیا ہم اس شخص کو دنیا کی راہ نمائی کے لئے نہ چین جس کو آنحضرت نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت علی کا مقولہ ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے مگر اس لحاظ سے حدیث کے معانی میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ گویا آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتدار کرو۔ جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور اس بارہ میں حضرت ابن مسعود کی رائے کو اہمیت دو اور اسی سے تم تک کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تین کنیتیں ہیں اپنے والد کے لحاظ سے یہ ابن مسعود ہیں۔ اپنی والدہ کے اعتبار سے ابن ام عبد کیونکہ ام عبدان کی والدہ کی کنیت مٹی اور اپنے صاحبزادہ کی نسبت سے ابو عبد الرحمن ہیں۔

باب ۱۸۵ حضرت عثمان فضائل کے

باب ۱۸۵ فضیلة عثمان

موسى بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر حضرت عثمان کے پاس آئے۔ اور آپ (حضرت عثمان) غمگین تھے حضرت عمر نے پوچھا کہ کس چیز نے غمگین کیا انہوں نے کہا کہ کیا میں غم نہ کروں جبکہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ و امدادی لوٹ چکا ہے اور یہ وہ وقت تھا کہ آنحضرت کی صاحبزادی حضرت رقیہ زوجہ حضرت عمر کے انتقال کو کچھ ہی دن گذر گئے تھے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ میں اپنی رقیہ کی حفاضا کا تم سے نکاح کئے دیتا ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پوچھ لوں۔ تو اسے حضرت عمر نے آنحضرت کے پاس اور آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا میں تم کو عثمان

ابو حنیفہ عن المیتوم عن موسى بن ابی کثیر ان عمرًا متر بعثمان وهو حزين قال ما يخبرك قال الا احزن وقد انقطع الصهر بيني وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم و ذاك من حادثان ماتت بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تحتة فقال له عمار ارجلك حفصة اجنته فقال حتى استأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم هل لك ان ادلك على مهر هو خير لك من

عثمان وَاَدَّلَ عَثْمَانُ عَلِيَّ مَهْرٍ هُوَ
خَيْرُ لَهُ مِنْكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ نَرُوْهُ حَتَّى
حَفْصَةُ وَازْدَاجَ عَثْمَانُ ابْنَتَهُ فَقَالَ
نَعَمْ فَفَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سے بہتر واما اور عثمان کو تم سے زیادہ بہتر سسر نہ بنا
دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا بیشک (تباہیے) اس پر
آپؐ نے فرمایا۔ کہ تم حفصہؓ کا نکاح مجھ سے کرو۔ اور
میں اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمان سے کروں گا۔ تو
عمرؓ نے کہا۔ بہت بہتر۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا

تشریح :- اس حدیث سے ما حضرت عثمانؓ کی بزرگی ظاہر ہوئی ہے۔ ایک روایت میں اس طرح
ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ اپنے جگر پاروں رقیہ و ام کلثوم
کا نکاح عثمان سے کروں بعض روایات میں یوں ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی
کا جب انتقال ہوا۔ تو میں زار و قطار رہا۔ آپؐ مجھ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ میں نے کہا کہ میرے اور آپؐ
درمیان رشتہ سسرال ٹوٹ گیا۔ آپؐ فرمایا یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو کہتے ہیں کہ میں اس کی بہن کا نکاح تم
سے کروں۔ ایک روایت میں ایسا بھی وارد ہے کہ آپؐ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر میری تلوار لکیراں ہوں اور
وہیکے بعد دیگرے مرتی رہیں تو میں ان کا نکاح تم سے کرتا رہوں۔ تا آنکہ کہ وہ سب ختم ہو جائیں

بَابُ فَضَائِلِ عَلِيٍّ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

ابو حنیفہ عن سلمۃ عن حنیۃ
العربی وهو الہمدانی من اصحاب علی کرم
اللہ وجہہ قال سمعت علیاً یقول اکنا
اول من اسلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک تلمیذ کہتے
ہیں کہ میں نے علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں وہ
پہلا شخص ہوں جو اسلام لایا

تشریح :- اس میں اہل سنت والجماعت کا اختلاف ہے کہ پہلے اسلام سے کون مشرف
ہوا بعض نے کہا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ ہیں بعض نے کہا وہ حضرت علیؓ ہیں۔ بعض قائل ہیں کہ وہ حضرت خدیجہ
ہیں۔ چند ایک نے کہا کہ وہ حضرت بلالؓ ہیں کچھ کہتے ہیں وہ زید بن حارثہؓ ہیں۔ بعض ان مختلف اقوال کو اس صورت
سے تطبیق دیتے ہیں کہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابو بکرؓ ہی ہیں اور عورتوں میں حضرت
خدیجہؓ ہی ہیں حضرت علیؓ آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ ہیں حضرت بلالؓ

پھر یہ بھی واضح ہے کہ اسلام لانے میں سبقت خواہ کسی کو بھی نصیب نہ ہو۔ مگر وجہ و
مرتبہ میں بالاتفاق تشریح صحابہ حضرت ابو بکرؓ ہی ہیں۔ کیونکہ فضیلت و برتری تمام تر محض سبقت اسلام
پر نہیں بلکہ چند اور اسباب بھی ہیں مثلاً راہ اسلام میں قربانی دکھانے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا

ہر تنگی و سختی - تبلیغ اسلام میں مسلمانوں کی راہنمائی اور کامزوں کی گوشمالی - اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور کفر کا جھنڈا سرنگوں کرنے میں آپ ہی کا نام نامی سب سے پہلے آتا ہے۔ اور وہوں کو یہ فخر بدرجہ کمال نصیب نہیں کیونکہ نہ عورتیں نہ بچے نہ غلام آپ کی ان تمام امور میں ہمسری کر سکتے ہیں۔ یہی ہی سے حضرت خدیجہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ عورتوں میں آپ کا مقام تمام ازواج مطہرات سے بلند ہے۔ کیونکہ آپ نے بھی اسلام کی سر بلندی اور آنحضرت کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اور کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مالی قربانی سے بھی سہ نہ ڈرا۔ اور جانی قربانی سے بھی دریغ نہیں کی۔ چنانچہ ایک روایت میں آنحضرت ان کی افضلیت ان الفاظ سے ظاہر فرماتے ہیں کہ انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اسی وقت مال سے میری مدد کی۔ اب کہ سب نے مجھ کو محروم کیا؟

ابو حنیفہ عن اسماعیل بن

صالح عن ام دانی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی علی عظم اللہ وجہہ ذات یوم قراہ جائعا فقال یا علی ما اجاعک قال یا رسول اللہ انی لمرأشبع منذ کذا وکذا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابشربا الجنة

تشریح :- اس حدیث میں حضرت علی کی منقبت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی زبان مبارک سے جنت کی خوشخبری جیتے جی سنا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔

باب فضیلت حضرت حمزہ

ابو حنیفہ عن عکرمہ عن ابن

عباس بن رباح قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء یوم القیامۃ حمزۃ بن عبد المطلب ثم رجل دخل الی امام فامرک و نھاکہ

و فی روایۃ سید الشہداء یوم القیامۃ حمزۃ بن عبد المطلب و رجل قام الی امام جائز فامرک

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت علیؑ کو بھوکا دیکھا تو فرمایا اے علی تم کو کس چیز نے بھوکا کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو فلاں فلاں وقت تکم سیری نصیب نہیں ہوئی۔ اس پر جان سے گئے۔

تشریح :- اس حدیث میں حضرت علی کی منقبت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی زبان مبارک سے جنت کی خوشخبری جیتے جی سنا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔

باب حضرت حمزہ کے فضائل

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سر وار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہوں گے۔ پھر وہ شخص جو کسی امام امیر کے پاس گیا اور اس کو کسی بات کا حکم دیا۔ یا کسی بات سے اس کو روکا (اور پھر اس کو شہید کر دیا گیا)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سر وار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو کسی امام ظالم کے پاس پہنچا۔ اور

وہاں :۔ یعنی روایات میں شخص کے بارہ میں آخر میں فقہ بھی ہے اور واقعی مطلب اسی سے پورا ہوتا ہے۔ جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے حضرت حمزہ کی فضیلت ظاہر ہے اس لئے کہ آپ کو تمام شہداء میں سرداری نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سرداری بھی شہداء میں مسلم ہے :

باب ۱۸۸ حضرت زبیر کی منقبت

بَابُ فَضِيلَةِ الزَّبِيرِ

ابو حنیفۃ عن محمد بن النکدا عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یأتینا بالخبر لیلۃ الاحزاب فیطلق الزبیر فیاثبہ بالخبر کان ثلث مراتب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکن نبی حواری وحوارۃ الزبیر :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غزوہ خندق میں ایک شب کو کہ کون ہم کو قوم کی خبر لاکر دے گا۔ تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔ اور حضرت زبیر ہر بار فرماتے ہیں : پس حضرت زبیر جاتے ہیں۔ اور خبر لاتے ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر نبی کا ایک حواری خاص ہوتا ہے ، اور میرا حواری خاص زبیر ہے :

تشریح :۔ یہ بھی بڑے فخر و اعزاز کی بات ہے کہ آنحضرت کا حواری ہونا ہم کو کسی کو نصیب نہیں۔ چنانچہ حضرت زبیر کو آنحضرت نے اس شرف سے نوازا :

باب ۱۸۹ حضرت عبداللہ بن مسعود

بَابُ فَضَائِلِ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ مَسْعُودٍ

ابو حنیفۃ عن الھیثم عن رجل عن عبد اللہ بن مسعود ان ابا بکر واما اسما عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ قال فخر جاد خرج معهما فکمر و ابا بن مسعود و هو یقرأ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سر لا ینقر

ایک شخص سے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ ایک رات حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنجد مت میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یہ دونوں اصحاب در نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلتے اور تینوں بندگان کا گد عبداللہ بن مسعود پر ہوا۔ اور وہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ

القرآن كما انزل فليقرأ على قراءة
ابن ام عبد -

وَجَعَلَ يَقُولُ لَهُ سَلْ تُعْطَهُ
فَاتَاهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَبْشُرَانِهِ
فَسَبَقَ أَبُو بَكْرٍ عَمَّا إِلَيْهِ يَبْشُرُهُ
وَخَبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَدْ آمَنَ بِاللَّعْنَةِ
فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ
إِيمَانًا دَائِمًا لَا يَزُولُ وَنِعِيمًا
لَا يَنْفَدُ وَمِرَافَقَةً نَبِيَّكَ فِي
جَنَّةِ الْخُلْدِ

وَفِي رَوَايَةٍ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ سَمَرًا
عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرَّ وَابَا بَنٍ
مَسْعُودٌ وَهُوَ يَقْرَأُ فِي الْقُرْآنِ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًا
كَمَا أَنْزَلَ فَلْيَقْرَأْ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ
أُمِّ عَبْدِ اللَّهِ وَجَعَلَ يَقُولُ
سَلْ تُعْطَهُ وَذَكَرَ تَمَامَ
الْأَوَّلِ

قرآن کو اسی نہج سے پڑھے جس سے کہ وہ اثر ہے
تو اس کو چاہئے کہ ابن ام عبد کی قرأت کے طریقہ
پر پڑھے اور آنجناب فرماتے لگے دے ابن مسعود
سوال کرو۔ ویسے جاؤ گے۔ پھر حضرت ابو بکر و عمر
نے ان کے پاس ان کو خوشخبری سنانے کے لئے چلے
پس حضرت ابو بکر نے اس میں پیش قدمی فرمائی اور
ان کو اس امر کی خوشخبری دی۔ اور یہ خبر دی کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے
کیونکہ وہ درجہ قبولیت کو پہنچے گی (اس پر انہوں نے
کہا اے اللہ میں تجھ سے الیا دیر یا ایمان مانگتا ہوں
جو کبھی زائل نہ ہو اور ایسی نعمتیں جو کبھی پوری نہ ہوں
اور تیرے جنت الخلد میں تیرے نبی کا ساتھ ہے

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ کے
بارہ میں یوں ہے کہ حضرات ابو بکر و عمر ایک شب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصروف گفتگو تھے
پھر دونوں اصحاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف
لائے۔ اور ابن مسعود کے پاس پہنچے جب کہ وہ
نماز دہجہ میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ پس آنحضرت
نے فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن کو حسن و
تائلی سے پڑھے جیسا کہ وہ اثر ہے تو اس کو چاہئے
کہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت پر پڑھے۔ پھر آپ
فرماتے لگے حضرت عبداللہ کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے (ما کو دینے جاؤ گے۔ اگے حسب سابق حدیث

تشریح ۱۔ یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بزرگی مرتبہ و عظمت پر دلالت کرتی
ہے۔ کہ اول تو آپ کی قرأت کی تعریف فرمائی اور آپ کی قرأت پر قرآن پاک پڑھنے کا حکم صادر فرمایا
پھر آپ کو مستجاب الدعوات بھی ظاہر فرمایا۔ گویا یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ کی بزرگی شان و بلندی
علم پر چار چاند لگاتی ہے۔

ابو حنیفہ عن عون عن

ابیہ عن عبد اللہ انہ کان اذا دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیتہ ارسل والداتہ ام عبد تنظر الی ہدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودلہ وسمتہ فتخبر بذالک فیتشبہ بہ :

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ نبوت میں تشریف لائے تو یہ نبی والدہ ام عبد کو اندر بھیجتے اس مقصد سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکینہ و وقار اور سیرت و ہیئت کو دیکھیں لہذا وہ اگر ان کو اندر لے کر اس کی خبر کریں اور حضرت عبداللہ ان کی دانستہ کے خصائل لیبہ کی نقل اتارتے :

تشریح : اسود بن یزید سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی جب یمن سے آئے۔ اور ایک مدت ٹھہرے تو ہم یہ ہی سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن مسعود اہل بیت میں سے ہیں۔ کیونکہ ہم ان کو اور ان کی والدہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بے تکلف آنے جلتے دیکھا۔ اسی طرح، عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت خذلیفہ سے پوچھا ایسے شخص کے بارہ میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت و ہیئت میں ملتا جلتا ہو۔ کہ ہم اسی سے یہ سیکھیں تو انہوں نے کہا میرے نزدیکی سکینہ اور وقار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ابن ام عبد ہیں۔ ترمذی زاذان سے روایت لائے ہیں اور وہ حضرت خذلیفہ سے کہ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کاش آپ خلیفہ بنا جاتے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میں تم پر خلیفہ بناؤں اور تم اس کی نافرمانی کرو۔ تو سخت عذاب میں مبتلا ہو۔ لیکن خذلیفہ جو تم سے حدیث بیان کریں اس کو سچا جانو اور عبداللہ بن مسعود جو تم کو پٹے ہائیں اس کو تم ٹیڑھ اس کو ترمذی نے حدیث میں کہا ہے۔ لہذا ان تمام احادیث کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود کی شخصیت کس قدر بلند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آنحضرت کی خدمت میں ان کو اور ان کی والدہ کو کس قدر رسائی حاصل تھی۔ کہ زیادہ آمد و رفت سے دیکھنے والے کو پتہ چلتا تھا کہ یہ اہل بیت میں سے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خذلیفہ کی نظر میں جو خود جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان سے بڑھ کر ہیئت و سیرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کوئی نہیں۔ اور ان کی بات معیاری حیثیت رکھتی ہے اور آخری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت نے خلیفہ بنانے کی چنداں ضرورت یوں ہی نہ سمجھی کہ حضرت عبداللہ و حضرت خذلیفہ جیسی شخصیتیں مسلمانوں میں موجود تھیں کہ ان کی رہنمائی میں ہر دینی و دنیوی کام بحسن و خوبی انجام پاسکتا ہے۔ مثلاً خلافت ہی کا معاملہ۔ اول تو کتاب اللہ و سنت رسول موجود پھر ایسی جلیل القدر بستیاں موجود ہیں۔ لہذا خلیفہ کے انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ بعد خلفائے اربعہ جن کی بزرگی متفق علیہ ہے۔ علم و رایت سیرت و ہیئت میں حضرت عبداللہ آنحضرت کا صحیح نمونہ ہیں۔

حضرت عبداللہ حضور و سفراء درونی و بیرونی زندگی میں آنحضرت کے رفیق و مؤنس تھے۔ اور آپ کی چادر کی حفاظت ان کے ذمہ تھی۔ اور آپ کے بومہ بہرہ دار یہ تھے۔ اور آپ کے عمامے

آپ کی چادر کی حفاظت ان کے ذمہ تھی۔ اور آپ کی سواری کے محافظ۔ آپ کی سواک برداری کا، فخر ان کو حاصل تھا۔ آپ کے وضو کے لوٹے کی حفاظت بھی ان کے سپرد تھی اور کفش برداری کی خدمت بھی انہیں کے ذمہ۔ غرض جس خوش قسمت انسان کو آنحضرت کی اتنی زیادہ خدمات بیک وقت سپرد ہوں تو اس سے آنحضرت کی سیرت نہ معلوم کریں تو کسی سے کریں اور اس کا قول معیار نہ ہو تو کس کا ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے زیادہ تر احکام شریعہ و مسائل فقہیہ کی بنیاد انہیں کی رائے اور روایت پر ہے:

ابو حنیفة عن عون عن ابيه
عن عبد الله انه كان صاحب رسول الله صلى
وفي رواية كان صاحب عمار رسول
الله صلى الله عليه وسلم :

عون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ
حضرت عبداللہ آنحضرت کے سجادہ بردار تھے،
ایک روایت میں ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے عصا بردار بھی تھے :

وفي رواية كان صاحب رداء
رسول الله صلى الله عليه وسلم :
وفي رواية كان صاحب الراحة
لرسول الله صلى الله عليه وسلم :

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی چادر بھی رکھتے تھے :
ایک روایت میں ہے کہ سواری کی نگرانی بھی
انہی کے سپرد تھی :

وفي رواية كان صاحب سواك
رسول الله صلى الله عليه وسلم و
صاحب البيضاة وماحب
النعلين :

ایک روایت میں ہے کہ (سفر میں) رسول
اللہ علیہ وسلم کی سواک بھی انہی کے پاس رکھتی
تھی اور وضو کا لوٹا اور آپ کے جوتے بھی انہی میں
تھے :

تشریح :- ان سب خدمات کی وجہ سے جو بزرگی آپ کو حاصل تھی وہ تو تھی۔ یہی لیکن آپ کی
دعائیں بھی تھیں :

ابو حنیفة عن معن عن
ابن مسعود قال ما كنت منذ
اسلمت الا كذبة واحدة كنت
ارحل للنبي صلى الله عليه وسلم
فاني رحت من الطائف فسا لني
أثي الراحة احب الي رسول الله صلى
الله عليه وسلم فقلت الطائفية
المكية وكان يكرهها رسول
الله صلى الله عليه وسلم -

حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ
وہ اپنے بارہ میں کہتے ہیں کہ میں جب اسلام سے
مشرف ہوا سوائے ایک جھوٹ کے کبھی جھوٹ
نہ بولا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر کجاوہ
باندھتا تھا کہ ایک کجاوہ باندھنے والا طائف سے
آیا۔ اور مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو کونسا کجاوہ زیادہ پسند ہے نے کہا طائف
اور کہ والا یعنی وہاں جو باندھا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ
صرف مدنی کجاوہ پسند فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب
کجاوہ سے کسی بوئی اونٹنی خدمت میں حاضر

فَلَمَّا أَتَى بِهَا قَالَ مَنْ رَحَل

لَنَا هَذِهِ -

قَالَ لَوَارِثًا لَكَ -

قَالَ مَرُودًا ابْنُ امْرِئِ بْنِ
فَلْيُرَحَّلْ لَنَا فَأَعْبَدَتْ إِلَى
الرَّاحِلَةِ -وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ
بِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ فُجِّلُونِي
الطَّائِفِي فَقَالَ أَتَى الرَّاحِلَةَ أَحَبُّ
إِلَيَّ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةَ الْمَكِّيَّةَ
فَخَرَجَ فَقَالَ مَنْ صَاحِبُ هَذِهِ
الرَّاحِلَةِ قَبْلَ الطَّائِفِي قَالَ لَا حَاجَةَ
لَنَا بِهَا -کی گئی۔ آپ نے پوچھا یہ سہارا کجاوہ کس نے باندھتا
ہے۔ سب نے کہا آپ کے لئے کجاوہ باندھنے والے
نے (جو طائف سے آیا ہے) آپ کے فرمایا کہ ابن ام
عبد سے کہو کہ وہ سہارا کجاوہ باندھے۔ (عبداللہ کہتے
ہیں) پھر میں نے دوبارہ کجاوہ کسا:ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود
نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنجد میں ایک شخص
طائف سے آیا۔ اور مجھ سے وہ طائفی پوچھنے لگا
کہ آنحضرت کو کونسا کجاوہ پسند ہے۔ میں نے کہا
طائف یا مکہ کا جب آنحضرت باہر تشریف لائے
تو دریاقت فرمایا کہ یہ کجاوہ کس نے کسا ہے۔ کہا گیا کہ
ایک طائفی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو اس ضرورت
نہیں ہے:تشریح :- اس حدیث سے بھی حضرت عبداللہ کی منقبت ظاہر ہوئی ہے۔ غرض آپ کے قابل
فخر مناقب سے احادیث پر ہیں۔ ترمذی حضرت علی سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ
اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو وہ عبداللہ بن مسعود نہ ہوتے کہ ان کو امیر مقرر کرتا:ابو حنیفۃ عن الھشیم عن الشیبۃ
عن مسروق عن عبد اللہ قال ما کذبت
منذ اسلمت الا واحدا کنت ارحل
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی
رحالاً من الطائف فقال اتی الراحلة
احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قلت الطائفیۃ المکیۃ قال وکان
یکرھھا فلما رحل لرسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اتی بها قال من سرحل
لنا هذا الراحلةقال رحالت التي اتيت به من
الطائف - فقال رد الراحلة لا بن
مسعود:مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ
بن مسعود کہتے ہیں کہ جب میں اسلام لایا کبھی جھوٹ
نہ لولا مگر ایک بار دیوانوں کہ میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ کسا کرتا تھا طائف سے ایک
کجاوہ کئے والا آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا کجاوہ پسند زیادہ پسند ہے
میں نے کہا طائف و مکہ والا۔ حالانکہ آپ ان کو پسند
فرماتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس
نے کجاوہ کس لیا۔ اور وہ آپ کے رد ہوا یا تو آپ نے
فرمایا کہ اوٹنی پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے۔ کسی نے کہا
آپ کا وہ کجاوہ کئے والا جو آپ کے پاس طائف سے
آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اوٹنی کو ابن مسعود کے پاس
لے جاؤ تاکہ کجاوہ وہ کسے:

تشریح :- یہ تمام احادیث حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی منقبت پر دلالت کرتی ہیں۔

باب ۱۹۱ - حضرت خزیمہؓ کی منقبت

بَابُ فَضِيلَةِ خَزِيمَةَ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خَزِيمَةَ
أَنَّهُ مَرَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ أَعْرَابِيٌّ يَجْعَدُ
بَعِيَةَ فَقَالَ خَزِيمَةُ أَشْهَدُ لَقَدْ بَعَثَهُ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ
عِلْمُكَ قَالَ تَجَيَّنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ
فَنَصَدَّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ
رَجُلَيْنِ ۝

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ مَرَّ بِأَعْرَابِيٍّ وَهُوَ
مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَهُوَ يَجْعَدُ بَعِيَةً فَقَدْ عَقَّدَ مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ خَزِيمَةُ أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ
بَعَثْتَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ عِلْمُكَ
ذَلِكَ -

فَقَالَ تَجَيَّنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ
فَنَصَدَّقُكَ -

قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ
رَجُلَيْنِ ۝

وَفِي رِوَايَةٍ أُجَاذَ شَهَادَتُهُ

حضرت خزیمہؓ سے روایت ہے کہ وہ
پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ایک
اعرابی آپؐ کے بیچ کا لکار کر رہا تھا تو حضرت خزیمہؓ نے
کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اے اعرابی تو نے بیچ کی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سلم نے فرمایا (حضرت خزیمہؓ) کہ تم نے کیسے
سنا کہ حضرت خزیمہؓ نے کہا کہ آپؐ وحی آسمانی بیان
کرتے ہیں اور ہم آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں۔ میں کہتا
ہوں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی
شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا۔
ایک اور روایت ہے کہ حضرت خزیمہؓ
کا گزر ایک اعرابی کے پاس سے ہوا جو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اور ایک بیچ سے لکار
کرتا تھا۔ جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ
چکا تھا۔ اس پر حضرت خزیمہؓ نے کہا کہ میں گواہی
دیتا ہوں اے اعرابی کہ تو نے بیچ کی سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تمہیں کیسے پتا چلا۔ حضرت خزیمہؓ نے جواب
دیا کہ آپؐ ہمارے پاس وحی آسمانی لاتے ہیں۔ اور
ہم آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں۔ تو زمین کی بات کی
تصدیق کیوں نہ کریں۔ جو آسمان سے قریب تر ہے
کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی
شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا۔
اور ایک روایت میں ہے کہ مرتے دم تک

بشهادۃ راجلین حتی مات؛
تشریح :- اس حدیث سے حضرت خدیجہ کی منقبت کا پتہ چلتا ہے اور ان کی عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر مانی گئی ہے۔

باب ۱۹۱ فضیلة خدیجة رضی اللہ عنہا

کی فضیلت!

ابو حنیفة عن یحییٰ بن سعید
عن انس بن مالک بشرات خدیجة
بکنت فی الجنة لا منخب فیہا ولا
نخب

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت
خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوش خبری دی گئی تھی
میں ایسے گھر کی جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ
ربح و خلال؛

تشریح :- ام المؤمنین حضرت خدیجہ عورتوں میں بے پناہ عظمت و شان کی مالک ہیں۔ احادیث
آپ کے مناقب سے پر ہیں۔ حضرت عائشہؓ جو خود ایک عظمت رکھتی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ مجھ کو ایسا شک
کسی پر نہیں آیا جیسا کہ حضرت خدیجہ پر آیا۔ یہ کئی خصوصی صفات سے ممتاز ہیں ایک یہ کہ ان پر کوئی سوت
نہیں آئیں۔ دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کو تمام ازواج سے دو گنے سے زائد نصیب
ہوئی تیسرے انہوں نے کبھی آنحضرت کے مزاج میں خفیف سا ٹکڑ بھی پیدا نہیں کیا۔ چوتھے سیدہ فاطمہؓ
حضرت فاطمہؓ جو خالوادہ رسالت کی ابرو ہیں انہیں کی صاحبزادی تھیں؛

حضرت خدیجہ پہلے ابن ہالہ بن زرارہ کے نکاح میں تھیں۔ پھر عقیق بن ماند کے نکاح میں آئیں۔
اس کے بعد آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جبکہ آپ کی عمر چالیس
سال کی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت پچیس سال تھی۔ ان سے پہلے آنحضرت
نے کوئی نکاح نہیں کیا تھا۔ اور حضرت خدیجہ کی زندگی میں آنحضرت نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔
آنحضرت کی تمام اولاد وواسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انہیں کے بطن سے ہے۔ ان کی
وفات مکہ میں ہجرت سے پانچ سال یا چار سال یا تین سال قبل ہوئی۔ مختلف روایات کی بنا پر گویا
نبوت کو دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضرت خدیجہ کی عمر بوقت وفات پنیٹھ سال تھی۔ سولہ سال
تک گویا آپ آنحضرت کی رفاقت و معیت میں زندہ رہیں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے
پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا؛

بَابُ فَضِيلَةِ عَائِشَةَ كَقِيَّةِ

بَابُ ۱۹۲ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی

فضیلت !

رضی اللہ عنہا !

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

النخعی عن عائشة قالت قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم انه لیرہون علی الموت

انی رأیتک زوجتی فی الجنة :

وفی رواية انی رأیتک زوجتی

فی الجنة ثم التفت وقال ہون

علی الموت لانی رأیت عائشہ

فی الجنة :

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ آسان

ہو گئی موت مجھ پر کہ میں نے دیکھا تم کو اپنی زوجہ

جنت میں :

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے

فرمایا میں نے دیکھا تم کو اپنی زوجہ جنت میں۔ پھر

الثقات فرمایا۔ اور فرمایا کہ مجھ پر موت آسان و

سہل ہو گئی۔ کیونکہ میں نے عائشہؓ کو جنت میں

دیکھ لیا :

تشریح :- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کے

بغیر آنجناب کو چین نہیں تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو حضرت عائشہ کی شبیہ جنت

میں دکھا دی۔ کہ جنت کی زندگی آنجناب کے قلب مبارک کو مرغوب و محبوب تر ہو جائے۔ کیونکہ

زندگی کی خوشگوار ہی و بدگوار ہی احباب کے وجود و عدم پر مدار رکھتی ہے۔ آنحضرت کو یہ کب گوارا ہو

سکتا تھا کہ آپ کی مونس غم۔ رفیق زندگی شریک حیات۔ ہمد و ہمنام سر پرست و خوشی مرکز

و لجمعی و دل بستگی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں اپنی صحبت سے آنجناب

کی تسلی قلبی و راحت دلی کا سبب نہ بنیں۔ لہذا دینا ہی میں آپ کو بشارت دے دی گئی۔ کہ حضرت

عائشہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ پھر خود آنحضرت نے کن پر اثر و پر زور الفاظ میں اس الفت

قلبی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ کو جنت میں دیکھ لینے سے مجھ پر موت آسان ہو گئی۔

کیونکہ اب یہ کھٹکا مٹ گیا کہ ممکن ہے موت اس مونس دل کی جدائی و فراق کا سبب اور اس کے

ہمیشہ کے لئے جدا کر دے :

ابو حنیفہ عن الشعبي عن

عائشة قالت لقد کنّ لی خلّال

سبع لم یکن لاحد من الزواح

النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کنّت احبّ من الیہ ابا و احبّ من

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ

نے کہا کہ مجھ میں سات عادتیں ایسی ہیں۔ کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے

کسی ایک میں نہ تشکیل۔ و اولیٰ یہ کہ میرے والد صبی

آنجناب کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور میں

الیکہ نفساً۔

و تزوجنی بکراً۔

و ما تزوجنی حتی اتاکہ جبریل

بصورتی۔

و لقد رأیت جبریل و ما رااک

أحد من النساء غیری۔

و کان یأیته جبریل و أنا معه

فی شعادرہ۔

و لقد نزل فی عذرک کاد أن

یهلك فنام الناس۔

و لقد قبض رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و سلم فی بیعتی و لیلتی و یومی

و بین یحیی و نمحی ۛ

تشریح :- حدیث کی تفصیل آگے آرہی ہے ۛ

ابو حنیفہ عن عون عن عامر

الشعبی عن عائشہ قالت فی سبع خصال

لیست فی واحداتہ من ازواج رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و سلم تزوجنی و أنا بکر لم

یتزوج احد امن نسا کہ بکرا غیری و نزل

جبریل بصورتی قبل ان یتزوجنی ولم

ینزل بصورتہ واحداتہ من نسا کہ غیری

و ادانی جبریل و لم یزک احد امن

ازواجہ غیری۔

و کنت من اجمہن الیہ نفساً و

اباً۔

و نزلت فی آیات من القرآن

کاد أن یهلك فنام من الناس۔

و مات فی لیلتی و یومی۔

خود بھی آنحضرت کو سب سے پیاری تھی (دوسرے)

یہ کہ مجھ سے کنوارے میں آنحضرت نے نکاح کیا۔

(تیسرے) یہ کہ مجھ سے نکاح نہیں کیا۔ یہاں تک

کہ جبریل علیہ السلام میری شبیہ میں آپ کے پاس ظاہر

نہ ہوئے۔ (چوتھے) یہ کہ میں نے جبریل علیہ السلام

کو دیکھا اور میرے علاوہ ازواج میں سے کسی نے

انکو نہیں دیکھا (پانچویں) یہ کہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس

آیا کرتے اور میں آپ کے شمار میں ہوتی۔ دشوار وہ کپڑا

جو جسم سے متصل ہوا (چھٹے) یہ کہ میرے بارہ میں

براست اتری اور قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں

ہلاک ہو جاتیں (ساتویں) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی روح قبض ہوئی میرے گھر میں، میری

باری کی رات اور دن میں اور میرے گلے اور

سینہ کے درمیان ۛ

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے

کہا کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی میں نہیں ہیں۔ مجھ

سے نکاح کیا جب کہ میں کنواری تھی اور آپ نے اپنی

کسی بیوی سے کنوارے میں نکاح نہیں کیا۔ اور

جبریل علیہ السلام میری صورت میں تم سے اس سے پہلے

کہ آپ مجھ سے نکاح کریں۔ حالانکہ میرے علاوہ آپ

کی کسی بیوی کی شبیہ میں نہیں آئے اور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے مجھ کو جبریل علیہ السلام کو دکھایا حالانکہ

اپنی کسی بیوی کو نہیں دکھایا اور میں آپ کو اپنی ذات

سے بھی بہت پیاری تھی اور پیر والہ بھی آپ کو

بہت محبوب تھے۔ اور میرے بارہ میں قرآن کو چند

آیات اتریں۔ قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں

ہلاک ہو جاتیں۔ اور میری باری کی رات دن میں آپ

نے وفات پائی اور میرے گلے اور سینے کے درمیان
انجناب کی روح پاک قبض ہوئی :

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کہتی
ہیں کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں جو آپ کی کسی
زوجہ میں نہیں ہیں۔ مجھ سے نکاح کیا کنوارا ہی ہونے
کی حالت میں اور میرے علاوہ کسی پوی سے کنوارے
پن میں نکاح نہیں کیا۔ اور جبریل علیہ السلام میری صورت
میں نمودار ہوئے۔ مجھ سے نکاح کرنے سے قبل حالانکہ
میرے علاوہ آپ کی کسی پوی کی شکل میں آپ کے
پاس نہیں آئے۔ اور اپنی ذات سے میں آپ کو خوش اور
پیارا ہی تھی۔ اور میرا والد بھی آپ کو بہت پسند
تھے۔ اور میرے بارہ ہیں برادرت نازل ہوئی۔
قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک ہو جائیں اور
میری باری میں آپ کی وفات ہوئی اور میرے گلے اور
سینے کے درمیان آپ کی روح نے پرواز کیا اور مجھ
کو جبریل دکھایا۔ حالانکہ میرا علاوہ اپنی ازواج
میں سے کسی کو نہیں دکھایا :

وَفِي بَيْنِ سَحْرَى وَ
نَحْرَى :

وَفِي رَوَايَةٍ أَنَهَا قَالَتْ إِنَّ فِي
سَبْعِ خَصَالٍ مَا هُنَّ فِي وَاحِدَةٍ مِنْ
ازْوَاجِهِ -

تَزَوَّجَنِي بَكَرًا وَلَمْ يَتَزَوَّجْ بَكَرًا
غَيْرِي -

وَأَتَانِي جِبْرِيلُ بِصُورَتِي قَبْلَ أَنْ
يَتَزَوَّجَنِي وَلَمْ يَأْتِهِ جِبْرِيلُ بِصُورَةِ
أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي -

وَكُنْتُ أَحَبَّهُنَّ إِلَيَّ نَفْسًا وَ
أَجَا -

وَأَنْزَلَ فِي عَذْرَكَ أَنْ يَهْلِكَ نَفَامُ
مِنَ النَّاسِ -

وَمَاتَ فِي بُوْبِي وَلِيْلَتِي وَبَيْنِ
سَحْرَى وَنَحْرَى وَأَدَانِي جِبْرِيلُ وَلَمْ
يَزُكَّ أَحَدًا مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي :

تشریح :- ترمذی حضرت عمرو بن عاص سے روایت لاتے ہیں اور جسکو صحیح کہا گیا ہے۔ کہ
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے دریافت کیا کہ سب لوگوں میں آپ کو زیادہ محبوب کون ہے
آپ نے فرمایا عائشہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ مروان میں سے۔ آپ نے فرمایا ان کے باپ، دینے حضرت
ابو بکرؓ، حضرت انسؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے :

حضرت سے ان کا نکاح ہوا۔ جب کہ ان کی عمر مبارک چھ سال کی تھی۔ اور رخصتی ہوئی جب
کہ یہ نو سال کی تھیں۔ آٹھ سال قبل ہجرت پیدا ہوئیں اور اٹھارہ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی جدائی و فراق کا غم اٹھایا۔

ترمذی میں ابن ابی ملیکہ کے واسطے سے حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام ہر
شیم کے پیرا میں لمبوس ان کی بصورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آنحضرت سے
کہا کہ بیاب کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں۔

ترمذی ابی سلمہ کے واسطے سے حضرت عائشہ سے روایت لائے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے
حضرت عائشہ سے فرمایا اے عائشہ یہ جبریل ہیں اور یہ تم کو سلام کہتے ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے کہا۔

وعلیہ السلام وراحۃ اللہ وبرکاتہ -

ترمذی کی ایک روایت میں حضرت ام سلمہ سے خطاب کرتے وقت آنحضرت کے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو عائشہ کے بارہ میں اذیت نہ دو۔ کیونکہ ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ میں تم میں سے صرف انہیں کے لحاف میں ہوتا ہوں کہ مجھ پر وحی اتہنی ہے۔

چھٹی خصلت سے واقعہ انکے کبیرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ کی برکت میں آیات قرآنہ نازل ہوئیں۔ اور یوں شہادت ربانی سے ان کی پاک وانی ثابت ہوئی اور آج تک صفحہ ہستی پر ہر گھر مریم کے اور کوئی ایسا نہیں ہے۔

انہیں احادیث کے میں ایک دلچسپ سوال ہے۔ وہ یہ کہ حضرات خدیجہ و عائشہ وفاطمہ میں کون زیادہ افضل ہیں۔ روایات ہر ایک کی افضلیت پر وارد ہیں۔ جن کی رو سے ان میں سے کسی ایک کی افضلیت کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ احمد و طبرانی حضرت انس سے بدیں مضمون مرفوع حدیث لائے ہیں کہ سارے عالم کی عورتوں میں بہتر جا رہی حضرت مریم بنت عمران۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ حضرت فاطمہ بنت محمد۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی۔ حاکم اپنی مستدرک میں حضرت عائشہ سے یوں روایت لاتے ہیں کہ جنبت کی عورتوں کی سردار جا رہی۔ حضرت مریم حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ۔ حضرت آسیہ۔ بزار طبرانی حضرت عمار بن یاسر سے مرفوع حدیث بدیں الفاظ لائے ہیں کہ خدیجہ کو میری امت کی عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے۔ جس طرح مریم کو سارے عالم کی عورتوں پر۔ نسائی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جنبت کی عورتوں میں افضل حضرت خدیجہ و فاطمہ ہیں۔ لہذا ان روایات کے پیش نظر حضرات خدیجہ و فاطمہ کی فضیلت تمام عالم و اہل جنبت کی عورتوں پر ثابت ہوتی ہے۔ جن میں حضرت عائشہ و دیگر ازواج بھی آگئیں۔ اب ان میں آپس میں فضیلت تو بخاری کی روایت سے سیدۃ النساء اہل الجنۃ کہ فاطمہ اہل جنبت کی عورتوں کی سردار ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو حضرت خدیجہ پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ علامہ نقی الدین سبکی افضلیت کی ترتیب یوں قائم کرتے ہیں کہ پہلے فاطمہ۔ پھر خدیجہ پھر عائشہ حضرت عائشہ کی شان میں نوادہ اول تو حدیث ذیل کی خود حضرت عائشہ کی گناہی ہوئی خصوصیات ان کی افضلیت ثابت کرتی ہیں۔ پھر یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جس طرح ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر جنبت کی خوشجری کی فضیلت کو تو ہم نہیں شمار کرتے کہ یہ فضیلت آپ کی تمام ازواج کو حاصل ہے چنانچہ انہیں تمام کی بنا پر علماء کی رائے کسی ایک نقطہ خیال پر نہ جم سکی۔ کسی نے کسی کو افضل مانا اور کسی نے کسی کو مگر جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ حقیقت میں افضلیت کا سہرا حضرت کے ہی سر ہے۔ کیونکہ مذکورہ روایات بھی اس پر دال ہیں اور یہ مامور بھی اس پر شاہد کہ خود حضرت عائشہ آنحضرت کے نزدیک ان کے محبوب تر ہونے پر شک کیا کرتی تھیں۔ جس طرح اوپر حدیث کے حوالہ سے بیان ہوا تو ان سے افضلیت تو صاف

ظاہر ہوئی، اور حضرت فاطمہ کی یہ آخر والدہ محترمہ تھیں۔ پھر امام احمد و طبرانی یوں بھی نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے آنحضرت کے روبرو کہا کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی ہی کی جگہ ایک کم سن مطافرمائی۔ گویا اب ان کی یاد کے کیا معنی۔ یہ سن کر آنجناب بہت ناراض ہوئے۔ حضرت عائشہ خوف سے لرزیں اور کہنے لگیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اُسذہ میں ان کا ذکر نہیں کروں گا مگر بھلائی کے ساتھ۔ آنحضرت کی یہ برہمی صاف بتاتی ہے کہ حضرت خدیجہ کا مرتبہ ان سے بلند تر تھا۔ وہ خود حضرت عائشہ کی وہ شخصیت ہے کہ ان کے خلاف آنحضرت کسی سے ایک لفظ سننے کی تاب نہیں لاسکتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ کی دوسری خصوصیات کو دیکھیں تو انہیں کی فضیلت کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ کہ قبول اسلام میں بوقت نصیب ہونا کسی سوت کا ان پر نہ آتا۔ آنحضرت کی تمام تر اولاد کا انہیں سے پیدا ہونا۔ خود حضرت فاطمہ کا والدہ محترمہ ہونا۔ ان کی ازواجی زندگی کا آنحضرت کے ساتھ سب کے زائد و زائد مدت ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آخر میں عقل اس فیصلہ پر مجبور ہوتی ہے کہ ہر گز راز نگ دلوں سے دیگر است۔ ہر ایک میں اللہ نے خاص خاص خوبیاں رکھی ہیں جو دوسرے کو نصیب نہیں اور یہی امتیاز ہی خط کھینچتی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ کی علمی قابلیت و اجتہاد کی بقا جس کی وجہ سے وہ سب میں بلند نظر آتی ہیں اور اس سفت میں کوئی ان کے ساتھ سمسری کا دم نہیں بھر سکتا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ چوتھائی احکام شریعت انہی سے مروی ہیں۔ چنانچہ عطار بن ابی رباح نے ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ سب کے زائد عالم اور اسے میں سب کے زائد صاحب تحقیق عروہ کہتے ہیں کہ میں نے فقہ۔ طب و شعر میں آپ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ اور غالباً حدیث شریف آپ کی اسی صفت محمودہ کی طرف منسوب ہے۔ اور حضرت خدیجہ کے حالات پر نظر ڈالیں تو ان کی کبر سنی۔ تجربہ کاری۔ آنحضرت پر جان نثاری و قربانی۔ قبول اسلام میں سفت آنحضرت کی تکالیف اوجھار و تنگی۔ اور آپ کی مسرتوں پر اظہار خوشنودی۔ ان کے درجہ فضیلت کو سب کے بلند و کھاتی ہیں۔ پھر حضرت فاطمہ تو فاطمہ ہی ہیں کہ سرکاری و دغالم کی جگر پارہ ہیں کہ خود ارشاد فرماتے فاطمہ بضعتہ منی کہ فاطمہ میرے بدن کا ایک حصہ ہیں۔ ان کے ساتھ آنحضرت کو جو نسبی۔ طبع۔ فطری الفت و محبت تھی وہ ان کے درجہ و مرتبہ کو بہت بلند کر دیتی ہے۔ جس میں دوسرے کو کیا تاب گواں کی ہمسری کر سکے؟

الْبُحَيْفَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَبِيهِ

عَنْ مَسْرُوقٍ اَنْهُ كَانَ اِذَا حَدَّثَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِي الصَّدِيقَةُ بِنْتُ الصَّدِيقِ الْمُبْرَأَةِ حَبِيبَةِ رَسُولِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مسروق سے روایت ہے کہ جب وہ رات بیان کیا کرتے تو کہا کرتے کہ حدیث بیان کی ہے صدیقہ نے درست گونے جو بیٹی ہیں حضرت صدیق کی۔ جو پاک دامن ہیں و انکے جو محبوب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟

تشریح :- یوں گویا مسروق جامع و مختصر الفاظ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے منافع بیان فرما رہے ہیں۔ قصہ انکے میں حضرت صدیقہ کی سچائی۔ راست گوئی و راست گفتاری پائیدار ثبوت کو پہنچی

اس لئے صدیقہ کا لقب آپ کے نام نامی کے لئے باعث عزت ہوا۔ اور چونکہ آپ کی برادرت، آسمانی شہادت و قرآنی گواہی سے ثابت ہوئی۔ اس وجہ سے آپ کو مبرات کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اور چونکہ آپ کی محبت و الفت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ گہر کئے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے نوازا گیا

ابو حنیفہ عن المیثم عن عکرمۃ
عن ابن عباسؓ انه استاذن علی
عائشۃ لیعودہا فی مَرْمَہَا
فارسلت الیہ انی احب غمًا وکربًا
وانصرف۔

فقال للرسول ما انا بالذی
ینصرف حتی اذخل فرجع الرسول
فاخبرہا بذلک فاذنت لہ
فقلت انی احب غمًا وکربًا
وانا مشفقۃ مما اخاف ان اھجم
علیہ فقال لہا ابن عباسؓ
ابشری فواللہ سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول عائشۃ
فی الجنۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اکرم علی اللہ ان
یزوجہ جمرۃ من جمرۃ جہنم
فقلت فرجت فرج اللہ تغالی
عنک

باب فضیلة الشعبی

رضی اللہ عنہ

ابو حنیفہ عن المیثم عن عامر
الشعبی قال کان یحدث من الخاوی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اجازت چاہی حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہونے کی کہ ان کی مزاج پر سی کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہلوا یا کہ میں اس وقت غم و الم میں مبتلا ہوں۔ لہذا اس وقت آپ واپس چلیے۔ اس حدیث ابن عباسؓ نے پیامبر سے کہا کہ میں بغیر حاضری سے واپس جائیو الا نہیں پیامبر واپس ہوا اور یہی کلمہ حضرت عائشہؓ کے سامنے دہرایا تو آپؐ نے ان کو آنے کی اجازت دی۔ پھر آپ بولیں کہ میں غم و الم میں مبتلا ہوں۔ اور میں ڈرتی ہوں بوجہ اپنے علم کے جو ہم موت سے ہیں ابن عباسؓ نے ان سے کہا۔ خشکی حاصل کیجئے۔ قسم اللہ کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک اس سے شریف تر و باعز تر تھے کہ ان کا نکاح دوزخ کی ایک چنگاری سے کرتا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے میرے ربخ کو دور کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے غم دور فرمائے

باب ۱۹۳۔ حضرت شعبیؓ کی فضیلت

حضرت عامرؓ سے شعبیؓ کے بارہ میں نقل ہے کہ جب وہ مغازی کے بیان کا آغاز کرتے تھے ورنہ عمر

کو سنتے۔ تو سنتے وقت کہتے کہ یہ ایسا بیان کرتے ہیں کہ گویا قوم کے ساتھ تھے؟

حضرت شمس ے بارد میں نقل ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر و مغازی بیان کرتے ایسے مجمع ہیں۔ جس میں حضرت ابن عمرؓ بھی موجود ہوتے تو وہ کہتے کہ عامر ایسی بات بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ معرکہ میں از خود موجود تھے؟

وابن عمر یسمعون قال حین یسمع حدیثہ
انہ یحدث کانہ شہد القوم؟

تشریح :- اس میں حدیث شعبی رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی ہے؟
ابو حنیفہ من داود بن ابی ہند

عن عامر انہ کان یحدث عن مغازی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی
حلقة بینہما ابن عمر فقال انہ لیمحدث
حدیثا کان یشہد؟

باب فضائل ابراہیم و علقمہ و عبد اللہ

باب ۱۹۲ حضرت ابراہیم۔ علقمہ اور عبد اللہ کے فضائل

حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد کو یہ کہتے سنا کہ جب میں دیکھتا ابراہیمؑ غنی کو تو ان کی خصلت و سیرت کو دیکھنے والا ہر ایک کہتا کہ ان کی خصلت میں حضرت علقمہ کی خصلت و سیرت ہے اور جو علقمہ کو دیکھتا۔ تو وہ کہتا کہ ان کی سیرت و خصلت میں عبد اللہ بن مسعود کی سیرت و خصلت ہے۔ اور جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خصلت و سیرت کو دیکھا۔ تو وہ یہ کہتا کہ یہ بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سے خصال ہیں۔

زفر قال سمعت ابی حنیفہ یقول
سمعت حماد یقول کنت اذا نظرت
الی ابراہیم فکل من رأى ہذا یہ
یقول کان ہذا یہ ہدی علقمہ
ویقول من رأى علقمہ یقول کان
ہذا یہ ہدی عبد اللہ ویقول
من رأى ہدی عبد اللہ کان
ہذا یہ ہدی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم؟

تشریح :- حدیث ذیل سے تینوں بزرگوں کی فضیلت و برتری و سنت و طریقت میں آنحضرتؐ سے صحیح مشابہت ظاہر ہوتی ہے؟

باب فضیلة امام ابو حنیفہ

رحمہ اللہ تعالیٰ

ابو حنیفہ الانصاری قال سمعت
عبد اللہ بن داؤد یقول لابی حنیفہ من
ادکت من الکبراء قال القامم وسالم
طاؤس وعمرہ ومکحول وعبد اللہ بن دینار
والحسن البصری وعمرو بن دینار وابی الزبیر
وعطاء وقتادہ وبراہیم والشعبی ونافع
وامثالہم

باب حضرت امام ابو حنیفہ کی

فضیلت

حضرت عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ میں نے
حضرت امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ آپ کے بزرگ
تابعین میں سے کن کن کی صحبت کا فیض اٹھایا ہے
آپ نے کہا: قامم - سالم - طاؤس - عکرمہ - مکحول - عبد اللہ
بن دینار - حسن بصری - عمرو بن دینار - ابو الزبیر - عطاء
قتادہ - براہیم - شعبی - نافع - ادران حبیبی کی

تشریح :- روایت ہے کہ حضرت امام کے ساتھ کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے اور شاگردوں
کا تو کوئی حد و حساب نہیں

۱۹۴ کتاب فضل امتہ
صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی امت کی فضیلت

کا بیان

ابو حنیفہ عن ابی بردۃ عن
ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ
یأمرن الی السجود فلا یتطیعون
ان یسجدوا سجداً اُمّتی
مرّتين قبل الا تم طویلاً قال
فیقال ارفعوا رءوسکم فقد جعلت
عدوکم الیہود والنصارى فداءکم
من النار

حضرت ابی بردہ سے روایت ہے اور وہ اپنے
والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا
تو سب لوگ سجدہ کیلئے بلائے جائیں گے اور کہنا
سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھ سکیں گے اور میری امت
تمام امتوں سے پہلے دو بار سجدہ کرے گی آپ نے
فرمایا کہ پھر میری امت سے کہا جائیگا اپنے سر ٹھاد
القبۃ میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو
آگ کے لئے تمہارا بدل و عوض بنا دیا

تشریح :- یہ سرکارِ دو عالم - محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اس شرف سے نوازا کہ ان کے دشمن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو آتش و فتنہ کے لئے ان کا ذریعہ قرار دیا۔

ابو حنیفہ عن ابی بردۃ عن

ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمة یعطی کل رجل من المسلمین رجلاً من الیہود والنصارے فیقال هذا فداؤک من النار

وفی روایۃ اذا کان یوم القیمة اعطی اللہ تعالیٰ کل رجل من هذا الامة رجلاً من الکفار فیقال هذا فداؤک من النار

وفی روایۃ اذا کان یوم القیمة دفع الی کل رجل من هذا الامة رجل من اهل الکتاب فقیل له هذا فداؤک من النار

وفی روایۃ ان هذه الامة امة مرحومة عذابها بائد بئاد

تشریح :- اس میں پیشتر حدیث کا اعادہ ہے

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن

بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً لا صحابہ اترضون ان تکونوا ربع اهل الجنة

قالوا نعم

قال اترضون ان تکونوا ثلث اهل الجنة قالوا نعم قال اترضون ان تکونوا نصف اهل الجنة قالوا نعم قال ابشروا فان اهل الجنة مشرون

حضرت ابی بردہ کے والد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو یہود و نصاریٰ میں سے ایک شخص دیا جائیگا اور اود کہا جائے گا کہ یہ آگ کے لئے تمہاری طرف سے فدیہ ہے

ایک اور روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس امت سے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک کافر دیں گے اور اس کو کہا جائیگا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس امت کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک آدمی حوالہ کیا جائے گا۔ اور اس سے کہہ دیا جائے گا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ یہ امت رحم کی گئی ہے اس کا عذاب اسکو پہلے ہی مل جائے گا یعنی دنیا میں

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم داؤد تمہارا بعد آئے والے یعنی پوری امت، اہل جنت کے چوتھے ہو۔ انہوں نے کہا بیشک پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم ایک تہائی اہل جنت ہو سب نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم اہل جنت کے نصف ہو سب نے کہا بیشک تو آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ النبی اہل جنت

وَمَائَةِ صَفٍّ امَّتِي مِنْ ذَا لِكِّ
ثَمَاتُونَ صَفًّا

کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے
اٹھتی صفیں میری امت کی ہوں گی

تشریح :- آنحضرت کی طرف سے بشارت ہے کہ آپ کی امت اہل جنت کی دو تہائی ہوگی۔
ترمذی میں اس کے ساتھ واربعون من سائر الامم کے الفاظ ہیں یعنی اور امتیں ایک تہائی
یعنی پالیس کی نسبت سے ہوگی

ابو حنیفہ عن ابی ہریرۃ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان امتی امۃ مرحومۃ عذابہا
بایدیہا فی الدینا۔ و زاد فی روایۃ
بالقتل

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت امت
مرحومہ ہے۔ اس کا عذاب اس کے ملنے دنیا میں ہے
اور ایک روایت میں بالقتل کا لفظ زیادہ ہے۔
یعنی قتل و غارت و کشت و خون سے

تشریح :- ابو داؤد۔ بیہقی۔ حاکم۔ طبرانی ابی موسیٰ سے روایت لائے ہیں امتی مرحومۃ
لیس علیہا عن اب فی الآخرۃ انما عذابہا فی الدینا الفتن والزلزل والقتل والبلا یا کہ میری امت
مرحومہ ہے۔ اس پر آخرت کا عذاب نہیں۔ البتہ اس کا عذاب دنیا میں فتنے ہیں زلزلے ہیں۔ کشت و
خون ہے۔ اور طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں

ابو حنیفہ عن زیاد عن یزید
بن الحارث عن ابی موسیٰ قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فناء امتی
بالطعن والطاعون قیل یا رسول اللہ
الطعن عرفنا فما الطاعون قال
وخر اعداؤکم من الجن فی علی
شہادۃ

حضرت ابی موسیٰ رضی عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت
کی ہلاکت طعن و نیزہ بازی اور طاعون سے ہے آپ
سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ طعن کو تو ہم سمجھ گئے لیکن
طاعون کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمنوں اور
کا نیزہ چھوٹا ہے۔ اور ان سب طعن و طاعون
میں درجہ شہادت ہے

اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں (سے)

میں شہید ہیں

تشریح :- یعنی طاعون کی بیماری سے ہلاک ہونے والے کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا درجہ
عطا فرمایا ہے۔ یہ چونکہ ناگہانی موت سے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ازراہ رحمت یہ احسان کیا۔

ابو حنیفہ عن خالد بن عقیقۃ
عن عبد اللہ ابن الحارث عن ابی موسیٰ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فناء
امتی بالطعن والطاعون فقیل یا رسول

حضرت ابی موسیٰ سے مروی ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت
طعن اور طاعون سے ہے۔ آپ نے عرض کیا گیا یا
رسول اللہ یہ طعن تو ہم نے جان لیا۔ لیکن طاعون

اللہ ہذا الطعن قد علمناہ فذا الطاعون
قال وخذوا عدا انکم من الجن و فی حیل
شہادت

کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تمہارے دشمن جنوں
کا نیزہ جھوننا ہے۔ اور ان سب میں شہادت
کا درجہ ہے۔

تشریح :- گویا اس میں آنحضرت نے طاعون کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ یہ مہلک و مہیت
ناک بیماری ہے۔ جو اجنبی کے اثر سے رونما ہوتی ہے۔

کتاب الأطعمة والأشربة

والضحایا والصید

والذبائح !

کھانے پینے کی

اشیاء، قربانیاں، شکار

اور ذبیحوں کا بیان !

ابو حنیفۃ عن محارب عن ابن

عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
زہی عن کل ذی ناب من السباع

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کچلہ
والے درندہ سے۔

تشریح :- ہر وہ درندہ جو کچلہ رکھتا ہے۔ اس کا کھانا حرام ہے۔ مثلاً شیر۔ چیتا۔ بھڑیا۔
بھیچ۔ بانٹھی۔ بندر وغیرہ۔ یہ حدیث یحییٰ بن سعید عن ابن عباسؓ۔ خالد بن ولید۔ علی بن ابی طالب۔
جابر بن عبد اللہ۔ ابو ثعلبہ الخثنی۔ ابو ہریرہؓ چھ اصحاب برکات سے کتب صحاح میں مروی ہے
اور جو اپنے معنی عمومی کے لحاظ سے قطعی الدلالت سے اور روایت کی رو سے بھی قریباً قطعی۔
پس سچو اور لومڑی کو بھی اس کا حکم عمومی شامل ہے۔ کیونکہ وہ بھی کچلہ رکھتے ہیں اور درندوں
میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ امام شافعیؒ و مالکؒ ان دونوں
کو حلال جانتے ہیں۔ ان کے پیش نظر عبدالرحمن بن ابی عمارہ کی وہ حدیث ہے جو ترمذیؒ ابن
ماجہ و نسائی لائے ہیں۔ بدین مضمون کہ عبدالرحمن حضرت جابر سے پوچھتے ہیں کہ کیا بھجوا شکار ہے
انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا گیا میں اس کو کھاؤں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کہ کیا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اب غور فرمائیے کہ کہاں قطعی
الدلالت حدیث کا عمومی حکم اور کہاں اس حدیث ظنی کی خصوصی اجازت کیونکہ یہ حدیث
باعتبار سند و روایت پیشتر حدیث سے بہت گھٹیا ہے اور کثیر لفظی پھر یہ اس کے معارض کیونکہ
ہو سکتی ہے۔ اور اگر بھجوا کی دہر کے لئے اس کو صحیح بھی مان لیں تو شک کے وقت حرمت کو
حلت پر ترجیح ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ حکم ابتداء سے اسلام کا تھا اور اس قطعی الدلالت

حدیث سے منسوخ ہو چکا۔ غرض یہ حدیث اپنی جگہ اٹل ہے اور ناقابل تردید۔ لومڑی کو شافعی
بجھ پر قیاس کر کے اسی کے حکم میں شامل کرتے ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَكْلِ

كُلِّ ذِي مَخْلَبٍ!

بَابُ سِرِّ چنگل دار جانور کا کھانا

منع ہے!

ابو حنیفہ عن محارب عن ابن

عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نہی یوم خیبر عن اکل کلّ ذی مَخْلَبٍ
من الطیر:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے خیبر کے دن ہر چنگل والے پرندہ کے کھانے
سے منع فرمایا ہے:

تشریح: باز۔ شاہین۔ شکر۔ گدھ۔ چیل۔ وغیرہ شکاری چنگل دار پرندے اس حکم
سے حرام قرار پائے:

بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَكْلِ

لَحْمِ الْحَمْرِ الْأَهْلِيَّةِ

ابو حنیفہ عن ابی اسحق عن

البراء قال نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عن اکل لحوم الحمل الاہلیۃ:

بَابُ پالتو گدھوں کے کھانے

کی ممانعت

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم نے منع فرمایا گھریلو گدھوں کے گوشت
کے کھانے سے:

تشریح: یہ حدیث تقریباً چودہ صحابہ کرام سے روایت ہے۔ اور عین میں بھی ہے اسی لئے
علامہ کا اس باب میں اتفاق ہے۔ ابن عبد البر متنبی یہاں کہتا ہے کہ اس حدیث میں کوئی اختلاف
نہیں ہے۔ ترمذی، مسند احمد، مسند ابی داؤد، مسند ترمذی، مسند ابی یوسف، مسند ابی حنبلہ، مسند ابی
دہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہ جانتے تھے۔ مگر ان کی طرف سے بھی صحیح روایت ہے جو
سب علماء کے مسلک سے ملتی ہے:



بَابُ النَّهْيِ عَنْ خُشَّاشِ الْأَرْضِ!

بَابُ حُرْمَتِ الْأَرْضِ كَيْفَ كُفَّاهِ کی ممانعت!

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر قال نهينا عن خشاش الأرض:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع کئے گئے ہم زمین کے کیڑے مکوڑوں (کے کھانے) سے:

تشریح:- ان کی علت حرمت ان کی نجاست ہے۔ چنانچہ ابو داؤد کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جو وہ حشرات الارض کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ سے لائے ہیں۔ کہ انجناب کے حضور میں جھاؤ سپرے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہ وہ ناپاک چیزوں میں سے ایک ناپاک چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ جھاؤ چھو یا اس جیسے حشرات الارض کی حرمت ان کی ناپاکی و گندگی پر مار رکھتی ہے۔ اور اسی علت کے باعث زمین کے کیڑے مکوڑے سب حرام ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ و یحرم علیہم الخبائث کی بھی یہی تفسیر ہے۔

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر المکی من جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل ضفداً ما فعلیہ شاة فحراماً کان او حلالاً:

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قتل کیے مینڈک کو۔ تو اس پر ایک بکری ہے۔ خواہ وہ مارے والا، محرم ہو یا حلال:

تشریح:- ابو داؤد و طبرانی اپنی مسند میں اور ابو داؤد اپنی سنن میں۔ اسی طرح نسائی اور عاکم عبد الرحمن بن عثمان سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایک طبیب نے آنحضرت سے دوا میں مینڈک کے استعمال کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے اس کو اس کے قتل کرنے سے روکا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ مینڈک کے بارہ میں قوی تر حدیث بھی اسی کے ساتھ ساتھ ہے۔ چنانچہ حافظ منذری نے ایک اندلی پہلو سے اس پر روشنی ڈالی ہے اور بہت خوب کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے تو بہر حال روکا ہے۔ اور حیوانات کے قتل سے روکنا یا تو حرمت کے باعث ہوتا ہے جس طرح آدمی میں۔ یا اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے لامحالہ پہلی وجہ تو یہاں موجود نہیں یعنی حرمت۔ تو دوسری وجہ ہی قرار پائی کہ اس کا چونکہ کھانا حرام ہے اس لئے اس کا مارنا بھی ممنوع ٹھہرا۔ اور اسی بنا پر اس کے مارنے والے پر بکری واجب ہوئی۔ کہ لوگ اس کے مارنے سے دست کش رہیں:



بَابُ حَكْمِ أَكْلِ لُصْبٍ ۱۹۹

بَابُ ۱۹۹ - گوہ کے کھانے کا حکم !

ابو حنیفہ عن حماد عن

ابراہیم عن الاسود عن عائشہ
انہ اهدی لها صُبَّ فساؤلت
رسول الله صلى الله عليه وسلم
فنهاها عن اكله فجاء ما ثل
فامرت له به -

فقال رسول الله صلى الله عليه
وسلم اتطعمين ما لا
تاكلين ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کسی
ان کی خدمت میں گوہ بطور ہدیہ ارسال کی۔ کہتی
ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے
دکھانے کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے ان کو اس کے
کھانے سے روکا۔ اس کے بعد ایک بھکاری آیا۔ کہتی
ہیں کہ میں نے یہ گوہ (بھکاری کو دے دینے کا
حکم دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جس کو تم خود نہیں کھاتیں کیا اسے دوسرے
کو کھلاتی ہو؟

تشریح :- اس حدیث میں گوہ کے کھانے کا حکم ہے۔ گوہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور
امام شافعی مالک کا اختلاف ہے امام اعظم مکروہ کہتے ہیں اور ہر دو امام اس کو حلال جانتے ہیں۔
امام شافعی و مالک کے پیش نظر وہ حدیث ہے۔ جو حضرت خالد بن ولید سے صحیحین میں مروی ہے۔ وہ
کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے پاس گیا۔ اور ان کے پاس آپ کے
ایک بھوئی ہوئی گوہ پائی۔ آنحضرت نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا یہی تھا کہ ایک عورت نے کہا آپ
کو خبر تو کرو کہ آپ کے سامنے کیا پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ عورتوں نے کہا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے۔ آپ نے
دست مبارک کھینچ لیا۔ حضرت خالد نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر چونکہ یہ ہمارے
ہاں نہیں ہوتی۔ اس لئے میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہتے ہیں کہ پھوٹن کھانا تھا۔ اور آپ دیکھ رہے تھے۔
لیکن مجھے منع نہیں فرمایا۔

امام ابو حنیفہ کے فہرست پر کئی صریح صحیح الاسناد احادیث وال ہیں اول یہ ہی حدیث کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اس کے کھانے سے روک دیا۔ اس سے بھی حرمت قطعاً نہیں تو کراہت
تو کم از کم یقیناً ہے۔ دوسرے وہ حدیث جو ابو داؤد حضرت عبدالرحمن بن شیل سے مرفوع لائے ہیں عن
اکل لحوم الصب کہ آنحضرت نے گوہ کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اس حدیث کو کمزور ثابت کرنے
میں مخالفین نے بہت کچھ بحث کی ہے اور خود اپنے ہی قلم سے اپنے کلام کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اس
کی سند میں مخالفین نے بہت ضعیف بنائے ہیں۔ روایت کرتے ہیں۔ لہذا انہیں غریبوں کو جرح و قدح
کا نشانہ بنایا۔ بہت ہی گہرا نشانہ ہے کہ بغدادی اسمعیل بن عیاش و لیس بختہ کہ اسمعیل اس کی سند میں مفرد
ہیں۔ اور وہ قابل حجت نہیں۔ کیا کسی نے انہیں یہ نہیں دلا یا کہ حضرت آپ خود تو اپنی سنن کے باب

روسے بھی بچد وجوہ کراہیت ثابت ہے اول یہ کہ یہاں اولہ میں تعارض واقع ہوا اور تعارض اولہ میں کراہیت کا ثبوت زیادہ قریں قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ اصول کا مسئلہ مسئلہ ہے کہ حرمت و حلت کی روایات جب یک جا جمع ہوں تو حرمت قابل ترجیح ہے۔ تیسرے احتیاط اسی کی متقاضی ہے کہ جانب حرمت مرئی ہو سکے اگر حلال ہے اور نہ کھائی تو کوئی خاص گناہ نہیں لیکن اگر حرام ہے اسے کھایا تو سخت گنہگار ہوگا۔

بَابُ صَيْدِ الْكَلَابِ

الْمُعَلَّمَةُ!

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن ہمام عن عدی بن حاتم قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقلت یا رسول اللہ انا نبعث الکلاب المعلمة فناکل مما امسکنا علینا فقال اذا ذكرت اسم اللہ علیہا ما لم یشرکھا کلب غیرھا قلت وان قتل قال وان قتل قلت یا رسول اللہ احکدنا یروضی بالمعروض؟ قال اذا رمیت فسمیت فخرق فکل وان اصاب بعضہ فلا تکل

بَابُ - سِدِّهَا سَہْوً کَثُورًا

ذریعے شکار کرنا!

حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سیدھا سہوے کتوں کو چھوڑنے میں تو وہ جو دیشکار ہمارے لئے پکڑ لیں دیکھا، ہم اسے کھالیں۔ آپ نے فرمایا جب دیکھا کہ ان کو چھوڑنے وقت تم نے بسم اللہ کہی ہو اور کوئی بے سدا یا بواکتا اس کے ساتھ شکار میں شریک نہ ہو ہو میں نے کہا اگر وہ شکار مر جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ مر جائے۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے ایک شخص بے پردہ والا تیر شکار کے مارتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے بسم اللہ کہہ کر تیر مارا اور اس تیر نے اس میں گھس کر اس کو بھاڑ ڈالا تو اسے کھاؤ۔ اور اگر شکار اس تیر کے عرض سے مارتا تو اس کو نہ کھاؤ۔

تشریح :- سدا یا بواکتا وہ ہے جس کو باقاعدہ شکار کی تربیت دی جاتی ہے اور اگر اس کا مالک اس کو شکار پر چھوڑے تو وہ دوڑ پڑے اور اگر اس کو ڈانٹ کر روکنا چاہے تو فوراً رک جائے اور جب شکاری کو پکڑے تو اس کو مالک کے لئے روکے رکھے اور تھامے سے اس کے گوشت کھا لے یا کسی اور عضو بدن کو نہ چھوئے اور نہ کھائے۔ اگر تین مرتبہ ایسا تجربہ اس کے بارہ میں ہوا تو وہ سدا یا بواکتا مانا گیا۔ اور اس کا وہ ہی حکم ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ اس امر میں بنیادی حکم دراصل یہ فرمان خداوندی ہے وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمون نحن مما علمکم اللہ نکلوا مما امسکنا علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ

یعنی اور جو کھاؤ تم زخم صے والے کو شکار کرنے والوں کو سکھاتے ہو تم ان کو وہ چیز کھا یا ہے اللہ نے تم کو پس کھاؤ جو کچھ پکڑ رکھیں تمہارے اوپر اور یاد کرو اللہ کا نام اس پر ہے

ابو حنیفہ عن عطیہ عن ابی سعید
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ما جبر عنه الماء فكل به
حضرت ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مچھلی کو چھوڑ دے پانی تو اس کو کھاؤ

تشریح :- سوائے اس مچھلی کے جو مر کر پانی کے اوپر آجائے سب مچھلیاں حلال ہیں۔ ترمذی حضرت جابرؓ سے مرفوع حدیث یوں نقل کرتے ہیں ما اصطفتیہ وہو حی فکلوا وما وجدتموہ میتا طافیا فاکلوا کہ جس مچھلی کو تم زندہ شکار کرو تو اس کو کھاؤ۔ اور جس کو تم مردہ پانی پر تیرتی ہوئی پاؤ اس کو نہ کھاؤ

باب التَّحْيِيرِ فِي
باب - ٹڈی کے کھانے میں اختیاء

اَكْلُ الْخَرَادِ

ابو حنیفہ قال سمعت عائشة بنت عمار قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
اكثر جندا الله في الارض الجراد
لا اكله ولا احرمة

عائشہ بنت عمار کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین میں اللہ کا سب سے بڑا شکر ٹڈی کا ہے۔ میں اس کو نہ کھاتا ہوں اور نہ نہ کرتا ہوں

تشریح :- نووی نے کہا ہے کہ ٹڈی کے حلال ہونے پر اجماع ہے۔ ابن العربی نے اندلس کی ٹڈی کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ وہ محض ضرر و نقصان ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر ٹڈی کا سر الگ کر دیا جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں

حضرت رافع بن خدیج نے روایت کیا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھڑک کر بھاگ پڑا۔ پس اس کے پکڑنے کی فکر ہوئی جب اس نے تھکا مارا اور ہاتھ نہ آیا تو ایک شخص نے اس کے ایک نیر مارا جو اس کے جاگنا اور اسکو مار ڈالا پس انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کے بارہ میں پوچھا کہ اس کو کھائیں یا نہیں اس نے اس کے کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بھڑکے ہوئے ہے۔ لہذا جب تم کو ان کے بارہ میں خوف و انگیز ہو تو ابلیس ہی کرو جیسا

ابو حنیفہ عن سعید عن عباۃ بن رفاعۃ عن رافع بن خدیج ان یعلیٰ من ابل الصدقة نذ فطلبوا فکلتا اعیام ان یأخذوا رماہ مریکل بہم فاصاب فقتله فسألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرہ بالکھ

وقال ان لہا اوابدا کا وابد الوحوش فاذا خشیتہ منہا فاصنعوا مثل ما منعتہم بهذا

البعير ثم كلوا :

کہ تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا۔ پھر اسے
کو کھاؤ :

وَفِي رِوَايَةٍ اَنْ بَعِيرًا مِنْ اَهْلِ
الْمَدِينَةِ قَتَلَ فَرَسًا رَجُلٍ
بِهِمْ فَقَتَلَهُ نَسْلُ النِّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنْ اَكْلِهِ
فَقَالَ كُلُّوْهُ فَاَنْ لَهَا اَوَابِدًا
كَا وَاِبْدِ الْوَحْشِ :

اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کے
اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھڑک کر بھاگ پڑا تو ایک
شخص نے اس کے تیرا اور اسے مار دیا نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے بارہ میں رمان
کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کھاؤ۔ کیونکہ وحشی
جانوروں کی طرح یہ اونٹ بھی بدکنے والے ہوتے

ہیں :

تشریح :- یعنی بدکنے والے اونٹ کو وحشی جانور کی طرح قتل کر دیا۔ اور اس صورت میں
اس کے کھانے کو جائز کر دیا۔

باب النہی عن المجتمة

باب ۲۱۱۔ جانوروں کو ہدف بنانے

کی ممانعت!

الْبُحَيْفَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ
اَنْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ
نَهَى عَنْ الْمَجْتَمَةِ :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سے مجتمة
سے منع فرمایا ہے :

تشریح :- مجتمة وہ جانور ہے جس کو سامنے بازو کر تیر بازی کے لئے نشانہ بنایا جائے۔ البیہ
جانور اگر مر جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ بخاری میں شام سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت
انس کے ساتھ مکہ بن ابوبکر کے پاس گیا۔ حضرت انس نے چند نوجوان لڑکوں کو دیکھا کہ ایک زندہ مرغی
کو سامنے رکھے ہوئے اس پر نشانہ بازی کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ
چار پاؤں کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ سلم اس کو ذبايح میں اور البوداد و اخامی میں لائے ہیں۔
غرض قریب قریب اسی مضمون کی احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں :

باب جواز الذبح

باب ۲۱۲۔ عورت کا پھڑے ذبح

بالمروءة!

کرنا جائز ہے!

الْبُحَيْفَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ کعب

ان كعب بن مالك اتي النبي صلى
الله عليه وسلم فقال يا رسول الله
ان غنمة كانت لهما راعية فحقت
على شاة منها الموت فذا بحتها
بمروءة فامرهما النبي صلى الله عليه
وسلم باكلها.

بن مالک بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور
کہا یا رسول اللہ ایک عورت بکریاں چراہا کرتی
تھی اسے کسی بکری کے مرنے کا خوف ہوا۔
تو اس نے اس کو پتھر سے ذبح کر ڈالا تو اب
اس کے کھانے کے متعلق کیا حکم ہے، نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم صادر فرمایا:

تشریح: امام مالک اسی حدیث کو مولانا میں لائے ہیں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بہ اختلاف
الفاظ وارد ہے۔ اس حدیث میں - دوسرے بیان ہوئے ہیں - ایک یہ کہ عورت کا ذبیحہ درست

ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر دھار والی چیز جس سے بدن کٹ کر خون بہ سکے سے ذبح کرنا جائز ہے۔
مثلاً پتھر لکڑی وغیرہ۔ کیونکہ ابو داؤد کے طریق سے اور نسائی شعبہ کے واسطہ سے عدی بن حاتم سے
روایت لائے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ذرا بتائیے اگر ہم میں سے کوئی
شکار پالے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو وہ کیا پتھر اور لاکھی کے ٹکڑے سے ذبح کر سکتا ہے۔
آپ نے فرمایا خون بہاؤ جس سے چاہو اور اللہ کا نام لو:

ابو حنیفة عن العیثم عن الشعبی

عن جابر بن عبد الله قال خرج
غلام من الاخصار قبل احد فمرف
لمريقه فاصطاد اربابا فكلوا بعد
ما بين سجها فذا بجهر فجاء
بها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم
فذا علقها ببدة -

فامرہ باکلہا:

وفي رواية ان رجلا اصاب

ارنبين فذا جهرهما بمروءة يعني الحجر
فامرہ النبي صلى الله عليه وسلم
باكلہا:

وفي رواية اصحاب رجل من
بنی سلمة اربابا باحد فلم يجدوا
سكينًا فذا بجهر فامرہ
النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت جابر سے روایت ہے کہ انصار میں سے
کوئی لڑکا احد کی طرف نکلا۔ راستہ میں جاتے جاتے
اس نے ایک خرگوش شکار کیا۔ مگر ذبح کرنے کیلئے اس
سے کوئی چیز نہ ملی۔ تو آخر پتھر سے اس کو ذبح کر دیا۔
پھر اس کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کنیڈرت میں آیا اس کے بارہ میں سلام و تحیات
کرنے لگے، آپ نے اس کو اس دخرگوش کے
کھانے کا حکم دیا:

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے
دو خرگوش مارے اور ان کو پتھر سے ذبح کیا تو نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کے کھانے کا حکم
دیا:

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی سلمہ
کے ایک شخص نے احد پہاڑ میں ایک خرگوش شکار
کیا۔ جب اس کو کوئی چھری نہ مل سکی تو اس نے خرگوش
کو پتھر سے ذبح کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو

بَابُ عِلْمًا

خبر گوش کے کھالینے کا حکم دیا ہے

تشریح :- یہ حدیث بھی مندرجہ بالا دونوں مسلوں کی تصدیق کرتی ہے

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم من

علقۃ عن ابن مسعود قال ان رسول الله صلی

الله علیہ وسلم اکل من ذبیحة امراة وھنی

عن قتل المرأة

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا ذبیحہ تناول فرمایا

اور لڑائی میں عورت کے قتل کرنے سے منع فرمایا

اور لڑائی میں عورت کے قتل کرنے سے منع فرمایا

تشریح :- حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے نمٹنا عورت کے ذبیحہ کی حالت ثابت ہوئی اور

حدیث ذیل سے اس کی وضاحت ہوئی

بَابُ فِي فَضِيلَةِ أَيَّامِ

بَابُ - ذی الحجہ کے ابتدائی دنوں

عشر الاضحی!

کی فضیلت میں

ابو حنیفہ عن محمول بن راشد

عن مسلم البطين عن سعيد بن جابر عن عمار

قال قال رسول الله صلعم ما من ايام افضل

عند الله من ايام عشر الاضحی فاكثر وافيهن

من فخر الله تعالیٰ

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

عشرہ ذی الحجہ کے بڑھ کر کوئی دن افضل نہیں ہے

ان دنوں میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو

تشریح :- یہ حدیث عشرہ ذی الحجہ کے احترام، برکت، فضیلت اور عظمت کی تین دلیل ہے

اور چونکہ یہ دن برکت والے ہیں اس لئے ان میں ذکر الہی و انابت الی اللہ بہت بڑے اجر و

ثواب کا باعث ہے

ترمذی وابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک عشرہ

ذی الحجہ سے بڑھ کر کسی دنوں کی عبادت محبوب نہیں کما س کے ہر دن کا روزہ

سال بھر کے روزہ کے برابر ہے اور اس کے ایک رات کی تہجد لیلۃ القدر کے قیام کے برابر عظمت

رکھتی ہے

ابو حنیفہ عن الھیثم عن عبد

الرحمن بن سابط عن جابر بن عبد

الله ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فمحل بکشین اشعرین المبین

احدھما من نفسہ والاخر عن شہد ان

حضرت جابر عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بالوں والے چپٹ

کیرے (یا سفید رنگ کے مینڈھوں کی قربانی

کی ایک اپنی طرف سے اور دوسری اپنی

امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے اور اسی حدیث کی ایک

اللہ الا اللہ من امته و فی روایۃ نعوذ
ولہدین کر جابر بن عبد اللہ

سلسلہ سے روایت ہے جس میں حضرت جابر کا
ذکر نہیں ہے

تشریح :- یہ حدیث صحاح میں تقریباً سات صحابہ سے مروی ہے۔ البتہ کسی ایک اور لفظ کا
اختلاف ہے۔ باقی مضمون وہی ہے

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم
والشعبی عن ابی بردۃ بن یاراحہ ذبح
ثلاثۃ قبل الصلوۃ فذاکر خالک
للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال
تجزی عنک ولا تجزی عن احد
بعدک

حضرت ابی بردہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں روایت
کہ انہوں نے نماز عید سے پہلے ایک بکری کی قربانی
کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا آپ نے
حضرت ابی بردہ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد
فرمایا کہ یہ قربانی محض تمہاری طرف سے کافی بھی
گئی۔ مگر تمہارے بعد کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگی

تشریح :- سوائے ابن ماجہ کے باقی اصحاب صحاح یہ حدیث حضرت برادر بن عازب کے واسطہ
سے روایت کرتے ہیں۔ جس میں یہ خصوصیت حضرت ابی بردہ کی طرف منسوب ہے۔ ابن ماجہ ایک اور
صحابی کو اس واقعہ کا کردار قرار دیتے ہیں۔ بیہقی کی روایت کے مطابق وہ عقبہ بن عامر ہیں اور روایت
ابو داؤد کی رو سے زید بن خالد جہنی۔ تو گویا اس لحاظ سے چار اصحاب اس خصوصیت کے ساتھ
مختص ہوئے۔ بعض نے پانچ کا ذکر کیا ہے

ابو حنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد
وحامد انہما حدَّثا عن عبد اللہ بن
بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انہ قال انما خبیتکم عن لحوم الاضاحی فوق
ثلاثۃ ایام یوسّع مؤسککم علی فقیرکم

تشریح :- ترمذی کی روایت میں یہ
کھلاؤ اور رکھ چھوڑو۔ پھر حضرت عائشہ سے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان
سے کسی نے قربانی کے گوشت کے رکھ چھوڑنے کی ممانعت کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے
کہا منع نہیں لیکن صورت یہ تھی کہ قربانی کرنے والے لوگ کم ہوا کرتے تھے۔ تو آپ نے اس کو پسند
فرمایا کہ قربانی کرنے والے قربانی نہ کرنے والوں کو بھی کھلائے۔ ورنہ ہم پاؤں کو کھاتے اور
دس روز بعد اس کو کھاتے۔ اور حقیقت میں اگر انحضرت تین روز سے زیادہ گوشت کھاتے تو اس کی اجازت
دیتے تو بہت سے مسکین بھوکے رہتے اور قربانی کرنے والے گوشت رکھ کر کھا یا کرتے۔ اب جب
صاحب حیثیت اشخاص کی تعداد بڑھی اور مسکین کم ہو گئے تو تین دن کی پابندی اٹھالی گئی۔

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو تین دن سے
زیادہ قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے
منع کیا تھا تا کہ تمہارا صاحب حیثیت شخص تمہارے
فقیر کو فراخی دے۔

الفاظ زیادہ ہیں۔ پس اب کھاؤ جب تک چاہو۔
اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان
سے کسی نے قربانی کے گوشت کے رکھ چھوڑنے کی ممانعت کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے
کہا منع نہیں لیکن صورت یہ تھی کہ قربانی کرنے والے لوگ کم ہوا کرتے تھے۔ تو آپ نے اس کو پسند
فرمایا کہ قربانی کرنے والے قربانی نہ کرنے والوں کو بھی کھلائے۔ ورنہ ہم پاؤں کو کھاتے اور
دس روز بعد اس کو کھاتے۔ اور حقیقت میں اگر انحضرت تین روز سے زیادہ گوشت کھاتے تو اس کی اجازت
دیتے تو بہت سے مسکین بھوکے رہتے اور قربانی کرنے والے گوشت رکھ کر کھا یا کرتے۔ اب جب
صاحب حیثیت اشخاص کی تعداد بڑھی اور مسکین کم ہو گئے تو تین دن کی پابندی اٹھالی گئی۔

بَابُ فَضِيلَةِ الْخَلِّ !

بَابُ سِرِّهِ كِي خُوبِیَاں !

ابو حنیفہ و مسعر عن محارب

بن دثار عن جابر انه دخل عليه وقربا
اليه خبزا دخلا ثم قال ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول فَعْمَسُ
الادام الخلل :

حضرت محارب کے بارہ میں روایت ہے
کہ وہ حضرت جابرؓ کے پاس گئے اور انہوں نے
روٹی اور سرکہ محارب کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تکلف سے
منع کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے تکلف
برتتا۔ اور التبتہ میں نے سند سے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو کہتے ہوئے کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے :

تشریح :- تکلف کی ممانعت میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ
میں حضرت سلمانؓ سے مرفوع روایت لکھی ہے لا تکلفوا للضعیف کہ یہاں کہنے کے لئے تکلف نہ کرو
بہیشتی شعب الایمان میں یہ حدیث لائے ہیں لا یتکلفن احد لضعیفہ ما لا یقدیر علیہ۔ کوئی اپنی قدرت
و حیثیت سے اونچا تکلف اپنے مہمان کیلئے نہ کرے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم
کو تکلف سے روکا گیا۔ و طبری کی مسند الفردوس میں حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ میں اور میری امت
کے نیک بخت تکلف سے بڑی ہیں :

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن
جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه و

حضرت جابرؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ کیا خوب ترکاری

سلم نعم الادام الخلل :

تشریح :- سرکہ کی خوبیوں میں اسی طرح کے الفاظ محتاج ہیں کئی ایک طرق سے مروی ہیں تو یہی
میں حضرت امام باقیؒ سے یوں روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے
فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ میں نے عرض کیا حضورؐ کو کھٹی روٹی اور سرکہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا
لاؤ وہ ہی لاؤ۔ التبتہ جس گھر میں سرکہ ہو، وہ گھر ترکاری سے خالی نہیں۔ بہر حال سرکہ رسول اللہ کو بہت
پسند تھا :

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الكافر يأكل
في سبعة امعاء والمؤمن يأكل في معي
واحد :

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنٹوں میں
کھاتا ہے۔ اور مومن ایک آنٹ میں کھاتا ہے :

تشریح :- مطلب یہ کہ کافر بے حساب کھاتا ہے اور مومن جلد کم سیر ہو جاتا ہے :

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ مَتَكًا

باب ۲۰۶۔ ٹیک لگا کر کھانے کی

ممانعت!

حضرت ابی حنیفہؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ بلکہ ایسی انگساری سے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے پیتا ہوں جیسے غلام پیتا ہے اور عبادت کرونگا اپنے پروردگار کی۔ یہاں تک کہ مجھ کو موت آئے۔

ابو حنیفہ عن علی الاقرع عن ابی حنیفہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما انا فلا اکل متکا اکل کما یا کل العبد واشرب کما یشرب العبد واغبطک ربی حتی یا متنی الیقین :

تشریح :- ٹیک لگا کر کھانے میں تکبر کا اظہار ہے۔ یہ بات آنحضرت کو سخت ناپسند تھی۔ اس لیے یہ بھیجئے کا طریقہ اختیار نہ فرماتے بلکہ عاجزانہ ہیئت سے پیچھے گراس کی دی ہوئی نعمت تناول فرماتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّرْبِ فِي

باب ۲۰۷۔ سونے چاندی کے

برتن میں پینا منع ہے!

حضرت خلیفہؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے اور لیشیم اور دیباچ پینے سے منع فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ چیزیں مشرکین کے لئے دینا ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں :

اِنَّ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

ابو حنیفہ عن حماد عن حذیفہ قال نهانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشرب فی انیة الذهب والفضة وان ناکل فیہا وان نلبس الحریر والدیباچ قال وھے للمشرکین فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ

تشریح :- مومنین کو ان خرافات دنیوی سے منع کرنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ ظاہر فرمادی۔ کہ مومنین سب چیزیں آخرت میں ہیں۔ اس لئے دنیا میں ان کو ان اشیاء سے دست کش رکھنا کہ یہ خصوصیت آخرت کی ہے اور مشرک چونکہ اپنے سارے مزے دنیا ہی میں ختم کر لیتا ہے۔ اس لئے وہ دنیا میں ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تو آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ فعالمہ فی الاخوة من فضا

ابو حنیفہ عن مسلم عن عبد

الرحمن بن ابی لیل قال نزلنا مع حذیفہ علی دھقان بالمدائن فاتی بطعماء فطعمنا ثم دعا حذیفہ بشراب فاتی بشراب فی اناء فضة فغضب بہ وجہه فساء فاما صنع فقال اتدرون

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت خلیفہ کے ہمراہ مدائن میں کسی دیہاتی کے یہاں اترے وہ کھانا لایا ہم نے کھایا پھر حضرت حذیفہ نے پانی مانگا۔ تو چاندی کے جام میں پانی لے آیا۔ حضرت خلیفہ نے پانی کا برتن اس کے منہ پر مار دیا۔ ہم کو ان کا یہ فعل بہت ناگوار ہوا تو اس پر انہوں نے

لَا صُنْعَ بِهِ هَذَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ
أَنِّي نَزَلْتُ عَلَيْهِ فِي الْعَامِ الْمَاضِي
فَدَعَوْتُ بِشْرَابٍ فَأَتَانِي بِشْرَابٍ
فَبِهِ نَاخِبَرْتُهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَأْكُلَ
فِي أَمِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفُضَّةِ وَأَنْ
نَشْرَبَ فِيهَا وَأَنْ نَلْبَسَ الْعَرِيرَ
وَالدُّيُجَاجَ فَإِنَّمَا لِلْمُشْرِكِينَ
فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَنَا فِي الْآخِرَةِ ۝

کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس دہقان کے
ساتھ ایسا کیوں کیا۔ ہم نے کہا نہیں سکنے لگے
گذشتہ سال میں اس کے پاس اترا۔ اور میں نے
پانی مانگا تو اس نے مجھے چاندی کے برتن میں
پانی لا کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چاندی سونے کے
برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور اس سے
کہ ہم ریشم اور دیباچ پہنیں کیونکہ یہ جیوس مشرکین کے لئے
دنیا میں ہیں اور ہم اسے لئے آخرت میں ۝

تشریح :- حضرت خذیفہ کی سخت برہمی و مارا صلی کا سبب دہقان کا عمل تھا۔ حالانکہ آپ
دیہاتی کو حدیث رسول اللہ بھی سنا دی تھی اس کے باوجود اس نے ایسا کیا تو آپ کو سخت غصہ آیا۔
یہ میزبان کے ساتھ بدسلوکی نہیں۔ بلکہ خلاف شریعت عمل پر سخت سزا سن رہے۔ حضرت خذیفہ
کی طرف سے یہ اتباع سنت رسول کا بہن ثبوت ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہ سکے کہ کسی شخص کو سنت
رسول معلوم ہونے پر پھر وہ اس کے خلاف چلے ۝

حماد عن أبيه عن أبي ذرقة
عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال
استسقى هذا يفة بن اليمان من دهبقان
ثاني بئر في اناة فضة فاخذ الاثاء
فقضى به وجهه وقال ان رسول الله
الله عليه وسلم نهى ان تشرب في انية الفضة ۝
تشریح :- یہ حدیث پچھلے قصہ کی طرف تشریح ہے ۝

ہے کہ حضرت خذیفہ بن یمان نے ایک دیہاتی سے
پانی مانگا۔ تو وہ پانی چاندی کے برتن میں لے
آیا۔ آپ نے وہ برتن اس کے منہ پر سے مارا اور
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہم کو چاندی کے جام میں پانی پینے سے منع فرمایا ۝

ابو حنيفة عن الحكم عن ابن أبي ليلى
قال كنا مع هذا يفة بالمدائن فاستسقى دهبقاناً
فاتاه به في جام فضة فرمى به ثم قال ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم نهى عن انية الذهب
والفضة وقال هي لكم فالدنيا ولكم في الآخرة ۝

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ ہم حضرت خذیفہ
کیساتھ مدائن میں رفیق سفر تھے کہ انہوں نے ایک دیہاتی سے پانی
مانگا وہ چاندی کے پیالے میں پانی لے آیا انہوں نے اس کو پھینک
دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتن اس میں
کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ان کے لئے
مشرکین کے لئے (دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں)۔

تشریح :- یہ بحث پہلے گزر چکی ہے ۝
ابو حنيفة عن نافع عن ابن
عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوباراً اور منہ سے

منی عن الدباء والحنث
تشریح :- ان میں بنیذ بنائے سے چونکہ یہ برتن شرب کیلئے استعمال کئے جاتے تھے اور اہل
اسلام میں ان برتنوں کی بھی ممانعت آپ نے کر دی۔ دوبارہ ذکر کرتے ہیں مراد تو بنیذ ختم سبز ٹھیلیاں
• البوحنیفة عن علقمة عن سلیمان

بن بریدۃ عن ابيه عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال نھینا کمر عن زیارة
القبور فقد اذن ل محمد صلی اللہ علیہ
وسلم فی زیارة قبر امہ فزوروها ولا
تقولوا هجی او عن لحوم الاضاحی ان تمسکوا
نوف ثلثة ايام وانا نھینا کمر یوسع
موسرکم علی فقیرکم۔

والان قد وسع اللہ علیکم
نکلوا وتزودوا۔

وعن الشرب فی الحنث
المزفت وفی رواية عن النقییر
والدباء فاشربوا فی کل طرف
تستوفان الطرف لا یجلی شیئا ولا
یحرمہ ولا تشربوا مسکرا
وفی رواية قال انا نھینا کھن
ثلث عن زیارة القبور فزوروها
ونھینا کھن ان تمسکوا لحوم الاضاحی
نوف ثلثة ايام فامسکوها و
تزودوها فاما نھینا کھن ان
تشربوا فی الدباء والمزفت فاشربوا
فیمابدا الکوفان الطرف لا یجلی
شیئا ولا یحرمہ ولا تشربوا
مسکرا

وفی رواية نھوا عن
النسب فی الدباء والحنث والمزفت

منع فرمایا ہے۔ چونکہ یہ برتن شرب کیلئے استعمال کئے جاتے تھے اور اہل
اسلام میں ان برتنوں کی بھی ممانعت آپ نے کر دی۔ دوبارہ ذکر کرتے ہیں مراد تو بنیذ ختم سبز ٹھیلیاں
حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے تم کو قبروں کی زیارت
منع کیا تھا لیکن جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی
والدہ ماجدہ کی قبر کی اجازت مل گئی۔ تو فرمایا قبروں کی
زیارت کرو (ان پر جاؤ) مگر ناشائستہ
نازیبا بات منہ سے نہ نکالو۔ اور ہم نے منع کیا تھا
تم کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین
دن سے زائد اور منع اس لئے کیا تھا کہ تمہارے صاحب
حیثیت تمہارے فقیروں پر فراخی و خوشحالی لائیں۔ اور
اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو فراخی دے دی
ہے۔ اس لئے کھاؤ اور دمنع کیا تھا ہم نے تم کو
ختم اور مزفت میں پیئے۔ اور ایک روایت میں
یوں ہے کہ نقیر اور دباء میں پیئے۔ تو اب یہ
جس برتن میں چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال طعم
میں نہیں کرتا۔ ہاں نشہ لانے والی چیز نہ پوچھو
اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے تم کو
تین باتوں سے منع کیا تھا۔ زیارت مجبور سے تو
اب ان کی زیارت کرو۔ اور ہم نے منع کیا تھا تم
کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین دن
سے زیادہ لہذا اب اس کو رکھو اور جمع کرو اور التباس
لے منع کیا تھا تم کو کہ تمہارے مالدار تمہارے فقیروں
کو فراخی سے کھانے کا موقع دیں اور منع کیا تھا ہم
نے تم کو کہ دوبارہ مزفت میں پوچھو اب پوچھیں میں
چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتا ہے نہ حرام
التبہ نشہ آواں چیز نہ پوچھو

اور ایک روایت میں ہے۔ اور اس
میں یوں ہے کہ منع کیا تھا ہم نے تم کو غیر

فأشربوا في كل طرف ولا تشربوا
مسكرًا

سے دوبار ختم اور مزفت ہیں پس اب ہر برتن میں
پیو۔ لیکن نشہ والی چیز نہ پیو۔

تشریح :- مزفت روغن لگا ہوا برتن۔ بقیر لکڑی کو تراش کر بنایا ہوا برتن۔

ابو حنیفہ عن علقمہ وحماد حدثاه
عن عبد الله بن يزيد عن أبيه عن النبي
صلى الله عليه وآله قال أشربوا في كل طرف فأت
الطرف لا يجل شيئا ولا يحمأ

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا پیو ہر برتن میں۔ کیونکہ ہر برتن کسی
چیز کو نہ حلال کرتا ہے نہ حرام۔

تشریح :- یہ حدیث بھی پیشتر مضمون کا اعادہ کرتی ہے۔

بَابُ شَرْبِ الْبَيْزِ

بَابُ - بَيْزِ كَاطِنَا

ابو حنیفہ عن حماد عن ابیہ عن
علقمہ قال رأیت عبد الله ابن مسعود
هو یا کل طعاما ثم دعا بنبید فشرب
فقلت سرك الله تشرب البیذ والاک
فتقدی بك فقال ابن مسعود رأیت رسول
الله صلی الله علیه وسلم یشرب البیذ
ولولا انی رأیته یشرب ما شربته

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود
کو دیکھا کہ آپ نے کھانا کھایا اور پھر نبید منگا کر اس
کو پیا۔ میں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نبید
پیتے ہیں اور امت آپ کی اقتدا کرتی ہے اس پر ابن
مسعود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو نبید پیتے ہوئے دیکھا ہے مگر میں آنجناب
کو پیتے ہوئے نہ دیکھتا تو نہ پیتا۔

تشریح :- حدیث میں مسئلہ نبید کا بیان ہے یا نبید کی تعریف ہے کہ خشک انگوروں یا کھجوروں
کو پانی میں ڈال دیں اور دیر تک اس میں چھوڑے رکھیں کہ ان کی مٹھاس و شیرینی اس پانی میں خوب اثر کر
جائے۔ اور اس سے ایک لقمہ خور و لقمہ شربت تیار ہو جائے۔ یہ جس قدر خوش ذائقہ ہوگا اسے
اسی قدر صحت کو بھی مفید ہوتا ہے۔ یقین بھی اسی قسم کے ایک شربت کا نام ہے۔ مگر اس میں انگور
یا کھجوریں پانی میں کم دیر کے لئے چھوڑی جاتی ہیں۔ یہ نبید آنحضرت نے نوش فرمائی ہے۔ مثلاً اسی
حدیث میں یا شمالی ترمذی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ سے
آنحضرت کو تمام پینے کی اشیاء ملائی ہیں مثلاً نبید، شہد، دودھ، مسلم میں حضرت عائشہ سے روا ہے کہ آپ اپنی ہیں کہ
ہم آنحضرت کیلئے نبید تیار کرتے ایک مشک میں جو اوپر کی جانب سے بند کی جاتی اور اس کے نیچے ہی ایک دہانہ ہوتا تھا صبح کو
اس میں کھجور وغیرہ ڈال کر نبید تیار کرتے جس کو آپ نوش جان فرماتے رات کو یا رات کو تو اس کو نوش جان فرماتے صبح
کے وقت چنانچہ تمام علماء کے نزدیک یہ نبید جائز اور حلال ہے۔ القہ اس کو اگر خفیف سا خوش ذائقہ
لیں کہ یہ نشہ کی حد تک نہ پہنچے تو اس کے استعمال میں ائمہ مختلف القول ہیں۔ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف

اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس شرط سے کہ وہ ہاضمہ کی درستی کے لئے استعمال کی جائے نہ لہو و لعین کے لئے۔
احناف میں سے امام محمد اور امام شافعی و مالک اس کو ناجائز مانتے ہیں۔ مگر احناف کے نزدیک بھی
فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے۔ بنید جس طرح
انگور و کھجور سے تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح اور اشیا خوردنی سے بھی بنتی ہے۔ مثلاً گہیوں۔ جو۔
انجیر۔ شہد وغیرہ۔

ابو حنیفہ ومسعر عن عطاء
عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عن بنید الزبیب والتمر
والبسر والتمر

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا انگور اور کھجور کی بنید
سے اور گدرا اور پکی کھجور کی ایک جانبائی ہوئی
بنید سے۔

تشریح :- صحاح میں یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے۔ صحیحین میں ابی قتادہ بن ربعی
سے یوں روایت ہے کہ گدرا اور سچتہ کھجور سے ساتھ ساتھ اور سچتہ کھجور اور انگور سے ساتھ ساتھ بنید
تیار نہ کرو البتہ تیار کرو ان سے الگ الگ گو ان سے الگ الگ بنید بنا تو جائز ہے۔ مگر یک جا
شکل میں نہیں۔ یہ حکم انشاعی اس نقطہ خیال کے تحت ہے کہ کچائی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک
چیز جلد بغیر حاصل کر کے سکر کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لے اور دوسری چیزیں سرایت کر جائے۔
مگر معلوم کہ ہر ادویوں لاعلمی میں حرام چیز کا استعمال عمل میں آجائے۔ اس لئے یہ صورت ناجائز قرار
دی گئی۔ مگر واضح ہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک اس مخلوط
بنید میں اگر نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اور امام شافعی مالک و احمد کے نزدیک خواہ
نشہ پیدا ہو یا نہ ہو ظاہری الفاظ حدیث کے تحت حرام ہے۔ امام محمد احناف میں سے قبول کرتے
کے ساتھ ہیں۔ یعنی حرمت کے وہ بھی حرمت کے قائل ہیں۔ حرمت کے قائلین کی دلیل یہی حدیث
ہے یا اسی طرح دوسری احادیث۔ احناف کے نزدیک یہاں بھی فتوے امام محمد کے قول پر ہے۔
امام ابو حنیفہ مانعیت کی احادیث کو ابتداء اسلام پر محمول کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں پر تنگدستی اور محتاجی کا دور دورہ تھا کہ اس وقت
ایسے پردہ چھروں کا بیک وقت استعمال بند تھا کہ ان کے غریب ساتھی دوسری چیز کا استعمال کر سکیں یہ نہیں کہ وہ
تو دو چیزیں استعمال کریں اور دوسرے ایک سے بھی محروم ہوں ایسا عمل ابتداء اسلام میں کئی چیزوں کے بارے میں ہوا ہے اور
حلت کیلئے وہاں حدیث سے دلیل لاتے ہیں جو امام محمد کثابت الآثار میں لائے ہیں۔ کہ ابن زیاد کہتے ہیں۔
کہ میں ابن عمر کے پاس گیا۔ تو آپ نے مجھ کو ثمرت پلا یا جس کے اثر سے میں اپنے گھر والوں تک نہ پہنچ سکا۔ کہتے
ہیں کہ دوسرے روز جب میں صبح ان سے ملا تو میں نے اس کا ذکر کیا۔ ابن عمر نے فرمایا کہ ہم نے تو تم کو
کو صرف کھجور اور انگور کی بنید پلائی تھی۔ لہذا اگر یہ مخلوط حرام ہوتی تو ابن عمر جو اتباع سنت رسول
میں شہرہ آفاق تھے کس طرح حرام چیز پیتے یا دوسرے کو پلاتے۔ شیخ الاسلام کہ بسوط میں ابوبکر بنی
سے بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت
پوشہ اور چیز:

ابو حنیفہ عن علقمة بن مرثد و

حماد بن ابی سلیمان عن عبد اللہ بن برید
عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم
قال لا تشربوا مسكرا

تشریح :- حدیث کی کتابیں نشہ اور اشیا کی حرمت کے اقوال سے بھری پڑی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ انہوں نے کہا شراب حرام کی گئی
مقوڑی ہو یا بہت۔ اور نشہ شراب میں سے

ابو حنیفہ عن ابی عون محمد الثقفی
عن عبد الله بن شداد عن ابن عباس انه
قال حرمت الخمر قليلا وكثيرا والسكر
من كل شراب

تشریح :- اس حدیث میں امام مالک - ثنابی - احمد اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اختلاف ہے
صورت اختلاف یہ ہے کہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہر نشہ اور چیز کو خمر و شراب کہتے ہیں اور وہ مقوڑی
اور بہت حرام ہے اور اس کا پینے والا خواہ کسی مقدار میں پیئے لائق حد ہے وہ کہتے ہیں کہ خمر و اصل
نحارت سے مشتق ہے گو یا عقل کو چھپانے والی۔ اب جو شراب بھی بسبب نشہ کے عقل کو چھپائے
وہ خمر کے حکم میں ہے اور مقوڑی ہو یا بہت حرام ہے۔ روایت کی رو سے یہ سلم کی اس حدیث سے
بھی دلیل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اکل مسکری خمر کہ ہر نشہ اور چیز خمر ہے۔ یا اس حدیث سے کہ آپ نے
فرمایا الخمر من هاتين الشجرتين المرة والخلة کہ عمران و درختوں سے انگور کی بیل اور کھجور گویا
انگور کے ساتھ کھجور کو بھی شامل کیا۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ خمر خمر سے ہے بمعنی تشدد اور قوت جو
دوسری کسی چیز کو حاصل نہیں اسی لئے اس کو اسم الجنائت کہتے ہیں اور باعتبار لغت اور یہ لغت علوم
عرب خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں۔ جبکہ وہ نشہ آور ہو جائے۔ اس معنی میں اس کی حرمت قطعی ہے
قرآن پاک سے بھی اس کی حرمت ثابت ہے یا ایہا الذین امنوا اما الخمر والمیسر والاذصاب الآیہ
ثابت ہے کہ اور احادیث صحیحہ سے بھی۔ باقی دوسری چیزوں کی شرابوں کی حرمت قطعی نہیں بلکہ ظنی
اور اجتہادی جو مثلاً گہوں - جو - جوار - کی شراب اور ان میں خمر کے علاوہ دوسرے الفاظ مستعمل
ہیں۔ مثلاً نمید - نقیح - سکر وغیرہ۔ چنانچہ ان کا وہ حکم نہیں جو انگور کی شراب کا ہے کہ وہ کم بھی حرام
ہو اور زیادہ بھی۔ مقوڑی پینے پر بھی حد ہے۔ اور زیادہ پر بھی۔ بلکہ یہ دیگر شرابیں اگر تلبیل مقدار میں
استعمال کی جائیں کہ نشہ نہ پیدا کریں تو حرام نہیں رہاں اگر نشہ لانے کی مقدار بی جائیں تو یہ حرام ہیں اور
ان کے پینے والے پر حد جاری ہوگی۔ اسی طرح یہ فرق بھی ہے۔ کہ انگور کی شراب کی حرمت سے
انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور دیگر شرابوں کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر نہیں کیونکہ ان کا
ثبوت ظنی ہے قطعی نہیں۔ امام صاحب کے مسلک پر دلیل ابن عباس کی حدیث ذیل سے لائی جاتی
ہے۔ جو صاف گویا ہے کہ خمر انگور کی شراب (مقوڑی اور بہت ہر مقدار میں قطعی حرام ہے اور

ان رجلاً من ثقیف یکنی اباعامر کان
یهدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کل
عام سوادیۃ من خمر فاهدی فی العام
الذی حرمت فیہ الخمر سوادیۃ کما
کان یهدی لہ فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یا اباعامر ان اللہ تعالیٰ
قد حرّم الخمر فلا حاجة لنا فی خمرک
قال خداها فبعتها فاستعین بثمرها علی
حاجتک فقال یا اباعامر ان اللہ تعالیٰ
قد حرّم شرّبها وبيعها واکل
ثمرها

جبکی کنیت ابو عامر تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر
سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا
کہتا تھا۔ لہذا جس سال کہ شراب حرام ہوئی اس نے
حسب معمول شراب کی مشک ہدیہ بھیجی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابی عامر جو تکہ
اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے اس لئے اب ہم
نیری شراب کے ماعتمد نہیں۔ وہ بولا سو کو کی پروا
نہیں اسکو آپ کیجئے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت
اپنی ضروریات میں صرف کیجئے آپ نے فرمایا اے ابی
عامر اللہ تعالیٰ نے اس کا پینا بیچنا اور اسکی قیمت
کا کھانا دسب حرام کر دیا ہے

تشریح :- شراب کی حرمت کی تشریح گندہ چکی ہے :-

کتاب اللباس

والزینۃ

باب ذکر قلنسوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

البحیفة عن عطاء عن ابی ہریرۃ

قال کان لرسول اللہ صلی اللہ وسلم قلنسوة
شامیۃ و فی رواية عن عطاء عن ابی ہریرۃ
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنسوة
بضیاء شامیۃ

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلاہ شامی تھی اور ایک
روایت میں حضرت ابی ہریرہ سے یوں مروی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلاہ سفید رنگ
کی شام کی بنی ہوئی تھی :-

تشریح :- بعض روایات میں آپ کے کلاہ کی کلاہ سفید لاطینی تھی۔ بعض میں اس طرح ہے کہ
آپ بغیر عمامہ کے بھی کلاہ پہنتے۔ اور عمامہ کے ساتھ بھی۔ اور بغیر کلاہ کے بھی عمامہ باندھتے
اور لڑائی میں آپ کاٹوں والی کلاہ پہنا کرتے۔

باب السَّدَل !

باب ۲۱۱ - سدل کا بیان !

ابو حنیفہ عن علی بن الاقمر
عن ابی جحیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ فَوَجَّهَ فَاَعَطَفَهُ عَلَيْهِ
وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيٍّ بْنِ الْاَقَمَرِ عَنْ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْقَطَعًا

حضرت ابی جحیفہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے
گزرے جو کپڑا لٹکائے ہوئے تھا تو آپ نے
اس کپڑے کو اس کے شانے پر الٹ دیا اور ایک
روایت ہے علی بن اقمہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
منقطع ہے

تشریح :- کپڑے کو بغیر لپیٹے ہوئے لٹکائے اور چھوڑے رکھنا منع ہے اسی لئے آنجناب
نے اس کو اس کے شانے پر ڈال کر اس کو لپیٹ دیا

باب ۲۱۲ النِّهْيُ عَنْ لِبْسِ الْحَرِيرِ

والذِّي بَاج !

ابو حنیفہ عن الحكم عن ابن ابي ليل
عن حذيفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
نهى عن لبس الحرير والذِّي بَاجٍ وَقَالَ اِنَّمَا
يَفْعَلُ ذَلِكَ مَنْ لَا خِلَافَ لَهُ

حضرت حذیفہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباچ کے
پہننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ وہ پہنتا ہے
جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں

تشریح :- ریشم و دیباچ کی حرمت مردوں کے لئے ہے عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ طہرانی
اپنی معجم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی عنہما سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ایک ہاتھ
میں ریشم کا پارچہ تھا اور دوسرے میں سونا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں تیری امت کے مردوں پر
حرام ہیں اور عورتوں کے لئے حلال البتہ تین چار انگلی کی مقدار میں ریشم مردوں کے لئے جائز ہے
چنانچہ دوسری روایت میں آنحضرت سے اس مقدار کی رخصت ثابت ہے

باب ۲۱۳ بیان التَّمَاثِيلِ !

باب ۲۱۳ - تصویروں کا بیان

ابو حنیفہ عن ابی اسحق عن

عامر بن حمزہ سے روایت ہے کہ علی کرم اللہ
وہمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کردہ

عامر بن حمزہ عن علی کرم اللہ وجہہ اذہ کان

علق فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و سلم مترا فیہ تماثیل فابطأ
جبریل ثقاتا فقال له ما
ابطأک عنی قل انا لا فدا خل
بیتا فیہ کلب ولا تماثیل
فابسط الترد ولا تعلقه واقطع
راءوس التماثیل واخرج هذا
الجروہ

پروہ لٹکا دیا۔ جس پر تصویریں تھیں حضرت جبریل علیہ
السلام نے آئے میں دیر کی اور پھر آئے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ
تم نے میرے پاس آئے ہیں دیر کیوں کی انہوں نے
کہا کہ تم فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتابا
تصویریوں ہوں۔ لہذا آپ پروہ کھول کر بچھا لیں۔
اور اس کو نہ لٹکائیں اور تصویروں کے سر کاٹ دیں
اور اس کتے کے پلے کو بھی نکال دیں :

تشریح: یہ حدیث مسئلہ تصویر کے بارے میں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رحمت کے خیمے
ایسے گھر میں نہیں گھومتے جس میں تصویر ہو یا کتاب تصویر کی خرابی سے کون واقف نہیں اس دور میں اسلامی
معاشرہ کو براہ کرنے والی سب سے بڑی چیز تصویر ہے۔ جس نے کئی نسل کی اخلاقی حالت تباہ کر دی :
باب الخضاب بالحناء
باب مہندی سے بالوں کو خضاب

کرنا !

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخضاب
شعر بالحناء خالفوا اهل الکتاب
تشریح: اہل کتاب خضاب نہیں لگاتے تھے۔ لہذا ان کی مخالفت میں خضاب کا حکم ہوا۔
کہ ان کی مخالفت مستحب ہے پھر مہندی کی دوسری احادیث میں بہت تعریف آئی ہے۔ لیکن یہی
آیا ہے کہ وہ خوشبو والی چیز ہے اور کہیں اس طرح کہ وہ ہتھارے جمال دخول صورتی کو بڑھاتی ہے۔
غرض خضاب لگانا جائز ہے جس سے بال سرخ ہو جائیں یا سرخ بال سیاہ ہوں۔ البتہ بالکل سیاہ
کرنا جائز نہیں :

باب ۲۱۵۔ کتم سے خضاب کرنا !

باب الخضاب بالکتم

ابو حنیفہ عن یحییٰ بن عبد اللہ
الکندی عن ابی الاسود عن ابی ذر عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتوا من الخیر
به الشیخ الحناء والکتم فی رواية قال الحسن

حضرت ابی ذر سے روایت ہے۔ کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین چیز جس سے تم
اپنے بڑے بالوں کو تبدیل کرتے ہو مہندی اور کتم ہے اور
ایک روایت میں ہے کہ بہترین چیز جس سے کتم بالوں

مَا غَيَّرَ تَمَّ بِهِ الشَّعْرَ الْحَنَاءَ وَالْكُتْمَ وَفِي
رَوَايَةٍ مِنْ أَحْسَنَ مَا غَيَّرَ تَمَّ بِهِ الشَّيْبَ
الْحَنَاءَ وَالْكُتْمَ

کو متغیر کر دہندی اور نیل سے۔ اور ایک روایت
میں اس طرح ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بڑھاپے
کو تبدیل کر دہندی اور نیل سے ہے

تشریح :- یہ حدیث ہندی اور نیل کے خضاب کی تعریف و جواز کے بارے میں ہے

بَابُ الْاِخْذِ بِنَوَاحِي

الْحَيَةِ

ابو حنیفہ عن الہیثم عن رجل
ان ابا قحافة اتى النبي صلى الله
عليه وسلم ولحيته قد انتشرت
قال فقال لو اخذتم واسار الى نواحي
لحيته

باب ۲۱۶ - وارٹھی کے اطراف و

جوانب کی اصلاح کرنا

ایک شخص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کینچ دست میں ابی قحافة آئے اور انکی وارٹھی
بکھری پڑی تھی تو آپ نے ان کی وارٹھی کے اطراف
کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کاش تم اس کو کترتے
اور اصلاح کرتے

ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی وارٹھی کو عرض و طول سے کتر وادیا کرتے تھے
تشریح :- جنٹیکوں کے طرح وارٹھی ٹھیک نہیں بلکہ اس کی اصلاح کرانی چاہیے ابو قحافة حضرت ابو بکر
صدیق کے والد تھے اور فتح مکہ کے دن آنحضرت کے سامنے آئے تھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
کہ انہوں نے کہا کہ کوئی پردہ انہیں اگر عورت اپنے
بالوں میں صوف ملائے۔ البتہ بالوں میں بال
ملانے کی ممانعت ہے۔ اور ایک روایت میں
اس طرح ہے کہ اگر سر پر بال نہ ہوں تو وصل جائز
ہے

ابو حنیفہ عن الہیثم عن امر
ثور عن ابن عباس انه قال لا بأس
ان فصل المرأة شعرها بالصوف انما
نهى بالشعر وفي رواية لا بأس بالوصل
اذا لم يكن شعر بالرأس

تشریح :- یعنی عورتوں کے لئے بالوں کے ساتھ بالوں کو ملانا بخاری کی ایک روایت
میں حرام ہے

کتاب الطب

وفضل المرض

والترقی والدعوات

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
عن الاسود عن عائشة عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الله
يكتب للانسان الدارحة العلیا فی
الجنة ولا یكون له من العمل ما
یبلغها فلا یزال یتلیہ الله حتی
یبلغها

طیب، مرض

کی برکت، دم اور

دعاؤں کا بیان

حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
ایک بندہ کے لئے بلند درجہ جنت میں لکھ دیتا ہے
مگر اس کا عمل ایسا نہیں ہوتا کہ اس کو اس درجہ تک
پہنچا دے۔ تو اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ بیماری
میں مبتلا رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص اس
درجہ تک پہنچ جاتا ہے

تشریح :- ابو داؤد و امام احمد بھی محمد بن خالد السلمی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے
اور وہ اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے جنت میں
کوئی درجہ پہلے سے لکھ چھوڑتا ہے۔ جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس
کی جان میں کئے مال اور اس کی اولاد کی طرف سے اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اس کو صبر سے دیتا
ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ اس لئے جو درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور تہذیبی حضرت ابی ہریرہ
سے روایت کرتے ہیں کہ مومن مرد و عورت اپنی جان۔ مال۔ اور اولاد کی طرف سے مصیبت میں
مبتلا رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتے ہیں کہ ان پر ایک گناہ نہیں لگتا

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن

بریدۃ عن ابيه قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم اذا مرض العبد و
على طائفة من الخير قال الله تبارك
وتعالى للملائكة اكتبوا بعدی مثل ما جرد
ما كان یعمل وهو صحیح
من اذنی ما وایة مع اجبر
البلاء

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی ایسا بندہ بیمار
پرہیز کرتا ہے۔ جو تندرستی میں بھلے کام کیا کرتا تھا۔
تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ
لکھو میرے بندہ کے لئے اجر ان اعمال کا جو وہ
کیا کرتا تھا صحت میں

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ
اجر بیماری کا بھی۔ یعنی اس پر صبر و شکر کرنے کا

ہے

وَفِي رِوَايَةٍ الْكُتُبُ الْعَبْدِيُّ
مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ
مَحْيِيٌّ

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا مَرَضَ الْعَبْدُ
وَعَلَى عَمَلٍ مِنَ الطَّاعَةِ فَكَانَ اللَّهُ
تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِحَفِظَتِهِ أَكْتُبُوا
لِعَبْدِي أَجْرَ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ
مَحْيِيٌّ

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ لکھو
میرے بندہ کے لئے وہی عمل جو صحت میں
کیا کرتا تھا :

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب
بیمار پڑتا ہے بندہ اور طاعت گزار ہوتا ہے تو اللہ
تعالیٰ کرام کاتبین سے ارشاد فرماتا ہے کہ لکھو
میرے بندہ کے لئے اس عمل کا جو وہ کیا کرتا
تھا جبکہ وہ صحیح و تندرست تھا :

تشریح :- امام احمد و بخاری حضرت ابی موسیٰ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کوئی بندہ بیمار پڑتا
ہے یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی عمل کا اجر لکھا دیتا ہے جو وہ صحت میں یا وطن میں قیام کے
دوران کیا کرتا تھا۔ لہذا ابی موسیٰ نے حضرت انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ جب بندہ بیمار پڑا
رہتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے الہی پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو اس کی ماں نے جنم دیا ہے۔ لہذا معلوم
ہو کہ مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور بخشش کا ذریعہ ہے :

الْبُحَيْفَةُ وَمَقَاتِلُ بْنُ سُلَيْمَانَ
عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ النَّبْتِيِّ مَوْلَى
اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ دَاءٍ جَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى
دَوَاءً فَإِذَا أَصَابَ الدَّاءُ دَوَاءً وَكَانَ بَرِيًّا بِاللَّهِ

تشریح :- امام احمد اور مسلم بھی حضرت جابر سے بعینہ یہ حدیث لائے ہیں :
الْبُحَيْفَةُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَبِيْلٍ بْنِ
مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللَّهَ لَوْ بَضِعَ
دَاءٌ إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلِمَ
بِالْبَّانِ الْبَقَرُ فَإِنَّهَا تَخْلُطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ

تشریح :- بخاری میں حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انزل
اللہ داء الا انزل له شفاء کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی کہ اس کی شفا نہ رکھی ہو۔ حاکم ابی سعید
اس طرح روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کی شفا نہ رکھی ہو جس کو چاہا اس کا
حکم دیا۔ اور جس کو چاہا اس سے جاہل رکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بے پایاں اور بے پناہ انعام کا کھلا ثبوت
ہے کہ اس نے کوئی بیماری بندوں کو ایسی نہ دی جس کے شفا کے اسباب اور دوا نہیں۔ نہ پیدا کی ہو

اب میں کو چاہا اس کے علم اور معرفت سے نوازا اور میں کو چاہا اسے بے بہرہ و ناواقف رکھا۔ یہ اس کی مصلحت ہے جو بارے عالم میں بیماری ہے :

الْبُحَيْفَةُ عَنْ تَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ
عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ اللَّهُ دَاءَ الْآ
وَانَزَلَ مَعَهُ الدَّوَاءَ الْآ الْهَرَمُ
فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرَ فَاَنْهَآ تَرْمِ
مِنَ الشَّجَرِ -

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اتاری اللہ تعالیٰ
نے کوئی بیماری نگر اتاری اس کے لئے ماسویے
بڑھ چلے کے تو تم گائے کے دودھ کا استعمال
لازم پکڑو۔ کیونکہ وہ ہر درخت کو چرتی ہے۔

وَفِي رَوَايَةٍ اَنْ اَللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْ
فِي الْاَرْضِ دَاءً اِلَّا جَعَلَ لَهُ دَوَاءً
اِلَّا الْهَرَمَ وَالسَّامَ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ
الْبَقْرَ فَاَنْهَآ تَخْلُطُ مِنْ كُلِّ
الشَّجَرِ -

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں
پیدا کی زمین میں کوئی بیماری نگر کہ پیدا کی اس کی دوا نگر
پیری اور موت تو تم گائے کے دودھ کا استعمال
لازم رکھو کیونکہ اس کا دودھ مخلوط ہوئے تمام نباتات
سے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نہیں اتاری اللہ
تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی جس کی کوئی دوا نہ
ہو نگر موت اور بڑھ چلا۔ لہذا تم گائے کا دودھ
پابندی سے استعمال کرو۔ اس لئے کہ وہ اپنے
اندر تمام نباتات کے اجزاء رکھتا ہے۔

وَفِي رَوَايَةٍ مَا اَنْزَلَ اَللّٰهُ مِنْ دَاءٍ
اِلَّا اَنْزَلَ مَعَهُ دَوَاءً اِلَّا السَّامَ وَ
الْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرَ فَاَنْهَآ
تَخْلُطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ -

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے نہیں رکھی زمین میں کوئی بیماری ایسی جس کے
ساتھ ساتھ شفا پاؤں بھی نہ رکھ دی ہو۔ لہذا
الزام کرو لو گائے کا دودھ۔ کیونکہ وہ شامل
ہے تمام درختوں کے اجزاء کو مگر ارشاد فرمایا
لازم پکڑو لو گائے کے دودھ کو کیونکہ وہ چرتی ہے
ہر درخت کو اور اس میں شفا ہے۔ ہر بیماری کی :

وَفِي رَوَايَةٍ اَنْ اَللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ
يَضَعْ فِي الْاَرْضِ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً وَ
دَوَاءً فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرَ فَاَنْهَآ
تَخْلُطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ عَلَيْكُمْ
بِالْبَّانِ الْبَقْرَ فَاَنْهَآ تَرْمِ مِنْ كُلِّ
شَجَرَةٍ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ
دَاءٍ :

تشریح :- احادیث کی مختلف کتابوں میں گائے کے دودھ کی تعریف کی گئی ہے۔ ابن جنی
محکم اور ابونعیم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا لازم کرو لو گائے کا دودھ پینا۔
کیونکہ دودھ دوائے اور اس کا بھی شفا ہے۔ اور بچوں اس کے گوشت سے۔ کیونکہ اس کا گوشت
بیماری سے غرض گائے کا دودھ جسم کے لئے نہایت نفع بخش ہے :

ابو حنیفہ عن عبد اللہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جعل الشفاء فی الجنة السوداء والجماء
والعسل وماء السماء :

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے
 گلابی ہیں۔ پھنسیوں میں شہد ہیں۔ اور آسمان
 کے پانی میں شفا رکھی ہے :

تشریح :- گلابی کے بارہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ان لہذا
 الجنة السوداء شفاء من کل داء۔ کہ یہ سیاہ دانہ (گلابی) ہر بیماری کے لئے شفا ہے پھنسیوں
 کی تعریف بھی ہے اور شہد کے بارے میں تو خود رب العزت نے فرمایا فیہ شفاء للناس کہ اس میں
 لوگوں کے لئے شفا ہے۔ اور آسمان کا پانی چونکہ سب قسم کی کتا فتوں سے پاک ہوتا ہے اس لئے
 شفا فرمایا ہے :

ابو حنیفہ عن عبد الملك عن
عمر والجرشی عن سعید بن زید عن رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من المن
الکماء دماؤها شفاء للعین :

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھنسی دبان
 کی چھتری) من سے ہے۔ اور اس کا پانی آنکھ
 کے لئے شفا ہے :

تشریح :- یہ حدیث صحیحین اور ترمذی میں بھی مروی ہے۔ اور امام احمد بھی اسے سند میں
 روایت کرتے ہیں۔ من سے اس کو بڑی وجہ تشبیہ دی کہ جس طرح بنی اسرائیل کو بغیر کسی محنت و مشقت
 کے دستیاب ہوتی تھی۔ اسی طرح یہ بھی مصفت مل جاتی ہے۔ خود رو ہے۔ جو اور کثرت سے پیدا ہوتی
 ہے۔ بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر اکثر آگ جاتی ہے۔ آنکھ کے لئے یہ مفید ہے تنہا بھی اور
 سر سے یا توتیا کے ساتھ ملا کر بھی روایت ہے کہ علامہ نووی نے اس کے ففع کا تجربہ کیا ہے اور
 اس کو مفید پایا ہے :

ابو حنیفہ عن الہیثم عن ابی
صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال من قال عین یصبر
اعوذ بکلمات اللہ التامۃ ثلاث
مرات لم یضرہ عقرب حتی یمسی
ومن قال عین یمسی لم یضرہ عقرب
حتی یصبح :

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے
 صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کلمات ادا کئے اعوذ
 بکلمات اللہ التامۃ ذکر میں پناہ مانگتا تو اللہ
 کے پورے کلمات) اس کو شام تک بچھوڑے گا
 گا۔ اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات ادا
 کئے۔ اس کو صبح تک بچھوڑے گا نہیں پہنچائے گا
 اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ
 جس نے اعوذ بکلمات التامۃ کے کلمات
 صبح سویرے سوز نکالنے سے پہلے تین بار ادا کئے

یومئذ -

واذا نالها حين يمسي لوليعتر

عقرب ليلته

تو اس کو آج کے دن، بچھو مزر نہیں پہنچائے گا
اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات دہائے تو
آج رات بچھو اس کو گزند نہیں پہنچائے گا۔

تشریح :- مسند کے علاوہ بھی یہ حدیث وارد ہے۔ ابن عبد البر تہذیب میں سعید ابن المسیب
سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے شام کے وقت یہ پڑھا سلام
علیٰ نوح فی العالمین تو اس کو بچھو و تک نہیں مارتا۔

ابو حنیفہ عن مسلم عن ابراہیم

عن مسروق عن عائشة قالت لقد

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

اذا اتى بمریض یدعوه یقول اذهب

الباس رب الناس اشف انت الشافی

لا شفاء الا شفاؤك شفاء لا

یغادر سقماً

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی بیمار
پر سی کو تشریف لے جاتے تو اس کے حق میں
یوں دعا کرتے اذهب الباس رب الناس
اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاؤك شفاء
لا یغادر سقماً۔ یعنی اے لوگوں کے پروردگار۔
دور کر بیماری کو اس شفا بخش سے شک تو ہی ہے
شفا بخشنے والا۔ تیری ہی شفا دراصل شفا ہے۔ جو
کسی بیمار کی کو نہیں چھوڑتی۔

تشریح :- ان دعاؤں کے کئی ایک اثرات ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ بادر تہا ہے اور

بیمار بھی صحت پاتا ہے۔

ابو حنیفہ عن عبد الله عن

ابن عمر قال قال رسول الله صلى

الله عليه وسلم ليس للمؤمن ان

يذل نفسه قبل يا رسول الله و

كيف يذل نفسه قال يتعرض

من البلاء ما لا يطيق

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے
یہ مناسب نہیں ہے اپنے نفس کو مومن کس
طرح ذلیل کرے۔ اپنے فرمایا کہ وہ یوں کہ خود
کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی برداشت
کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔

تشریح :- مطلب یہ کہ اگر انسان خود کو دین کے ایسی مشقت میں لگا دے جس کو وہ نہ بھار سکتا ہو اور
پھر آخر اس کو چھوڑتے ہی بنے اور تھک کر پھر بھی عبادت کے قابل بھی نہ رہے تو یہ اپنے کو ذلیل
ورہوا کرنا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بھی اس کو نالہ نہ فرماتا ہے۔ شیخین حضرت عائشہ سے یوں روایت
لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اپنی استطاعت و طاقت کے موافق دینی اعمال اختیار
کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نہیں۔ اکتا تا۔ جب کہ تم اکتا جاؤ گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت
نے صوم وصال سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ تم مجھ جیسے نہیں ہو۔ میں اس طرح رات گزارتا

ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ اس لئے تم ایسے عمل اختیار کرو جن کو تم نہجا سکو۔ حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ اللہ کو سب سے زائد وہ نیک عمل پسند ہے جو زیادہ دیر پا ہو۔ اگرچہ وہ مقبوض ہو۔ پس عمل وہی اختیار کرنا چاہیے جس پر پیشگی کرشمیں طاقت و استطاعت سے باہر اعمال نیک اختیار کرنا انسان کی بڑی آفت کا سبب ہے،

ابو حنیفہ عن جابر بن عبد اللہ

قال جاء رجل من الاغصار الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ما رزقت ولدا قط ولدا لي قال النبي صلى الله عليه وسلم فابن انت من كثرة الاستغفار وكثرة الصدقة تترك بهما فان الرجل يكثر الصدقة ويكثر الاستغفار قال جابر فولد له تسعة ذكورا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ مجھے کبھی اولاد نصیب نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا تم مجھے کیا پوچھا ہے کہ زیادہ استغفار نہیں کرتا اور زیادہ خیرات نہیں کرتا۔ کہ انکی برکت سے تجھے اولاد نصیب ہوگی۔ تو پھر وہ شخص زیادہ خیرات اور زیادہ استغفار کرنے لگا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ پھر اس کے نو لڑکے پیدا ہوئے۔

تشریح :- اس حکم میں دراصل اس آیت سے لطیف اتنا ہے۔ نوح علیہ السلام کا قصہ میں ہے کہ وہ اپنی امت سے خطاب کر کے کہتے ہیں استغفروا ربکم انہ کان غفارا۔ یوسل السماء علیکم مددا ویمددکم باموال وبنین یخشیئکم ما تلو انہ پروردگار سے کیونکہ وہ بخشنے والا ہے بھیجے گا مینہ کو آسمان سے تمہارے اوپر بہت برسنے والا اور مدد دے گا تم کو مالوں اور بیٹوں کے ساتھ یہ تو استغفار کی کرشمہ سازئی ہے۔ اور مدد کے بارے میں دوسری جگہ یوں آیا ہے کہ الصدقة یطہر غضب الرب کہ صدقہ و خیرات اللہ کے غیظ و غضب کو بجھاتی ہے۔ حسب اللہ تعالیٰ کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ تو اس کو دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ اس حدیث کا ربط اس باب کے اسی جہت سے ہے کہ نہ اولاد دنیا آدمی کے لئے ایک عیب ہے۔ بلکہ سب سے بڑی تکلیف وہ بیماری۔ اور اس بیماری کی شفا یا نبی اسی میں ہے کہ انسان بارگاہ الہی میں اپنے گناہوں کی معافی چاہے۔ اور زندگان خدا پر خدا کی دی ہوئی دولت کو لٹائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دے۔

ابو حنیفہ عن اسمعیل عن ابی صالح

من ام هانی قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم ان الله يغفر له فهو مغفور له

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے گا تو وہ سمجھو کہ وہ بخشا ہوا ہے۔

تشریح :- یہ حدیث صحیحین میں بھی مروی ہے۔ لہذا فی صغیر میں حضرت ابی مسعود سے مرفوع

حدیث لائے ہیں۔ کہتے ہیں۔ من اذنب ذنباً ظلم ان الله قد اطلع عليه غفر له وان لم يغفر، کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا۔ اور پھر یہ جان لیا کہ اللہ اس پر مطلع ہو گیا تو اس کا گناہ بخش دیا گیا۔ اگرچہ وہ بخش نہ ملے۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ بذول کے گناہوں کی معافی کے لئے بہانہ ٹوٹتا ہے۔ اور بندہ کے ذرا سے جھک جانے کو اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے اڑ پکڑ لیتا ہے۔ حقیقت میں وہ بہت بڑا غفور رحیم ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد بن ابی وائل عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله هو السلام ومنه السلام تشریح :- اللہ تعالیٰ کے سلام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر تغیر و تبدیلی ذاتی و صفاتی نقص و عیب پاک و بری ہے اور سلامتی ہے۔ اور اس کے سلام ہونے کا مطلب ہے کہ آفات و بلیات کے حفاظت و سلامتی صرف اسی سے طلب کی جاتی ہے۔ چنانچہ بیماری سے شفا بھی اسی سے مانگی جاتی ہے۔ اور اسی جہت سے یہ حدیث باب کے مربوط ہے۔

کتاب الادب

ادب کا بیان

باب الادب

باب الادب

ابو حنیفہ عن محمد بن المنکدر عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انت وما لك لا بيك تشریح :- اس کی تفصیل ابو داؤد۔ ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہے۔ وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میرے پاس مال ہے اور میرا ایک باپ بھی ہے جو مال کا حامل ہے۔ تو آپ نے فرمایا تو تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور اللہ تمہاری اولاد میں تمہاری پاک کماٹی ہے۔ لہذا تم اپنی اولاد کی کماٹی سے کھاؤ پو۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر باپ اپنی جان کی حفاظت میں اپنے بیٹے کا مال اس کی غیر موجودگی میں بغیر اس کی رضا مندی کے لے کر خرچ کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابیہ عن ابن عمر قال اتى النبي صلى الله عليه وسلم عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انت وما لك لا بيك تشریح :- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارادہ جہاد آیا اس سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يَرِيدُ الْجِهَادَ
فَقَالَ أَحْيِ وَالِدَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ
فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ

اُن جناب نے پوچھا کہ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں۔
اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو ان میں جہاد کر یعنی
انہیں کی خدمت میں خوشنقش کر کہ یہی تیرے
لئے جہاد ہے)

تشریح :- اس حدیث میں والدین کی عظمت و حرمت کا بیان ہے۔ کہ ان کی خدمت اور
ان کے حقوق کی ادائیگی جہاد کا بدلہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی افضل۔ چنانچہ مجبور علماء کا اس پر فیصلہ
ہے۔ کہ اگر والدین سلمان ہوں اور وہ جہاد سے روکیں تو جہاد میں شرکت حرام ہے۔ اور یہ اس وجہ
پر مبنی ہے کہ ان کے ساتھ بڑے فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ۔ اور واضح مذہب یہ ہے کہ داد
دادی بھی ماں باپ کے حکم میں ہیں۔

ابو حنیفۃ عن زیاد بن ریحان
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ امر
بالنصیح لکل مسلح

زیاد سے مرفوعہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی کرنے کا
حکم دیا۔

تشریح :- نصیح کے معنی خلوص کے ہیں اور یہاں مراد بھلائی کرنے ہے اور دوسرے کو بھلا
پہنچانا ہے۔ گویا سچی نیت پر خلوص جذبہ بے لوث محبت ہی سب کچھ ہے۔ بلکہ اگر غور کیا
جائے تو پورا دین اسی معنی میں مضمون ہے۔ چنانچہ مسلم میں مرفوعہ روایت ہے الدین التینہ تین
پورا کا پورا نصیحت ہے۔ تین مرتبہ ارشاد فرمایا صحابہ نے عرض کیا کس کے لئے۔ ارشاد فرمایا
اللہ کے لئے اس کی کتاب کے لئے اس کے رسول کے لئے۔ ائمہ مسلمین کے لئے اور عام مسلمانوں
کے لئے۔

جابر عن ابيه عن عطاء بن السائب
عن ابي مسلم الاغر صاحب ابي هريرة
عن ابي هريرة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم
قال قال الله تعالى المکبر یاء ودا فی الغلظة
اذا لوی فمن فاذنی واحدا منها القیتہ
فی جہنم

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہ تکبر میری
چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے جو مجھ سے ان
میں سے کسی میں بھی جھکے گا۔ اس کو میں وزن
میں ڈال دوں گا۔

تشریح :- چادر تہ بند ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ ہر دو صفیں صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص
ہیں کوئی دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ کبریا کی تعلق اس کی ذات سے ہے اور
عظمت کا صفات سے۔

حماد عن ابيه عن ابراهيم عن محمد
بن المنکدر انه بلغه ان المتکبر رأسه

محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی
کہ متکبر چونکہ اپنے سر سے تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا

بین رجلیہ حیث کان یرتفع برأسه
فی تابوت من نار مقفل علیہ ولا
یحترق ابداً من النار
اس کا سر قیامت کے دن اس کے دونوں پیروں کے
درمیان میں ہوگا۔ آگ کے ایک تابوت میں بند ہوگا
اور ہمیشہ آگ سے نہ نکل سکے گا :

تشریح :- سر سے چونکہ تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی سزا یہ دی گئی کہ اس کو اس
کے پیروں میں ڈال دیا گیا۔ اور یوں اس کا تکبر خاک میں ملا دیا گیا
تابلوت میں الیا
نہ کیا جائے گا کہ وہ مخلوق کو دیکھنے کے لئے ترس جائے گا اور پھر یہ مصیبت اس پر ہمیشہ سدا
ہوگی۔ اس سے اس کو چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ تکبر کی برائی سے احادیث صحیحہ پر ہیں اور
اس پر سخت وعیدیں ہیں۔ ابن عساکر ابن مسعود سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت فرماتے
ہیں کہ بچو تکبر سے کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر آمادہ کیا۔ اور بچو
حرص سے کیونکہ آدم علیہ السلام کو گہیوں کا درخت کھانے پر حرص ہی نے اکسایا۔ اور بچو
حسد سے کیونکہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں ایک کو دوسرے کے قتل پر حسد ہی نے بھڑکایا۔ تو
گو یا یہ تینوں معائب ہر برائی کی جڑ ہیں :

ترمذی حضرت عبداللہ سے روایت لائے ہیں کہ قیامت کے دن جس کے دل میں رائی
کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر
ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہیں رہ سکے گا۔ اور یوں بھی آیا ہے کہ دوزخ سخت مزاح مند ہو۔
تکبرین سے بھری ہوگی۔ اور جنت ضعیف کمزور اور مغلوب لوگوں سے آباد ہوگی۔ ترمذی ہیں
حضرت سلم بن اکوع سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ہمیشہ
اپنے آپ کو بزرگ و بڑتر سمجھتا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام تکبر
اور سرکشوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا و آخرت میں جو مصیبت سرکشوں پر پڑتی ہے۔
وہ ہی اس پر گرتی ہے :

باب ۲۱۹ الرِّفْقُ وَالْخُلُقُ !

باب ۲۱۹ - نرمی اور خوش خلقی !

ابو حنیفہ عن زیاد بن أسامة

بن شریک قال شهدنا رسول الله صلى
الله عليه وسلم والاعراب كانوا
قالوا يا رسول الله ما خير ما اعمل
العبد -

قال خلق حسن :

حضرت اسامہ بن شریک فرماتے ہیں -
کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوا۔ اور وہاں لوگ آپ کے کچھ پوچھ
سے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ خیر کو
جو کچھ دیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر چیز کیا ہے۔
آپ نے فرمایا اچھے اخلاق :

تشریح :- اسلام میں مسلمان کا بہترین عمل اس کے اچھے اخلاق ہیں۔ بہت سی احادیث صحیحہ اس کی تعریف و توصیف میں ہیں۔ چنانچہ حدیث ذیل سے بھی اس کا انکشاف ہوا کہ انسان کو قدرت کی طرف سے جو کچھ بہتر صفات و حسنات عطا ہوئے ہیں ان میں اچھے اخلاق کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ مسلم، ترمذی اور بخاری ادب المفرد میں تو اس بن سمان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ نیکی حسن خلق کا نام ہے۔ اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو برا سمجھے۔ ترمذی حضرت ابی الدرداء سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ بد و زقیامت مومن کی تہ از دین سب سے بھاری چیز جو رکھی جائے گی۔ وہ حسن خلق ہے۔ اور خدا تعالیٰ فحش بکنے والے یہود کو کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً یوں مروی ہے کہ مومن اپنی حسن اخلاق کی بدولت قائم الدلیل صائم الدھر کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو خوش اخلاق ہونا چاہئے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
عن الاسود عن عائشة قالت قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم لوان
الرفق وحسن الخلق يري لما ربي من
خلق الله تعالى خلق احسن منه وكون الخلق
خلق يري لما ربي من خلق الله تعالى
انهم منه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نرمی و خوش خلقی جسمانی قالب میں دکھائی دیتی۔ تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے حسین تر کوئی شے نہ نظر آتی اور اگر بد خلقی مجسم شکل میں نمودار ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے زیادہ بد شکل چیز کوئی نہ نظر آتی۔

تشریح :- خراسانی مکارم اخلاق کے ضمن میں اس کو ان الفاظ سے لائے ہیں کہ اگر حسن خلق ایک چلتے پھرتے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا تو نہایت نیک بخت انسان ہوتا۔ اور اگر بد خلقی انسانی قالب میں دکھائی دیتی تو بہت بد شکل ہوتی۔ بخاری اور ترمذی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ نرمی برکت ہے اور ورستی نحوست۔ بخاری عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ حسن الخلق ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سب سے زیادہ خوش خلق ہے جو چاہے لوگوں کو جنت میں زیادہ تر کوئی چیز داخل کرے گی۔ آپ نے فرمایا اللہ سب سے زیادہ خوش خلق ہے۔

ابو حنیفہ عن ابراہیم عن انس
قال ما اخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم
راكبتيه بين يدي جلس له فطبل
يقعد مساريها لهم ولا تناول احد
يدك فبتر كها فطحتي يكون
هو يدعها وما جلس الى رسول الله صلى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم جلس سے گھٹنے آگے بڑھا کر کبھی نہیں بیٹھتے بلکہ ہمیشہ برابر بیٹھتے۔ اور نہیں پکڑا کسی کے کبھی آپ کا ہاتھ کا پکڑے چھڑایا ہوا اس کو اس کے ہاتھ میں سے جب تک کہ وہ خود نہ پھوڑ دیتا۔ اور کوئی کبھی نہیں بیٹھا

اللہ علیہ وسلم احد قط فقام حتی
يقوم قبلہ۔

وما وعدت شیاً قط اطیب من
رایح رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم۔

وفی روایۃ قال ما قام لے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رجل فی حاجۃ فأنصرف عنه
قبلہ حتی یكون هو
المنصرف۔

وفی روایۃ کان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اذا صام أحدًا
لا یترک بیداک إلا ان یكون
هو الذی یترک۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ آپ کھڑے
ہو گئے ہوں جب تک وہ آپ سے پہلے کھڑا
نہ ہو جاتا۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ)۔ اور میں
نے نہیں پایا کسی چیز کو زیادہ خوشبودار آپ کے
جسم کی ذاتی خوشبو سے۔

اور ایک روایت میں ہے۔ کہ حضرت
انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کھڑا ہوا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شخص کسی ضرورت سے
کہ آپ اس سے پہلے نہ پھیر کر بٹ گئے ہوں۔
جب تک کہ وہ شخص خود نہ پھیر کر علیحدہ نہ ہو جاتا۔

اور ایک روایت میں ہے۔ کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ کرتے
تو اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے مگر کہ وہ خود آپ

کا ہاتھ چھوڑ دیتا۔
تشریح:۔ یہ آنحضرت کے اخلاق کریمانہ کی اعلیٰ مثال ہے کہ آپ کسی کا دل نہیں دکھاتے
نہیں اگرچہ اس مروت میں ذات اقدس کو کوفت ہی ہوتی۔ مگر کسی کا دل میلا کر ناکسی صورت سے انجنا
کو گوارا نہ تھا۔ ناسمجھوں کی بہودگی کو مروت و اخلاق سے برداشت فرماتے۔ اور یہ ثابت نہ ہونے
دیتے کہ آپ سختی سے اکتانگے ہیں۔ اور اب اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ پھر حدیث میں اس
امر کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اگرچہ رب العزت نے انجناب کو ساری مخلوقات پر عزت و توفیق
عظمت بخشی تھی۔ مگر پھر بھی مجلسوں میں نشست و برخاست میں امتیاز و خصوصیت پسند نہ تھی
آنحضور نے اخلاق کی اس اہمیت کو ان الفاظ سے واضح فرمایا بعثت لائم مکارم الاخلاق۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک
شخص نے آپ کو پکارا۔ اور آپ کا شانہ نبوت
میں رہنے۔ آپ نے فرمایا لبیک حاضر ہوتا ہوں
کہہ کر باہر نکل آئے۔

تشریح:۔ آنحضور کے اخلاق کریمانہ کی ایسی اور مثال ہے قرآن نے رسول اللہ کی صفت

ابو حلیفۃ عن عبد اللہ عن ابن
عمر ان رجلاً نادى رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی منزله فقال لبیک قد
اجتبت فخرج الیک۔

تشریح:۔ آنحضور کے اخلاق کریمانہ کی ایسی اور مثال ہے قرآن نے رسول اللہ کی صفت
میں فرمایا انک لعلی خلق عظیم۔

الوحيفة من محمد بن المنكدر

عن أمية بنت رقيقة قالت أتيت
النبي صلى الله عليه وسلم لا بايعه فقال
أفست أصاغر النساء؟

حضرت امیہ بنت رقیقہ کہتی ہیں کہ میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے
حاضر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں عورتوں سے ہاتھ
نہیں ملاتا۔

تشریح :- صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت خواتین سے مصافحہ
نہیں کیا کرتے تھے۔ ابو نعیم حلیتہ میں بہلولہ بنت عبد اللہ البکری سے روایت لائے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ
میں وفد کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ نے مردوں سے بیعت لی
اور ان سے مصافحہ کیا اور عورتوں سے بھی بیعت لی مگر ان سے مصافحہ نہیں کیا۔ اگر مصافحہ کیا بھی تو
کپڑے کی آڑ میں چنا سچہ طرانی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے بیعت
رضوان میں عورتوں سے مصافحہ کیا کپڑے کی آڑ میں گویا ہاتھ کو ہاتھ سے نہ چھوا۔ رسول اللہ کی عفت
و پاکدامنی۔ شرم و حیا کی کس قدر بلند مثال ہے اور امت کے لئے کیا ذریعہ درس ہے۔ مگر افسوس
اور صد افسوس کہ ہم نے اس کو بھی بھلا دیا۔ سننا ہے کہ بعض لوگ تقدس کے جامہ میں نمودار ہو کر اور
دینی پیشوا و مقتدا ہو کر مردوں و عورتوں کے ساتھ یکساں برتاؤ دے کہتے ہیں۔ اور عورتوں سے تھلنے
کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ آنحضرت کا یہ عمل اور ہمارے یہ رفتار آبختاب کی یہ احتیاط
اور ہمارے یہ بے باکی حقیقت میں الیاء عمل اسلام کی عزت و ناموس کو تباہ کرتا ہے۔ اور
اسلام کے نام پر بے لگاتار ہے۔

الوحيفة عن علقمة عن ابن

بریدة عن أبيه قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم من لم يقبل عذرا لم يقبل
الله فؤاد ربه كؤنر صاحب مكس
فقبل يا رسول الله وما صاحب
مكس قال عشار؟

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نہ قبول کیا
عذر کسی مسلمان کا جو اس کے سامنے عذر پیش کر رہا ہے
تو اس کا گناہ صاحب مکس کے گناہ کے برابر ہے
اے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صاحب مکس
کوئی ہے آپ نے فرمایا عشار یعنی شخص جو عذر نہایت
سختی سے وصول کرتا ہو۔

تشریح :- اس حدیث سے انکشاف ہوا کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی مسلمان اپنی کوتاہی کا عذر
پیش کرے تو اس کا عذر مان لینا چاہئے اس کو رد کرنا اور عذر خواہ کو جھٹلانا اللہ کے نزدیک سخت
گناہ ہے۔ یہاں تک کہ اس کو گناہ میں ظالم سخت گیر عذر کے محکم کے برابر ٹھہرایا گیا۔ جو اپنی
جگہ بہت بڑا قصور وار اور مجرم ہے کہ حکومت کی آڑ میں غریب رعایا پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے
ان سے رشوتیں لیتا ہے اور طرح طرح کے ان کو تنگ کرتا ہے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ایسے ہی ظالم
کے بارے میں یہ وعید ہے۔

ابو حنیفہ عن نافع عن ابی عمر
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من اعتذر اليه اخوه المسلم فلو يقبل
عذره فوزراة كوزر صاحب مكس يعني
عشارا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی نے کسی ذیت وہ قول و فعل کی بنا پر عذر پیش کیا۔ مگر اس نے اس کا عذر نہ مانا۔ تو اس کا گناہ صاحب مکس یعنی عشار کے گناہ کے برابر ہے۔

تشریح :- اس حدیث سے ملتی جلتی۔ حدیث گزیر چکی ہے۔ تشریح وہیں دیکھ لیں۔

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن
جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال اذا اقی احدکم بطیب فلیصب منه

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہی جائے تم کو خوشبو تو اس کو ضرور لے لو۔

تشریح :- یعنی خوشبو کو واپس کرنا اچھا نہیں۔ ترمذی اپنی جامع اور شمس میں تمامہ بن عبد اللہ سے روایت لائے ہیں کہ حضرت انس خوشبو کو رد نہیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو نہیں پھیرا کرتے تھے۔

**باب النهی عن النظر
فی النجوم**

**باب ۲۲۰ - علم نجوم میں نظر کرنا
منع ہے!**

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابی ہریرۃ
قال نہی رسول الله صلى الله عليه وسلم
عن النظر فی النجوم

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نجوم میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح :- علم نجوم میں غور و خوض میں الجھنا شرعاً مذموم ہے۔ دوسری حضرت ابی ہریرہؓ سے یوں روایت لائے ہیں کہ علم نجوم کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے والا۔ کہ اس کو جس قدر دیکھے اسی قدر نظر کمزور ہوتی ہے۔ دارقطنی ابن عمرؓ سے یوں مرفوع روایت لائے ہیں کہ سیکھا علم نجوم کو جہاں تک تم کو خشکی و تری کی اندھیروں میں اس سے ہدایت مل سکے۔ پھر اس سے باز رہو۔ یعنی دنیوی کار و بار اور راستہ وغیرہ معلوم کرنا چاہئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انکم لمہتدون اس میں بالکل کھو جانا روا نہیں۔ مسلم ابوداؤد میں یوں ہے کہ جس نے علم نجوم سیکھا، اس نے گویا جاؤ سیکھا۔

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن

جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
لا يدخل لرجل يوم من بالله واليوم الآخر
ان يدخل الحمام الا بميزر ولحم يستر
عورته من الناس كان في لينة
الله والملائكة والخلق
اجمعين

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جائز ہے اللہ اور دن قیامت پر ایمان لانے والے کے لئے کہ حمام میں داخل ہو بغیر تہ بند کے اور جس نے اپنے ستر زنا سے گھٹنے تک کے حصہ کو نہ چھپایا اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور ساری مخلوقات کی طرف سے لعنت و پھکار ہے

تشریح :- یعنی اپنے ستر کو لوگوں کو بے باکی سے دکھانا اللہ تعالیٰ کی سخت نارا ضلکی کا سبب ہے۔ تو پھر ایسے لوگوں پر فرشتوں اور اللہ کی مخلوق کی پھکار کیوں نہ ہو

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر

قال كان احب الائمة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم عبد الله وعبد الرحمن

حضرت ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن تھے

تشریح :- یہ ہر دو نام انتخاب کو اس لئے پسند تھے کہ ان ناموں کے حصے اچھے اور پسندیدہ معنی دیتے ہیں۔ بندہ کے لئے عبدیت نہایت مناسب ہے اور اللہ کا نام تو ہے ہی بابرکت پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ بندہ کی نسبت اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح عبد الرحمن میں عبد کی نسبت رحمن کی طرف ہوتی اور چونکہ رحم و کرم کی نسبت اللہ کو بہت پسند ہے۔ اس لئے یہ ترکیب بھی اچھی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ملنے جلتے نام مثلاً عبد الرحیم۔ عبد القادر وغیرہ اچھے نام ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی اولاد کے نام بے سوچے سمجھے اٹھتے ہیں کہ دیتے ہیں۔ بعض تو مہمل ہی ہوتے ہیں اور بعض برے معنی پیدا کرتے ہیں۔ آنحضرت ناموں کی اچھائی برائی کا بہت لحاظ رکھ کر تے تھے۔ نہ بے نام سنتے تو ان کو بدل دیا کرتے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک بچی کا نام عاصیہ سنا گو یا گنگار و نافرمان تو آپ نے اس کا نام جمیلہ سے بدل دیا۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون دوسے گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا میں آپ کے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا مرہ یعنی کڑوا آپ نے فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوسے گا ایک دوسرا آدمی اٹھا اور کہا۔ میں۔ آپ نے اس سے بھی دریافت کیا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا حرب یعنی لڑائی آپ نے اس سے بھی فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوسے گا۔ ایک تیسرا آدمی اٹھا اور کہا میں آپ نے اس سے بھی پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا یعیش گو یا عیش سے آپ نے اس کو فرمایا کہ اچھا تو دودھ

ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یحییٰ خالغ

البر لا یبلی والاثم لا ینسی : نہیں ہوتی۔ اور گناہ بھلا یا نہیں جاتا :
تشریح :- اسحضرت کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ نیکی و بھلائی دنیا و آخرت میں اثر دے گا
بغیر نہیں رہتی اور کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ بلکہ اچھے نتائج پیدا کرتی ہے اور مستقبل کو اچھا بناتی ہے
اسی طرح بدی دنیا و آخرت میں وبال و عذاب و تباہی کا سبب بنتی ہے۔ برے نتائج سامنے لاتی
ہے اور گنہگار کو ہرائی کی سزا و پاداش دیتے بغیر نہیں چھوڑتی :

ابو حنیفۃ عن سماک عن جابر بن سمتر قال کنا اذا اقلینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قعدنا فاجبت انتہی المجلس : حضرت جابر بن سمتر کہتے کہ ہم جب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو مجلس کے آخر میں بیٹھتے :

تشریح :- شمائل ترمذی میں مروی ہے کہ اسحضرت جب کسی قوم کی مجلس میں حاضر ہوتے
تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں تشریف فرما ہوتے۔ اور اسی کا حکم بھی دیتے۔ طبرانی۔ بیہقی حضرت
شیبہ بن عثمان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں شرکت کرے
اور اس کو کوئی جگہ خالی ملے تو وہ وہاں بیٹھ جائے ورنہ پھر جہاں بھی جگہ ملے بیٹھ جائے :

ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس : حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگوں کا
شکر یہ ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں
کرتا :

تشریح :- ملا علی قاری اس کا سبب بیان کرتے ہیں کہ ظاہر ہے جس نے بندہ
کا حق ادا کیا نہ مانا اور اس کا شکر یہ ادا نہ کیا۔ وہ کس طرح اللہ کے اس قدر احسانات کا شکر ادا
کرے گا۔ یا کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بندوں کے احسانات بھی چونکہ دراصل اللہ ہی کے احسانات
ہیں۔ اس لئے جس نے بندوں کے احسانات کا شکر یہ ادا نہیں کیا۔ گویا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا :

ابو حنیفۃ عن عطاء عن محارب بن دثار عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ظلم
سے بچ کیونکہ قیامت کے دن ظلم ظلمات
داندھیروں کی شکل میں ہوگا :

تشریح :- یعنی جو دنیا میں ظلم کرے گا۔ اس کو آخرت میں طرح طرح کی اندھیروں مبتلائے
عذاب کیا جائے گا۔ اس طرح اس کے ظلم کا اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے :

ابو حنیفۃ عن عامر عن ابی جردۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
نار قومًا من الانصار فی دیکارہم : حضرت ابی جردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی کسی جماعت سے
ان کے گھروں میں ملاقات کی۔ انہوں نے آپ کی

نَذْبَحُوْا لَهُ شَاةً وَصَنَعُوْا لَهُ مِنْهَا
طَعَامًا فَآخِذٌ مِنَ الْلَحْمِ شَيْءٌ فَلَاكُهُ
فَمَضَغُهُ سَاعَةً لَا يَسِيْفُهُ فَقَالَ
مَا شَأْنُ هَذَا الْلَحْمِ -

فَقَالُوا شَاةٌ لِّعَلَانِ ذَبَحْنَاهَا
حَتَّى يَجِيَّ فَتَرْضِيَهُ مِنْ ثَمَرِهَا
قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اطْعَمُوْهُ هَا
الْأَسْرَاءُ

ضیافت میں ایک بکری ذبح کی اور اس سے کھانا
پکایا تو آپ نے کھانا تناول فرماتے وقت گوشت
کی بوٹی منہ میں لے کر رکھی اور حقوڑی دیر چبائی۔
مگر نگل نہ سکے اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کیسی
گوشت ہے۔ لوگوں نے کہا یہ فلاں شخص کی بکری
تھی اس کی اجازت بغیر ہم نے اس کو ذبح کیا۔
اس امیر پر کہ وہ اہلے تو اس کی قیمت اس کو
دے کر اس کو راضی کر لیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

وَقِي رَوَايَةٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلْبٍ
عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ
صَنَعَ طَعَامًا فَذَعَا لِقَامِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَمْنَا
مَعَهُ فَلَمَّا وَضَعَ الطَّعَامَ تَنَاوَلَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَضْعَةً مِنْ ذَلِكَ
الْلَحْمِ فَلَاكُهُ فِي فَمِهِ طَوِيلًا فَجَعَلَ لَا
يَسْتَطِيعُ أَنْ يَأْكُلَهَا فَالْقَائِلُ مِنْ فِيهِ
أَشْكُ عَنْ الصَّعَامِ فَقَالَ أَخْبِرْنِي عَنْ
لَحْمِكَ هَذَا مِنْ أَيْنَ هُوَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
شَاةٌ كَانَتْ لِمُصَاحِبٍ لَنَا فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا
فَنَشْتَرِيهَا مِنْهُ وَعَجَلْنَا بِهَا وَذَبَحْنَاهَا
وَرَضَعْنَاهَا لَكَ حَتَّى يَجِيَّ فَتَعْطَى ثَمَرَهَا
فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَفْعِ
هَذَا الطَّعَامِ وَأَمَرَ أَنْ يُطْعَمَ الْأَسْرَاءُ
قَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ قُلْتُ لَا فِي حَنِيفَةٍ مِنْ
أَمِينٍ أَخَذَتْ هَذَا الرَّجُلَ يَجْمَلُ فِي
كَأَلِ الرَّجُلِ بَغِيرَ ذَنْبِهِ يَتَصَدَّقُ
بِالرَّجْمِ قَالَ أَخَذَتْهُ مِنْ حَدِيثٍ

اور ایک روایت میں ابن کلب سے منقول
ہے کہ اصحاب محمد میں سے ایک شخص نے کھانا
پکایا۔ اور آپ کو دعوت دی۔ آپ بھی تشریف
لے گئے اور آپ کے ساتھ ہم بھی۔ جب کھانا رکھا گیا
تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوشت کا ایک ٹکڑا
منہ میں رکھا۔ اور اس کو دیر تک چبایا لیکن اس کو
نگل نہ سکے تو آپ نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک
دیا۔ اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر سر ہا یا مجھ کو اس
گوشت کے بارہ میں خبر دو کہ یہ کہاں سے حاصل
کیا گیا ہے۔ صاحب خانہ نے جواب دیا یا رسول اللہ
یہ ہمارا ایک ساتھی کی بکری تھی وہ تو تھا نہیں کہ اس
خرید لیتے لہذا ہم نے جلدی کی اور بکری کو ذبح کر دی
اور اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ محض اس امید پر کہ
وہ آپ کا تو اس کو اس بکری کی قیمت ادا کر دینگے
اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے کے اٹھا
لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ قیدیوں کو کھلا دو۔
عبدالواحد کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا
کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا کہ اگر کوئی کسی کے مال
میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے تو وہ اس کے

عاصیہ: نفع کو صدقہ کر دے انہوں نے کہا کہ عاصم کی حدیث سے ہے۔
تشریح: اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص اگر دوسرے شخص کی بکری کو بلا اجازت
ذبح کرے تو وہ اس کی قیمت کا ثامن ہو گا اور اس پر اس کا صدقہ واجب ہو گا۔ اور تا وقتیکہ وہ اس کی
قیمت ادا نہ کر دے اس کو اس بکری سے نفع اندوزی کا حق نہیں۔ اور یہ کہ ایسی صورت میں بکری اپنے
مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے اگر اس کی ملک سے نہ نکلتی تو آنحضرت اس کو صدقہ کرنے کا حکم
نہ دیتے۔ بلکہ مالک کو واپس کر دیتے یا اس کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ اور اس کی قیمت
مالک کے لئے محفوظ رکھتے کا حکم دیتے۔ کیونکہ امام امیر کو ضرورت کے وقت کسی انسان کی چیز کے
فروخت کرنے کا حق حاصل ہے۔

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن

بریدۃ عن ابيه قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم الدال على الخير
كفعله

حضرت بریدہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھلے
کام کا بتانے والا (اجر میں) اس کے کرنے
والے کے برابر ہے۔

تشریح: اور وار قطنی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی عنہ سے مروی روایت ہے کہ معروف
صدقہ والدال علی الخیر کفاملہ واللہ یحب اغاثة اللہمغان۔ کہ ہر بھلائی صدقہ ہے۔ اور بھلائی
کی طرف راہنمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مصیبت زدہ کی
مدد کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔

ابو حنیفہ عن انس بن مالک
قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم الدال على الخير كفعله

تشریح: اس کی تشریح گذر چکی ہے۔

ابو حنیفہ عن علقمة عن ابن

بریدۃ عن ابيه عن النبي صلى الله

عليه وسلم قال جاء رجل فاستحمه

فقال ما عندى ما اهلك عليه ولكن

ساد لك على من يملك انطلق الى

منفعة بنى فلان فان فيها شابا من

الانصاف يترامى مع اصحاب له ومعه بعيره

فاستحمه فانه سيملك فانطلق

الرجل فاذا به يترامى مع اصحاب له

حضرت بریدہ رضی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اگر اس کے
سواری مانگی اس نے فرمایا کہ میری سواری نہیں
کہ میں تجھ کو دوں البتہ میں تجھ کو وہ شخص بتلاؤں
جو تجھ کو سواری دے گا۔ بنی فلان کے قبرستان میں
جادواں ایک انصاری جوان سے جو اپنے ساتھیوں
کے ہمراہ تیر اندازی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا
ایک اونٹ ہے لہذا تو اس سے وہ مانگ۔ وہ
تجھ کو دے دیگا۔ چنانچہ وہ شخص چل دیا۔ اور وہاں

فَقَصَّ عَلَيْهِ الرَّجُلُ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْتَحْلَفَهُ بِاللَّهِ لَقَدْ قَالَ لِهَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلَفَ لَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَمَّ حَمَلَهُ فَمَتَّ بِهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

فَقَالَ فَأَخْبِرْهُ الْخَبْرَ -

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْ فَإِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلُهُ -

وَفِي سَرَادِيَّةٍ أَنَّ مَاجِلًا جَاءَ لَا يَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللَّهِ مَا عِنْدِي مِنْ شَيْءٍ أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلَكِنْ انْطَلِقْ فِي مَقْبَرَةِ بَنِي فُلَانٍ فَإِنَّكَ سَتَجِدُ ثَمَّةَ شَابًّا مِنْ الْأَنْصَارِ يَسْتُرَا بِحِيٍّ مَعَ امْتَحَابٍ لَهُ فَأَسْتَحْمِلُهُ فَإِنَّهُ سَيَحْمِلُكَ -

فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ حَتَّى أَتَى الْمَقْبَرَةَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَأَسْتَحْلَفَهُ -

فَقَالَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ فَأَعْطَاكَ بَغِيْرًا لَهُ فَاَنْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْ فَإِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلُهُ :

پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ وہ ہی جوان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تیر اندازی میں مصروف ہے اس شخص نے اس جوان انصاری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کیا۔ انصاری نے قسم سے کہ اس سے دریافت کیا کہ واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا ہے اس نے دو یا تین مرتبہ قسم کھائی۔ تو انصاری نے اس کو اونٹ دیا۔ اس کے بعد وہ اونٹ سے کمرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنجد مت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا چلا جا۔ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنا بھی بھلائی کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ملتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس آکر سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ قسم بخدا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے میں تجھ کو اس پر سواری کر دوں۔ لیکن تو جانی فلان کے قبرستان میں تو وہاں ایک انصاری جوان اپنے گاؤں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تیر اندازی کرتا ہوگا۔ تو تو اس سے سواری مانگ وہ تجھ کو سواری دے گا تو وہ آدمی چل دیا۔ اور اس قبرستان میں پہنچا۔ جسکا پتار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور اس انصاری سے واقعہ کہا۔ انصاری نے اس شخص سے قسم لی۔ اس نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے ہی پاس بھیجا ہے اس پر انصاری نے اس کو اونٹ دیا اور وہ اس کو لے کر چل دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے کہا جا چلا جا اللہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنا اس کے کرنے والے کی طرح ہے :

تشریح :- یعنی آنحضرت نے اپنی ذات اقدس کی طرف اشارہ فرمایا کہ چونکہ آپ نے اس کا خیر کی طرف رہنمائی فرمائی اور اس سائل کو ایسے شخص کو پتا دیا۔ جہاں سے اس کی مطلب براری ہو سکے۔ لہذا آپ کو بھی اس کا اجر و ثواب ملا جس کا انصاری حق وار تھا :

ابو حنیفہ عن علقمہ عن ابن بربک
عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان
جائز :

حضرت بریدہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر جہاد ظالم
بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے :

تشریح :- افضل جہاد اس بنا پر کہا گیا ہے کہ معروف جہاد میں پھر بھی مسلمان اپنی ایک اجتماعی
دوجہی طاقت رکھتے ہیں اور ایک شان و شوکت کے مالک ہوتے ہیں اور فتحیابی و شکست کے
ہر ورخ ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ بادشاہ ظالم و جابر کے بالمقابل حق کو
نہایت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہوتا ہے۔ محض ہلاکت و موت کا نقشہ اس کے سامنے
ہوتا ہے۔ مگر یہ غریب صرف اپنی دینی حیثیت و مذہبی غیرت کی بنا پر اپنی جان سے کھیلتا ہے اور حق
کے کہنے کی جرأت و جسارت کرتا ہے لہذا یہ جہاد افضل ہوتا :

ابو حنیفہ عن شیبان عن عبد اللہ
عن حدیثہ عن ابی ہریرۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
استشادک فاشرك بالرشدا فان لکو
تفعل فقد اخطئہ :

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سے
مشورہ ملے اس کو نیک مشورہ دے۔ اگر تو نے
ایسا نہ کیا۔ تو التبتہ تو نے اس کے حق میں خیانت
کی :

تشریح :- حق یہ ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔ تو وہ گویا امانت دار تصور کیا
جاتا ہے۔ اور اس پر پورا پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اب اگر یہ بے اعتمادی کا ثبوت دے اور صحیح نیک
اور مفید مشورہ دینے میں سبیل سے کام لے۔ یا غلط راہنمائی کرے تو یہ خائن ٹھہرا اور بددیانت اسی
لئے آنحضرت نے ایسے شخص کو خائن کہا ہے :

ابو حنیفہ عن الحسن عن الشعمہ
قال سمعت النعمان یقول سمعت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مثل
المؤمنین فی نواذہم و تراحمہم کمثل
جسد واحد اذا اذیتک الرأس تداعی
لہ سائرہ بالسہر والحمی :

حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ
مؤمنین کی مثال آپس میں محبت کرنے اور
ایک دوسرے پر دل دکھانے میں ایک
بدن کی سی ہے کہ مثلاً جب سر دکھتا ہے تو
سارا بدن جاگنے میں اور بخار میں اس کا ساتھ
دیتا ہے :

تشریح :- صادق الایمان مومنین ایک دوسرے سے ایسی ہی محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں کہ ایک دکھی ہوتا ہے تو سب بے چین اور بے کل ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک خوش ہوتا ہے تو سب ہی خوشی و مسرت کے شادیاں بجاتے ہیں۔

۴۶
۷۵

حماح عن ابيه عن عبد الرحمن بن حزم عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت انه يورثه وما زال جبريل يوصيني بقيام الليل حتى ظننت ان خيار امي لا يتامون الا قليلا

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھ کو پے درپے پڑوسی کے حق میں خوش اخلاقی و خوش معاملگی کی وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ ورثہ میں سے اس کو حصہ دلائیں گے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام مجھ کو مسلسل شب بیداری کے لئے وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میری امت کے برگزیدہ لوگ بہت کم سوئیں گے۔

تشریح :- اس حدیث میں دو چیزوں کی اہمیت کا اظہار ہے ایک پڑوسی کا حق کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے حقوق کی رعایت اور اس کے ساتھ حسن اخلاق پر پے درپے اس قدر زور دیا کہ آنحضرت کو شک پیدا ہوا کہ شاید پڑوسی کو ورثہ میں سے حصہ ملنے لگے گا۔ طبرانی معاد بن حیدر اور حضرت معاذ رضی سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جو پڑوسی کے حقوق کو بہت تفصیل سے بیان کرتی ہے کہ آنحضرت تو اس کی عبادت کرو۔ اگر مرے تو اس کے خازنہ میں شرکت کرو۔ اگر قرض کا خواہاں ہو تو اس کو قرض دو اگر بد حال ہو تو اس کی ستر پوشی کرو۔ اگر اس کو کوئی خوشی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو۔ اگر مصیبت پہنچے تو غم کا اظہار کرو۔ اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اونچی نہ اٹھاؤ۔ کہ اس کی ہوارک جلتے۔ حضرت معاذ کی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ اگر تم میوہ خرید کر لاؤ تو اس کو لے کر نکالے کہ پڑوسی کا لڑکا اس کو دیکھ کر لپکے۔ دوسری چیز شب بیداری ہے اور تنہید گزاری کہ اللہ تعالیٰ کو بعد فرض کے یہ عبادت بہت پسند ہے۔ قرآن کریم میں اس کی تعریف ہے۔ رات کی خاموشی گھڑیوں میں یہ عبادت دل کی صفائی اور تقرب الی اللہ کے لئے تیر بہدف ہے۔

۴۷
۷۶

ابو حنيفة عن انس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الله يحب افاتة اللمعان

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ مصطرو پریشان کی فریادری کو محبوب رکھتا ہے۔

تشریح :- یعنی جو شخص کسی دکھی غمزدہ کی غم گساری کرے اور دست گیری کرے مصیبت

سے اس کو چھٹکار دے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بہت پسند فرماتا ہے کیونکہ وہ خود بھی مصیبت زدہ کا حامی و مددگار ہے۔

بَابُ الْإِنِّ عَنِ سَابِ الدَّهْرِ

باب ۲۲۱۔ زمانہ کو برا نہ کہو!

ابو حنیفہ عن عبد العزیز عن
ابی قتادہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تشبوا الدهر فان اللہ
هو الدهر

حضرت ابی قتادہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اللہ
تعالیٰ زمانہ ہی ہے۔

تشریح :- بعض نا سمجھ لوگ عادی ہوتے ہیں کہ دنیا کی تلخیوں پر زمانہ کو لعنت و ملامت کا نشانہ
بناتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ ناشائستہ بات عقل سے دور ہے۔ کیونکہ اگر زمانہ دنیا کے واقعات
و حادثات پر سرور بھی اثر انداز ہوتا تو اس کو برا کہنے کے کچھ معنی ہوتے۔ حالانکہ واقعہ تو یہ ہے کہ دنیا
کے انقلابات میں زمانہ بالکل بے اثر ہے جو کچھ کرتا ہے۔ خدا کرتا ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ و قدرت
میں ہے اور اس کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ جس کو وہی خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے
انسان کا کیا یا را کہ اس کے بھید و دل کا سراغ لگا سکے۔ بندہ کو کیا تاب کہ اس کی حکمتوں تک پہنچ سکے
اس لئے زمانہ کو برا بھلا کہنا عقل کے خلاف ہے۔ اور مذہب میں بھی منع ہے۔

ابو حنیفہ و لائق سنة ثمانین
وقد ام عبد الله بن أنیس صاحب رسول
الله صلی الله علیه وسلم الكوفة سنة
اربع وتسعين وراية سمعت منه
وانا ابن اربع عشرة سنة سمعت
رسول الله صلی الله علیه وسلم
يقول حبيبك الشئ يعطي و
يعطي

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کہتے ہیں کہ میں
میں پیدا ہوا۔ اور حضرت عبداللہ بن انیس رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کوفہ میں کوفہ
میں تشریف لائے۔ میں نے ان کو دیکھا۔ اور چوبہ
برس کی عمر میں میں نے ان کو یہ کہنے ہوئے سنا کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے
ہوئے سنا ہے کہ ایک چیز کی محبت سمجھ کر
اندھا بھی کر دیتی ہے اور بہرہ بھی۔

تشریح :- یہ حدیث انسانی نفسیات کی ایک اہم کیفیت کو بتا کر اس کی خرابی کی طرف
اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو خواہشات نفسانی کی فتنہ انگیز یوں سے بچنا چاہیے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاكِۃِ ۲۲۲

بَابُ ۲۲۲ کسی کی مصیبت پر خوش

ہونا منع ہے!

حضرت واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو اپنے بھائی (کی مصیبت) خوشی ظاہر نہ کر (دور نہ) خدا تعالیٰ اس کو اس سے چھٹکارا دے گا اور سمجھ کو اس میں مبتلا کرے گا:

ابو حنیفہ قال سمعت واثلہ بن الاسقع قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تظہر شماتۃ لاختک فی عافیہ اللہ و یتلیک اللہ:

تشریح :- یہ بات انسانیت، شرافت، عقل اور سنجیدگی کے خلاف ہے۔ کہ انسان اپنے سلمان بھائی کے دکھ و مصیبت پر خوشی ظاہر کرے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خلاف شرافت فعل کی پاداش میں دکھی کو دکھ سے رہائی بخش دے۔ اور ہنسنے والے کو اس میں مبتلا کرے:

کِتَابُ الرِّقَاقِ ۲۲۳

دل نرم کرنے والی باتوں

کا بیان!

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست و صحیح ہو تو اس کا سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بیمار ہو تو سارا بدن بیمار ہوتا ہے اور خبردار نہ ہو وہ گوشت کا ٹکڑا (دل) ہے:

ابو حنیفہ عن الحسن عن الشعبی عن النعمان بن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فی الانسان مضغۃ اذا صلحت صلح بھا ما سوا الجسد واذا سقمّت سقم بھا ما سوا الجسد الا وھی القلب:

تشریح :- انسان کے جسم میں دل ہی ایک چیز ہے کہ سارے بدن کی درستگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ کیونکہ اعمال کی اچھائی و برائی نیات و عقائد پر مدار رکھتی ہے۔ اور نیتوں کا یہ چشمہ دل ہے۔ اس لئے سارے جسم میں یہی سب کچھ ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہو گیا تو سب ٹھیک ہو گا اور اگر یہ بگڑا تو سب بگڑ گیا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے کبھی تین دن تین رات برابر روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی

ابو حنیفہ عن ابی ابراہیم عن الاسود عن عائشہ قالت ما شعبنا ثلثۃ ایاہر

وليا لهما من غير متنا بعا حتى فارق محمد
صلى الله عليه وسلم وما زالت الدنيا
عليها كد سارة عسرة حتى فارق محمد
صلى الله عليه وسلم الدنيا فلما فارق
محمد صلى الله عليه وسلم الدنيا
صَبَتْ عَلَيْنَا صَبًّا وَفِي رَوَايَةٍ صَبَتْ
الدنيا عَلَيْنَا صَبًّا وَفِي رَوَايَةٍ مَا
شَبِعَ اِلَّا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ مِنْ
خَبَرِ الْبَرِّ

یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے
تشریف لے گئے اور عدت و تنگ دستی
ہم پر چھائی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے مفارقت فرمائی۔ پھر
جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف
لے گئے تو دنیا ہم پر ٹوٹ کر پڑی۔ اور ایک ثابت
ہیں اس طرح ہے کہ دنیا ہم پر ہمہ س پڑی۔ اور ایک
روایت میں اس طرح ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کا پیٹ گھسوں کی روٹی سے برابر تین دن
کبھی نہیں بھرا۔

تشریح :- ان دنیا داروں کے لئے ایک نصیحت کہ آنحضرت کی عسرت کی زندگی سبق حاصل
کریں کہ کاشانہ نبوت میں بسنے والوں کو تین دن مسلسل پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ ہوتی تھی۔ دوسری حدیث
میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کئی راتیں بے درپے ایسی گزرتیں کہ رسالت مآب کے گھر والے
رات کو بھوکے رہتے یہ زندگی چونکہ آل حضرت کو پسند تھی اس لئے حیات طیبہ اسی طرح گزرتی
بعد وفات اہل بیت پر دنیا سمٹ پڑی جیسا کہ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کے وصال کے
بعد دنیا ہم پر برسے گی۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم
عن الاسود ان عمر بن الخطاب دخل
على النبي صلى الله عليه وسلم في
شكاية شكاها فلما اذاهو مضطجع على
عباءة قطوانية ومرفقة من صوف
حشوها انخر فقال يا بني انت واري
يا رسول الله كسري وقيصر على الدنيا
فقال يا عمرا ما ترضى ان تكون
لهم الدنيا ولكم الاخرة.

فقال ان عمرا منه فاذا هو في
شدّة الحسنى فقال نعم هكذا
دانت رسول الله -

فقال ان اشدّ هذا الامة

حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
عمر بن الخطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
آئے جبکہ آپ کو مرض کی شکایت تھی تو آپ کو ایک
قلوانی کھدوی چادر پہ لٹایا ہوا پایا اون کا تکیہ
لگائے ہوئے جبکہ بھرت اذخر گھاس کا تھا حضرت
عمرؓ بولے آپ پر میرا مال باپ فلاہوں یا رسول
اللہ کبریٰ اور قیصر تو دنیا پر ہیں اور آپ اس
پر آپسے فرمایا اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں۔ کہ
ان دکانوں کے لئے دنیا ہو۔ اور تمہارے لئے
آخرت۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کو چھو تو آپ
کو سخت سنا رہا تھا تو بولے آپ کو الیا سخت سنا
حالانکہ آپ اللہ کے رسولؐ نہیں۔ آپ
نے فرمایا اس امت میں سخت قبلانے

بَلَاءٌ نَبِيَّهَا ثُمَّ الْخَيْرُ ثُمَّ الْخَيْرُ
وَكَذَلِكَ كَانَتْ الْأَنْبِيَاءُ
قَبْلَكُمْ وَالْآمَمَةُ

بلا اس کے نبی ہیں۔ پھر ان سے کمتر نیک
پھر ان سے کم تر نیک اور یہ ہی حال تم سے
پہلے انبیاء علیہم السلام اور امتوں کا تھا۔

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مومن کی آزمائش اس کے ایمانی طاقت و قوت
کے مطابق ہوتی ہے۔ قوی الایمان سخت آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شدائد
کی گھائیوں میں سے گزر کر وہ اور نکھر کر کندن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی حدیث کے چند الفاظ ہیں
فَمَا بَرَحَ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَنْزِلَ كَيْفَ يَمُشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ كَهَبْدِهِ بِرَبِّهِ بِرَبِّهِ مَصِيبَتٍ مُسَلِّطٍ
رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایسی حالت میں ہو جاتا ہے کہ زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اور گناہ سے بالکل
ہلکا ہوتا ہے۔

۲۲۴

کتاب الجنایات

جنایات کا بیان !

ابو حنیفہ عن مطاع عن ابن

عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
من عفا عن ذم لم یکن له ثواب الا الجنة
تشریح :- حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے وبراء سئیة سئیة مثلها فمن عفا
اصلح فاجرة علی اللہ یعنی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے ہے۔ پس جس شخص نے معاف کیا۔ اور
صلح کی تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے۔

ابو حنیفہ عن الزہری عن

سعید بن المسیب عن ابی ہریرة
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
دینہ الیہودی والنصرانی مثل دینہ
المسلم

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ
بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے خون
معاف کیا اس کی جزا جنت ہی ہے۔

تشریح :- حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے وبراء سئیة سئیة مثلها فمن عفا
اصلح فاجرة علی اللہ یعنی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے ہے۔ پس جس شخص نے معاف کیا۔ اور
صلح کی تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ یہودی اور نصرانی کا خون بہا مثل خونہما مسلم
کے ہے۔

تشریح :- اس حدیث میں دین کا مسئلہ ہے۔ جس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک
کے نزدیک یہودی و نصرانی کی دین اسلام کی دین سے اوصی ہے یعنی چھ ہزار درم کیونکہ کھان کے
نزدیک پوری دین بارہ ہزار درم کی ہے۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک یہودی و نصرانی
کی دین ایک تنہا یعنی چار ہزار درم کی ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک یہودی و
نصرانی کی دین و اسلام آزاد کی دین میں کوئی فرق نہیں۔ ہر سہ کی ایک ہی دین ہے یعنی دس ہزار
درم۔ کیونکہ ان کی رائے میں پوری دین اسی قدر ہے امام مالک کے مسلک پر سنن اربعہ کی اس حدیث سے

دلیل لائی جاتی ہے۔ جو بطریق عمرو بن شعیب نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما پادۃ المعاہد نصف دینہ المحرمہ معاہدہ کی دیت آزاد کی دیت سے آدمی ہے۔ ترمذی کے الفاظ ہیں عقل الکافر نصف عقل المؤمن کہ کافر کی دیت مسلم کی دیت سے آدمی ہے۔ حضرت امام شافعی کے مسلک میں یا تو اس حدیث سے حجت لائی جاتی ہے۔ جو وہ خود اپنی مسند میں حضرت عمر بن خطاب کے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فیصلہ دیا یہودی و نصرانی کی دیت میں چار ہزار درم کا اور مجوسی کی دیت میں آٹھ سو درم کا۔ یا اس حدیث مرفوعہ سے جو مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن شعیب کے طریق سے بریں الفاظ مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمے، علی کل مسلم قتل رجلا من اهل الکتاب اربعة الاف۔ کہ آنحضرت نے ہر اس مسلمان پر جو کسی اہل کتاب کے آدمی کو مار ڈالے چار ہزار درم واجب فرمائے۔ حضرت امام اعظم کے مسلک کی قوی دلیل یہی حدیث ہے۔ کہ نہ جس کی سند میں کوئی خلش ہے نہ اس کے معنی میں کوئی خفا کہ اہل کتاب کی دیت اور مسلم کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ نیز حدیث مرفوعہ ہے۔ مزید برآں ابو داؤد و مراسل میں سعید بن مسیب سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما پادۃ کل ذی عہد فی عہدہا کا الف دینار۔ کہ ہر صاحب عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران میں ہزار دینار ہیں۔ پھر عینیا سہی کو حضرت شافعی انہیں سعید سے موقوف لائے ہیں۔ اور تہذیب میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودی العامرین بدایۃ المسلمین وکان لہما عہدا من رسول اللہ علیہ وسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عامرین کی دیت دی۔ مسلمین کی سی دیت اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد تھا۔ اور روایات سے بطریق صحیح اس کا ثبوت ہے کہ آنحضرت کے دور مبارک اور خلفاء کی خلافت راشدہ میں اسی پر عمل تھا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دور حکومت میں یہ عمل جو نے لگا کہ آدمی دیت مقتول کے وراثہ کو دی جاتی اور آدمی بیت المال میں داخل کی جاتی چنانچہ ابو داؤد اپنی مراسل میں ربيعة الرازی کے طریق سے یوں روایت لائے ہیں کان عقل الذی مثل عقل المسلم فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زمن ابی بکر و زمن عثمان حتی کان ہذا من خلافة معاویۃ الحدیث کہ ذمی کی دیت مسلم کی دیت جیسی تھی۔ آنحضرت۔ ابو بکر۔ عمر۔ عثمان کے مبارک عہدوں میں۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی ابتدائی حکومت کا زمانہ آیا۔ عبدالرزاق بھی نہ ہری سے یہی روایت لائے ہیں۔ امام محمد کتاب الآثار میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر یہی فیصلہ دیا کرتے تھے۔ حضرت علی سے اس طرح روایت وارد ہے۔ انما بدلا الجزیۃ لیکون دما ہم کدما ساداموا لہو کا موالنا۔ کہ انہوں نے جزیرہ اس لئے صرف کیا کہ ان کے خون ہمارے خون ہوں۔ اور ان کے مال ہمارے مال۔ یہ حدیث تو گو یا سارے حکمرانوں کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچا جاتا ہے کہ ذمیوں کی دیت اور مسلمین کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا آنحضرت و خلفائے کرام کے عمل سے اور صحیح السناد حدیث مرفوعہ۔

مرا سیل و موقوفہ کی رو سے مذہب حنفیہ ہی کی صداقت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر دائرہ کی احادیث شہرت و صحت و کثرت طرق میں یہ درجہ نہیں رکھتیں۔ اگر مخالفین مراسل میں ارسال کا عیب و تقم کا ہیں اور موقوفہ میں موقوف ہونے کا واضح ہے کہ مراسل تو بالاتفاق مقبول ہیں اور وہ حدیث موقوف جس میں قیاس کو گنجائش نہ ہو۔ مرفوع کے حکم میں ہے۔ اور قیاس کو اس میں اس لئے دخل نہیں کہ ہر دو میں مماثلت ظاہر نہیں کہ قیاس کیا جاسکے۔ پھر قیاس بھی مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ لغوی اولہ کے وقت احتیاط کا لحاظ زیادہ قرین عقل و روایت ہے اور احتیاط مسلک احناف میں ہے نہ دوسرے مذاہب میں ۛ

ابو حنیفہ عن الشعبی عن جابر

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يستقار من الجراح حتى تتبرأ

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قصاص لیا جائے نہ زخم رساں

جب تک کہ (زخم خوردہ کا) زخم اچھا نہ ہوئے ۛ
تشریح :- جب ایک شخص کسی کو زخمی کرے تو جب تک زخم اچھا نہ ہو زخم رساں سے قصاص نہ لیا جائے۔ اس میں بھی امام ابو حنیفہ و مالک و احمد اور امام شافعی کے درمیان اختلاف ہے صورت اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک زخم لگانے کے بعد ہی زخم رساں سے بدلہ لیا جائے گا۔ کیونکہ سبب قصاص پایا گیا۔ تو اب دیر کیوں کی جائے اور وہ اس کو نفس سے قصاص پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں الیسا ہی حکم ہے۔ اور ہر دائرہ مذکورین اس خیال کے حامی ہیں کہ زخم کی صورت میں فوراً قصاص نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ زخم کے اچھا ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ ان دائرہ کا خیال وہ معقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زخموں کے حالات شدید و غفیف ہونے میں نتائج سے کھلا کرتے ہیں نہ موجودہ کیفیات سے۔ کیا معلوم جو زخم اس وقت لگا اور معمولی نظر آتا ہے وہ آگے چل کر زخم خوردہ کی جان لے لے تو پھر تو گویا زخم رساں اس کے قتل کا باعث ہوا۔ اور ممکن ہے کہ زخم زخم کی حد تک رہ کر اچھا ہو جائے۔ یہ روایت پہلو ہے۔ اور روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ دارقطنی اور بیہقی حضرت جابر سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ زخموں کا اندازہ لگا یا جائے۔ پھر ایک سال تک تاخیر کی جائے۔ پھر عیسا کہ پتہ چلے حدیث اس کے موافق فیصلہ دیا جائے۔ دارقطنی کے سلسلہ روایت میں نیز بدین عیاض سے یہ اس کو متروک کہہ کر حدیث کو مجروح کر جاتے ہیں اور بیہقی کے سلسلہ سند میں ابن لہیعہ ہے وہ اس کو نشانہ جرح ٹھہراتے ہیں حالانکہ ابن لہیعہ صدوق ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت کے لئے امام صاحب کی حدیث ذیل شعبی کے واسطے سے کچھ کم نہیں ۛ

کتاب الأحکام

احکام کا بیان !

ابو حنیفۃ عن الہیثم عین
الحسن عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ذرؓ الامارة
امانة وهي يوم القيامة خزي و
ندامة الا من اخذها من حقها
وآدى الذي علیہ وآتے
ذلك۔

و فی رواية عن ابی حنیفۃ عن
ابی عتسال عن الحسن عن ابی ذرؓ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال الامارة امانة وهي يوم القيامة
خزي وندامة الا من اخذها من
حقها واذی الذي علیہ وآتے ذلك
یا ابا ذرؓ۔

حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذرؓ امارت
(حکومت) ایک امانت ہے اور وہ قیامت
کے روز رسوائی اور شرمندگی ہے مگر اس شخص
کے لئے رسوائی و شرمندگی نہیں جس نے امارت
و حکومت کا حق ادا کیا۔ اور جو ذمہ داری اس پر
تھی اس سے حق کے ساتھ نبرد آزما ہوا اور یہ
(ادائیگی حقوق حکومت اور پوری ذمہ داری سے
سکدوشی) ہوتا ہی کہاں ہے۔

اور ایک روایت میں حضرت ابی ذرؓ
سے یوں روایت ہے کہ آپؐ فرمایا کہ امارت قیامت
کے دن ذلت اور شرمساری ہے مگر جس نے کہ
اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی وہ ادا
کی (پھر فرمایا) اے ابو ذرؓ لیا ہوتا ہی کہاں ہے۔

تشریح :- طبرانی اور بزار سند صحیح سے حضرت عوف بن مالک سے روایت لائے ہیں۔
اولہا ملامۃ وثانیہا خدامۃ وثالثہا عذاب الیوم القیامۃ الامن عدال۔ کہ امارت کا پہلا
لامت ہے دوسرا شرمندگی ہے اور تیسرے میں قیامت کا عذاب ہے مگر وہ شخص جو عدل و
انصاف سے کام لے سکے یہ بھی یہ حدیث بایں الفاظ ہے مگر اس کے شروع میں یہ الفاظ بھی
نہیں فرماتے۔ آپؐ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ اے ابو ذرؓ تم کمزور ہو اور پھر یہ نصیحت
کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ غرض یہ حدیث حکومت و ولایت کی اہمیت و ذمہ داری کی صحیح
صحیح ترجمانی کرتی ہے اور جو حکومت کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور اس کو دنیوی عیش و عشرت
اور نفسانی لذات و شہوات کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ان کے حق میں یہ
ایک سنگین تازیانہ ہے۔ کہ حکومت جب امانت ٹھہری اور اس کے حقوق ادا نہ کر لے والا خائن
تو قیامت کے دن اس کو ندامت و شرمساری و عذاب الہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ پھر یہ امانت
بھی معمولی نہیں۔ حاکم کے کندھوں پر حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی بوجھ ہوتا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں

کے حقوق رسی کا بھی بار۔ ثواب کو لے لیا خوش قسمت انسان ہے کہ جو ان تمام حقوق کو پورا پورا ادا کرے۔ اور اس سخت آزمائش میں پورا اترے۔ اسی لئے آنحضرتؐ فرماتے ہیں وَاِنَّ ذٰلِكَ اَوْسٰی اِیَّیَا ہُوَ تَاہِیْ کِبٰ ہِیْ۔ جو ہزاروں میں ایک نکلا اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فرمان خداوندی افاعراضنا الامانة سے یہی سنگین امانت حکومت مراد ہے اور اس میں بھی اسی امانت کی اہمیت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ حقیقت میں اگر انسان کے دل و دماغ میں حکومت کی یہ اہمیت بیٹھ جائے تو انسان حکومت کی ذمہ داری سے الیاد سے الیاد کہ کوئی شخص موت سے ڈرتا ہے؟

ابو حنیفہ عن عطیة عن ابی

سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال ان ارفع الناس یوم القیمة
اما مرعادل؟

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن سب لوگوں میں بلند ترین امام عادل ہوگا؟

تشریح :- ظالم جابر و بے رحم بادشاہ کی برائی اور عادل و رحم دل بادشاہ کی تعریف سے احادیث صحیحہ پر ہیں۔ طبرانی کبیر میں اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابی بکرؓ سے حدیث لائے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ زمین میں جس نے اس کی عزت کی اس نے گویا اللہ کی عزت کی اور جس نے اس کی توہین کی اس نے گویا اللہ کی توہین کی۔ اور ہزار اپنی مسند میں بیٹھی اپنی شعب الایمان میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت لائے ہیں کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے جس کے پاس اگر اللہ کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں۔ پس اگر اس نے انصاف کیا تو اس کے لئے اجر و ثواب ہے اور رعایا کے لئے شکر گزاری واجب اور اگر ظلم کیا اور جبر و استبداد سے کام لیا تو اس پر اس کا گناہ ہے۔ اور رعایا کے لئے صبر ضروری۔ اور جب حکام ظلم ڈھانے ہیں تو آسمان قحط سالی کا سبب بن جاتا ہے اور جب زکوٰۃ روک لیتے ہیں تو موشی بلاکت کی نذر ہوتے ہیں۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے حدیث لائے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے جس نے اس کو دھو دیا۔ وہ گمراہ ہوا۔ جس نے اس کو نصیحت کی اس نے ہدایت پائی۔ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت واثق سے حدیث مرفوعہ لائے ہیں کہ چار اشخاص کی دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے۔ ایک امام منصف دوسرا وہ جو اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے۔ تیسرا ظلم رسیدہ۔ چوتھا وہ جو اپنے والدین کے لئے دست بدعا ہے۔ نسائی حضرت ابی ہریرہؓ سے حدیث مرفوعہ لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چار اشخاص کو نہایت مغفول رکھتا ہے ایک قسم خور ناجبر۔ دوسرا متکبر فقیر۔ تیسرا زنا کار لوطہ حیا۔ چوتھا ظالم بادشاہ۔ باقی انہیں احادیث کے ہم معنی و مطلب بہت سی احادیث صحیحہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں

ابو حنیفہ عن الحسن بن عبید

اللہ عن خبیب بن ابی ثابت عن ابن بویدۃ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی تین قسم کے

عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
القضاة ثلاثة قاضيان في النار وقاض
يقضي في الناس بغير علم ويؤكل بمضهم
مال بعض وقاض يترك علمه و
يقضي بغير الحق فهذانان في النار
وقاض يقضي بكتاب الله فهو في
الجنة :

ہیں۔ دو ان میں دوزخی ہیں (یعنی) وہ قاضی جو
فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغير علم کتاب سنت کے
اور ایک کو دوسرے کا مال (ناحق) کھلاتا ہے۔
اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈالتا ہے اور
ناحق فیصلے دیتا ہے۔ تو یہ دونوں قسم کے قاضی جو
کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کرتا ہے۔ تو وہ
جنتی ہے :

تشریح :- البر وادو۔ نرندي۔ ابن ماجہ وغیرہ میں قدرے اختصار کے ساتھ یوں آیا ہے۔
القضاة ثلاثة اثنان في النار واحد في الجنة رجل علم الحق ف يقضي به فهو في الجنة ورجل قضى
لناس على جهل فهو في النار ورجل عرف الحق فجار في الحق فهو في الناس۔ کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔
دو دوزخی اور ایک جنتی۔ وہ شخص جس نے حق پہچانا اور اس کے تحت فیصلہ کیا تو وہ جنتی ہے۔ اور
وہ شخص جس نے لوگوں میں جہالت سے فیصلہ دیا۔ وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق کو تو پہچانا
مگر حق رسی میں ظلم کیا تو وہ بھی دوزخی ہے۔ کہ جس نے حق والی صاف سے بٹ کر اور اس سے جاہل
رہ کر فیصلہ کیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ اور ایسے گمراہ کی سزا عذاب دوزخ ہی
ہے۔ اور جو جان بوجھ کر عالم بد عمل بن کر لوگوں کو گمراہ کرے۔ اور غلط فیصلے دے تو یہ تو پہلے سے
بڑھ کر بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ علم کو چھپانے کا ایک طریقہ سنگین جرم ہے جو اس کی طرف بالاستقلال
عائد ہوتا ہے اور جس کی پاداش میں یہ بالاولیٰ مستحق عذاب دوزخ ہے۔ اب رہا تیسرا تو کیا کہنے
یہ اللہ کی کتاب کی رو سے فیصلے دیتا ہے۔ اور لوگوں میں اللہ کا سچا فرمان جاری کرتا ہے۔ اور
یوں زمین میں اللہ کی سچی خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے تو ایسا قاضی جنت کا حقدار کیوں نہ
ہو :

الوحيفة عن عبد الملك عن

ابي بكر ان اباہ كتب الیہ انه سمع
رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا
يقضي الحاكم وهو غضبان :

حضرت ابی بکر سے روایت ہے کہ ان کے
باپ نے ان کو لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حاکم سبالت
غضب فیصلہ نہ دے :

تشریح :- قاضی کے لئے ضروری ہے کہ کسی معاملہ میں فیصلہ دیتے وقت اس کے دل و دماغ اعتدال
پر ہوں۔ کیونکہ اگر وہ اعتدالی کیفیت چھوڑ بیٹھیں گے تو یقیناً اس کی راسخ اور اس کا فیصلہ حق سے بٹ جائیگا
اور غیظ و غضب میں طبیعت و مزاج میں اعتدال مفقود ہوتا ہے۔ حرارت و گرمی کا جوش ہوتا ہے
لہذا فیصلہ میں بھی تشدد و سختی۔ تند مزاجی و ورشی کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ اسی لئے ایسی حالت میں فیصلہ
دنیا ممنوع ہے۔ چنانچہ فقہاء اسی فطری اصول کو پیش نظر رکھتے ہو اسی حدیث کے ماتحت ہر اس حالت

میں فیصلہ صادر کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کے دل و دماغ ٹھکانے نہ ہوں۔ مثلاً سخت بھوک لگی ہو۔ بچپن کرنے والا مرض لاحق ہو۔ وحشت میں ڈالنے والا خوف و انگیر ہو۔ بے انتہا خوشی ہو۔ نیند کا غلبہ ہو۔ دل و دماغ پر غم و فکر کا سایہ ہو۔ پشیمانی یا خانے کی حاجت بے چین کر رہی ہو۔ بے کل کرنے والی تڑپا کے کی گرمی پڑ رہی ہو۔ یا کڑا کے کا جاڑا پڑ رہا ہو۔ تو ایسے حالات میں بھی فیصلہ صادر کرنا ناجائز نہیں ہے۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم

عن الاسود عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رفع القلوب عن ثلثة عن الصبی حتی یکبر وعن المجنون حتی یفتق۔ وعن التائم حتی یتنقظ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اشخاص سے ظلم اٹھا لیا گیا دگو یا یہ دین کی ذمہ داری سے سبکدوش ہیں ایک بچہ جب تک وہ بالغ ہو۔ دوسرا مجنون جب تک وہ صحت یاب ہو۔ (ذمیرا) سونے والا جب تک وہ نیند سے جاگے۔

اور ایک روایت میں حضرت خدیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں میرے ظلم اٹھا لیا گیا یعنی ان پر شرعی احکام نافذ نہیں ہونے سونے والا جب تک جاگے۔ مجنون جب تک صحت یاب ہو۔ بچہ جب تک بالغ ہو۔

تشریح: تکلیف شرعی کا مدار دراصل عقل و شعور پر ہے اور اس سے یہ ہر شخص خاص محروم ہیں۔ اس لئے یہ اس حالت میں دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے۔ اور اس سے بری۔ اگر ایسی حالت میں ان پر تکلیف شرعی کا بوجھ ڈالا جائے تو تکلیف مالا یطاق ہوئی جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نہیں دیتا۔

ابو حنیفہ عن الشعبی عن ابن عباس

قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم المدعی علیہ اولى باليمين اذ الم یکن بتینة۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نہ ہو بینہ دگواہ مدعی کے پاس) تو مدعا علیہ سے قسم لینا اولیٰ ہے۔

تشریح: بہتھی نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت کی ہے۔ المدعی علیہ اولى باليمين الا ان تقوم علیہ البینة۔ کہ مدعی علیہ پر قسم ہے مگر یہ کہ مدعی اس پر گواہ پیش کرے۔ گویا مدعی کے گواہ پیش کرنے پر مدعی علیہ سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہتھی حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یعطى الله بدمواہم لادعی رجال اموال قوم ودمواہم لکن البینة علی المدعی واليمين علی من انکر کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ محض لوگوں کے دعویٰ پر فیصلہ دے دیا کرتا تو اللہ لوگ دعویٰ کر کے لوگوں کے مال انیٹھ لیا کرتے اور ان کے خون بہا

ڈالتے لیکن اللہ کی طرف سے گواہ مدعی کے ذمہ رکھے گئے اور قسم منکر مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔ یہ حدیث دراصل دو اختلافی مسئلوں میں شافعیہ کے خلاف احناف کی قوی دلیل ہے۔ یہ صورت اختلاف یہ ہے کہ دعویٰ پیش ہونے پر سب ہی کے نزدیک مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر اس نے قسم کھائی تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ اگر وہ قسم سے منکر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھر بھی فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔ اور اب مدعی سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا تحقیقات مقدمہ کا آخری پہلو تھا جو ختم ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قسم مدعی کی طرف لوٹے گی۔ اگر اس نے قسم کھائی تو دعویٰ جیتا ورنہ نہیں۔ امام مالک و احمد بھی امام شافعی کے ہم خیال ہیں۔ اولیٰ کے ساتھ متفق امام شافعی کہتے ہیں کہ مدعی علیہ جب قسم سے انکار کر گیا تو ظاہر مدعی کا موافق ہوا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ امام صاحب کے مسلک پر یہی اور مذکورہ احادیث ناقابل تردید محبتیں ہیں۔ کہ مدعی کے ذمہ محض گواہوں کا پیش کرنا ہے۔ قسم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اور مدعی علیہ کے ذمہ صرف قسم ہے اور اسی پر اس کی قسمت کا آخری فیصلہ اس کو گواہوں سے نہ کوئی واسطہ نہ تعلق۔ گویا آنحضرت نے مدعی و مدعی علیہ ہر ایک کی ذمہ داری کو تقسیم فرمادیا تو اب اس میں شکرت نہیں رہی۔ ترمذی میں حضرت وائل سے روایت وارد ہے۔ قال جاء رجل من حضرموت و رجل من كندة الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالا للحضرة يا رسول الله ان هذا غلبني على ارض لي فقال الكندي هي ارضي وفي يدي ليس له فيها حق فقال النبي صلى الله عليه وسلم للحضرة يا رسول الله انك يمينه قال يا رسول الله ان الرجل فاجر لا يبالى على ما حلف عليه وليس يتورع من شيء قال ليس لك منه الا ذلك قال انطلق الرجل ليحلف له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لهما او بولن ادبر على ما دلنا كانه ليلقين الله وهو عنده معرّفان۔ یعنی کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرموت کا رہنے والا اور ایک کندہ کا بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرمی نے کہا یا رسول اللہ یہ میری زمین میں بیٹھا ہے۔ کندی نے کہا یہ تو میری زمین ہے۔ اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس میں کیا حق۔ اس پر بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے کہا تیرے پاس گواہ ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ اب تو تیرے لئے اس سے قسم لی لیتا ہے۔ تو وہ بولا یا رسول اللہ یہ بدکار ہے نہیں پروا کرتا کہ اس نے کس چیز پر قسم کھائی اور کسی چیز سے نہیں بچتا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے اب اس کی طرف سے یہ ہی ہے (اور ہے بھی کیا) حضرت وائل کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا قسم کھانے اور جب واپس پھر آواپنے فرمایا کہ اگر اس کے مال پر قسم کھائی کہ اس کا مال ہضم کر جائے تو یہ خدا تعالیٰ سے بروز قیامت ایسے لے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیرے ہوگا صحیحین میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ لہذا اس حدیث میں حضور اکرم کے الفاظ لیس لك منه الا ذلك سے منہ انکار ہے کہ مدعی علیہ کی قسم آخری ہے باور مدعی کی طرف سے بنیہ نہ ملنے پر اس کے سوا کوئی

چارہ کار نہیں ہے۔ پھر لوں بھی بخوری اصول سے حدیث کو جانچتے تو بھی صداقت مسلک و
 احناف آشکارا ہے۔ کہ حدیث ابن عباس میں بنیہ اور یمنی ہر دو پر الف لام آئے ہیں اور یہاں کوئی
 خاص بنیہ اور یمنی تو مراد ہے نہیں تو گو یا جنس بنیہ اور جنس یمنی مراد ہوگی اور جنس بنیہ کے سارے
 افراد مدعی کے لئے مخصوص ہوں گے۔ اور یمنی کے سارے افراد مدعی علیہ کے لئے۔ لہذا بعض
 افراد یمنی کو مدعی کے لئے حجت بنانا گو یا حدیث کی مخالفت ہے۔ دوسری صورت اختلاف
 کی یہ ہے کہ ہر وقت مطالبہ گواہاں اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو اور ایک ہی گواہ اس کو
 میسر آ سکے۔ تو امام شافعی کے نزدیک اس سے قسم بھی لی جائے گی۔ اور ایک گواہ و قسم کی بنا پر اس
 کے حق میں فیصلہ دیدیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مدعی کے لئے محض دو ہی صورتیں ہیں یا تو
 دو مرد گواہ لائے یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اگر ان ہر دو صورتوں پر وہ قادر نہیں تو پھر مدعی علیہ کے
 ذمہ قسم ہے۔ مدعی کو قسم سے کوئی واسطہ نہیں۔ شافعیہ کے مذہب کی حجت مسلم کی وہ حدیث ہے جو
 ابن عباس رضی عنہ سے بدین الفاظ مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بيمين و شاهد
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کی طرف سے قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ دیا۔ احناف کے
 مذہب پر یہی احادیث مذکورہ بالا اٹل دلائل ہیں۔ پھر قرآن کی آیت واستشهدوا شہیدین
 من رجالکم اس کی مزید پرزور تائید ہے۔ احادیث بالاناطق سے کہ مدعی کو کسی صورت میں
 قسم سے کوئی واسطہ نہیں گواہ پیش کر سکے یا نہیں۔ نہ مدعی علیہ کو گواہ پیش کرنے سے کوئی علاقہ
 خواہ قسم کھائے یا نہ کھائے۔ چنانچہ بخاری میں یہودی کے فقہ کے ذیل میں حضرت ابن مسود
 سے روایت ہے اس کے یہ کھلے اور صاف الفاظ ہیں شاهدانک اویمینہ۔ کہ یا تو اے مدعی تیرے
 گواہ ہی بنائے فیصلہ ہیں یا پھر مدعی علیہ کی قسم۔ گویا یہ ہر امور ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ پھر مسلم
 و ترمذی کی حدیث بالا میں ہیں لك الافلک اسی کی تائید ہے۔ پھر یہ وہ احادیث ہیں۔ جن کو سب
 ہی احناف اور شافعیہ نے صحیح مانا ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ بخلاف حدیث قسم
 اور ایک گواہ کے کہ اس کو غریب مانا گیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے اس کو رد کیا ہے پھر اس حدیث
 میں دو جگہ انقطاع ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک نہیں جو اس کی سند میں ہے۔ عمرو بن دینار کے
 سماع نہیں اور بعض کے نزدیک عمرو بن دینار کو ابن عباس رضی عنہ سے سماع نہیں۔ چنانچہ دارقطنی عمرو اور
 ابن عباس رضی عنہ کے درمیان طاؤس کو لائے ہیں۔ پھر کہاں یہ حدیث اور کہاں احناف کی احادیث
 کہ بے غلش اور بے کھوٹ اپنے بھی ان کو مانیں اور پر اسے بھی۔ لہذا حدیث کے درمیان
 میں مذہب حنفی ہی کی صداقت گھٹتی ہے۔ اب لیجئے آیت کہ یہ جو خود اپنی جگہ دوسری جگہوں
 سے بے نیاز کر دینے والی حجت ہے کہ فرمایا واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان
 لکم علیہم فیہا حق و انکم علیہم فیہا حق و انکم علیہم فیہا حق و انکم علیہم فیہا حق
 فتذکر احد اہم الاخری۔ کہ دو گواہ بنا لو اپنے مردوں میں سے پس اگر دو مرد تیرے

آئیں تو ایک مرد بوجہ اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو قسم پسند کرتے ہو۔ تاکہ ان دو لوگوں کو تزلزل سے کوئی ایک بھی بھول جائے۔ تو ان میں ایک دوسرے کو یاد دلادے لیجئے کون ہے جو اس کلام الہی میں سے ایک گواہ اور قسم کی صورت نکالے گا۔ حالانکہ یہ گواہی کے بارہ میں پورا تفصیلی بیان ہے اس میں تو انہیں دو صورتوں کا مجاز دیا گیا ہے کہ یا مدعی دو مرد گواہ لائے یا اگر دو مرد نہ لاسکے تو ایک مرد اور دو عورتیں لے آئے اس کے علاوہ نہ تیسری صورت کا اشارہ ذکر ہے نہ کنایت۔ لہذا ایسی صورت کا جائز قرار دینا قرآن میں زیادتی ہے۔ پھر یہ آیت کے ہر سری معنی تھے۔ اب ذرا الفاظ پر نظر غائر ڈالئے تو حقیقت سے پورا پردہ اٹھ جائے گا۔ مثلاً اگر تیسری صورت کا ذرا صاحبی احتمال ہوتا۔ تو خان لہو کو خان کی دوسری شق مسئلہ کو ناممکن سمجھوتی۔ بلکہ یوں عبادت کا اضافہ ہوتا خان لہو کو خان و عین المدعی یعنی اور اگر ایک مرد اور دو عورتیں بھی سنیاب نہ ہو سکیں تو خیر پھر ایک مرد اور مدعی کی قسم ہو۔ مزید براں ہر دو صورتوں کو پیش فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا۔ ممن ترضون من الشهداء یعنی جن گواہوں کو قسم پسند کرتے ہو حالانکہ ان کی اضافہ کی ہوئی تیسری صورت میں گواہ محض ایک ہے۔ کیونکہ مدعی تو بہر حال گواہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بخاری میں نقل ہے کہ ابن شہر مہ کہتے ہیں کہ ابو الزناد سے قسم اور ایک شاہد کے مسئلہ پر میری ان کی گفتگو ہوئی۔ تو میں نے یہ آیت پڑھی۔ کہا کہ جب ایک گواہ اور قسم سے کام چل جاتا ہے تو بمطابق فتن کر احدثھا الاخری ایک عورت کا دوسری کو یاد دلانے کی کیا ضرورت پیش آن غرض آیت کے تحت بھی مذہب احناف ہر سردست ہے۔ پھر یہ مقامات حقیقت میں جبرت کے قابل ہیں کہ امام صاحب ہر سہ ائمہ سے جدا ہو کر اپنے خیال و اپنی رائے ہیں جہاں تین تنہا ہوتے ہیں وہاں بھی ان کی رائے کا پلہ کسی قدر وزنی اور بھاری ہوتا ہے۔

الْكَوْثِ حَيْفَةً عَنْ عِمَادَاتٍ رَجُلًا
 حَدَّثَهُ أَنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَلْبِشَ اشْتَرَى
 مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَقِيقًا ثَقِيلْمَاةً
 عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ الْأَشْعَثُ ابْتَغَتْ مِنْكَ
 بَعْشَرَةَ أَلْفٍ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
 مَسْعُودٍ نَعْتُ مِنْكَ بَعْشَرِينَ أَلْفًا -
 فَقَالَ اجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ مِنْ
 شَيْءٍ فَقَالَ الْأَشْعَثُ أَنْتَ بَيْنِي وَ
 بَيْنَكَ -

فقال عبد الله أخيرا يقضنا
سمعت من رسول الله صلى الله عليه

کسی شخص نے حماد سے بیان کیا کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک غلام خرید لیا۔ ابن مسعود نے اس سے اس کے مال کا تقاضا کیا۔ اس پر اشعث نے کہا کہ میں نے تم سے دو درہم ہزار درہم میں خرید لیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بولے (واہ) میں نے اس کو تیرے ہاتھ سے بیس ہزار درہم میں بیچا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا (تو اچھا) تو میرے اور کسی کو حکم مقرر کرے کہ اس سے ہمارا سمجھنا ایک جا، اشعث نے کہا۔ تو تم ہی میرے اور تمہارے درمیان حکم ہو چنانچہ حضرت عبداللہ بولے کہ اچھا تو میں تجھ کو وہ نپسلہ بنا دوں۔

و سلم

يقول اذا اختلف البائعان في
الشيء ولم يكن لهما بينة
والسلة قائمة فالقول ما قال
البائع او يترادان

تشریح :- اس حدیث کی تشریح کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے

ابو حنیفہ عن القاسم عن
ابيه عن جده ان الاشعث بن قيس
اشترى من ابن مسعود مائتين من
رقيق الا مائة فتقاضاه عبد الله
فاختلفا فيه فقال الاشعث
اشتريت منك بعشرة الاف درهم
وقال عبد الله بعث منك بعشرين
الف فقال عبد الله اجعل بيئي و
بيتك مرحلاً

فقال الاشعث فاني اجعلك
بيني وبين نفسي

قال عبد الله فاني ساقتني
بيني وبينك بقضاء سمعته من
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول اذا اختلف البائعان فالقول
ما قال البائع فاما ان يرفعي
المشترى به او يترادان
البائع

وفي رواية عن القاسم
عن ابيه عن جده قال

جور رسول الله صلى الله عليه وسلم کو صادر فرماتے جو
میں نے سنا ہے۔ آپ فرمائیے منحنے کہ جب بائع
اور مشتری تعداد قیمت میں جھگڑا پڑے اور ان
دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں اور چیز فروخت
شدہ بھی موجود ہو تو قول بائع کا معتبر ہوگا۔
وہ اس بیع کو لوٹالیں

قاسم کے دادا سے روایت ہے کہ اشعث
بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے
ایک غلام خمس کے غلاموں میں سے حضرت عبداللہ
نے (جب) اس سے اسکی قیمت مانگی۔ تو قیمت
میں دونوں کے درمیان جھگڑا پڑ گیا اشعث نے
کہا میں نے تم سے وہ دس ہزار درہم میں خریدا ہے
اور عبداللہ بولے میں نے تو وہ بیس ہزار درہم
کے عوض بیچا ہے۔ تو عبداللہ نے کہا کہ (اچھا) تو میرے
اور اپنے درمیان کسی کو حکم نہ لے کہ وہ ہمارا جھگڑا
ٹلے کرے (اشعث نے کہا کہ تو میں تمہیں کوہنہارے
اور اپنے درمیان حکم نہ لےتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے
کہا کہ دیکھ) اب میں اپنے اور تیرے درمیان
وہ فیصلہ دیتا ہوں جس کو صادر فرماتے ہو گے
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے
آپ فرماتے تھے کہ میں جب خریدار اور
فروخت کنندہ (دو بارہ قیمت)
اپس میں جھگڑا پڑے۔ تو وہ بائع کی بات
مانی جائے گی۔ پس یا تو خریدار فروخت
کنندہ کی بات پر راضی ہو لے۔ یا پھر وہ
دونوں بیع کو واپس پھیر لیں
ایک روایت میں قاسم کے
دادا سے یوں روایت ہے کہ فروخت

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
عليه وسلم إذا اختلف البائعان
والشئعة قائمة فالقول قول البائع
أو يترادان في رواية البائع
وفي رواية إذا اختلف
المتبايعان فالقول قول البائع
أو يترادان -

وفي رواية عن عبد الله أن
الاشعث اشترى منه رقيقاً
فتقا مائة واختلفا -

فقال عبد الله بعشرين الفا
وقال الاشعث بعشرين
الاف -

فقال عبد الله سمعت رسول
الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا
اختلف البائعان فالقول قول
البائع أو يترادان -

تشریح :- حدیث مکرر ہے :-
ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن
جابر بن عبد الله عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ان رجلاً اختصم
الیہ فی فاقۃ وقد اقام کل واحد
منہما انہما نتیجت عندا فقضی بھما
للذی فی یدہ :-

تشریح :- گویا جس کے قبضہ میں تھا وہی اس کا مالک قرار پایا :-
ابو حنیفہ عن ابی الیثمین عن رجل
عن جابر بن عبد الله قال اختصم
رجلان فی فاقۃ کل واحد منہما
یقیم البینۃ انہما فاقۃ فنتجھما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب
بائع اور مشتری آپس میں لڑ پڑیں اور فروخت شدہ
سامان بدستور موجود ہو تو بائع کا قول معتبر ہوگا یا وہ
دونوں بیع کو ٹالیں۔ ایک روایت میں یترادان کے
ساتھ لفظ بیع بھی نامد ہے اور ایک روایت میں
یوں ہے کہ جب مختلف القول ہوں۔ بائع و مشتری
تو قول بائع کا معتبر ہے یا وہ بیع کو پھیر لیں۔ اور
ایک روایت میں حضرت عبد اللہ سے یوں مروی
ہے کہ اشعث نے خریدا ان سے ایک غلام انہوں
نے اس سے اس کی قیمت کا تقاضا کیا۔ اور پھر ان
کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ عبد اللہ نے کہا بیس
ہزار درم دین میں نے اس کو بیچا ہے اشعث
نے کہا دس ہزار درم دین میں نے اس کو خریدا ہے
حضرت عبد اللہ بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب بائع
و مشتری جھگڑیں تو قول بائع کا معتبر ہوگا یا وہ
دونوں بیع کو ٹالیں :-

حضرت جابر سے روایت ہے کہ وہ شخص
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ ایک وٹنی
کے بارہ میں جھگڑتے ہوئے اور ہر ایک نے ان
میں سے گواہ پیش کئے کہ وہ اسی کے ہاں پیدا
ہوئی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ
اوٹنی اسی کو دلا دی جس کے قبضہ میں تھی :-

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے
کہ انہوں نے کہا کہ دو شخص ایک اوٹنی کے بارہ
میں لڑ پڑے۔ ان میں سے ہر ایک نے گواہ
پیش کئے کہ وہ اوٹنی اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے

نقضی بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لذی ہی فی یکا ۴

و فی روایۃ ان رجلین أتیا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فی ناقۃ ھذا البینۃ، اذہ
نتجھا و اقام ھذا البینۃ انہ
نتجھا فجعلھا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم للذی ہی فی
یک ۴

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اس کو دلائی
جس کے وہ قبضہ میں تھی ۴
اور ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص
لڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس آئے۔ ایک نے اس پر گواہ پیش کئے کہ یہ
اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ دوسرا اس پر
گواہ لایا کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ لہذا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اس کو دلا دی جس
کے قبضہ میں تھی ۴

کتاب الفتن

فتنوں کا بیان !

ابو حنیفہ عن یحییٰ عن حمید

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم من سَلَ السیف علی
امتی فان الجہنم سبعۃ ابواب باب
منہا لمن سَلَ السیف ۴

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تلوار کھینچی
میری امت پر تو جہنم کے سات دروازے میں سے
میں سے ایک دروازہ (داخل) اسی کے لئے ہے
جس نے میری امت پر تلوار کھینچی ۴

تشریح :- بخاری حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں من حمل علينا السلام فلیس
منا کہ جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ وعید ہے اور حکم کہ مسلمان
آپس میں نہ لڑیں۔ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ استعمال کریں اور یوں بھائی بھائی کا خون نہ
بہائے۔ اور اپنی طاقت کو اپنے ہاتھوں نہ برباد کرے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے -
ولا تنازعوا فتشوا و تذهب ریحکم ۴

ابو حنیفہ عن الحارث من ابی

الجلال قال كنت مثنیٰ سمع من عبد اللہ
السبا فی کلاما عظیما فاتینا بہ علیا
ونحن فخر عنقه فی طریقہ فوجدناہ
فی الرحبۃ مستلقیا علی ظہورک واضعا
احدا یرجلیہ علی الاخریٰ فسألہ عن
الکلام فتکلم بہ فقال ان رویہ عن

ابی الخلاس نے کہا کہ میں ان میں سے تھا جنہوں
نے سنی عبد اللہ بن سبائی سے ایک سنگین بات سنی
ہم اس کو حضرت علیؓ کے پاس کھینچے لائے۔ راستہ
میں اس کی گردن کو بھجھوڑتے ہوئے ہم نے حضرت
علیؓ کو صحن مسجد میں چت لیٹے ہوئے پایا۔ آپ نے
اس سے اس بات کے بارہ میں دریافت کیا اس نے
اپنا کلام دہرایا۔ آپ نے کہا تو اللہ سے روایت کرتا

اللہ تعالیٰ او عن کتابہ او عن رسولہ
نقال لا۔

قال نعم اتروی۔

قال عن نفسی۔

قال اما انک لو سويت عن الله تبارک
وتعالیٰ او عن کتابہ او عن رسولہ
مترقب عنک ولو سويت عني
او جعلت عقوبة فکنت کاذبا
ولکنی سمعت رسول الله صلی الله علیه
وسلم یقول بین یدي الساعة ثلثون
کذابا وانت منهم ۛ

وفي رواية عن ابی الجلاس قال
كنت فیمن سمع من عبد الله الشافعی
علا ما عظیما فأتینا به علیاً
فوجدنا فی الرحبة ستلقیا ظهرا
واضعا احدا یدرجلیه علی الاخرای
فأله عن الكلام فتکلم۔

نقال اندویدہ عن الله تبارک و
تعالیٰ او عن کتابہ او عن
رسولہ۔

قال لا۔

قال نعم تن ترویه۔

قال عن نفسی۔

قال اما انک لو سويت عن الله
او عن کتابہ او رسولہ فسریت
عنک و لو سويت عني او جعلت
عقوبة فکنت کاذبا ولکنی سمعت

ہے یعنی وحی سے سمجھ کر ایسا پتہ چلا گویا تو نبی ہے یا
اس کی کتاب ہے یا اس کے رسول ہے۔ اس نے
کہا نہیں۔ تو آپ نے کہا کہ پھر کس سے یہ نقل کرتا ہے
اس نے کہا اپنے دل سے۔ آپ نے فرمایا اگر تو اسکی
روایت ظاہر کرتا اللہ تبارک و تعالیٰ سے یا اس کی
کتاب سے یا اس کے رسول سے تو میں اس
کی نسبت کرتا تو میں سمجھ کر درناک سزا دیتا۔
پس تو ہوتا سمجھوتا یعنی مردودا شہادت لیکن
میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ
کہتے ہوئے کہ قیامت سے پہلے میں سمجھوں
ہوں گے۔ اور تو انہیں میں سے ہے ۛ

اور ایک روایت میں ابی الجلاس سے بول
نقل ہے کہ اس نے کہا میں ان لوگوں میں سے تھا
جنہوں نے سنا عبد اللہ سبائی سے بڑا بول تو ہم اسے
حضرت علی کے پاس پکڑ لائے اور ہم نے ان کو
صحن مسجد میں جیت لیٹے ہوئے پیر پیر کئے
ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے اس بات کے بارہ
میں دریافت کیا تو وہ وہی بات بولا۔ آپ نے
فرمایا تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتا ہے
یعنی وحی سے سمجھ کر اس کا پتہ چلا یا اس کی کتاب
سے یعنی قرآن پر زبانی کرتا ہے یا اس کے
رسول سے یعنی آنحضرت پر اتہام لگاتا

ہے اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے کہا کہ پھر
کس سے اس بات کو نقل کرتا ہے۔ اس نے کہا
اپنے دل سے آپ نے فرمایا اگر تو روایت
کرنے کا دعویٰ کرتا اللہ سے یا اس کی کتاب
سے یا اس کے رسول سے تو میں تیری گردن اٹاتا
اور اگر تو اس بات کی میری طرف نسبت کرتا تو
میں سمجھ کر درناک سزا دیتا اور تو سمجھوتا ہو مگر گویا نا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
بین یدی الساعة ثلثون عذابا
فانت منهم

تہادت ٹھہرتا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت پہلے
تیس جھوٹے بول گئے۔ اور تو ان میں سے ہے

تشریح :- حدیثوں میں زیادہ تر جھوٹوں کی تعداد تیس تک آئی ہے۔ تہذیبی میں حضرت ابی
ہریرہ سے یہی مضمون روایت ہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی۔ یہاں تک کہ جھوٹے و جال اٹھیں گے
جو قریب تیس کے بول گئے۔ ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔ حضرت ثوبان کی روایت میں
پوری تیس ہی کی تعداد آئی ہے۔ بعض روایات میں مثلاً امام احمد کی روایت میں ستائیس کی تعداد بھی
مذکور ہے۔ طبرانی کی روایت میں ستر کی تعداد بھی آئی ہے۔ اس سے محض کثرت مراد ہے نہ خاص تعداد
ابو حنیفہ عن عبد الرحمن عن

ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یاتی علی الناس زمان یختلفون الی
القبور فیضعون بطونہم علیہ ویقولون
ویدفنونہ لکننا حاجب لہذا القبر فیل
یارسول اللہ وکیف یكون قال لشدائد
الزمان وکثرة البلیا والفتن

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ
ایسا آئے گا کہ قبروں پر بکثرت آئیں گے جائیں گے
اور ان پر اپنا پیٹ رکھیں گے اور کہیں گے کہ کاش!
ہم اس صاحب قبر کی جگہ ہوتے۔ آپ عرض کیا یا رسول
اللہ ایسا کیوں ہوگا آپ نے فرمایا زمانہ کی سختی اور بلاؤں
اور فتنوں کی کثرت کی وجہ سے ہے

تشریح :- ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع روایت وارد ہے کہ آپ نے فرمایا قسم ہے
اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قبر پر نہرے گا
گا اور اس پر لوٹے گا اور کہے گا کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا۔ اور دین پورا آزمائش سے بھرا
ہوگا۔ خدا کی پناہ یہ ایسا صبر آزمایا زمانہ ہوگا۔ اور ایسی جاہل و آزمائش کا دور ہوگا کہ انسان خود اپنے
منہ سے اپنی موت طلب کرے گا مردوں پر رٹک کرے گا۔ اور یوں اپنی موت کو اپنی زندگی پر
ترجیح دے گا۔ گودینا کی الفت و محبت ہر شخص کی طبیعت و مرثیت میں پیوست ہے۔ اور
کسی وقت بھی اور کسی وقت قیمت پر بھی انسان دنیا کو ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ مگر یہ اسی حد
تک کہ دنیوی زندگی اساتھوں مسرتوں اور ولہستگیوں سے پر ہو۔ اور پوری زمین اس کے لئے گوارہ
راحت بنی ہو ورنہ اگر یہی دنیا بھائے راحت کہہ کے مصیبت کہہ دے اور ادا لام کا گھر ہو بے
کلی اور بے چینی کا مکن ہو تو انسان کو موت زندگی سے بدرجہا خوشتر دیکھتی ہے۔ اور بھائے
زندگی کے موت میں راحت نظر آتی ہے

تفسیر قرآن!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول

کتاب التفسیر

حملا من ابیہ عن ابی ذرۃ عن عطاء

بن السائب عن ابی الفطحی عن ابن عباس فی قوله عز وجل القرآن انما الله والله اعلم واری ۛ

اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَنَا اللہ دریں اللہ بول (واللہ اعلم واری) اور اللہ اعلم ہے اور دیکھنے والا ۛ

تشریح :- اللہ مخفی ہے اَنَا اللہ اور اللہ اعلم کا تفسیر سراج المبین میں ابن عباس کے بول روایت سے کہ اللہ کے معنی اَنَا اللہ اعلم کے ہیں کہ میں اللہ ہوں اور اللہ کے معنی اَنَا اللہ ہی کے ہیں اللہ ہوں اور دیکھتا ہوں اور اللہ کے معنی اَنَا اللہ اعلم واری کے ہیں اللہ ہوں اور جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں گویا ہر سب جگہ ہمزہ سے (انا) کی طرف اشارہ ہوا۔ لام سے (اللہ) کی طرف۔ سیم سے (اعلم) کی جانب۔ اور رام سے (اری) کی جانب ۛ

حروف مقطعات کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال وارد ہیں کہ ان کے معانی کیا ہیں اور یہ کہ کن اسرار کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جمہور علماء کا اور خصوصاً علماء اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ ہم محض ان کے ظاہر پر بیان رکھتے ہیں۔ ان کے معانی و مراد سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ہی خوف جانتا ہے ۛ

سلمہ بن بلیط کہتے ہیں کہ میں خجاک ابن مزاحم کے پاس تھا کہ ان سے ایک شخص نے انا نراک من الحسنین د کہ آپ ہم کو نیکو محسن آدمی معلوم ہوتے ہیں) کے بارہ میں پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا احساں کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتے تو اس کی تیمارداری کے لئے کمر بستہ ہو جاتے اور جب کسی حاجتمند کو دیکھتے تو اس کی حاجت پوچھتے کہ اس کی حاجت روائی کریں ۛ

حماد عن ابیہ عن سلمۃ بن بلیط قال کنت عند الفخاک ابن مزاحم فیما لہ رجل عن ہذا لایۃ انا نراک من الحسنین ما کان احسانہ۔ قال کان اذا راہی راہلاً مضیقاً علیہ و شمع علیہ واذا راہی مریضاً قام علیہ واذا راہی محتاجاً جالساً لی لقضاء حاجتہ ۛ

تشریح :- یہ تینوں امور نیکی کی بلند چوٹیاں ہیں کہ تنگدستی محتاجی اور ناداری کے ایہ انسانی زندگی میں نہایت تار یک اور مصیبت بھرے ہوتے ہیں کہ تنگدستی ایسے دکھ اور تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ مدد و تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وہ فرشتہ نسبت معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو انسان کسی بیمار میں مبتلا ہو اور کسی جسمانی دکھ کا شکار ہو تو اس کے کمر بستہ ہونے کا کیا ٹھکانہ۔ اور اس کی بے گلی اور بے آرامی کا کیا اندازہ۔ پھر ایسی تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے کمر بستہ ہوتا ہے۔ اس کی راحت جسمانی کے اسباب مہیا کرتا ہے وہ انسانیت و شرافت نیکی و بزرگی کی بلند ترین مثال پیش کرتا ہے۔ یا اور کسی معاملہ

ہیں کسی عاجت کی حاجت روائی۔ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا تقویٰ و نیکی کا بلند ترین درجہ ہے۔ جو اللہ کے خاص خاص بندوں کو نصیب ہے۔

حماد عن ابيه عن عطية عن ابي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله تعالى۔

تَقْرَأُ اِنْ فِي ذَالِكَ لَا يَاتِ لِيَمْتَوِيَنَّ الْمُتَفَتِّسِينَ

حضرت ابی سعید روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور مومن کی فراست سے۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے نور سے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان في ذلك لايات للمتوسمين کہ البتہ اس میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے گویا متوسمین سے متفرسین مراد لیا۔

تشریح :- اللہ کے نور سے دیکھنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ مومن ایمان کی بدولت و مجاہدہ و ریاضت کے طفیل سے دریافت کو پہنچتا ہے اور کرامت کے طور پر بعض بعض واقعات و حالات اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح و لائق کی روشنی میں اور تجربوں کے تحت اس کو ہر چیز کے بارہ میں صحیح علم بخشتے ہیں۔ اور عاقبت اندیشی اور دور اندیشی اس میں بلند درجہ کی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زندگی میں ہر باب میں وہ اپنے لئے صحیح تر راستہ معلوم کر لیتا ہے۔

حماد عن ابيه عن عبد الملك عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله تعالى فكم لك لست لنتهم اجمعين عما كانوا يعملون قال لا الا الله

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر پس فورا لك لنا لنهم اجمعين عما كانوا يعملون پس قسم ہے تمہارے رب کی البتہ ہم سوال کریں گے ان سب سے اس چیز سے کہ تم نے عمل کرتے لا اله الا الله یعنی اس کے یہ کلمہ شہادت مراد ہے۔

تشریح :- یہاں سوال کا ایجاب اور اثبات ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا اور سورہ رحمن میں اس سے انکار ہے۔ فرمایا فیومئذ لا یصل عن ذنبه ان لا یجافا کہ اس دن انس و جن سے اس کے گناہ کے بارہ میں نہ پوچھا جائے گا۔ اس الجہن کا سلجھا کر یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں سوال سے مراد سوال تہنید و انت اور نہ جبر و توجہ سے اور آیت رحمن میں اس سوال سے انکار ہے۔ جس کے ذریعہ معلومات حاصل کی جائیں اور ناواقفیت و در کی جائے تو ایسا سوال نفوذ باللہ۔ اللہ عز و اسمہ کی طرف سے کیے ہوئے لگا۔

حماد عن ابيه عن بن جبير عن ابن عباس قال

حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت میر کی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَجِبَ بَرِيءٌ مَالِكٌ تَذَوُّرُنَا أَكْثَرُ
مَا تَذَوُّرُنَا قَالَ فَا نَزَلَتْ بَعْدَ لَيْلٍ
وَمَا نَزَلَ إِلَّا بِأَمْرٍ مَرَّتْ بِكَ
لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا
خَلْفُنَا

کہ آپ ہماری ملاقات کے لئے زیادہ کیوں نہیں
آتے دگو یا موجودہ حالت سے زیادہ ملاقات کا
موقع کیوں نہیں دیتے تو اس کے چند روز ہی بعد
یہ آیت نازل ہوئی۔ و ما نزل الا بامر ربك
لہ ما بین ایدینا و ما خلفنا کہ ہم نہیں اترتے
مگر تمہارے رب کے حکم سے اسی کے لئے ہے
جو ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے

تشریح :- بخاری میں بھی حضرت ابن عباس سے ایسی ہی روایت ہے۔ ابن ابی حاتم کے
نزدیک یہ آیت اس وقت اتری کہ وحی کا سلسلہ چالیس دن تک بند رہ چکا تھا۔ اور آنحضرت کو
ملاقات کا اشتیاق شدید تھا۔

ابو حنیفہ عن سماعة عن ابی صالح
عن ام هانئ قال قلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم
ما كان المنكر الذي كانوا يأتون في ناديه
قال كانوا يخذفون الناس بالنواقة والحصاة
ويمنحرون من اهل الطريق

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ وہ کیا بری بات
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کیا بری بات
تھی۔ جو وہ قوم لوہاء اپنی مجلسوں میں کیا کرتی تھی۔ آپ
نے فرمایا کہ وہ لوگوں پر گٹھیاں اور کنکر یاں پھینکا کرتے
اور راہ گیزوں سے تسخیر کرتے تھے

تشریح :- اللہ تعالیٰ کے اس قول و ناثون فی نادیکہ المنکر میں ”منکر“ کی تفسیر حضرت ام
ہانی نے آنحضرت سے دریافت کی۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں گوزہ خارج کیا کرتے تھے
حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں ایک دوسرے کے سامنے سماع کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ
بن سلام سے بول مروی ہے کہ ایک دوسرے پر پتھروں کا گرتے تھے بغرض ان کی مجلسیں اس قسم کی لغو
حرکتوں اور فحش باتوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ اور جب آپس میں مل بیٹھتے تو جامہ انسانیت اتار دیتے
اور نرے حیوان بن جاتے

ابو حنیفہ عن مطية عن ابن
عمر انه قرا على النبي صلى الله عليه وسلم
الله الذي خلقكم من ضعف ثم
جعل من بعدا لضعف قوّة ثم جعل
من بعدا قوّة لضعف وشيئة من عليه
وقال قل من ضعف

حضرت ابن عمر کے بارہ میں مروی ہے کہ
انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت
اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل
بعدا لضعف قوّة ثم جعل
من بعدا قوّة لضعف وشيئة من عليه
”ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو“

تشریح :- یعنی حضرت ابن عمر نے ضعف کو ضاد کے زہر کے ساتھ پڑھا تو آپ نے ٹوکا اور فرمایا کہ
”کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو کیونکہ قریش کے لعنت میں یہ لفظ لیں ہی ہے۔ اور پڑھنے والے بھی

چونکہ قریش سختے۔ اس لئے ٹوکنایا ہی مناسب تھا۔ یا آنجناب کو یہ فیصلہ تر معلوم ہوا اور یوں لقمہ دیا ہو۔
 بنجاری میں ہے کہ لفظ ضعف میں دونوں لغات ہیں۔ ارشاد ساری شرح بنجاری میں ہے کہ ضعف
 زہر کے ساتھ عاصم اور حمزہ کی قرارت ہے اور تسمیم کی لغت۔ اور پیش کے ساتھ قریش کی لغت بعض
 نے کہا ہے کہ ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ جب پڑھیں تو بدنی کمزوری کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور
 جب زہر کے ساتھ پڑھیں تو عقل کی کمزوری کی طرف :

ابو حنیفۃ عن الہیثم عن

الشعبی عن مسروق عن عبد اللہ

قال قد مضى الدخان والبطشة

على عهد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم :

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت
 کہ انہوں نے کہ آیت قرآن پاک فارقت یوم
 قافی السماء بدخان مبین ذکرہ آپ غمظ سے اس
 دن کے لئے کہ لاوے گا آسمان ظاہر ظہور دیوان
 میں دخان دیوان اور آیت یوم یطش البتہ
 الیکبری جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے
 میں بطشہ دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 عہد مبارک میں گذر چکی :

تشریح :- دخان اور بطشہ کے بارہ میں خیال میں ایک کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود
 سے ہے کہ ان کے نزدیک دونوں عذاب عہد نبوی میں گذر چکے۔ جس کی تائید یہی حدیث کرتی ہے
 بنجاری میں پورا واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت نے قریش کی پے درپے نافرمانیوں کے باعث ان
 کے حق میں بددعا فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت قحط ڈالا۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ
 مر گئے۔ اور لوگوں نے ہڈیاں اور مردار تک کھایا۔ اور مارے ضعف و تقاہت کے ہر
 ایک کو آسمان کی طرف دیوان دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ اسی حالت کی ترجمانی آیت یوم قافی
 السماء کرتی ہے۔ پھر حضرت عبداللہ نے خیال کو اس کے بعد کی آیت انا کاشفوا العذاب قلیلاً انکو
 عائد دن ذکرہ اگر یہ عذاب آخرت میں آنے والا ہوتا تو آخرت کا عذاب کب سٹے گا۔ اور
 ملے گا۔ اور وہ کب اپنی حالت پر لوٹیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت حضرت عبداللہ کے ساتھ
 ہے۔ مثلاً مجاہد۔ ابی العالیہ۔ ابراہیم بنی۔ ضحاک۔ علیہ العونی۔ وغیرہ۔ ابن جریر نے بھی اسی
 خیال کو پسند کیا ہے۔ اور ملا علی قاری نے بھی اپنی مسند کی شرح میں اسی مذہب کو ترجیح دی ہے۔
 دوسرے خیال کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف ہے۔ اور ان سے اس کی روایت ہے کہ یہ
 ہر دو عذاب بروز قیامت رونما ہوں گے۔ ابن کثیر اسی خیال کی طرف جھکے ہیں۔ اور ان کے مذہب پر
 لفظ مبین سے بھی دلیل لائی جاتی ہے۔ کہ فرمایا ظاہر دیوان ہوگا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ کی روایت
 پر وہ محض وہ ایک خیالی اور وہی پیڑ ہے۔ پھر یغشی الناس سے بھی حجت لائی جاتی ہے کہ اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب سب کافروں کو عام ہوگا۔ نہ صرف مشرکین کو۔ مگر آیت کا سیاق و سباق حضرت

عبداللہ کے غریب کی حجت پیش کرتا ہے :
ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
 عن الاسود عن عائشة قالت قال
 رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اولكم
 من كسبكم وهبة الله لكم محبب لمن يشاء
 انا ثاوي محبب لمن يشاء الله عتق ربي

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے
 اور تمہارے لئے اللہ کی بخشش جس کو چاہتا ہے
 لڑکیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا
 فرماتا ہے :

تشریح :- ماحم صاحب مستدرک بھی یہ حدیث لائے ہیں جو حضرت عائشہ سے مروی ہے
 بہیقی نے بھی اس کو صحیح السند کہا ہے :

ابو حنیفہ عن مکے بن ابراہیم
 عن ابی لہیعة عن ابی قہیل قال سمعت
 اباعبد الرحمن المزنی يقول سمعت ثوبان
 مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم
 يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم
 يقول ما احب انى الدين بما فيها بھذا
 الاية قل يا عبادى الذين اسرفوا على
 انفسهم لا تقنطروا من رحمة الله ان الله
 يغفر الذنوب جميعا فقال رجل ومن اشرك
 فكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال
 ومن اشرك فكت رسول الله صلى الله عليه
 وسلم ثم قال ومن اشرك فكت رسول الله
 صلى الله عليه وسلم ثم قال الا ومن اشرك

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ
 غلام ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پسند نہیں کرتا
 پوری دنیا و مافیہا کو اس آیت کے بدلے میں یعنی
 آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بند و جنہوں
 نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی مت مایوس ہوں
 اللہ کی رحمت سے اللہ تعالیٰ سب گناہ
 بخش دے گا۔ اس پر ایک شخص بولا اور جس نے شرک
 کیا دیار رسول اللہ اس کا کیا حکم ہے؟ آپ غاموش رہے
 پھر اس نے کہا اور جس نے شرک کیا پھر آپ ساکت
 رہے پھر تیسری بار اس نے کہا اور جس نے شرک کیا
 آپ چپ رہے۔ پھر آپ نے فرمایا خبردار ہو اور
 جس نے شرک کیا :

تشریح :- بعض نسخوں میں آیت کے بعد واؤ ہے جس طرح اسی نسخہ میں موجود ہے اور بعض میں
 نہیں ملا علی قاری نے جس نسخہ کی شرح لکھی ہے اس میں واؤ نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہاں آیت
 تنبیہ کے لئے ہو اور واؤ وجہ ساقط ہو گیا ہو۔ اور معنی یہ ہی ہوں کہ خبردار ہو جس نے شرک کیا وہ بھی بخش جائیگا
 یعنی جب وہ شرک سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوگا تو اس کے شرک کے سارے گناہ یک قلم مٹا دیئے جائینگے
 اور بول اس کی بخشش ہوگی۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت تنبیہ کے لئے ہو تو پھر تو معنی اس کے
 بالکل ٹھیک ہیں۔ مگر اکثر نسخوں میں واؤ ہے۔ چنانچہ امام احمد کی روایت میں بھی واؤ مذکور ہے۔ اور بدین
 صورت معنی وہ ہی ہوں گے جو یہاں ہوئے :

ابو حنیفہ عن محمد بن العابدی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب

عن ابی صالح عن ابن عباس ان وحشیاً
لما قتل حمزة بکثرت زمانا ثم وقع فی
قلبه الا سلام فارسل الی رسول الله صلی
الله علیه وسلم انه قد وقع فی قلبه
الا سلام وقد سمعتک تقول عن الله
تعالی -

والذین لا یدعون مع الله الها اخر
ولا یقتلون النفس التي حرم الله الا
بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک
یلق اثاماً یضاعف له العذاب یوم
القیمة ویجلب فیہ مہاتاً -
فافی قد فعلتھن جمیعاً فہل
لی رخصة -

قال فنزل جبریل فقال یا محمد
قل لہ -

الا من تاب وامن وعمل عملاً
صالحاً فاولئک یتبدل الله سیناہم
حسنات وکان الله غفوراً
رحیماً -

قال فارسل رسول الله صلی الله
علیہ وسلم بهذا فلما قرا من
علیہ قال وحشی ان فی ہذا الایة
شروطاً وحشی ان لا اقی بہا ولا
احقق ان اعمل عملاً صالحاً ام لا
فہل عندک شیء الین من ہذا
یا محمد -

قال فنزل جبریل بهذا الایة
ان الله لا یغفر ان یشرک بہ
و یغفر ما دون ذلک لمن

وحشی بن حرب نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔
تو اس کے بعد ایک مدت تک کفر پر رہا پھر اس کے دل
میں اسلام کا خیال آیا تو ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں دیہ پیغام لیکر بھیجا کہ میرے
دل میں اسلام کی محبت گھر گھر گئی ہے اور میں نے سنا ہے
کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں
(ترجمہ آیت) اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور
معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل
کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے
مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے
کام کرے گا تو سزا ہے اس کو ساقیہ پڑے گا۔ دن
قیامت کے اس کا عذاب بڑا یا جائیگا اور وہ اس
عذاب میں ہمیشہ رہیں ذلیل و خوار ہے گا پھر وحشی
کہتا ہے اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو کیا میرے
لئے کوئی چھٹکارہ ہے کی شکل ہے۔ اور کہتے ہیں کہ
پھر حضرت جبریل اترے اور انہوں نے کہا اے
محمد اس سے کہئے (ترجمہ آیت) مگر جو دشمن ہے
توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے
تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی دگدستی بدلوں کو دہرا
نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور اللہ غفور رحیم ہے
راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ آیت وحشی کے پاس بھیج دی جب یہ آیت
وحشی کے پاس پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ اس آیت میں
چند شرطیں ہیں جن کے بارہ میں مجھے خوف ہے کہ
میں انکو انجام نہ دے سکوں گا اور میں یہ تحقیق نہیں
جان سکتا کہ میں نیک عمل کر سکوں گا یا نہیں۔ تو
اے محمد آپ کے پاس اس سے بھی کوئی آسان تر
پہر ہے۔ راوی نے کہا کہ پھر جبریل یہ آیت لیکر
اترے (ترجمہ آیت) بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے

تَشَاءَ -

قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم بهذا الآية وبعث الى وحشى - قال فلما قرأت له قال انه يقول ان الله لا يعجز ان يشرك به ويعجز ما دون ذلك لمن يشاء وان لا ادرى على ان لا اكون في مثيته ان شاء في المعصاة ولو كانت الآية ويعجز ما دون ذلك ولم يقبل لمن شاء كان ذلك فهل عندك شئ اوسع من ذلك يا محمدا فنزل جبريل بهذا الآية قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يعفو الذنوب جميعا انه هو العفو الرحيم قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعث بها الى وحشى فلما قرأت عليه قال اما هذا الآية فتعمر ثم اسلم فارسل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اني قد اسلمت فاذن لي في لقاءك فاسل اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فلا مني وجهك فاني لا استطيع ان ملا عيني من قاتل همتي عني قال فكنت وحشى حتى كتب مسليمة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من مسليمة رسول الله الى محمد رسول الله اما بعد فقد اشركت في الارض فلي نصف الارض ولفن بن نصفها غير ان قرى شاذوم يعتد ون قال فقد ام بكتا بيد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا فلما قرأ

گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ سبکی چاہے گا مغفرت کر دے گا یہ کہ بھی وحشی نے کہا، اور میں نہیں جانتا شاید میں نہ ہوں اللہ کی مشیت میں۔ اگر وہ مغفرت چاہے۔ اگر آیت یوں ہوتی ولعجز ما دون ذلك کہ بخش دے گا۔ اس کے علاوہ گناہوں کو اور لمن يشاء کا اضافہ اللہ تعالیٰ نہ کرتا تو بات ٹھیک ہوتی اور قابل قبول تو اے محمد آپ پاس اس سے بھی وسیع تر کوئی حکم الہی ہے تو حضرت جبریل یہ آیت لے کر اترے قل يا عبادي الذين انعموا علي قال ان الله لا يعجز ان يشرك به ويعجز ما دون ذلك لمن يشاء وان لا ادرى على ان لا اكون في مثيته ان شاء في المعصاة ولو كانت الآية ويعجز ما دون ذلك ولم يقبل لمن شاء كان ذلك فهل عندك شئ اوسع من ذلك يا محمدا فنزل جبريل بهذا الآية قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يعفو الذنوب جميعا انه هو العفو الرحيم قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعث بها الى وحشى فلما قرأت عليه قال اما هذا الآية فتعمر ثم اسلم فارسل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اني قد اسلمت فاذن لي في لقاءك فاسل اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فلا مني وجهك فاني لا استطيع ان ملا عيني من قاتل همتي عني قال فكنت وحشى حتى كتب مسليمة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من مسليمة رسول الله الى محمد رسول الله اما بعد فقد اشركت في الارض فلي نصف الارض ولفن بن نصفها غير ان قرى شاذوم يعتد ون قال فقد ام بكتا بيد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا فلما قرأ

علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الکتاب قال للرسولین لو لا انکما
رسولا ن لقتلتكما ثم دعا بعلی بن ابی
طالب فقال اکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی مسیلة الکذاب
السلام علی من اتبع الهدی اما بعد
فان الارض لله یورثها من یشاء من
عباده والعاقبة للمتقین وصلى الله
على سيدنا محمد

قال فلما بلغ وحشیا ما کتب مسیلة
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اخرج للدراع فصقله وهو یقتل
مسیلة فلم یزل علی عزم ذلك
حتى قتله یوم الیمامة

کے رو برو پڑھا گیا۔ اپنے دونوں قاصدوں سے
فرمایا اگر تم قاصدوں کی حیثیت سے نہ آئے ہو
تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر آپ نے حضرت علی
بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا لکھو بسم اللہ
الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلة کذاب کی
طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اما بعد۔
پس البتہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس
کو چاہتا ہے اس کو اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت
دکی بہتری پر سیرگاہوں کیلئے ہے اور رحمت بھیجے
اللہ ہمارے سرور محمد پر۔ راوی نے کہا کہ جب وحشی
کو خبر ملی۔ اس تحریر کی جو مسیلة نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو لکھی تھی تو اس نے اپنے حربہ کو نکالا۔ اس
کو تیز کیا اور مسیلة کے قتل کا ارادہ مٹان لیا۔ اور اسی
ارادہ میں رہا۔ یہاں تک کہ پیامبر کے دل اس
کو قتل کر ڈالا۔

تشریح :- ارشاد ساری میں بھی ہے اور تفسیر سراج منیر میں بھی کہ جب وحشی کا یہ واقعہ پیش
آیا تو لوگوں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ یہ حکم محض وحشی کے لئے مخصوص ہے یا سب کیلئے تو آپ نے
فرمایا کہ یہ حکم سب مسلمان کو شامل ہے۔ حقیقت میں یہ عبرت کا مقام ہے کہ اسلام کا دامن رحمت و
شفقت کس قدر وسیع ہے کہ جب غلوں دل سے انسان اسلام قبول کر لے تو سارے گناہ یک کلمہ غو
ہو جاتے ہیں خواہ چھوٹے گناہ ہوں خواہ بڑے۔ چنانچہ ان املہ یغفر الذنوب جمیعا کا کھلا پیام
خوشنودی سنایا گیا۔ اور ایمان لانے والے کافر۔ اور مومنین کا دل شاد کیا گیا۔ مگر بالا جماع مغفرت
گناہ کے لئے مشیت ضرط ہے۔ مشیت ہونے کے بعد مومن کے گناہ بلا توبہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شفقت
سے اہل ایمان دوزخ سے نکلیں گے یہاں تک کہ
اس میں کوئی نہیں رہے گا۔ سوائے اس آیت کے
مناہین کے (ترجمہ آیت) کو کسی چیز تم کو دوزخ
میں پہنچ لائی وہ کہیں گے کہ ہم نہ نماز کی گنجائش
کو کھانا کھاتے تھے اور صیٹ کرنے والوں کے ساتھ

الوحیفة من سلمة عن ابی
الزمراء من اصحاب ابن مسعود قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیخرجن
بشناعتی من اهل الایمان من النار
حتى لا یبقی فیہا احد الا اهل هذا
الایة ما سلکم فی سفر قالوا لکربک
من الصلین ولم نک فطعم المسکین وکنا

نحو من مع الخائفين وكننا لكتاب يوم
الدين حتى ائانا اليقين فما تنفعهم
شقاة الشافعين

بحث میں لگے رہتے تھے اور جھٹلاتے تھے قیامت
کے دن کو یہاں تک کہ ہم کو موت نے اگیلا پس نہیں
نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی ساری
شفاعت

وفي رواية عن ابن مسعود قال
يعذاب الله تعالى اقواما من اهل
الايمان ثم يخرجهم بشفاعة محمد
صلى الله عليه وسلم حتى لا يبقى الا
من ذكر الله سبحانه وتعالى ما سللكم في سفر
قالوا لم نك من المصلين ولم نك نعلم المسكين
وكننا نحو من مع الخائفين الى الشافعين

اور ایک روایت میں حضرت ابن مسعود
سے یوں روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عذاب
کا اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے بہت سی قوموں کو
پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ان کو دوزخ
نکالے گا۔ یہاں تک کہ نہیں رہیں گے اس میں مگر
وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا
ما سللكم في سفر قالوا الشافعين

تشریح :- اس حدیث میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کی تشریح ہے۔ یہ حدیث معتزلہ اور
مرجیہ دونوں کے عقائد بالکل کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔ معتزلہ اس خیال کے پیرو ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب
لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی ان کو ہوا تک نہیں ملے گی اور مرجیہ ان کی ضد ہیں۔ وہ اس
خیال کے حامی ہیں کہ جنہوں نے صرف کلمہ پڑھا لیا انہوں نے گو با دوزخ سے بالکل بریت کی سند لکھوا لی۔
پر بعض جنتی ہیں۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ امت مسلمہ کے فاسق و فاجر دوزخ کا عذاب
بجلیں گے۔ پھر آنحضرت کی سفارش سے ایک ایک کر کے دوزخ سے نکلیں گے۔ یہاں تک کہ
اس میں سچے کافر و مشرک ہی رہ جائیں گے۔ جن کا ذکر آیت کریمہ میں کیا گیا ہے

حماد عن ابيه عن سليمان بن كهيل
عن ابن مسعود قال لا يبقى في النار الا
من ذكره الله في هذه الآية ما سللكم
في سفر الى الشافعين

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ
نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی۔ مگر وہ جن کا ذکر
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے ما سللكم
في سفر الى الشافعين

تشریح :- یہ پہلی حدیث کا اختصار ہے
حماد عن ابيه عن عامر عن ابي
صالح قال الحقب ثمانون سنة
منها ستة ايام بعد اكمال
الدنيا

ابی صالح سے مروی ہے کہ آیت لاینین
ینہا عذابا۔ کہ رہیں گے اس میں قرون (حقب
اسی سال سے عبارت ہے جس کے چھ دن تمام
ایام دین کے برابر ہیں

تشریح :- ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یا تو ان چھ ایام سے خلق آسمان و زمین
کے دن مراد ہوں کہ وہ بھی بروئے آیت کریمہ الذی خلق السموات والارض ستایام مرچہ ہی دن ہیں یا

پوری عمر دنیا کے چھ دن کی طرف اشلہ ہو کیونکہ پوری عمر دنیا کی بروئے روایات سات دن کی مانی گئی ہے۔ ہر دن ایک ہزار برس کا اور یو وار دسے کہ سب کے آخر میں وہ نافرمان مسلمان جو دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ وہ سات ہزار برس کے بعد نکالا جائے گا۔ گوہ وہ عمر دنیا کے برابر سزا کاٹ چکے گا۔ اور اس کا بھی حساب لگایا ہے کہ یہ ہماری امت کے جو ہزار سال ختم ہوئے ہیں۔ یہ گوہ با عمر دنیا کا سات دن تھا تو اس حساب سے سات دن پر کچھ کسر ماننی پڑے گی جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ غالباً پانچ سو سے زیادہ کسر نہیں پڑے گی۔ مگر یہ حساب کتاب اخبار غلطی کی سے ہیں۔ جس پر خیر نم و یقین نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ رستی تبتی دنیا کب تک چلے گی۔

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر قال قرأ

علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدق بالحق قال لا الہ الا اللہ

حضرت ابی الزبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلب نے یہ آیت پڑھی گئی وصدق بالحق تو آپ نے فرمایا یہ لا الہ الا اللہ ہے۔

تشریح :- یعنی جو فرمان بارہوی سے فاما من اعطی واتقی وصدق بالحق کہ پس جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سچ مانا اچھی بات کو تو اس میں اچھی بات سے مراد کلمہ تو حید ہے۔ کیونکہ تمام مجلاتوں اور خوبوں کی جڑ دنیا و کلمہ تو حید ہی سے اس کے بغیر کوئی نیکی کارآمد نہیں خواہ داد و دوش ہو۔ خواہ اور کوئی نیکی حسنی کی اور تعمیر یا بھی کتب تعمیر میں وارد ہیں۔ مثلاً فرض عبادات۔ ثواب جنت وغیرہ۔

کتاب الوصایا

وصایا اور فرائض

والفرائض

کابیان

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیمار پڑے کئے تشریف لائے تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے پورے مالی کی اللہ کے واسطے وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس سے اوسے کی بات نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس کے تنہائی کی۔ آپ نے فرمایا کہ جتنا کی بہت ہے مت چھوڑ دینے اہل و

ابو حنیفہ عن عطاء عن ابیہ

عن سعد بن ابی وقاص قال دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجود فی مرض فقلت یا رسول اللہ اوصی بمالی علیہ قال لا۔ قلت فنصفہ۔

قال لا۔

قلت فثلثہ۔

قال فالثلث کثیر لا تمد عاھک

یتکفون الناس :

عیال کو اس حال میں کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ
مچیلانے پھیریں :اور ایک روایت میں ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے پاس بیمار
کیلئے تشریف لائے۔ آپ نے دریافت کیا
کہ تم نے وصیت کی انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے
اپنے پورے مال کی وصیت کی۔ تو پھر آپ اس کو
گھٹاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت سعد نے
ایک تنہائی کے لئے کہا۔ تو آپ نے کہا
کہ ایک تنہائی بھی بہت ہے :ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس
بیمار پرہی کی عرض سے آئے۔ میں
نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے پورے مال کی
وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے
کہا (اچھا) ادھے کی۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے
کہا (اچھا تو) ایک تنہائی کی۔ آپ نے فرمایا ایک
تنہائی۔ اور ایک تنہائی بھی بہت ہے۔ کیونکہ تمہارا
اپنے گھر والوں کو مالدار چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ تم
ان کو فقیر چھوڑو۔ کہ لوگوں کے سامنے سوال کیلئے
ہاتھ مچیلانے پھیریں :تشریح :- حدیث سے معلوم ہوا وصیت ایک تنہائی مال تک جائز ہے۔ نہ اس سے
زائد۔ پھر حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے بھی کم کرنا جائز ہے۔ اور آنحضرت کے الفاظ مذکور
سے دلیل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا والثلث کثیر کہ ایک تنہائی بھی بہت ہے۔ چنانچہ ایک جماعت
اسی خیال کی پیروی ہے۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ثلث سے کم نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر
وصیت کو ایک تنہائی سے بھی کم کرنا جائز ہوتا۔ تو آپ حضرت سعد سے ایک تنہائی سے
بھی کم کراتے۔ پھر بیہقی اپنی سنن میں حضرت ابن عمر سے روایت بدین معنی لائے ہیں کہ حضرت عمر
نے فرمایا وصیت میں ایک تنہائی مال کا درمیانی حصہ ہے نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ :و فی روایۃ ان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم دخل علی سعد
یعود۔
قال اوصیت قال نعم اوصیت
بمالی کلہ فلم یزل رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یناقضہ حتی قال
الثلث والثلث کثیر :و فی روایۃ عن عطاء عن ابیہ
عن جدہ عن سعد قال دخل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یعود فی فقلت یا رسول اللہ اوصی
بمالی کلہ قال لا قلت فبالنصف
قال لا قلت فبالثلث
قال فبالثلث والثلث کثیر
ان تداع اهلك بخیر خیر من
ان تداعهم عالة یتکفون
الناس :

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن

جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال لا یرث المسلم النصرانی الا ان
یکون عبدا وامتہ ۝

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان
نصرانی کا وارث نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ نصرانی اس کا
غلام ہو یا نصرانیہ اس کی باندی ۝

تشریح :- مسلمان اور کافر کے درمیان مسئلہ میراث کی وضاحت یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق
ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ البتہ اس میں ضرور اختلاف ہے کہ آیا مسلمان کافر کا وارث
ہوتا ہے یا نہیں۔ جمہور صحابہ تابعین و ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہی حدیث ہے
یا اس جیسی اور احادیث ہیں کہ ان میں میراث کا صاف انکار ہے سوائے اس صورت کے کہ نصرانی مرد غلام ہو یا نصرانی عورت لونڈی۔
حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہ اور سعید بن جبیرؓ اور مسروقؓ تو میراث کے قائل ہیں اور وہ اس حدیث کو پیش نظر
رکھتے ہیں کہ الاسلام یعدو ولا یعلیٰ کہ اسلام غالب رہتا ہے نہ مغلوب۔ مگر یہ دلیل قوی نہیں
کیونکہ اس حدیث میں محض فضیلت اسلام کا ذکر ہے۔ نہ ارث کا۔ بخلاف احادیث مذہب اول
کے کہ ان میں ارث سے صاف انکار ہے۔ پھر ارشاد ساری میں ہے کہ اگر نصرانی مسلمان کا غلام
ہو تو مسلمان نصرانی کے مرنے کے بعد اس کے مال کا حقدار اس لئے بنتا ہے کہ غلام کا مال اس کی ملک
نہیں۔ وہ دراصل اس کے آقا کا ہے تو گویا مسلمان آقا ہونے کے سبب اس کے مال کا مستحق بنا۔
نہ وارث ہونے کی حیثیت سے ۝

ابو حنیفہ عن طاؤس عن ابن

عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم الحقوا الف الف باہلہا
فما بقی فلا ولی رجل ذکر ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو قسم فرض حقے ان
کے مستحقین کو۔ اور جو بیچ لے لے وہ قریب تر مرد کو
(خواہ وہ بالغ ہو یا بچہ سمجھتی عصیت) ۝

تشریح :- اصحاب الفرض یا ذوی الفروض وہ قرابت دار ہیں جن کے حصے مقرر ہیں اور جن
کا ذکر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں آچکا ہے۔ یہ حصے کل چھ آدھا۔ تہائی۔ اٹھواں ہے۔
دو تہائی۔ ایک تہائی اور چھٹا۔ اور ان کے حقدار یہ ہیں مال۔ باپ۔ میاں۔ بیوی بیٹے بیٹیاں
بھائی۔ بہنیں۔ یہ کل تعداد میں بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں۔ ان کے سچا ہوا حصہ حصہ
لیتے ہیں۔ مزید تفصیل کتب فرائض میں مل سکتی ہے ۝

ابو حنیفہ عن الحکم عن عبد اللہ

بن شداد ان ابنہ لحنۃ اعتقت
مملوکۃ فترك ابنہ فاطمۃ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم الا ابنہ النصف

عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت
حمزہ کی بیٹی نے آزاد کیا ایک غلام کو جس کا نام مرگیا
اور چھوڑ گیا ایک بیٹی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
کی بیٹی کو آدھا حصہ دیا۔ اور حضرت حمزہ کی بیٹی کو

نصف بقایا ۛ

واعطی ابنہ حمزہ النصف ۛ

تشریح :- یہ غلام آزاد کرنے والے بیٹی حضرت عبداللہ بن شداد کی بیٹی کے رشتہ سے ہے۔ یہی تھیں۔ بعض کے نزدیک آزاد کرنے والے خود حمزہ تھے۔ چنانچہ وارفتگی کی روایت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ان کی لڑکی آزاد کرنے والی تھیں۔ نہ وہ خود۔ اس سے اس مسئلہ کا ثبوت ملتا ہے کہ مولیٰ العتاقہ جس کو عصبہ سببہ بھی کہتے ہیں بابر عصیت میراث کا حقدار ہے۔ یہ ذی الارحام پر مقدم مانا جاتا ہے۔ البتہ عصبہ سببہ سے اس کا مرتبہ بعدتر کا ہے۔ پھر حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولیٰ العتاقہ میں مرد ہونے کی شرط نہیں۔ وہ خواہ مرد ہو خواہ عورت اسے حق و لا حاصل ہے ۛ

الْبُحَيْفَةُ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ

الشَّعْبِيِّ عَنْ مَكْرُوفٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الَّذِينَ
يَأْكُلُونَ أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا أَنَّمَا
يَأْكُلُونَ فِي بَطُونِهِمْ نَادًا وَسِيْعَتُونَ
سَعِيرًا ۖ عَدَلَ مِنْكَ مَا يَعْزَلُ
أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ فَلَمْ يَقِرُّ جَوْهًا وَشَقَّ
عَلَيْهِمْ حِفْظُهَا وَخَافُوا الْإِثْمَ عَلَىٰ
أَنْفُسِهِمْ فَنَزَلَتْ الْآيَةُ فَخَفَّفَ
عَلَيْهِمْ ۖ

وَيَسْكَلُوا نَفْسَ مِنَ الْيَسْتَمِي قُلْ
إِصْلَاحٌ تَقْدِيرٌ خَيْرٌ وَأَنْ تَخَالُطُوا هُمْ
الْآيَةُ ۖ

حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ قرآنی
ہیں کہ جب یہ آیت اتری ان الذین یا کلون اموال
الیتامی الظلم (ترجمہ آیت) کہ البتہ جو لوگ یتیموں
کے مال کھاتے ہیں تو وہ کھانے میں اپنے پیٹوں میں گ
اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہونگے۔ تو جو یتیموں
کے مال کی دیکھ بھال وغور وپردہ اختیار کرتے تھے
وہ ان کے مالوں سے بچے اور انکو انہوں نے چھوا
نہیں اور ان پر ان مال کی حفاظت و بھروسہ
کیونکہ وہ اپنے بارہ میں ڈرے کہ کہیں گنہگار نہ ہو
جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت دینا لو ان الذین الیتامی
قل اصلاح لم خیر وان تخالطوهم الایۃ نازل
فرمائی اور یوں ان کی تکلیف کو ہلکا کیا۔ و ترجمہ آیت
اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم تو آپ کہے
کہ ان کے لئے مسکوت کی رعایت بہتر ہے اور
اگر دخر خرچ وغیرہ ہیں) انکے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ
تمہارے بھائی ہیں ۛ

تشریح :- ابو داؤد میں حضرت ابن عباس کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں وارد ہے کہ جب
اللہ تعالیٰ نے ولا تقربوا مال الیتامی الا بالقی ہی احسن وان الذین یا کلون اموال الیتامی
ظلمنا۔ الخ کی آیات اتاری۔ تو جس جس کی سرپرستی میں کوئی یتیم تھا وہ گیا اور یتیم کا کھانا اور پیالے سے
جدا کر دیا۔ تو جب یتیم کا کھانا اس سے بچ جاتا تو ایسا ہی نہ کھاتے دیتے۔ یہاں تک کہ وہ یتیم خود اسکو کھاتا
یا سڑک کر خراب ہو جاتا۔ چنانچہ اس کا ذکر آنحضرت کے رو برو ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں تک
عن الیتامی الخ کی آیت اتار دی۔ لہذا سرپرستوں نے پھر یتیموں کو کھانے پینے میں

اپنے ساتھ شریک کر لیا:

ابو حنیفہ عن محمد بن المنکدر

عن انس بن مالک قال قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم لا یتحر بعد المحرمتشریح: یتیم وہ ہی کہلائے گا کہ جس کا باپ مر گیا ہو۔ اور ابھی وہ بالغ نہ ہوا ہو اور اگر وہ بالغ
ہو گیا تو وہ اصطلاح شرع میں یتیم نہیں:

کتاب القیامۃ

۲۲۹

قیامت کا بیان

اور

جنت کی صفت

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت
حسرت و ندامت کا دن ہے:

صفة الجنة!

ابو حنیفہ عن اسماعیل عن

ابی صالح عن ام ہانی عن رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم قال ان یوم القیمة ذوحسرة
ودائمة:

۵۲۱

تشریح: یہ فرمان نبوی و راصل اس ارشاد خداوندی کی ترجمانی کرتا ہے۔ و انذہم یوم
المحسرة اذ قضی الامر کہ آپ ان کو حسرت کے دن دیوم قیامت سے ڈرائیے جب کہ فیصلہ صادر
کر دیا جائے گا۔ اور حقیقت میں قیامت کے دن کافر و مشرک اور نیز امت محمدیہ کے فاسق قاجر
اپنے پچھلے گناہوں اور گزشتہ بدکرداریوں پر حسرت و افسوس کریں گے۔ پشیمان و نادیم ہوں گے۔
ربخ و صدمہ سے ہاتھ چبائیں گے اور دست حسرت ملیں گے۔ مگر کچھ نہ کر سکیں گے یوں حسرت گواہ
جنت کو بھی ہوگی مگر وہ دوسری شکل کی اور دیگر نوعیت کی کہ حضرت معاذ سے طبرانی و بیہقی میں بدی
الفاظ روایت ہے۔ پس تجسمل هل الجنة یوم القیمة الاعلی ساعت صفت جہم و لویذ کہ اللہ
فیہا کہ بروز قیامت اہل جنت کسی چیز پر حسرت نہیں کریں گے مگر اس ساعت پر جو دنیا میں گزر گئی اور انہوں نے اس میں
اللہ کا ذکر نہیں کیا یہ و راصل حسرت و ندامت نہیں بلکہ زیادتی اجر و ثواب و ترقی مدارج و منازل کا ارمان ہے۔

ابو حنیفہ عن اسماعیل عن

ابی صالح عن ام ہانی عن رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم قال ان القیمة ذوحسرة و
ندامة:

۵۲۲

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت
حسرت و ندامت کا دن ہے:

الْبُحَيْفَةُ عَنْ إسماعيل عن أبي
مالك عن أم هانئ قالت قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم إن الله خلق من
الجنة مدينة من مسك اذخر ماؤها
السلسيل وشجرها خلقت من نور
فيها حور حسان على كل واحدة
سبعون ذؤابة لوان واحدة منها
أشرفت في الأرض لا مناعت ما بين
المشرق والمغرب ولما كانت من طيب
ما يحيا ما بين السماء والأرض من
فقالوا يا رسول الله لمن هذا قال
لمن كان سمي في التقاضى :

وفي رواية قال لوان واحدة
من الحور العين أشرفت لا مناعت
ما بين المشرق والمغرب ولما كانت
ما بين السماء والأرض من
طيبها :

وفي رواية قالت قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم إن الله خلق
خلقت من مسك اذخر معلقة
تحت العرش وثمن من النور ماؤها
السلسيل وحور عينها خلقت من
نبات الجنان على كل واحدة منهن
سبعون ذؤابة لوان واحدة منهن
خلقت في المشرق لا مناعت أهل
المغرب :

تشریح :- جنت احوال جنت کے بارگاہی اور احادیث میں خطیب اپنی تاریخ میں حضرت

حضرت ام بانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے جنت میں ایک شہر مشک اذخر کا پیدا فرمایا ہے
جس کا پانی سلسیل سے اور اس کے درخت نور سے
بنے ہوئے ہیں جس میں حوریں ہیں خوش جمال کران ہیں
ہر ایک کی ستر زلفیں ہیں (مینڈھیں)۔ اگر ان میں سے
ایک بھی زمین میں نور افگن ہو تو زمین کو مشرق سے
لے کر مغرب تک روشنی سے چمک دے اور آسمان و
زمین کے درمیان پوری فضا کو اپنی مست خوشبو
سے مہکا دے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ
یہ کس کے لئے ہے آپ نے فرمایا اس کے لئے
جو قرض کے تقاضے میں نرم دل ہو۔
اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے
فرمایا کہ ان حور عین میں سے اگر ایک بھی عالم ظہور
میں آجائے تو زمین کے مشرق و مغرب کا درمیان
حسہ پورا کا پورا جگہ اٹھے اور آسمان و زمین کا
درمیان خلاء پورا اس کی مہک سے بھر کر معطر
ہو جائے :

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام بانی
کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ایک شہر ہے جس کی خلقت
مشک اذخر سے ہوئی ہے لٹکا ہوا ہے عرش
کے نیچے۔ اس کا درخت نور سے ہے اور اس
کا پانی سلسیل اس کے حور عین کی پیدائش جنت
کی گھاس ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی
ستر زلفیں ہیں (مینڈھیں) کہ اگر ایک بھی
ان میں سے مشرق میں لٹکا دی جائے تو البتہ اہل
مغرب تک کو منور کر دے :

تشریح :- جنت احوال جنت کے بارگاہی اور احادیث میں خطیب اپنی تاریخ میں حضرت

انس سے باہر معنی حدیث مرفوع لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت زعفران سے ہوئی ہے۔ طبرانی بھی کبیر میں اسی طرح کی حدیث لائے ہیں۔ ابن مردودہ حضرت عائشہ سے حدیث لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت تسبیح ملائکہ سے ہے۔ طبرانی حضرت سعید بن عامر سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین پر اپنی روشنی ڈالے تو زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج و چاند اپنی روشنی چھوڑ بیٹھیں حضرت علامہ غزالی منہاج العابدین میں یہ قصہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمہ کے بعض شاگردوں نے آپ کے کہا کہ حضرت آپ مسائل دینی کی تحقیقات اور اجتہاد کاوشوں میں اس قدر سخت منہمک و مصروف ہیں کہ آپ کی ظاہری حالت نرا قابل انسو سے مگر قدرے اپنی محنت کم کہیں اور دینی مصروفیتوں کو گھٹائیں تو بھی ہمارے خیال ناقص ہیں کام چل سکتا ہے۔ اس پر سفیان ثوری فرماتے لگے کہ میں اپنی جان کو علمی تحقیقات میں کیوں نہ کھپاؤں جب کہ مجھے یہ روایت پہنچ چکی ہے کہ اہل جنت جنت میں اپنے اپنے کاشانوں میں ہوں گے کہ یکا یک ایک زبردست نور تجلی نکلے ہو گا۔ جس سے آکھٹوں جنتین جگمگا اٹھیں گی۔ لا محالہ اہل جنت یہ ہی خیال کریں گے کہ ذات باری کے نور کی تجلی ہے۔ چنانچہ سب اس کی سلسلے سے بسجود ہوں گے تو غیب سے آواز آئے گی کہ اپنے اپنے سراٹھاؤ۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہ نور رب نہیں یہ تو جنت کی ایک جاریہ کا نور تھا۔ جو اپنے زوج کے سامنے ہنس پڑی تھی۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو اس جنت میں جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یارب العالمین ۝

قال جامعہ الشیخ المحقق العلامة
الفہامة مولانا الشیخ محمد عابد السندی
الانصاری ہذا الخبر ما وجدنا من رواية
المحقق فی مسند الامام الاعظم
ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ والحمد للہ الذی
عمدناہ علی العباد والصلوة علی
رسولہ محمد المصطفیٰ وعلی الہ و
اصحابہ الامجاد۔ فقط ۝

اس سند کے جامع و مرتب شیخ محقق علامہ
فہامہ مولانا شیخ محمد عابد سندھی انصاری نے
کہا کہ یہ آخری روایت ہے جو مجھے حضرت امام
اعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں
بروایت ملی۔ اور سب تصریف اللہ کے لئے
ہے۔ جس کے انعامات سب کو شامل ہیں اور درود
ہو اس کے برگزیدہ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
پر اور انکی برگزیدہ اولاد و اصحاب پر۔ فقط ۝

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ



شرح صحیح مسلم

(جلد ۷)

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

اس صدی کی بہترین شرح جس میں عصر حاضر کے جدید مسائل کا محققانہ حل پیش کیا گیا ہے۔

● یہ شرح قارئین کو دوسری شرح کے بے نیاز کرے گی۔

سنن ابو داؤد شریف مترجم

امام ابو داؤد سیمان بن اشعث بختانی، حرانہ (جلد ۳)
مترجم: مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری

سنن نسائی مترجم

(جلد ۳)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن نبیب بن علی بن بحر نسائی
ترجمہ مولانا دوست محمد شاہ مولانا حافظ محمد عبد اللہ قادری

مشکوٰۃ شریف مترجم

(جلد ۳)

امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ
مترجم: فاضل شہیر مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری

بخاری شریف مترجم

(جلد ۳)

امام الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ
مترجم: مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری

جامع ترمذی مترجم مع شمائل ترمذی

(جلد ۲)

محدث جلیل امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ
مترجم: مولانا علامہ محمد صدیق سعیدی ہزاروی

طحاوی شریف مترجم

مع خلاصہ مضامین
(سیٹ چار جلد پر مشتمل)

محدث جلیل امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی کھنکی، رومہ
مترجم: علامہ محمد صدیق ہزاروی مترجم ترمذی شریف راضی الضامین
تقدیم: علامہ غلام رسول سعیدی شارح مسلم شریف

ریاض الضائقین مترجم

(جلد ۲)

شیخ الاسلام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی
مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہ
تقدیم: محمد عبد الحکیم شرف قادری

سنن ابن ماجہ مترجم

(جلد ۲)

امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربیع القزوی رحمۃ اللہ
مترجم: مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری

○ دیگر مطبوعات کے فہرست کے لیے جوابیے لفظ ارسال فرمائیے

۳۱۲۱۷۳
۷۲۲۲۸۹۹

۳۸ اردو بازار لاہور

فریدیکسٹال

marfat.com

Marfat.com

فریدیکٹ سٹال اردو بازار لاہور

Marfat.com

فہرست مطبوعات

فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

قرآنی پارے اول تا دہم اور تیسواں پارہ ہر پارہ ۸۰ صفحات۔ سائز ۱۸x۲۳ جلی قلم	خطبات اول دوم مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی	ہمارا اسلام مکمل نوحہ دو جلدوں میں از مفتی محمد خلیل خاں
بخاری شریف مکمل ۲ جلد مترجم اختر شاہ بھما پوری	خطیب " " " " " " " " " " " "	سنی بہشتی زیور (مفتی محمد خلیل خاں برکاتی)
سنن ابن ماجہ شریف مکمل دو جلد " " " " " " " " " " " "	واعظ اول تا چہام " " " " " " " " " " " "	حکایات رضویہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی
سنن ابوداؤد شریف زیر طبع " " " " " " " " " " " "	مفید الواعظین " " " " " " " " " " " "	سبع سنابل اردو مترجم مفتی محمد خلیل خاں قادری
موطا امام مالک " " " " " " " " " " " "	آنا جانا نور کا " " " " " " " " " " " "	تفسیر سورہ نور (چادور اور چار دیواری) مفتی محمد خلیل خاں برکاتی
ترمذی شریف مکمل دو جلد مترجم مولانا محمد صدیق ہزاروی	عورتوں کی حکایات " " " " " " " " " " " "	عقائد الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی مترجم " " " " " "
اشعۃ اللمعات جلد اول دوم مترجم مولانا محمد سعید نقشبندی	سچی حکایات اول تا پنجم " " " " " " " " " " " "	الصلوۃ تصنیف " " " " " " " " " " " "
سنن نسائی شریف مترجم دوست محمد شاہ حافظ عبد الستار	مثنوی کی حکایات " " " " " " " " " " " "	نور علی نور ترجمہ سراج العورات " " " " " " " " " " " "
مرآۃ التصانیف حافظ عبد الستار قادری	شیطان کی حکایات " " " " " " " " " " " "	اسلام اور عصری ایجادات مترجم: احمد میاں برکاتی
مسند امام اعظم مترجم: دوست محمد شاہ کرسیا لوی	عبائب الحیوانات (جانوروں کی دنیا) " " " " " " " " " " " "	تذکرہ اولیائے یک و ہند از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
الوفاء وسیرت سید الانبیاء امام ابن جوزی	سنی علماء کی حکایات از مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی	معین الدنہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
سیرت رسول عربی از علامہ نور بخش توکلی	نماز حنفی مدتل (فقہ اعظم کوٹلوی) جلد پارچہ	دہلی کے بامیں خواجہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
منتخب حدیثیں از مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی	دلائل المسائل فقہ اعظم کوٹلوی	دیوان حافظ مترجم: قاضی سجاد حسین
سیرت مصطفیٰ " " " " " " " " " " " "	فقہ الفقہ از فقہ اعظم کوٹلوی	مثنوی مولانا روم مترجم: قاضی سجاد حسین مکمل ۶ جلد
فتاویٰ عالمگیری فقہ اسلامی کا مستند ترین ذخیرہ مکمل جلد	توضیح البیان الخرائن العرفان از علامہ غلام رسول سعیدی	قائد اللغات مولف: البونیم عبد الحکیم خاں نشر جانہ صری
کوثر الخیرات فیخ الحیث علامہ محمد اشرف سیالوی	تذکرۃ المحدثین " " " " " " " " " " " "	اخبار التنزیل تالیف: مولانا محمد اسماعیل
نسیم رحمت علامہ مشتاق احمد نظامی	ذکر بالجہر علامہ غلام رسول سعیدی	۱۲ تقریریں از علامہ محمد شریف نوری قصوری
تجلی الیقین از العظمت امام احمد رضا خاں بریلوی	مقالات سعیدی " " " " " " " " " " " "	تذکرہ غوثیہ سید غوث علی شاہ قلند قادری کے ملفوظات
ملفوظات العظمت امام احمد رضا بریلوی	مقیاس نور مولانا محمد عمر چھوڑی	شمع شبستان رضا (مکمل ۴ حصے)
روحوں کی دنیا احیاء الموات فی بیان الاموات از العظمت بریلوی	روشنی کی طرف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	روح تصوف از سید خورشید احمد گیلانی
انگوٹھے چومیتے اعلیٰ حضرت بریلوی	ارشادات مجدد مرتبہ: میاں جمیل احمد شرچوری	نور ربانی فی مدح المحبوب السجانی از مولانا غلام قادر بھیردی
الخصائص الکبریٰ دو جلد مترجم راجا رشید محمود ایم اے	الامن والاعلیٰ از العظمت بریلوی	سر الخاطر الفاطر فی ندایا شیخ عبدالقادر از مولانا احمد علی بٹالوی
فتوح الغیب مترجم راجا رشید محمود ایم اے	حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	طب روحانی مع خواص القرآن از مولانا محمد ابراہیم دہلوی
حدیث شوق از " " " " " " " " " " " "	زلف و زنجیر اول دوم علامہ ارشد قادری	عظیم نبی کی عظیم دعائیں مرتب سید حامد لطیف چشتی
	الفاروق علامہ شبلی نعمانی جلد ڈسٹ کور	ذکر حسین رضی اللہ عنہما مولف: محمد ناصر علی
	مرقع کلیمی شاہ کلیم اللہ جہان آبادی	